

READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
کراچی
سچی کہانیاں
November
2015
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
بے مثال اداکارہ "صنم بلوچ"
WWW.PAKSOCIETY.COM
READING
Section
☆ "مسئلہ یہ ہے" قرآنی آیات کی روشنی میں آپ کے مسائل کا حل
☆ ایم اے راحت اور کاشی چوہان کے تہلکہ خیز ناول
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ماہنامہ
سچی کہانیاں
کراچی

E-mail:pearlpublications@hotmail.com

بانی سہام مرزا



مدیرہ اعلیٰ : منزہ سہام

مدیر : کاشی چوہان/دانیال شمسی

MEMBER APNS CPNE	رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

خط وکتابت کا پتا: 88-C II فرسٹ فلور خیابانِ جامی کمرشل ڈیفنس فیز-7، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، کراچی

منیجر مارکیٹنگ

021-35893121

منیجر سرکولیشن

0333-2269932

انکم ٹیکس ایڈوائزر

مخدوم اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹس)

رابطے کے لیے

021-35893122

021-35893123

قیمت فی شمارہ: 60 روپے ✲ جلد: 32 - شمارہ: 11 ✲ نومبر: 2015ء

ایڈیٹر، پبلشر: منزہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

پرل پبلی کیشنز کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ دوشیزہ اور سچی کہانیاں میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع ونقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More



021-35893121-358 / پرنٹر: جام محمد ... پرنٹرز ... کراچی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More



زر سالانہ بذریعہ رجسٹری پاکستان 890 روپے افریقہ 65 ڈالر کینیڈا آسٹریلیا 65 ڈالر ایشیا یورپ 55 ڈالر / قانونی مشیر جی ایم بھٹو ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

دُنیا میں کس جگہ

سچّی کہانیاں کے چرچے نہیں

اِس لیے کہ "سچّی کہانیاں" کے مصنّفین پیشہ ور لکھنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کی حقیقتوں اور سچّائیوں کو برتتے، دیکھتے، محسوس کرتے اور ہمیں لکھ بھیجتے ہیں۔ "سچّی کہانیاں" کے قارئین وہ ہیں جو سچّائیوں کے متلاشی اور انھیں قبول کرنے والے ہیں

یہی وجہ ہے کہ "سچّی کہانیاں" پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا اپنی نوعیت کا واحد ڈائجسٹ ہے "سچّی کہانیاں" میں آپ بیتیاں، جگ بیتیاں، اعترافات، جُرم و سزا کی کہانیاں، ناقابلِ یقین کہانیاں، دلچسپ و سنسنی خیز سلسلوں کے علاوہ مسئلہ یہ ہے اور قارئین و مدیر کے درمیان دلچسپ نوک جھونک احوال۔ سب کچھ جو زندگی میں ہے وہ "سچّی کہانیاں" میں ہے۔

پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا — اپنی نوعیت کا واحد جریدہ

ماہنامہ سچی کہانیاں، پرل پبلی کیشنز : 88-C-II فرسٹ فلور۔ خیابان جامی کمرشل۔
ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی
فون نمبر: 021-35893121-35893122
ای میل : pearlpublications@hotmail.com

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

معجزہ

میں اپنے تمام پڑھنے والوں کو نئے سال کی مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ اِس دعا کے ساتھ کہ یہ نیا سال ہم سب کی زندگیوں میں روشنیوں کے جھلملاتے ستارے بھر دے۔ کسی کی زندگی میں کوئی غم، کوئی دکھ نہ آئے...... جن لوگوں نے گزرے سال اپنے پیاروں کو کھویا، اللہ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ میری دعا ہے کہ یہ نیا سال میرے وطن کے لیے خوشیوں کے پیغام لائے۔ میرے اہلِ وطن اِس نئے سال اور اِس کے بعد آنے والے ہر سال میں صرف امن و آشتی کی راہ کے مسافر ہوں۔ بس چین ہی چین ہو۔ پاکستانی بہت دکھ اٹھا چکے، بڑے بڑے سانحات سے گزر چکے، کرب کے لمحے بھی صدیوں کی طوالت رکھتے ہیں پھر ہم تو برسہا برس سے یقینی اور بے یقینی کے درمیان معلق ہیں۔ میری دعا ہے کہ میرا رب ہمارے گناہوں کو معاف کر کے ہم پر بھی نظرِ کرم فرمائے۔ ہم حضرت محمد ﷺ کے اُمتی، اُن کے نام لیوا، اُن کے لیے باعثِ ندامت نہ ہوں بلکہ باعثِ فخر ہوں۔ پل صراط کے اُس پار جب وہ ہمارے منتظر ہوں تو ہم گڑھے میں گرنے کے بجائے اُن تک پہنچ سکیں۔ اے سارے جہانوں کے مالک! ہمیں بخش دے۔ ہم بھی تیری بنائی ہوئی دنیا کی خوشیوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔ کوئی پاکستانی اب لاپتا نہ ہو...... انصاف کے حصول کے لیے جان نہ دینی پڑے، پیٹ بھر غذا میسر ہو، سر پر اپنی چھت ہو اور انصاف کا بول بالا ہو...... یا اللہ! معجزے آج بھی ہوتے ہیں۔ یہ معجزہ بھی عطا کر دے۔

منزہ سہام

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

احوال

قارئین کے درمیان رابطہ، آپ کے خطوط اور اُن کے جواب

پیارے ساتھیو!

کیسے کیسے ہیں؟ آپ سے ملاقات کے تیس دن تو اس طرح گزر رہے ہیں جیسے ابھی دو ہی دن ہوئے ہوں۔ مگر پیارو! کیا کریں۔ یہ دو دن بڑے محنت طلب ہوتے ہیں۔ سچ پوچھیں تو وہ جو کہتے ہیں نا کہ 'زندگی چار دن کی ہے' تو یہ حقیقت ہے۔ چار دن میں ہی سب کچھ سمٹ جاتا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ اُسے ہر دن کچھ نیا کرنا ہے۔ ہمیں اشرف المخلوقات بنایا ہے تو ہم اُس کی بہترین تخلیق ہوئے۔ یہ روزانہ شاہ کو گدا اور گدا کو شاہ بنا دینا، جھونپڑی والے کو محل عطا کر دینا، خالی جیب والے کا گرینڈ بمپر پرائز نکال دینا، چور چور ہڈی لیے مریض کو پھر سے چلتا کر دینا، ایک عام ورکر کا حج میں، عمرے میں نام نکل آنا، اچانک سے بحری، بری اور فضائی سفر میں آدمی کا عازم سفر ہو جانا۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ سب اللہ کے نئے کام ہیں، جو وہ ہم سے کرواتا ہے۔ 30 ستمبر کو ہمارے ساتھ ایک ایسا حادثہ ہوا کہ موت دو قدم پر نظر آئی...... لہولہان وجود لیے امید کا کاسہ ہاتھ میں تھا اور...... یہ خدا کا نیا کام ہی تھا کہ ہفتہ دس دن میں پھر سے میں اپنے پیاروں کے بیچ اُسی توانائی کے ساتھ موجود ہوں۔ اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے اپنے پیاروں کی دعاؤں سے شفا اور صحت نصیب ہوئی۔ زخم یوں لگا جیسے جادو سے بھر گئے۔ خوش رہیے۔ زندگی چار دن کی ہے۔ جیو اور جینے دو۔ آیئے اب آتے ہیں اپنے پیاروں کے خطوط کی جانب۔ یہ پہلی حاضری ہے عرصے بعد ہماری بہت پیاری لکھاری ساتھی حنا بشریٰ کی لاہور سے، لکھتی ہیں۔ عقیدتوں کا سفر پڑھ کر واقعی روح میں سکون اُتر گیا۔ ایمان کو تازہ کرنے والی کہانیاں تھیں۔ مجرم کون، داری، دیکھتی آنکھیں، ابا کی بختاور، کینسر، پاسٹ واقعی لاجواب تھیں۔ جیت زیبا بدر کی کہانی واقعی خاص تھی۔ عزت دار اور کتے کی موت بے حد عبرت ناک کہانیاں تھیں۔ ارم ناز نے بے حد اچھا لکھا۔ فرزانہ نگہت کی انصاف' مجید احمد جائی کی نرالے یہ بھید ہیں' نبیل جاوید کی روگ عمر بھر کا ہے۔ بہت سبق آموز تحریریں تھیں۔ پگلی راشد لطیف کی تحریر بھی متاثر کن تھی۔ حکایتیں تمام کی تمام بہترین تھیں۔ سماج سیوا' موسمی پرندے' ڈھونڈو گے ہمیں' مرد کہانیوں نے بھی اپنا خوب رنگ جمایا۔ جاوید راہی صاحب اور ممتاز احمد صاحب تو ہمیشہ بہترین تحریر ہی لاتے ہیں۔ سب نے بہت اچھا لکھا سب نے بہت محنت کی' کاشی بھیا زہر عشق بہترین انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ سچی کہانیاں ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ گڈی آپا کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ اُن کی مغفرت فرمائے اور اُن کے سوگواران کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین) آخر میں ایک اہم بات میں نے تمام خطوط بے حد غور سے پڑھے کہ کسی میں لڑائی جھگڑا تو نہیں تنقید ہو رہی ہے یا تذلیل ہو رہی ہے۔ مگر پڑھ کر بے حد سکون حاصل ہوا کہ تمام خطوط بے حد محبت سے لکھے گئے۔ سب پڑھنے والوں اور لکھنے والوں سے میری گزارش ہے کہ تنقید

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

صرف اصلاح کے لیے کی جائے نہ کہ حوصلہ شکنی کے لیے کیونکہ ہم سب ایک دوسرے کا حوصلہ ہیں۔ ایک دوسرے کی ہمت ہیں۔ کاشی بھیا اللہ آپ کو سلامت رکھے اور دین و دنیا کی بے حد کامیابیاں عطا فرمائے (آمین) اب اجازت۔

☆: پیاری بہن! سلامت رہو! تبصرے کا شکریہ۔ اگلے ماہ کے تبصرے کا انتظار تمہارا بھائی ابھی سے کررہا ہے۔

✉: سرگودھا سے ہمارے بہت پیارے اور معصوم لکھاری ممتاز احمد لکھتے ہیں۔ کاشی بھیا آپ کے ایکسیڈنٹ کا سن کر بہت دکھ ہوا اور شاک لگا۔ اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے اُس نے آپ کو محفوظ رکھا۔ اللہ پاک آپ کو جلد از جلد صحت یابی و تندرستی عطا فرمائے آمین۔ اکتوبر کا شمارہ عید کے فوراً بعد مل گیا۔ بین الاقوامی حالات کے تناظر میں منزہ سہام کا اداریہ 'بدنصیب کون' دل کو مغموم کرگیا۔ فکر انگیز اور شاندار الفاظ کے ساتھ کاشی نے احوال کا آغاز کیا۔ جی پیارے کاشی بھیا سب سے پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ کو ایسا کیوں لگا کہ میں آپ کا ممتاز نہیں؟ جی جناب میں وہی ممتاز ہوں جو پہلے تھا اور انشاء اللہ وہی رہوں گا۔ پیار، خلوص اور محبتیں بانٹنے والا۔ محترمہ زرینہ جونیجو احوال میں کرسی صدارت پر رونق افروز تھیں۔ آپ طویل غیر حاضری کے بعد آئیں تو پلیز اب آئندہ غیر حاضری نہیں چلے گی۔ محترمہ تحسین جونیجو اپنے شاندار تبصرے کے ساتھ دوسرے نمبر پر احوال کو رونق بخش رہی تھیں۔ آپ کی حاضری بھی ریگولر ہونی چاہیے۔ محترمہ روبینہ ناز روبی صاحبہ فیصل آباد سے پندرہ سال بعد احوال میں تشریف لائیں خوش آمدید۔ آپ کی آمد سے احوال کی رونق بڑھ گئی ہے۔ آپ نے مجھ ناچیز کو خوبصورت الفاظ سے یاد کیا آپ کا بہت شکریہ۔ آپ کی شاعری بہت پسند آئی۔ پیاری سی معصوم سی چھوٹی بہن صائمہ سحر وعلیکم السلام پیاری بہنا ہم آپ کو نہیں بھولے۔ آپ نے شادی کے بعد سچی کہانیاں سے رابطہ ہی ختم کردیا تھا۔ تین سال بعد آپ کی آمد بہت بھلی لگی۔ علی پور کے محمد جاوید پہلی بار شاندار تبصرے کے ساتھ احوال میں آئے۔ جی آیاں نوں۔ بھائی اشفاق شاہین خط پسند کرنے کا شکریہ۔ برادرم مقصود احمد بلوچ صاحب اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں آپ سنائیں کیسے مزاج ہیں۔ جناب آپ کو نہیں بھولا آپ خود بہت عرصہ سچی کہانیاں سے غیر حاضر رہے ہیں۔ آپ کو میری اسٹوری پسند آئی بہت شکریہ۔ ریحانہ نسیم صاحبہ آپ کا خط اور اسٹوری دونوں ہی لاجواب ہوتے ہیں۔ سجدہ صابر احوال میں ویلکم کہانی پسند کرنے کا شکریہ۔ شاہد رفیق سہو پرویز سہو اور فہد سہو آپ سب کیسے ہو؟ آپ بہت پیار، عزت احترام دیتے ہو سدا خوش رہو۔ مس منزل خان وعلیکم السلام آپ سے گزارش ہے کہ اب احوال سے غیر حاضری نہیں ہونی چاہیے۔ باجی صائمہ کہانی پسند کرنے کا شکریہ۔ علی حسنین تابش کیسے

برائے قانونی مشاورت

جی ایم بھٹو لاء ایسوسی ایٹس

ایڈووکیٹ اینڈ اٹارنیز

رابطہ: 021-35893121-35893122

Cell:0321-9233256

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہو؟ یار آپ خط بہت اچھا لکھتے ہو۔ ثمینہ شہزادی' ایم یعقوب' آپا مسز نوید ہاشمی' سدرہ انور علی' ارم خان' ملازم حسین' عبدالغفار عابد' محترم ڈاکٹر خادم حسین کھیڑا' راشد لطیف' مجید احمد جائی' صائمہ مجید' فیصل ندیم بھٹی' ابو ہریرہ بلوچ' نبیل جاوید' آپ سب کا تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں کہ آپ نے میری اسٹوری کو اپنی پسندیدگی کی سند سے نوازا میری حوصلہ افزائی اور عزت افزائی کی بہت شکریہ۔ برادرم رانا حبیب الرحمن صاحب میری دلی دعا ہے اللہ کریم آپ کو قید سے جلد از جلد رہائی نصیب فرمائے آمین آپ کو میرا خط اور اسٹوری اچھی لگی بہت شکریہ۔ ثمینہ ناز دعا ہے اللہ پاک آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔ پیر نوید صاحب' کنول عمران خان' اُمِ عادل' غزالہ شاہین' شائستہ جمال اور مور شاہد حسین آپ سب لوگ کہاں ہیں؟ پلیز جلدی سے احوال کی رونق بڑھائیں آپ سب کے بغیر محفل ادھوری ہے۔ منشی عزیز مئے اس ماہ پھر غائب ہیں کیوں جی......؟ لائف بوائے حقیقی خوشیاں لائے بے مثال کہانی تھی۔ کاروانِ حجاز' اور حجاز میں چودہ دن پڑھ کر ایمان تازہ ہوگیا۔ بصارت کو تازگی اور روح کو پاکیزگی ملی۔ سبحان اللہ مجھے اپنے وہ اکیس دن کا ایک ایک لمحہ اور گھڑی یاد آگئی جب اللہ کریم نے پچھلے سال مجھ گنہگار کو عمرہ کی ادائیگی کی سعادت بخشی تھی۔ سید ملازم حسین شیزاری کی' مجرم کون' اچھوتی کہانی تھی۔ محترم سلیم اختر صاحب کی' داری' بہت شاندار کہانی تھی۔ دیکھتی آنکھیں، ابا کی بختاور' انصاف دل کو چھو لینے والی کہانیاں تھیں۔ مجید احمد جائی حسب سابق اس بار بھی ایک بہترین کہانی' نرالے یہ بھید ہیں' لے کر آئے۔ بہت خوب' نبیل جاوید نے' روگ عمر بھر کا ہے' میں اپنے قلم کا خوب جادو جگایا۔ کینسر' پاسٹ' عزت دار' پگلی' صدقہ' وڈیری' جیت' سماج سیوا' موسمی پرندے ڈھونڈو گے ہمیں' مفرور بہترین کہانیاں تھیں۔ بہت پسند آئیں۔ (تحسین اختر) گڈی آپا قلم قبیلے کا ایک چراغ گل ہوگیا۔ آفتاب ادب پر چمکنے والا ایک درخشاں ستارہ ڈوب گیا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ انشاء اللہ اگلے ماہ حاضری ہوگی اگر زندگی نے وفا کی تو۔

☆: پیارے بھائی! اب بات بنی نا۔ طاب آپ ہمارے وہی ممتاز ہو جو سب میں ممتاز رہتا ہے۔ خوش رہو۔

✉: شادی وال' گجرات سے یہ احوال میں آمد ہے ہماری بہن عائشہ نور عاشا کی لکھتی ہیں۔ مجھے یقین ہے آپ میں سے کسی نے بھی مجھے یاد نہیں کیا ہوگا اور تو اور کاشی بھیا کو بھی میرا نام بھی اَن سنا سا لگ رہا ہوگا۔ (ارے......لڑکی ہم پہ کیوں الزام لگاتی ہو۔) پھر بھی میں حاضر ہوں کیونکہ' سچی کہانیاں' کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ کاشی بھیا میں ناراض ہوں آپ سے، ابھی ابھی ستمبر کا شمارہ دیکھا ہے ان فیکٹ ابھی بھی سچی کہانیاں میرے لیپ ٹاپ پر کھلا ہوا ہے اور میں خط لکھ رہی ہوں۔ اپنا نام ہر جگہ غائب پا کر بڑا موڈ خراب ہوا۔ میں نے تین کہانیاں اور شاعری بھیجی تھی اس کے علاوہ خط پوسٹ نہ کرسکی تو ای میل بھی کی مگر کچھ دیکھنے کو نہیں ملا۔ اور سخن آباد آج کل کہاں غائب ہے اور پلیز میری ای میل شامل کرلیا کریں کیونکہ ڈائجسٹ مجھے دیر سے ملتا ہے اور پھر پڑھ کر ہی اچھا تبصرہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر میں ای میل کر دیا کروں تو کیا آپ شامل کرسکتے ہیں (بالکل) اور ایک سچ یہ ہے کہ جب سے میں نے یہ ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا ہے دوسروں کے دکھ میں شریک ہونے کی ہمت آگئی ہے مجھ میں، ورنہ میں تو کسی سے بات تک نہ کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارا پیارا سچی کہانیاں ڈائجسٹ ہمیشہ سلامت رہے اور کامیابیاں اس کے قدم چومیں

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

مبارک باد

ہماری سینئر لکھاری محترمہ الماس روحی صاحبہ نے حال ہی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے، قلم قبیلے کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ ادارہ الماس روحی کے اس اعزاز پر انہیں مبارک باد پیش کرتا ہے اور اُن کی ترقی کے لیے دعا گو ہے۔

☆: پیاری عائشہ! تمہاری کہانی زیرِ غور ہے۔ رہی بات شاعری کی تو وہ تم نے دوشیزہ کے لیے بھیجی تھی۔ اب کرو شکوہ اور ہاں...... پیاری گڑیا تمہارا پوسٹ کیا ہوا خط ملا شائع ہو گیا۔ ای میل لیٹر نہ ملا سو...... امید ہے تسلی ہو گئی ہو گی۔

✉: کراچی سے ہماری نئی لکھاری ساتھی سعدیہ عابد رقم طراز ہیں۔ میں آپ کی بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے دوشیزہ اور سچی کہانیاں کا ستمبر کا شمارہ ارسال کیا۔ آپ کی رہنمائی اور مشورے کے بعد ایک سچی کہانی ارسال کر رہی ہوں اس امید کے ساتھ کہ اس کی نوک پلک سنوار کر اسے سچی کہانیاں کی قریبی اشاعت میں جگہ دی جائے۔ آپ کی طرف سے مثبت جواب کی منتظر۔

☆: اچھی سعدیہ! تمہاری کہانی پڑھ کر جلد مطلع کر دیا جائے گا۔ سعدیہ! ذرا یہ تو بتاؤ پرچہ پڑھ کر تبصرہ کیوں نہیں کیا؟ اگلے ماہ مجھے پرچے پر بھرپور تبصرہ چاہیے۔ امید ہے بھروسہ قائم رہے گا۔

✉: لیجیے ساتھیو! یہ آمد ہے ملکہ احوال تحسین جو نیجو کی خیر پور ناتھن شاہ، بورڑی شریف سے لکھتی ہیں۔ منزہ آپی اپنے اداریے میں ایک سوال لے کر آئی ہیں 'بدنصیب کون؟' اب ہم پہنچے احوال میں جہاں اپنے بھیا محفل احوال سجائے بیٹھے ہیں۔ واہ جی محفل کی رونق تو ماشاء اللہ عروج پر ہے۔ نئے نئے چہرے دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ محترمہ صائمہ بشیر بڑی نوازش جی گلاب کی پتیوں سے ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ارے یہ کیا دیکھ رہی ہوں یہ تو اپنی جانی پہچانی آپی کی آمد ہے دل سرشار ہوا اسید و حجاب فاطمہ آپی خوش رہیں۔ ایم یعقوب صاحب بہت شکریہ خوش رہیے۔ محترمہ مسز نوید ہاشمی بے حد ممنون ہوں سلامتی ہو۔ پیاری سدرہ انور علی لو جی ما بدولت حاضر ہیں۔ ٹیلی فون ملاقات بہت اچھی لگی خوشی ہوئی، خوش رہو۔ ملازم حسین صاحب بہت شکریہ۔ اچھی بھابی صائمہ مجید خوش آمدید۔ آہ ہماری پیاری لکھاری گڈی آپا بھی چل بسیں بہت دکھ ہوا، اللہ پاک اُن کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ آمین۔ اوہو پتا ہی نہیں چلا خط تو طویل ہو رہا ہے کہیں کاشی بھیا کی قینچی صاحبہ ہوش میں نہ آ جائے۔ اس سے پہلے بس تھوڑی سی رائے کچھ کہانیوں کے لیے (بی بی! قینچی ہر وقت ہوش میں رہتی ہے۔ کمال دیکھ لیا نا......) سب نے بہت محنت سے تخلیق کر کے تراش کر چار چاند لگائے ہیں۔ یقیناً سب تحریریں بہترین ہوں گی۔ مگر وقت کی کمی کے باعث صرف چند ہی پڑھ پائے ہیں۔ ان میں ایمانداری کا ٹکٹ' کس کو ملتا ہے سیدہ کاظمی کہتی ہیں میں وڈیری ہوں نصرت سرفراز کا کہنا ہے ڈھونڈو گے ہمیں مگر زیبا بدر نے کہا جیت میری ہے۔ ایم سلطان پتا نہیں کیسے کہہ رہے ہیں تم میری ہو تو راشد لطیف نے کہہ ڈالا پگلی' صدقہ اتارو آفرین انیس۔ مجید احمد جائی بھائی بتا رہے ہیں نرالے یہ بھید ہیں' تو نبیل جاوید نے چوٹ ماری یہ روگ عمر بھر کا ہے ایک کونے سے ارم ناز نے آواز لگائی یہ عزت دار ہیں۔ اس لیے کاشی بھیا نے کہا عشق زہر ہے خیال رہے لو جی یہ تو ہو گیا اپنا تبصرہ برداشت کرنے کا شکریہ۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

Click on http://www.Paksociety.com for More

☆: اچھی تحسین! لوتبصرہ وقت پر ڈاک سے موصول ہو گیا۔ لگتا ہے، ڈاک والے بھی تمہارا مقام (ملکہ احوال) پہچان گئے ہیں۔

✉: منعم اصغر، ڈیرہ غازی خان سے احوال میں شریک ہیں لکھتے ہیں۔ پورے دو ماہ بعد پھر سے حاضر ہونے پر دلی خوشی ہو رہی ہے۔ آپ کی محبتوں نے سچی کہانیاں سے ایسے جوڑ رکھا ہے کہ یہ دو ماہ بھی بہت لمبا عرصہ معلوم ہو رہا ہے۔ خیر غیر حاضری کے لیے بہت معذرت پُر اسرار نمبر میں میری کہانی لگانے پر ڈھیروں شکریہ۔ اس بار سچی کہانیاں تین تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل خوبصورت تھا۔ احوال میں تو سچ مچ مزہ آ گیا۔ تحسین جونیجو، فرزانہ نگہت، اشفاق شاہین، مقصود احمد، ریحانہ نسیم، فریدہ فری، سجدہ صابر، شاہد رفیق سہو، منزل خان، صائمہ بشیر، علی حسنین تابش، ایم یعقوب، مسز نوید ہاشمی، ایم افضل آزاد، رانا حبیب الرحمٰن، سدرہ انور علی (کیسی ہیں آپی؟) ارم خان، ملک محمد اکرم، صائمہ سحر، عبدالغفار عابد، انعم شہزادی، ڈاکٹر خادم حسین کھیڑا، ممتاز احمد، راشد لطیف، مجید احمد جائی، صائمہ مجید، ندیم عباس، فیصل ندیم بھٹی، عظمیٰ شکور، ناظمہ اشتیاق، محمد جاوید، مومنہ بتول، حمید علی کے تبصرے بہت زیادہ خوبصورت تھے۔ اب کہانیوں پر تبصرہ نہیں کروں گا کہ سات تاریخ سے میرے پیپرز ہو رہے ہیں۔ اس لیے کوئی نہیں پڑھی۔ ہاں 'ابا کی بخشاور' محسن علی شاہی کی خوبصورت کہانی تھی۔ باقی تبصرہ اگلے ماہ۔ گڈی آپا کا سن کر بہت دکھ ہوا اُن کے لیے دعائیں، رب راکھا۔

☆: اچھے منعم! خوش رہو، خدا تمہیں ہر امتحان میں کامیاب کرے آمین۔ اب پلیز احوال سے دور نہ ہونا۔

✉: احمد ندیم ضیاء، کلور کوٹ، بھکر سے احوال میں شامل ہو رہے ہیں لکھتے ہیں۔ میرا تعلق تحصیل کلور کوٹ ضلع بھکر سے ہے۔ مختلف جرائد میرے زیر مطالعہ رہتے ہیں۔ مگر پچھلے دنوں ممتاز احمد صاحب سرکاری ڈیوٹی پر کلور کوٹ آئے تو اُن سے ملاقات اور تعارف ہوا تو انہوں نے مجھے سچی کہانیاں کا شمارہ تمبر دیا۔ یقین جانیے اتنا عمدہ معیاری اور بہترین لگا کہ اس کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ میں صرف پڑھنے کا ہی شوق رکھتا ہوں مگر سچی کہانیاں کا اعلیٰ معیار دیکھ کر پہلا خط آپ کو لکھ رہا ہوں۔ اگر میں غیر جانبداری سے کہوں تو حق اور سچ بات یہ ہے کہ مجھے اس کے اعلیٰ معیار میں کاشی چوہان صاحب آپ کی محنت نظر آتی ہے۔ احوال میں سب کے خطوط بہت اچھے ہوتے ہیں اور رائٹرز کا تو جواب نہیں تمام کے تمام رائٹرز اپنے اپنے قلم کا حق خوب ادا کر رہے ہیں۔ بالخصوص ممتاز احمد صاحب، جاوید راہی صاحب، سلیم اختر صاحب ان سب کی کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ آئندہ بھی خط لکھتا رہوں گا۔ اب اجازت چاہوں گا۔

☆: بھائی احمد ندیم ضیاء! خوش آمدید۔ آپ کے خط سے آپ کی محبت کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ سچی کہانیاں آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ آپ کی رائے ہمارے لیے بہت اہم ہے۔

✉: جھنگ صدر سے یہ آمد ہے ہماری گڑیا سدرہ انور علی کی لکھتی ہیں اوائل سردیوں کا پہلا شمارہ ملا ٹائٹل انتہائی دلکش لگا۔ ویلڈن، زرینہ جونیجو ڈیئر اپیا آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں۔ ڈیئر ملکہ احوال تحسین جونیجو محفل آپ ہی سے سجتی ہے۔ سو آپ کوشش کریں کہ ہر ماہ آئیں کیونکہ آپ ملکہ ہیں۔ حمیرا قریشی، سجدہ صابر، محمد افضل آزاد، ملازم حسین، محمد جاوید، حمید علی سچی کہانیاں میں خوش آمدید۔ جن لوگوں کو میری کہانی اور میں مر گیا پسند آئی اُن کا بہت شکریہ۔ مس منزل خان، سیدہ حجاب فاطمہ، روبینہ ناز، صائمہ سحر احوال میں ویلکم بیک، مقصود احمد بھیا کہانی پسند کرنے کا تھینکس، میں ٹھیک ہوں۔ جہاں پر اپنے ہوں وہاں کی ہر شے پیاری لگتی ہے۔ تحسین اختر المعروف گڈی آپا کی ڈیتھ کا پڑھ کر افسوس ہوا اللہ رب العالمین اُن کی مغفرت

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

پُراسرار کہانی نمبر 3

Email : pearlpublications@hotmail.com

پُراسرار نمبر 1 اور 2 کی بے مثال پذیرائی کے بعد پُراسرار نمبر 3

☆ خوف اور دہشت میں لپٹی سچ بیانیاں

☆ ارواحِ خبیثہ کا شاخسانہ بننے والوں کی کہانیاں

☆ زہر بھری دُنیا سے، یادگار ناگ بیتیاں

☆ فراعنہ کی سرزمین سے، اسرار بھرے راز عیاں کرتی خصوصی داستانِ حیرت

☆ پوشیدہ دنیا سے بہت خاص طلسم کدے میں قید کرتی وہ کہانیاں، جو آپ کبھی فراموش نہ کرسکیں گے

تو پھر دیر کس بات کی ہے...... لہو منجمد کردینے والے، ماہِ دسمبر 2015ء کے شمارے "پُراسرار کہانی نمبر 3" کی کاپی آج ہی بک کرا لیجیے۔

ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں۔

سچی کہانیاں کا دسمبر 2015ء کا شمارہ "پُراسرار نمبر 3" ہوگا۔

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کرے۔ اسماء اعوان کی لائف بوائے پسند آئی۔ کاروان حجاز اور حجاز میں چودہ دن پڑھ کر دل و دماغ کو معطر کیا۔ مجرم کون سید ملازم حسین' داری' انکل محمد سلیم اختر' دیکھتی آنکھیں اعجاز احمد فکرال' محسن علی کی ابا کی بختاور' فرزانہ نگہت کی انصاف' نرالے یہ بھید ہیں مجید احمد بھیا' نبیل جاوید' روگ عمر بھر کا ہے۔ کینسر یمیں غزالہ' پاسٹ اکرم آھیر ان سب نے بہت ہی دلچسپ و خوبصورت سبق آموز تحریریں لکھیں۔ ویلڈن میجر عبدالقدوس نے اپنی اہلیہ کو بہت خوبصورت خراج تحسین پیش کیا۔ ندیم عباس کی کتے کی موت پڑھ کر ماتھا پیٹنے کو جی چاہا بے اختیار۔ یہ محبت نہیں رواج ہے۔ یہ سب جسم وحسن کی بات ہے۔ ارم ناز عزت دار، راشد لطیف' پگلی' آفرین صدقہ' شیخ معظم الٰہی نیکی کرتا جا۔ رانا محمد شاہد ایمانداری کا ٹکٹ' عارف شہزاد ادھوری کہانی ،جیت زیبا بدر' ڈھونڈو گے ہمیں نصرت سرفراز بہت خوبصورت تحریریں لگیں۔ زہر عشق پڑھی بہت دلچسپ موڑ پر گامزن ہے۔ ہمشکل میں نہیں پڑھتی ہوں اس کے لیے معذرت کاشی بھیا عشقیہ اور رومانوی کہانیاں کم شائع ہونی چاہیے باقی جو آپ کو بہتر لگے۔ شازلی سعید مغل کو تاشون کو کتابی شکل دینے پر بہت مبارکباد' موور شاہد بھیا شائستہ جمال' مسز نوید ہاشمی کو السلام وعلیکم! منشی محمد عزیز آپ کہاں غائب ہیں۔ بجرنگی بھائی جان۔ ہائیڈ پارک اور تیر نیم کش میں سبھی نے اچھے انتخابات پیش کیے۔ اسی بات کے ساتھ اجازت کیوں کہ ساتھ تو چھوٹنے کو ہوتے ہیں وقت جدائی آن پہنچا' اچھی رہی سانس چلتی رہیں مہلت ملتی رہیں تو پھر ہوگی ملاقات تب تک اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ اللہ نگہبان۔

☆: ثریا! تبصرہ شاندار رہا۔ جیتی رہو۔ نئی کہانی کب آرہی ہے؟

✉: یمیں غزالہ نیہاں احوال میں کراچی سے شامل ہو رہی ہیں، لکھتی ہیں۔ ایک طویل انتظار کے بعد یہ خوشخبری تو آپ نے سنا دی کہ میری ایک کہانی اگلے مہینے کی سچی کہانیاں میں شامل ہو رہی ہے۔ مگر کرامت کا کچھ پتا نہیں چلا۔ اس کے ساتھ پتا نہیں کیا مسئلہ پیش آ گیا ہے۔ اور کہانی بھیج رہی ہوں اب دیکھیں اس کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ ابھی تو میرے حج کی روداد کا فیصلہ ہونا بھی باقی ہے۔ کہتے ہیں نا کہ چھٹتی نہیں ہے منہ سے کافر لگی ہوئی' اسی طرح لکھنے کا نشہ بھی ایسا ہے کہ اگر ایک بار لگ جائے تو کبھی نہیں چھوٹ سکتا ہے (سچ کہا) حالانکہ آج کل زندگی کی مصروفیات اور کشاکش حیات لکھنے کا بروقت موقع نہیں دے رہے ہیں۔ مگر پھر بھی نجانے کس طرح کوئی واقعہ، کوئی قصہ اور کوئی واردات قلم اٹھانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اجازت دیجیے، اللہ حافظ۔

☆: اچھی بہن غزالہ! جلد اس کہانی کا فیصلہ بھی ہو ہی جائے گا۔ تبصرہ کہاں ہے اس خط میں؟؟

✉: احوال میں یہ پہلی آمد ہے شین ماہا کی سٹی سیالکوٹ سے، لکھتی ہیں۔ ہم اسکول میں پڑھتے ہیں مگر اکثر سچی کہانیاں پڑھ لیتے ہیں۔ یہ اسکول کا آخری سال ہے پھر شاید باقاعدہ پڑھ لوں۔ **2015**ء ستمبر کا شمارہ کافی اچھا تھا۔ مگر کچھ باتیں میرے دماغ میں بار بار گھوم رہی ہیں۔ جو نقد ہنر کا سلسلہ تھا وہ مجھے اور باقی سبھی کو بہت پسند تھا وہ کہاں ہے؟ (اب سب ہائیڈ پارک اور تیر نیم کش پسند کر رہے ہیں بہت زیادہ) جو پہلے کہانیاں بھیج رکھی ہیں سال بھر ہونے کو آیا ہے تحریر کو آپ کہاں رکھ دیتے ہیں۔ (ناقابلِ اشاعت تحریریں ضائع کر دی جاتی ہیں) کیا نئے اور کم عمر احوالی کو بہت دیر سے احوال میں جگہ ملتی ہے (آپ کو احوال میں جلد جگہ کیوں مل گئی پھر؟) ہاں وہ جو مینا تاج آنٹی تھیں کیا وہ آپ کے دفتر میں کام کرتی تھیں؟ وہ جب بھی ایک دو دفعہ احوال میں آئی تھیں تو خط ہی شامل نہیں کرتی تھیں اور اس کے علاوہ اُن کا جواب دینے کا انداز بہت برا تھا۔ (ارے......) شکر ہے کہ وہ اب نہیں آتیں۔ سڑک کہانی کا بھی بالکل مزہ نہیں آتا تھا۔ اگر میری

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تنقید غلط لگی یا کہ پھر بہت اچھی مگر میرے خط کو برائے مہربانی شامل کرنے کی کوشش کیجیے گا۔ (واہ بھئی واہ! جیو......) مجھے اس بار یہ کہانیاں پسند آئی ہیں۔ یہ چند کہانیاں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ عامر‘ امر اور علی بہت زبردست تھی۔ ہاں وہ پاگل تھا اور اک بھول‘ خوددار تھے وہ‘ بہت اعلیٰ اور عمدہ کہانیاں تھیں۔

☆: پیاری شین بابا! خوش آمدید! بھئی سچ بتاؤ اسکول میں کسی سے لڑائی ہوئی تھی یا امی نے کھانے میں مرچیں زیادہ ڈال دی تھیں۔ ارے گڑیا ’تنقید سر آنکھوں پر مگر...... ذرا سا ہلکا ہاتھ...... اگلے تبصرے کا انتظار رہے گا۔

✉: احوال میں نزاہت افشاں کی آمد، مہورہ فتح جنگ اٹک سے ہو رہی ہے۔ لکھتے ہیں، ماہ ستمبر کا شمارہ 5 ستمبر کو ملا۔ منزہ آپی آپ کی باتیں بہت فکر انگیز ہوتی ہیں۔ آپ کی باتیں پڑھ کر مجھے حفیظ میرٹھی کا یہ شعر یاد آ گیا کہ

داد دیجیے کہ ہم جی رہے وہاں
ہیں محافظ جہاں قاتلوں کی طرح

بہر حال وطنِ عزیز میں امن کے لیے ہم دعاگو ہیں۔ شوبزنس‘ سوگ زندگی‘ خود تھے وہ‘ بڑی اماں‘ ستارہ ڈوب گیا‘ اور میں مر گیا۔ اس کے علاوہ تمام کہانیاں اور ناول اچھے جا رہے ہیں۔ باقی بہت بہت شکریہ مجھ ناچیز کو خوش آمدید کہنے کا۔ تمام تبصرے اچھے تھے۔ بھٹ شاہ سے شریک ہونے والوں کو خوش آمدید میری مرادسیدہ کاظمی سسٹر ہیں۔ سدرہ آپی تبصرہ شاندار کرتی ہیں آپ۔ فرح انیس سسٹر اچھا لکھتی ہیں۔ کوئی کہانی بھی تو لائیں نا ہمارے سامنے۔ اور کاشی بھائی جولائی میں ایک تحریر آپ کو بھیجی تھی معروف شاعر ناصر کاظمی کے حوالے سے، وہ شائع ہوگی یا نہیں؟ کچھ بتائیں یا مجھے بھی داغ دہلوی کی زبان میں یہ کہنا پڑے گا کہ

وفا کریں گے نبھائیں گے بات مانیں گے
تمہیں بھی یاد ہے کہ کچھ یہ کلام کس کا تھا

☆: پیارے نزاہت فی الحال تو تمہاری بھیجی تحریر پرچے سے لگا نہیں کھا رہی۔ کہانی بھیجو۔ امید ہے مائنڈ نہ کرو گے۔ تبصرے کا ایک بار پھر شکریہ۔

✉: انیس الرحمٰن آئی بلاک بورے والا سے رقم طراز ہیں ماہ ستمبر کا شمارہ آفتاب آمد دلیل آفتاب کا مصداق اور اپنی تمام تر خوبیوں سے مرصع و مزین تھا۔ سرورق پر نظر پڑی تو دل حسین وادیوں میں کھو گیا۔ احوال کی وادی میں قدم رکھا تو مارے خوشی کے قدم ڈگمگانے لگے۔ یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ہمارا خط بھی اتنی جلدی شائع ہو جائے گا۔ کاشی بھائی بہت بہت شکریہ، آپ نے اس قابل سمجھا کہ ایک نووارد کو اس احسن انداز سے ویلکم کیا۔ مجھ جیسے قصیر الہمت کی ہمت افزائی کر کے باعث نشاط ہو جب حیات نو اور تازگی کا سبب مہیا کیا۔ احوال کی نگری میں رانا حبیب الرحمٰن کا خط پڑھ کر حیرت ہوئی کہ سچی کہانیاں ڈائجسٹ سے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے بھی مستفید ہوتے ہیں۔ اس بار احوال میں نئے اور پرانے احوالیوں نے بارونق محفل سجا رکھی تھی۔ یوں تو سب کہانیاں ایک دوسری سے بڑھ کر تھیں لیکن ایم اے راحت کی کہانی ہم شکل بہت اچھی جا رہی ہے۔ کاشی بھائی کی زہر عشق نے تو دل میں خوف و ہراس پیدا کر دیا۔ فضلو کی جورو‘ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ صاحب حیثیت لوگ غریب لوگوں کی عزت سے کس دردناک طریقے سے کھیلتے ہیں۔ اس کہانی میں میرے خیال کے مطابق فضلو کی جورو کا قصور ہے۔ اگر وہ پہلے دن سے ہی ان کی پیش کش کو ٹھکرا دیتی تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ باقی رہا بڑے میاں کا حال وہ تو اظہر من الشمس ہے۔ بھائی کاشی ایک بار پھر

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ زندگی رہی تو ہر ماہ آپ سے آدھی ملاقات ہوتی رہے گی۔

☆: پیارے انیس! احوال کی رونق تو تم سب سے ہی ہے۔ جیو یار! اس ماہ تو تم لیٹ ہو گئے کوشش کرو۔ جلدی حاضر ہو جاؤ تاکہ اُسی ماہ خط شائع ہو۔

✉: پہلی بار احوال میں حسن عباس نیازی وانڈھی کھنڈ والی' میانوالی سے حاضر ہو رہے ہیں لکھتے ہیں میں میانوالی کا رہائشی ہوں اور واپڈا میں ملازم ہوں۔ ممتاز احمد صاحب جو کہ ہمارے محکمے کے آڈٹ آفیسر ہیں تو وہ ہمارے دفتر کا آڈٹ اور انسپکشن کرنے آئے۔ ممتاز احمد صاحب جہاں وہ پیشہ وارانہ صلاحیتیں رکھتے ہیں، وہیں وہ ایک بہترین قلمکار بھی ہیں تو انہوں نے سچی کہانیاں متعارف کروایا۔ سچی کہانیاں بلاشبہ ایک بہترین اور زبردست ڈائجسٹ ہے۔ اب میں باقاعدگی سے ہر ماہ خرید کر پڑھتا ہوں۔ احوال میں ایک دوسرے کے لیے پیار' عزت اور احترام بھرے جذبات پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے تو میرا بھی دل چاہا کہ احوال کا حصہ بنوں اگر آپ سب نے ویلکم کیا تو پھر ہر مہینے حاضر ہوا کروں گا۔ سلیم اختر' جاوید راہی' ممتاز احمد ارم ناز' مجید احمد جائی' بہت اچھے رائٹر ہیں۔ احوال میں مسز نوید ہاشمی' عبدالغفار عابد' ڈاکٹر خادم حسین کھیڑا' ممتاز احمد' مجید احمد جائی' فیصل ندیم بھٹی کے تبصرے بہت پسند آئے۔ باقی دوستوں نے بھی بہت اچھا لکھا۔ کاشی چوہان صاحب کیا میں بھی رائٹر بن سکتا ہوں؟ اچھا اب اجازت چاہوں گا اگلے ماہ ملیں گے اگر آپ نے ویلکم کیا تو۔

☆: لیجیے حسن نیازی صاحب! ہم نے آپ کو ویلکم کیا۔ اب آپ ہر ماہ حاضر ہو کر اپنا وعدہ وفا کریں گے۔ اور جناب آپ بالکل رائٹر بن سکتے ہیں۔ شرط ہے کہ آپ کو کہانی لکھنا آتا ہو۔

✉: رانا مجاہد جمیل، بہل بھکر سے حاضر ہیں۔ لکھتے ہیں سلام مسنون مجھے سچی کہانیاں ممتاز احمد کی معرفت ملا اور تسلی سے اس کا مطالعہ کیا تو یہ مجھے دوسرے ڈائجسٹوں کے مقابلے میں بہت اونچے مقام پر نظر آیا۔ آج تک کسی رسالے میں خط نہیں لکھا مگر تمبر کا شمارہ پڑھنے کے بعد اس کے بہترین معیار کو دیکھتے ہوئے خط لکھنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ سچی کہانیاں بہت اچھا لگا۔ احوال' کہانیاں' ہائیڈ پارک' تیر نیم کش' تمام سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ سچی کہانیاں کی ترقی کے لیے دعا گو ہوں۔ کاشی صاحب کوئی ایسا سلسلہ بنائیں کہ یہ بھکر' دریا خان اور کلورکوٹ بروقت پہنچ جائے تاکہ آسانی سے دستیاب ہو سکے۔ نیک تمناؤں کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔

☆: پیارے بھیا رانا مجاہد بہل! خوش آمدید ہم نے اپنے سرکولیشن ڈیپارٹمنٹ تک آپ کی درخواست پہنچا دی ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد آپ کے علاقوں میں پرچے کا حصول ممکن ہو جائے گا۔

✉: کراچی سے ہماری بہت پیاری، شفیق مسز نگہت غفار اپنے دلنشیں انداز کے ساتھ، عرض کرتی ہیں۔ بیٹے جان ہم نے آج **14** تاریخ تک رسالے کا انتظار کیا کہ شاید آج آئے رسالہ شاید کل آئے اور اس آج اور کل کے انتظار میں مکمل مایوسی ہوئی تو پھر ہم نے فہد سے کہا بیٹے جائے پیو اور فوراً بک اسٹال پہنچو سچی کہانیاں پہلے مجھے گھر پر لا کر دو پھر باقی دوسرے کام نمٹانا۔ فہد میاں گھر سے نکلے ہم نے سوچا ہمارے تیسرے نمبر کے صاحب زادے کے ہاں حضور ﷺ کا سلام آیا ہے۔ ماشاء اللہ تیسرا نیا مہمان 'بیٹی' آئی ہے۔ ہم نے سوچا تھوڑی دیر واصف کے ہاں بیٹھ جائیں گے' تھوڑی دیر مون کے ہاں یوں دونوں بہوئیں راضی رہیں گی ورنہ پھر گلہ ہوتا ہے کہ آپ وہاں گئیں یہاں نہیں آئیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ بہت مجبوری ہو تو سیڑھیاں چڑھا کریں۔ بہرحال ہم نے سوچا ایک دفعہ چکر لگا لیں۔ کچھ دن کی بے فکری ہو جائے گی۔ ہم

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

خواتین کی محبوب قلم کار

'رفعت سراج' کا تازہ ترین شاہکار 'دامِ دل'

رفعت سراج کے جادوگر قلم کی کاٹ سے کون واقف نہیں۔
معاشرے کے بطن سے نکلی وہ حقیقتیں جو قارئین کی دھڑکنیں بے ترتیب کررہی ہیں۔

''ایمن'' ایک ایسی بہو کی کہانی، جسے دو بیٹیاں پیدا کرنے کے جرم میں ہر لمحہ ساس، سسر کے طنز اور نشتروں کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔

تازہ ترین قسط سے کچھ لائنیں

اے ہاں اپنے ان تحفوں کو اوپر ہی رکھا کرو۔ وہ تو شکل ہی دوسری ہوتی ہے جو چاند سا پوتا کھیلنے کو دیتی ہے۔ مشکل سے پچاس ہزار کا جہیز لائی ہوں گی۔ پانچ لاکھ کے خرچے ڈال دیے ہم پر۔'' فردوس کی بڑبڑاہٹ زہر کی کڑواہٹ کے برابر تھی۔

''ارے پانچ لاکھ کہاں! جب تک یہ شادی کی عمر کو پہنچیں گی۔ ایک کی شادی پندرہ لاکھ میں پڑے گی۔'' حامد حسین نے لقمہ دیا۔

''پ......پ......پندرہ لاکھ......'' فردوس نے دھپ سے سینے پر ہاتھ مارا اور صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔ یوں گویا کوئی ان پر بندوق تانے کھڑا ہوا اور کہہ رہا ہو۔ نکالو پندرہ لاکھ۔

''ارے کہاں سے لائے گا ہمارا بچہ تیس لاکھ؟'' وہ گویا پچھاڑیں کھانے لگیں۔

''آ سرا رکھو، دو تین اور ہو گئیں تو کروڑ کا بندوبست کرنا ہوگا۔'' حامد حسین نے زینہ چڑھتی ایمن کی پشت پر تاک کر نیا تیر چھوڑا۔ ایمن کو پاؤں اٹھانا دوبھر ہو گیا۔

جی تو چاہا پلٹ کر کہہ دے کہ جس نے انہیں ماں کے پیٹ کی اندھیری کوٹھڑی میں رزق دیا۔ آگے بھی وہی ذمہ دار ہے۔ جسے رب العالمین کہتے ہیں۔ جو ہماری تقدیر لکھتا ہے۔ جس کے لکھے کو نہ کوئی مٹا سکتا ہے نہ تبدیل کرسکتا ہے۔ مگر جی کی جی میں رہی۔ کچھ کہنے کا مطلب تھا کم از کم پندرہ دن کی جنگ تو چھڑ گئی۔ وہ شوہر کی ایک ہلکی سی مسکراہٹ کو بھی ترس جائے گی۔ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔''

آج کے جدید دور میں بھی ایسے کردار ہر دوسرے گھر میں موجود ہیں۔ رفعت سراج عام بات کو خاص بنانا جانتی ہیں۔

دامِ دل ہر ماہ دوشیزہ ڈائجسٹ میں مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

جیسے ہی نیچے آئے میز پر ایک معصوم سی لڑکی نے مسکرا کر ہماری طرف دیکھا ہم نے جھٹ سے رسالہ اٹھایا اور ورق گردانی کرنے لگے پھر ہماری نظر 'بڑی اماں' پر پڑی ہم نے احتراماً سر پر آنچل پھیلایا اور اُن کا سامنا کیا دل باغ باغ ہو گیا۔ کاشی بیٹے کے لیے دل سے بے حساب دعائیں نکلیں۔ پھر ہم نے آنکھیں کھول کر خواب دیکھا۔ احوال میں بیٹا جانی انشاء اللہ ہم خود پر فخر محسوس کریں گے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سوچ میں کامیابی عطا فرمائے بالکل تم بالکل سچ کہتے ہو کسی اچھے کام کو سراہنا اور کام کرنے والے کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔ احوال میں **40** خطوط تھے جس میں ایک میرا...... باقی **39** میں سے یاسمین اقبال نے میرے اور فریدہ جاوید کے اشعار پسند کیے پیاری سی یاسمین اقبال بھئی ہمیں پتا نہیں تم کتنی بڑی ہو بیٹا جیتی رہو، شاد و آباد رہو سلامت رہو۔ تیر نیم کش میں یاسمین اقبال' اشفاق شاہین' ملائکہ حریم' سدرہ انور' ارم خان' نگین کے اشعار وقطعات اچھے تھے۔ ہائیڈ پارک میں حبیب الرحمٰن' راشد لطیف' فریدہ فری' انعم شہزادی' ممتاز احمد' یاسمین اقبال کی تحریریں بہت اچھی لگیں۔ شو برنس سبق آموز کہانی تھی۔ سوگِ زندگی ایسے رویے کی امید نہیں بلکہ ناممکن ہے سیاہ نصیب' مجبورِ وفا' اب کہاں بھاگو گے' گرفت' اور میں مر گیا' دیدہ عبرت' اور ستارہ ڈوب گیا' قصور میرا ' وہ اک بھول، صالح ناصر' ارے بھئی صالحہ اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا تھا تقریباً بیس بائیس سال پہلے میں اور میری چھوٹی بہن عفت یہی ہم دونوں ٹیچر تھیں (اب یہ اس دنیا میں نہیں ہے) ہم بھی ایک امیرزادے کے چنگل میں پھنس گئی تھیں مگر اُس پروردگار نے۔ اُس مولا کریم نے ہم گناہگاروں کی لاج رکھ لی تھی۔ ہم بخیر و خوبی گھر پہنچ گئی تھیں۔ صبح گھر سے نکلے تھے اور رات مغرب کے ٹائم گھر پہنچے تھے۔ بہت پیاری سی رضوانہ جی آپ کے کزن کے انتقال پر دلی افسوس ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے دربار میں اعلیٰ مرتبے سے نوازے اور آپ سب کو صبر جمیل فرمائے آمین۔ قابل احترام ایم اے راحت کے لیے رب کائنات سے دل کی گہرائیوں سے دعاگو ہوں کہ اللہ پاک ایم اے راحت صاحب کو عمر خضر اور صحت کلی عطا فرمائے آمین۔ اب اجازت چاہنے سے پہلے بیٹے جی...... اب تو خوش ہونا۔

☆: پیاری آنٹی! خدا آپ کو، آپ کی شفقت کو برقرار رکھے۔ تبصرے کا شکریہ ادا کروں تو مزہ نہیں آئے گا۔ سلامت رہیے۔

✉: راولپنڈی سے یہ آمد ہے ہماری لکھاری ساتھی فرزانہ نگہت کی لکھتی ہیں۔ ایک نئی سچی کہانی حاضر خدمت ہے۔ یہ کہیں اور کا نہیں ہمارے اپنے خاندان میں پیش آنے والا واقعہ ہے۔ صرف کرداروں کے نام ہی تبدیل ہوگئے ہیں۔ پڑھیے امید ہے برائے اشاعت پسند آئے گا۔

☆: پیاری نگہت جی! یہ کیا......؟ اپنی بات کہی اور بس! ارے احوال میں احوال کا کیا ہوا؟ اگلے ماہ پرچے پر آپ کا تبصرہ بھی چاہیے۔ اسے ہمارا حکم سمجھیں یا محبت۔

✉: یہ آمد ہے چشتیاں سے ہمارے پیارے سے علی حسنین تابش کی، لکھتے ہیں۔ ہمیشہ کی طرح شمارہ **28** ستمبر کو بہت جلد موصول ہوا۔ عید کے بعد اک اور عید ہوگئی۔ سرورق بہترین تھا۔ منزہ جی کا اداریہ 'بدنصیب کون' بہترین تھا۔ احوال میں سب سے پہلے مس زرینہ جو نجو سے ملاقات ہوئی۔ اور پھر تمام دوستوں سے ملاقات ہوتی گئی۔ تمام احوال بہترین تھے۔ گڈی آپا کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خداوند کریم ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ کہانیوں میں نئے رائٹرز کا اضافہ خوب تھا۔ تمام تحریریں اپنی مثال آپ تھیں۔ سر سلیم اختر' اور مجید بھائی کی تحریریں خوب اچھی تھیں۔ نصرت سرفراز' ممتاز احمد' اور جاوید راہی کی تحریریں بھی بہترین تھیں۔ میواتی صاحب آپ بھی اچھا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

احوالیو! سے گزارش

پیارے احوالیو! آپ سے گزارش ہے کہ اپنے تبصرے مختصر اور جامع تحریر کیجیے۔ اگلے ماہ سے آپ کے تفصیلی تبصرے ہماری قینچی دیکھے گی...... سمجھ گئے نا۔ ہم نہیں چاہتے ہمارا کوئی بھی احوالی ہم سے ناراض ہو۔ اس لیے تبصرہ تحریر کرتے وقت خاص خیال رکھیے گا اور بہت جلد بہترین تبصرے بھیجنے والے احوالیو کو 'سند' سے بھی نوازا جائے گا۔

لکھتے ہو۔ سلسلہ وار ناول بہترین رُخ اختیار کیے ہوئے ہے۔ پڑھ کر دل خوش ہوا۔ تیرنیم کش اور ہائیڈ پارک بھی اچھے سلسلے ہیں بہت سی مفید معلومات فراہم کرتے ہیں تمام پرچہ ہی بہترین تھا۔ پُراسرار نمبر 3 کا بے چینی سے انتظار ہے۔ سب کو سلام اب تک کے لیے اتنا ہی زندگی رہی تو پھر سے شامل احوال ہوں گے۔ اللہ نگہبان۔

☆: اچھے حسنین! تمہارا تبصرہ بہترین رہا۔ خوش رہو۔ کہانی کے بارے میں جلد مطلع کر دیں گے۔

✉: بہاولپور سے ہمارے نئے لکھاری ساتھی عثمان بلوچ کی احوال میں آمد ہے۔ اپنے قلم سے کچھ اس طرح موتی برسا رہے ہیں کاشی بھیا! میرے قلم کی سیاہی وطن عزیز کی محبت میں قرطاس کے دامن کو زینت بخشنے کے لیے بے تاب ہے مگر اندیشہ طوالت کے سبب قلم کو اجازت نہیں مل رہی۔ آیئے۔ چلتے ہیں مقصود کی طرف تو جناب والا احوال کی نگری میں یہ دیکھ کر میری خوشی و مسرت کی انتہا نہ رہی کہ لکھاری حضرات نے بھی میری کوشش کو سراہا یہ بات اس رسالے کے لکھاریوں کی وسیع ظرفی پر دلالت کرتی ہے اور تو اور میرے بہت پیارے کاشی بھیا نے بھی پسندیدگی کے کلمات سے نوازا۔

Downloaded From
Paksociety.com

وائے دیوانگیٔ شوق کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا

اوہ...... سوری...... بات پھر لمبی ہو رہی ہے۔ اس سے پہلے کہ کاشی بھیا کے ماتھے پر بل آ گئیں ہم ادبی شہہ پاروں کو کم کیے دیتے ہیں۔ میں انتہائی مشکور ہوں پیارے بھائی مجید احمد جائی' ممتاز احمد' خادم حسین کھیڑا' سدرہ انور علی' جاندار تبصرہ نگار عظمٰی شکور' نزابت افشال' کمانڈو شعبان کھوسہ' فیصل ندیم بھٹی' شاہانہ احمد' انیس الرحمان' ہردلعزیز ندیم عباس میواتی' اور ابھرتے ادیب ابوہریرہ بلوچ کا کہ انہوں نے ادبی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ انعم شہزادی صاحبہ کو سچی کہانیاں کی زینت بننے پر مبارکباد۔ صاحب قلم ایم اے راحت کے لیے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ منزہ سہام اللہ کرے آپ کی دعائیں بارآور ہوں اور کراچی امن کا گہوارہ بن جائے۔ کاشی بھیا' آپ نے واقعی درست لکھا کہ کہانی کہانی نہیں رہتی بلکہ تاریخ بن جاتی ہے۔ سوگ زندگی' اور میں مرگیا' شوبزنس' بڑی اماں' دیدۂ عبرت' عداوت' قصور میرا' جیون ہار دیا' ہم شکل' زہر عشق بہت اچھی رہیں۔ باقی لکھاریوں نے بھی خوب محنت کی۔ لکھتے جائیں پڑھتے جائیں۔ لو جی کاشی بھیا آپ نے یہ کیا کہہ دیا؟ بھلا آپ سے ترکِ تعلق کیسے ہوسکتا ہے۔ اب تو آپ کی امید یقین میں بدل جانی چاہیے۔

کریں گے ترکِ تعلق تم سے یہ وعدہ رہا
بدن سے روح کا رشتہ ٹوٹ جانے دو

☆: بہت اچھے عثمان! تبصرہ اچھا لگا مگر پلیز ذرا جلدی ارسال کیا کرو۔ تمہارے لیے سچی کہانیاں ایک

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ایسا پلیٹ فارم ہے جو اچھی تحریر کے لیے ہر لمحہ بازو وا کیے موجود ہے ہم سلامت رہو۔

✉: ماریہ یاسر، کراچی سے پہلی بار احوال کا حصہ بن رہی ہیں لکھتی ہیں میں کافی عرصے سے آپ کا ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھ رہی ہوں۔ میں کہانیاں وغیرہ لکھتی ہوں ایک کہانی آپ کو بھی بھیج رہی ہوں۔ امید کرتی ہوں آپ کو پسند آئے گی اور اپنے ڈائجسٹ میں شائع بھی کریں گے۔ آپ کی شکر گزار رہوں گی۔

☆: پیاری ماریہ! خوش آمدید کہانی پڑھ کر ہی رائے دی جا سکتی ہے۔ فی الحال تو پُر اسرار نمبر کی تیاریاں عروج پر ہیں۔ اس لیے انتظار کرو گڑیا۔

✉: چوہدری ابوزر سندھو کی جوہر آباد سے احوال میں پہلی پہلی آمد ہے لکھتے ہیں۔ میں اسٹوڈنٹ ہوں۔ چند ماہ پہلے اپنے ایک دوست کے گھر سچی کہانیاں دیکھا اور پڑھنے کے لیے لے آیا۔ رسالہ اتنا پسند آیا کہ اب میں ہر مہینے باقاعدگی سے بک اسٹال سے خرید کر لاتا ہوں۔ اس میں چھپنے والی تمام ہی کہانیاں بہت ہی مزے کی ہوتی ہیں۔ بالخصوص جاوید راہی اور ممتاز احمد کی پلیٹ فارم کہانی بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ یہ دونوں قلم کار بہت خوب لکھتے ہیں۔ میں ان کا فین ہوں۔ اس کے علاوہ احوال میں شائع ہونے والے خط بہت اچھے ہوتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے سب ایک فیملی کے ممبرز ہوں۔ جناب مدیر صاحب میں سچی کہانیاں کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں۔ تو کتنے پیسے بھیجنے ہوں گے۔ آخر میں تمام پڑھنے والوں اور رائٹرز کی خدمت میں میرا ادب بھرا اسلام قبول ہو۔

☆: پیارے ابوزر! ایک تو تمہارا نام اتنا پیارا ہے۔ جیو! سالانہ خریداری کے لیے **890** روپے کا منی آرڈر ادارے کے نام ارسال کر دو۔ ہر ماہ تمہارے دیے گئے ایڈریس پر تمہیں پرچہ ملتا رہے گا۔

✉: یہ ہے احوال میں پہلی پہلی آمد ہماری عزیز لکھاری ساتھی نزہت تازئی کراچی سے، لکھتی ہیں۔ ماہ اکتوبر سن دو ہزار پندرہ کا چمکتا' دمکتا، جھومتا گاتا' اٹھلاتا' سرسراتا شمارہ جب آیا تو مانو خوشیوں سے بھری عید ہوگئی۔ سرورق دیکھتے ہی یوں محسوس ہوا کہ ابھی تو عید گزری نہیں...... بہت خوب! احوال پڑھتے ہی یوں لگا کہ جیسے اپنوں سے ملاقات ہوگئی ہو۔ ادی زرینہ جو نجو سے لے کر پیارے بھیا حمید تک محبتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا لامتناہی سلسلہ ہے کہ اس کی رو میں بہہ کر اُس وقت خوشیوں سے بھرے آنسو چھلک پڑے کہ جب قارئین نے ایک نئی لکھاری کو ویلکم کیا۔ بہت شکریہ ثمینہ شہزادی آپ واقعی کبیر والا کی شہزادی لگتی ہیں۔ میری کہانی لاعلاج کی پسندیدگی کا شکریہ۔ چوہدری فہد سہو آپ کا بھی بہت شکریہ کہ ایک نوآموز کو عزت بخشی۔ کراچی سے پیاری آپا مسز نوید ہاشمی آپ کا بھی شکریہ حمیرا جبیں اور سیدہ امامہ علی آپ دونوں کی پسندیدگی کا بھی بہت شکریہ۔ پیاری بھابی صائمہ مجید' ام مناہل' صائمہ سحر' ڈاکٹر خادم حسین اور فیصل ندیم بھٹی آپ سب نے کہانی لاعلاج کو پسند کر کے واقعی مجھے مزید لکھنے کی طرف راغب کیا۔ پیارے بھائی ممتاز احمد آپ نے بھی لاعلاج کو پسند کر کے مجھے حوصلہ بخشا۔ آپ کی کہانی بھی لاجواب ہے نہ صرف تمبر کا قصور میرا بلکہ اکتوبر کی کہانی قلی سے افسر تک بھی بہت خوب ہے۔ کاشی بھائی آپ کا ناول زہر عشق بہت زبردست ہے۔ صنوبر کے احساسات کے ساتھ ہم بھی اسی احساس کے ساتھ جذبات کی رو میں بہہ جاتے ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ...... گڈی آپا (تحسین اختر) کا سُن کر بہت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے آمین۔ نصرت سرفراز کی مرد کہانی ڈھونڈ دے گے ہمیں بازی لے گئی۔ ایم سلطان کی تم یاد آتی ہو راشد لطیف کی پگلی آفرین انیس کی صدقہ' زیبا بدر کی جیت اور اسماء اعوان کی لائف بوائے بھی بہت

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

خوب صورت تخلیق ہے۔ محمد سلیم اختر کی داری' اعجاز احمد کی دیکھتی آنکھیں اور ملک محمد اکرم کی پامسٹ بھی بہت اچھی تھی۔ ہائیڈ پارک میں نورالعین کا یادرکھیں اور بسمہ اشتیاق کی مہارت نے تو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ گاجر کے پتوں کی خوبی پہلی بار پتا چلی۔ آمنہ علی شکریہ تیر نیم کش میں ماہم نعیم شاہ' کراچی کا شعر بہت پسند آیا کہ

نہیں سجدے کیے ہم نے کبھی شاہوں کی چوکھٹ پر
ہمیں جتنی ضرورت ہو خدا سے مانگ لیتے ہیں

آخر میں آپ سب کا بہت شکریہ کہ میری تحریر کو عزت بخشی اور اسے پسند کیا۔ اس محفل میں پہلی بار شرکت کی ہے اور بہت مزہ آیا۔ اللہ تعالیٰ کاشی بھائی اور اُن کی ٹیم کو مزید ترقی عطا کرے اور رسالے کو بامِ عروج تک لے جائے۔ آمین۔ میری جانب سے تمام بھائی بہنوں کو اللہ حافظ۔

☆: لیجیے نزہت جی! ایک بار پھر ہم آپ کا **Warm Wellcome** کرتے ہیں۔ تبصرہ کمال کیا، اگلے ماہ انتظار رہے گا۔

✉: قمر شہداد کوٹ سے کئی ماہ کی غیر حاضری کے بعد مور شاہد حسین احوال میں موجود ہیں۔ لکھتے ہیں۔ کاشی بھیا سلام و آداب' اکتوبر کا شمارہ میرے ہاتھوں میں ہے سرورق اچھا تھا۔ اگلے اشتہارات نظر انداز کرتے ہوئے آنٹی منزہ سہام کا اداریہ 'بدنصیب کون؟' ہمیشہ کی طرح دل کی آنکھ سے پڑھا۔ اپنوں کی محفل احوال اپنے عروج پر تھی۔ تین ماہ احوال سے غیر حاضر رہنے پر دلی معذرت وجہ ناسازیٔ طبع تھی۔ ماہِ اگست میں میری کہانی ڈر لگتا ہے شائع ہوئی اس عزت افزائی اور حوصلہ افزائی پر بے حد شکریہ' خدا آپ کو سدا خوش رکھے آمین۔ رب سائیں گڈی آپا کی مغفرت فرمائے اور ان کو اعلیٰ مقام عطا فرمائے محفل میں تمام نئے آنے والوں حمیرا قریشی' سجدہ صابر' بہن صائمہ سحر' ناظمہ اشتیاق' ایم افضل آزاد' ملازم حسین' محمد جاوید' حمید علی بھلی کرے آیا (خوش آمدید) ادی زرینہ جونیجو سدا خوش و سلامت رہیں۔ آپ کی کہانی کب آ رہی ہے۔ ملک احوال ادی تحسین جونیجو گڑیا رانی سدرہ انور علی بہنا خدا آپ کو نظر بد سے بچائے۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ ریحانہ نسیم' مسز نوید ہاشمی آپا کیسی ہیں آپ؟ محمد اسماعیل بروہی 20 نومبر کو برتھ ڈے بہت مبارک ہو۔ بھیا جگ جگ جیو، نبیل جاوید' ندیم عباس میوانی' فیصل ندیم بھٹی' سنایئے کیسے ہیں آپ۔ ممتاز احمد بھیا آپ کی تحریریں دل میں اتر جاتی ہیں۔ خدا آپ کو بہت کامیاب کرے۔ مجید احمد جائی بھیا اور صائمہ مجید بھابی خدا آپ کی جوڑی سلامت رکھے اور آپ کو نیک سیرت اولاد سے نوازے۔ رانا محمد شاہد' صفدر علی حیدری' ملک صفدر عباس' انکل اشفاق بٹ آپ سب کہاں ہیں۔ منشی محمد عزیز بھیا اور گلاب جیسے سعید گلاب کیا ہو رہا ہے؟ عبدالغفار عابد آپ کی بات دل میں اتر گئی۔ سلسلہ خاص ہم شکل اور زہر عشق بڑی عمدگی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہائیڈ پارک' تیر نیم کش شاندار سلسلے ہیں۔ باقی شمارہ زیرِ مطالعہ ہے تبصرے کے لیے معافی، انشاء اللہ اگلے ماہ بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گے۔ آخر میں تمام چاہنے والوں کے لیے پُرخلوص دعائیں۔

☆: پیارے مور! تم بن احوال میں رنگ کم محسوس ہوتے ہیں۔ طبیعت اب کیسی ہے۔ اپنا خیال رکھو۔ 'ہمارے لیے' سمجھے نا...... اب غیر حاضر نہ ہونا۔ ہمیں تمہارے تبصرے کا انتظار ہے۔

✉: جمیل احمد چیزل آباد سے پہلی بار احوالی بن رہے ہیں لکھتے ہیں احوال میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہا ہوں امید ہے کہ آپ میری پذیرائی کریں گے۔ محترم کاشی چوہان آپ کے ماہنامہ سچی کہانیاں کا تعارف مور شاہد حسین کے ذریعے ہوا جو کہ باقاعدگی سے احوال میں شرکت کرتے ہیں۔ اور ماشاءاللہ کہانیاں بھی لکھتے ہیں۔ ماہ اگست کا شمارہ مور شاہد حسین نے تحفے میں دیا۔ ان کی لکھی ہوئی کہانی ڈر لگتا ہے مجھے بے حد

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

پسند آئی مبارک باد۔ تازہ شمارہ ماہ اکتوبر کا اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موصول ہوا۔ ٹائٹل زبردست لگا۔ منزہ جی کا بدنصیب کون؟ بے حد خوبصورت الفاظ کا ایک مجموعہ تھا۔ پھر احوال میں حاضری دی۔ احوال کی پُررونق محفل نے مجھے بھی شامل ہونے کے لیے مجبور کر دیا، امید ہے حوصلہ افزائی ہوگی۔

☆: اچھے جمیل! خوش آمدید! مگر یہ کیا...... تبصرہ کہاں ہے۔ اگلے ماہ بھرپور تبصرے کے ساتھ احوالی بننا۔ ہمیں انتظار رہے گا۔

کراچی سے بھیا اشفاق شاہین کچھ اس طرح رقم طراز ہیں، اس بار پرچہ 6 تاریخ کو ملا۔ سرورق کی ماڈل مسکراتے ہوئے گزری عید کی مبارکباد دیتے کچھ زیادہ ہی پیاری لگی۔ گڈ، 7 اوراق کی لمبی چھلانگ کے بعد اداریے تک پہنچے جہاں منزہ سہام مسلمان ممالک کی خاموشی پر نوحہ کناں تھیں کاش کہ مسلم ممالک یکجا ہو کر دنیا کو بتا دیں کہ ہم یہ بھی کر سکتے ہیں، یہ ہمارا خواب ہی، اللہ کرے کہ پورا ہو کہ تمام دنیا پر مسلمانوں کی ایک بار پھر حکومت ہو۔ احوال میں پہنچے جہاں اس بار طویل عرصے بلکہ مدتوں بعد زرینہ و تحسین سب سے پہلے ایک ساتھ پہنچیں، بہت خوشی ہوئی، تحسین اب تو باقاعدہ ہو گیا ہوں اور رہوں گا۔ فرزانہ نگہت ملک عاشق مس منزل سیدہ حجاب فاطمہ روبینہ ناز روبی صائمہ سحر آپ سب کافی عرصے بعد احوال میں آئے ویلکم بیک بس گزارش ہے کہ اب ...... جایئے گا نہیں، اپنی پیاری پیاری باتوں سے اس بزم کو رونق بخشتے رہیں۔ سجدہ صابر، افضل آزاد ملازم حسین شینا حمید علی، تہہ دل سے احوال میں خوش آمدید، جگ جگ جیو۔ گندی آپا کا بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ رانا حبیب آپ کے لیے نیک تمنا میں، تبصرے کی پسندیدگی کا شکریہ۔ سدرہ انور بھی خوبصورت خط کے ساتھ موجود تھیں۔ عبدالغفار عابد اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ انعم شہزادی آپ کا اندازہ کیا کہنے۔ ممتاز احمد، راشد لطیف بہترین خطوط اور باقی دوست بھی اپنے پیارے ناموں کے ساتھ رونق بزم بڑھاتے نظر آئے۔ آتے ہیں تبصرے کی طرف حجاز کے واقعات ماہر القادری اور شورش کاشمیری نے روح کو خوش کر دیا۔ مجرم کون ملازم شیرازی نے ایک حساس انسان کے لفظوں کو بہت خوبصورت زبان دی۔ بہت خوب۔ داری زیادہ متاثر نہ کر پائی۔ دیکھتی آنکھیں اعجاز احمد فکرال نے اچھا لکھا۔ باقی سچ بیانیوں میں مجید جانی نبیل جاوید تمیمیں غزالہ، کی سچ بیانیاں قابل داد اور پیاری تھیں گڈ۔ ہم شکل بھی کوئی گہرا تاثر قائم کرنے میں فی الحال تو کامیاب نہیں لگ رہی۔ ندیم میواتی، ارم ناز راشد لطیف تینوں کے شعلے دہکتے ہوئے انگارے تھے، خصوصاً ارم کا! ویری گڈ حکایتوں میں سیدہ کاظمی اور رانا شاہد بازی لے گئے۔ بہت خوب، خاص کہانی جیت میں زیبا بدر نے واقعتاً خاص ہونے کا حق ادا کر دیا۔ گڈ، تین سرد تین کہانیاں تینوں عورتوں نے لکھیں اور کیا خوب لکھیں۔ آخر میں زہر عشق کیا کہنے کاشی بھائی، کمال کر دیتے ہیں آپ۔ ہائیڈ پارک میں انتخاب خوب تھا اور تیر نیم کش بھی زبردست خصوصاً صائمہ مجید، روبینہ ناز روبی اور تحسین جونیجو کے اشعار۔

☆: اچھے بھائی! تبصرے کا شکریہ اور اب باقاعدہ ہی رہنا ہے۔ کمرشل کہانی پر آپ کی رائے سر آنکھوں پر مگر کچھ مجبوریاں ساڈیاں وی ہوندیاں نے...... سمجھیا کرو۔

✉: اکوال، تلہ گنگ سے ہمارے قاری ساتھی سلیمان شبیر عرض کرتے ہیں ماہ اکتوبر کا ماہنامہ یکم اکتوبر کو ملا اور دو سے تین دن میں مکمل پڑھا۔ کاشی بھیا اتنا اچھا اور معیاری رسالہ دینے پر آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو مبارکباد۔ سب سے پہلے منزہ آنٹی کا 'بدنصیب کون' پڑھا۔ واقعی ہم لوگ ہی 'بدنصیب' ہیں جو کہ اللہ کے اس تحفے (پاکستان) کی قدر نہیں کر رہے ہیں۔ اس کے بعد احوال پڑھا اور جتنی محبت اور خلوص کے ساتھ

Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

نومبر 2015ء

کوپن برائے احوال

میں سچی کہانیاں کی کہانیوں پر مختصر تبصرہ اپنی تصویر کے ساتھ ارسال کررہا/کررہی ہوں۔ اس خط کو احوال میں شامل کرلیں۔

نام: --

مکمل پتا: --

نومبر 2015ء

کوپن برائے اشاعت کہانی

میں سچی کہانیاں میں اپنی کہانی اپنی تصویر کے ساتھ اشاعت کے لیے بھیج رہا/بھیج رہی ہوں۔ اسے کسی شمارے میں شاملِ اشاعت کرلیں۔

عنوان کہانی: -------------------- تعدادِ صفحات: ----------

Downloaded From
Paksociety.com

نام: --

مکمل پتا: --

فون/سیل نمبر: --

نومبر 2015ء

کوپن برائے پسندیدہ کہانی

میں سچی کہانیاں میں شائع ہونے والی کہانی پر پسندیدگی کا اظہار کرتا/کرتی ہوں۔ میری رائے میں

اوّل، عنوان: -------------------- مصنف: --------------------

دوم، عنوان: -------------------- مصنف: --------------------

سوم، عنوان: -------------------- مصنف: --------------------

نام: -------------------- شہر: --------------------

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

آپ نے احوال سجا رکھا ہے۔ اللہ پاک اس خلوص اور محبت کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین۔ احوال میں سب نے بہت ہی زبردست تبصرے بھیجے۔ ادی زرینہ جونیجو' ادی تحسین جونیجو' اشفاق شاہین' ایم یعقوب' آپا مسز نوید ہاشمی' سدرہ انور علی اور باقی تمام کے تبصرے بھی بہت اچھے تھے۔ اسماء اعوان 'لائف بوائے' کے حوالے سے بہت اچھی اسٹوری ڈھونڈ کر لاتی ہیں۔ کاروانِ حجاز مولانا ماہر القادری اور حجاز میں چودہ دن شورش کاشمیری صاحب نے دل میں اللہ کا گھر اور مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی تڑپ اور بڑھا دی۔ مجرم کون، واری، ابا کی بختاور، پامسٹ، کتے کی موت، عزت دار، کہانیاں بہت ہی زبردست تھیں۔ اور اس ماہ کی خاص کہانی 'جیت' زیبا بدر کی واقعی خاص کہانی ہے۔ جاوید راہی مفرور اور بھائی ممتاز احمد قلی سے افسر تک دونوں بھائیوں کی تعریف ایسے ہی ہے جیسے سورج کو چراغ دکھایا جائے۔ مسئلہ یہ ہے میں بابا جی دکھی انسانیت کی جو خدمت کر رہے ہیں اللہ پاک اُن کو اس کی جزائے خیر دے۔ ہائیڈ پارک اور تیرنیم کش میں بھی سب کا انتخاب اچھا تھا۔ ہم شکل اور زہر عشق کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ آخر میں تمام احوالیوں کو جنہوں نے ہمیں یاد رکھا یا یاد نہیں رکھا سب کو سلام عرض اور سچی کہانیاں کی ترقی کے لیے دن رات دعا گو۔

☆: پیارے سلیمان! بھئی سچ پوچھو تو تمہارے تبصرے کا انتظار رہتا ہے۔ سلامت رہو! تم جیسے قاری ہمارا مان ہوتے ہیں۔

✉: احوال میں یہ آمد ہے ہماری بہت پیاری سی بہن ارم خان کی ڈی جی خان سے، لکھتی ہیں رسالہ پانچ تاریخ کو ملا سب سے پہلے احوال کی طرف دوڑ لگائی جہاں سب سے پہلے بھیا جی ملے احوال کی سرداری سنبھالے ہوئے پھر ان کے بعد سب سے پہلے ادی زرینہ جونیجو دیری گڈ، پھر باری باری تمام احوالی نظر آئے۔ مزے اور محبت کی بات تو یہ ہے کہ کاش بھیا ہر احوالی کے ساتھ ساتھ رہے اور اُن کے خلوص کا پھول ہر احوالی کو حاصل ہوا۔ اپنے خط کے جواب پر آ کر میں رُک سی گئی ہیں۔ بھیا جی ہم خاص نہ تھے اور نہ ہیں مگر پھر بھی آپ نے ہمیں خاص لفظوں سے نوازا بہت شکریہ۔ بہن مسز نوید ہاشمی، ہر اچھائی خود کو منواتی ہے آپ کی کہانی اچھی تھی۔ سو تعریف بھی ہوئی اس میں شکریہ کہنے کی کوئی بات نہیں۔ خوش رہو۔ شاہد رفیق سہو بھائی میرا تبصرہ اور شعر پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ ڈیئر سدرہ انور علی، شکریہ کی ضرورت نہیں آپ کا تبصرہ ہر ماہ اچھا ہوتا ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ آپ کا پچھلے ماہ اور اس ماہ والا شعر مجھے کافی پسند آیا۔ میرا شعر پسند کرنے کا شکریہ۔ ایم یعقوب بھائی ٹھیک کہا آپ نے۔ اپنے کبھی نہیں بھولتے۔ اپنے تبصرے میں یاد کرنے کا شکریہ۔ فرح انیس ڈیئر کہاں گم ہیں آپ، جلدی سے حاضری لگوائیں۔ کہانیوں میں واری' ابا کی بختاور' انصاف' نرالے یہ بھید ہیں' روگ عمر بھر کا ہے' نیکی کرتا جا' شاندار تھیں۔ تیرنیم کش میں محمد جاوید' شاہد رفیق سہو' ایم افضل آزاد' محمد ندیم عباس میواتی' ابوہریرہ بلوچ' مجید احمد جائی' سدرہ انور علی' حمیرا قریشی' ماہین فاطمہ' شاہدہ' ماہم نعیم شاہ کی شاعری پسند آئی۔ گڈی آپا اس نام کے سوا میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، ہاں اتنا پتا ہے گڈی آپا کا تعلق سچی کہانیاں سے تھا۔ لکھاری تھیں، وہ میری نہ جان پہچان تھی ان سے نہ کوئی رشتہ تھا لیکن آج ان کے اچانک چلے جانے پر دکھ ضرور ہوا اللہ پاک اُن کی مغفرت کرے آمین۔

☆: اچھی بہن! تبصرہ بہترین رہا۔ لو اب انعام بھی حاصل کرو۔ اس ماہ آپ کی کہانی شائع ہو رہی ہے۔ مبارک ہو۔

✉: کراچی سے ہماری بہن منزل خان ہمیں یاد کر رہی ہیں، لکھتی ہیں۔ ہر دلعزیز بھیا اور پیارے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

احوالیوں کو منزل خان کا محبت بھرا اسلام۔ سب سے پہلے نہایت سلیقے سے سجی دھیمی مسکراہٹ لیے ٹائٹل گرل نے خوش آمدید کہا۔ اشتہارات پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے ادارے میں پہنچی۔ واقعی انسان بہت ناشکرا ہوتا ہے۔ آزادی کی اصل قیمت وہی لوگ جان سکتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے پیاروں کو اپنی آنکھوں کے سامنے لٹتے، کٹتے اور دم توڑتے دیکھا ہے۔ ان ہی سوچوں میں ڈوبی احوال میں پہنچی تو کاشی بھیا کے سوال نے چونکا دیا۔ بھیا! زندگی کے جھمیلوں سے تنگ آ کر دو گھڑی سکون کا سوچنے پر ہی تو قلم ہاتھ میں تھاما ہے۔ بہت سکون ملتا ہے اپنے خیالات کی گردش کو الفاظ کے سپرد کر کے اس بار احوال پر نظر پڑتے ہی میں ڈینونک کا اشتہار بن گئی تھی۔ کیونکہ اس بار بہت سے پرانے نام جگمگا رہے تھے۔ جن میں تحسین جو نیجو' فرزانہ نگہت' حجاب فاطمہ اور صائمہ سحر آپ سب کو ویلکم بیک۔ نئے ساتھی حمیرا قریشی' سجدہ صابر' ملازم حسین' ابوذر غفاری اور ناظرہ اشتیاق آپ سب کو خوش آمدید۔ مومنہ بتول' بیٹی کی شادی بہت مبارک ہو۔ شاید رفیق' ایم یعقوب' مسز نوید ہاشمی' ممتاز احمد' فیصل ندیم بھٹی، محمد جاوید بہت شاندار تبصروں کے ساتھ میدان میں آئے تھے۔ سلیمان شبیر آپ کو چکوال میں یہ جریدہ 31 تاریخ کو کیسے مل جاتا ہے جبکہ کراچی میں رہ کر بھی مجھے 4,3 تاریخ سے پہلے میسر نہیں ہوتا؟ رانا حبیب الرحمٰن، کاشی بھیا ہمارے خطوط بغل میں گھاس کاٹنے والی قینچی رکھ کر پڑھتے ہیں۔ سدرہ انور' کاشی بھیا اگر سیلفی میں سب سے آگے کھڑے ہوئے تو ہم جیسے چھوٹے موٹے قلم کار اُن کے پیچھے نظر ہی نہیں آئیں گے۔ ارم خان' آپ دونوں کان کسی اور سے پکڑوا لیتی اور خود اطمینان سے تبصرہ کرتی اس طرح فرح انیس کو شکایت نہ ہوتی اور نہ آپ کو پرابلم۔ عبدالغفار بھیا' آپ کی بات صرف دل ہی نہیں بلکہ گردوں' پھیپھڑوں اور جگر تک کو چھوگئی۔ اقرم شہزادی آپ خود کیوں پانی پئیں گی، ہم کس لیے ہیں۔ احوال میں آئی ہیں تو کچھ کھائے پیے بغیر تو ہم آپ کو جانے نہیں دیں گے۔ مجید بھیا اور بھابی صائمہ مجید سچ بتائیں آپ دونوں میں پہلے کون اس جریدے کو پڑھنے کے لیے حملہ آور ہوتا ہے؟ تیرنیم کشش میں ماہم نعیم اور شاید رفیق کے اشعار پسند آئے۔ کہانیوں میں داری' ابا کی بختاور' کینسر' عزت دار' بگلی اور جیت بہت عمدہ کہانیاں تھیں جبکہ دیکھتی آنکھیں، کتے کی موت' صدقہ' نیکی کرتا جا، وڈیری، استاد، ایمانداری کا ٹکٹ، تم یاد آتی ہو، ادھوری کہانی، سماج سیوا، موسی پرندے، قلی سے افسر تک بھی اچھی کہانیاں ثابت ہوئیں۔ اب اجازت اللہ آپ کا اور ہم سب کا حامی و ناصر رہے آمین۔

☆: اچھی بہن! تبصرہ کر کے تو تم نے دل جیت لیا۔ خوش رہو اور اب احوال سے غیر حاضر نہ ہونا۔

✉: ہمارے احوال کی شریر عظمیٰ شکور اسلام آباد سے تبصرہ لیے حاضر ہیں، لکھتی ہیں۔ ارے واہ کیا صحت بنالی مطلب قربانی کا گوشت بانٹا نہیں خود کو دیکھا ایڈیٹر صاحب اُف اُف موٹے ہو گئے گوشت کھا کھا کر (ارے ہم تو خود قربان ہوتے ہوتے رہ گئے بی بی! تم کہتی ہو جان بنالی!) ہاں جی احوالیو! کیسے ہو سب دیکھنے میں تو سب خوش دکھ رہے ہو۔ ہاں جی کاشی صاحب کا ساتھ ہو اور خوشی نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کبھی تو منزہ سہام کے خواب اچھے پاکستان کے حقیقت کا روپ دھاریں گے۔ احوال کے شروع میں کاشی صاحب کے معصوم خیالات پڑھے خوشی ہوئی۔ اس منافق دنیا میں کاشی ملے ہم سب کو خدا کی قدرت ہے۔ تو جی آیئے کہانیوں کی طرف، کچھ کہانیاں بے وفائیوں، کچھ جذبات و احساسات سے عاری لوگوں کی تھیں مگر ہر کہانی الگ ہی رنگ میں تھی۔ دیکھتی آنکھیں اعجاز احمد نکرال صاحب کمال کی کہانی تھی مطلب آنکھوں والے بے حس ہیں جو اس طرح کے کام کر کے قدرت کا انتقام بھول جاتے ہیں۔ ابا کی بختاور محسن علی شاہی اچھا لکھا آپ نے۔ اچھا لکھا نصیبوں کے کھلنے کے انتظار میں لڑکیاں باپ کی دہلیز پر ہی بوڑھی ہو جاتی ہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ویسے ایسا کیوں ہوتا ہے۔ انصاف فرزانہ نگہت حد کرتی ہیں آپ مطلب اتنی زبردست اسٹوری مگر بھیانک انجام!! اُف ڈر لگ رہا ہے دنیا سے...... نرالے یہ بھید ہیں ٹھیک ہی تو کہتے ہیں آپ مجید احمد جائی صاحب! یہ بھید وہ اوپر والا ہی جانے۔ مگر اُس کی پکڑ شدید ہوتی ہے۔ قسم سے...... روگ عمر بھر کا ہے او ہوا ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا قسم سے دکھ ہوا۔ نبیل جاوید' کینسر کیمیں غزالہ نیہاں جیسا آپ کا نام خوبصورت ہے نا ایسی ہی خوبصورت کہانی لکھ ڈالی آپ نے زبردست جی۔ جی تو چلیے ذرا ہائیڈ پارک کی ٹھنڈی ہوا لے لیں اُف جس بہت ہے۔ دوزخ کی آگ محمد افضل کمال لکھ دیا۔ جزاک اللہ انعم شہزادی کا لکھا کلام بہت اچھا لگا۔ مطلب یوں سمجھیں ہر تحریر حسین تھیں۔ تیر نیم کش میں روبینہ ناز کا شعر مجھے اچھا لگا۔ مجید احمد جائی صاحب ہر جگہ چھائے ہیں آپ، جناب راز تو بتا دیجیے۔ جی تو اجازت دیجیے اُف ایڈیٹر صاحب کو تو دیکھیں کیسے خوش ہو گئے۔ (آپ کا تبصرہ خوشی جو دیتا ہے) جی نہیں اگلے ماہ پھر حاضر ہو جائیں گے ہم تبصرہ لیے۔ اُف ہو گئی نہ ٹھنڈی چائے تبصرے کے چکر میں۔ او کے جی میں چلوں۔ چائے میرے انتظار میں ہے اور مجھے انتظار رہے گا آپ سب کی خوبصورت باتوں کا اگلے مہینے۔ ٹاٹا، بائے بائے۔

☆: پیاری عظمیٰ! سچ پوچھو تو تم نے احوال کو اپنے منفرد انداز سے اپنا بنا لیا ہے۔ خدا کرے کہ محبتیں یوں ہی برقرار رہیں۔ لڑکی تمہارا تبصرہ بھی زبردست ہوتا ہے۔ جیو۔

✉: کراچی سے ہماری آپا مسز نوید ہاشمی کی احوال میں شرکت ہے، لکھتی ہیں۔ منزہ سہام کا انداز بیان بے حد خوبصورت اور کھلا سچ ہوتا ہے۔ کاشی چوہان احوال کی محفل کو خوبصورتی سے سجائے بیٹھے ہیں۔ سب سے پہلے گڈی آپا کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا اور میں شاکڈ رہ گئی۔ مرنا سب کو ہے کبھی میری کبھی تیری باری۔ احوال میں سب کے خط پڑھے نمبر ون رہے سب۔ مجید احمد جائی اور بھائی صائمہ مجید مجھے آج پتا چلا ہے آپ مسز مجید احمد جائی ہیں۔ ماشاء اللہ شہزادی شہزادے سب ہمارے احوال میں شریک ہیں اور پریاں بھی آسمان سے آ کر اس محفل کی رونق کو دوبالا کر دیتی ہیں، پھر کیوں دل نہ لگے اپنے احوال میں۔ مجھے بھی اپنا یہ پیار بھرا احوال بے حد پسند ہے۔ جو کاشی میرا بھائی بہت محبت سے سجاتا ہے۔ ایم اے راحت آپ کی طبیعت کا سن کر افسوس ہوا۔ میری دعا ہے کہ جب تک میرا یہ خط احوال میں شامل ہو آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں۔ اللہ آپ کو صحت عطا فرمائے آمین۔ آپ کی ہم شکل ناول اور کاشی چوہان کی زہر عشق سچی کہانیاں کا دل ہے۔ دل کو اگر جدا کر دیا جائے تو کچھ نہیں بچتا ہے۔ بے حد مصروفیات کی وجہ سے کہانیاں نہیں پڑھ پا رہی ہوں اور بغیر پڑھے ہم سے تبصرہ نہیں ہوتا۔ انشاء اللہ اگلے مہینے پڑھ کر تبصرہ کروں گی۔ آپ لوگ یقین کریں میرے بیگ میں ڈائجسٹ ہمیشہ رہتا ہے۔ جب موقع ملے پڑھ لیتی ہوں۔ میرے دوست کلائنٹ سب نے ایک دفعہ مجھ سے لے کر ڈائجسٹ پڑھی تو دوسری بار اپنی مرضی سے ڈائجسٹ خرید لی ہر کوئی سچی کہانیاں کی تعریف کرتا ہے۔ اکثر لوگ اپنی زندگی کی کہانی، اپنی پریشانی، حادثہ مجھ سے ضرور شیئر کرتے ہیں۔ اللہ منزہ سہام کاشی چوہان اور تمام رائٹرز کو اس کا اجر ضرور دے گا کیونکہ وہ سچ کا آئینہ دکھا رہے ہیں۔

☆: پیاری آپا! تبصرہ پڑھ کر آپ کی پرچے سے محبت دو چند ہو جاتی ہے۔ اپنا خیال رکھیں۔

✉: لاہور سے ہماری بہت پیاری سی آپی فریدہ جاوید فری کچھ یوں رقم طراز ہیں اکتوبر کا سچی کہانیاں ملا سب سے پہلے تمام احوالیوں کو دعا اور سلام گڈی آپا کے انتقال کا پڑھ کر بے حد افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ کہانیاں اس مرتبہ بس سو سو رہیں مگر موسمی پرندے اور نیکی کرتا جا۔ کتے کی موت' وڈیری' اس ماہ کی خاص کہانی جیت بہت مزے کی تھی۔ زہر عشق کی قسط نمبر 8 پڑھی، لاجواب جا رہی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہے۔ مجید بھائی اور سدرہ انور یاد کرنے کا بے حد شکریہ۔ بے حد سلام اور دعا مقصود بھائی بہنا کو بھول گئے، نہ دعا نہ سلام۔ مسز نوید ہاشمی خوش رہو۔ بے حد سلام! آپ کے تبصرے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ عظمیٰ شکور اور سب کو سلام اور دعا۔ تیر نیم کش میں سدرہ انور' شین ماہا' صائمہ مجید' مجید احمد جائی' روبینہ ناز روبی کے شعر دل کو چھو گئے۔ ہائیڈ پارک میں دوزخ کی آگ نے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ اچھا جی اللہ حافظ۔

☆: اچھی آپی! خوش رہیں۔ آپ کی صحت کی فکر دامن گیر ہے۔ اپنا بہت سارا خیال رکھیں۔ تبصرہ آپ کی محبت کا ثبوت ہے۔

✉: ساہیوال سے ہمارے نئے ساتھی ایم افضل آزاد شامل احوال ہیں، لکھتے ہیں اکتوبر کا سچی کہانیاں لاہور سے بارہ اکتوبر کو ہی مل گیا ویسے کاشی بھائی ٹائم کے بہت پکے ہیں۔ جو دن بتایا اسی دن ہی رسالہ مل گیا ورنہ دوسرے رسالے والے بتاتے ہیں۔ یکم کو آئے گا رسالہ مگر ان لوگوں کی یکم آتی 15 تاریخ کو ہے۔ سب سے پہلے ٹائٹل پر نظر پڑی تو ٹائٹل گرل اپنے خوبصورت انداز میں نہایت ہی حسین لگی۔ اشتہارات کو بنا دیکھتے ہی ہم پہنچے بدنصیب کون، میں وہاں پر دیکھنے کے بعد پتا چلا کہ بدنصیب ہم ہی ہیں۔ احوال میں نظر ڈالی اپنا احوال دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مہربانی کاشی بھائی۔ احوال میں تو کاشی کی بات نے دوبارہ احوال میں شامل ہونے کی یاددہانی کروائی۔ اسٹوری میں سب سے پہلے زہر عشق پڑھی۔ ویلڈن کاشی بھائی بہت اچھی قسط وار اسٹوری جارہی ہے۔ گلی سے افسر تک ممتاز احمد۔ حجاز میں چودہ دن، شورش کاشمیری' مجرم کون' سید ملازم حسین' ابا کی بختاور' محسن علی شامی' نبیل جاوید کی روگ عمر بھر کا ہے' کینسر' سیمیں غزالہ' مفرور' جاوید راہی' ڈھونڈو گے ہمیں نصرت سرفراز' موسمی پرندے' ریحانہ تنویر' جیت' زیبا بدر' ایمانداری کا ٹکٹ' رانا محمد شاہد وڈیری سیدہ کاظمی' تم یاد آئی ہو' ایم سلطان' پگلی' راشد لطیف صبرے والا کی اسٹوری گڈ تھی۔ سب نے قلم سے خوب انصاف کیا۔ آہ گڈی آپا کی موت کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ ندیم عباس ڈھکو، عامر وکیل جٹ آپ بھی احوال میں شامل ہوا کرو یار۔

☆: اچھے افضل! تبصرے کا شکریہ اسی طرح ہمارے ساتھ رہنا۔

✉: چک نمبر 58 شمالی' سرگودھا سے ہمارے دوست فیصل ندیم بھٹی لکھتے ہیں ماہ اکتوبر کا شمارہ میرے سامنے ہے۔ ٹائٹل میں لڑکی خوبصورت لباس کے ساتھ بال کھولے ہوئے استقبال کرتی نظر آئی۔ اس کے بعد منزہ سہام کا اداریہ بدنصیب کون؟ پڑھ کر مسلمانوں کی بدنصیبی پر دل بہت دکھی ہوا۔ احوال میں اس بار تو 52 خطوط شامل تھے۔ کاشی بھیا خطوط کی ففٹی ہونے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں یہ سب آپ کی بے انتہا شب و روز کی محنت کا نتیجہ ہے۔ احوال میں نئے آنے والے تمام دوستوں کو خوش آمدید جن میں سجدہ صابر' ایم افضل آزاد' ابوہریرہ بلوچ' ابوذر غفاری' محمد جاوید' حمید علی' شاہد رفیق سہو اور صائمہ بشیر صاحبہ خط کی پسندیدگی کا شکریہ دوسرا یہ بتائیں کہ اتنا عرصہ کہاں غائب رہیں؟ ایم یعقوب آپ سے بھی مل کے اچھا لگا۔ فرزانہ نگہت واپس احوال میں آنے پر خوش آمدید۔ مس منزل خان پہلے تو خوش آمدید دوسرا اتنی سینئر لکھاری کے قلم سے میرے خط کی تعریف میرے لیے بہت حوصلہ افزا ہے۔ باجی مسز نوید ہاشمی سنا ہے کراچی کا موسم تو اب بھی اتنا گرم ہے؟ بھائی مجید احمد جائی آپ تو بڑے بھیا ہیں۔ یاد کرنا تو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور بھائی کو ہمیشہ خوش رکھے۔ اولیاء اللہ کے شہر میں، اولیاء کے سائے میں یونہی ہنستے مسکراتے رہیں۔ ناظمہ اشتیاق مظفر آباد سے حاضر ہیں۔ خوش آمدید آپ کے ہاں تو موسم ٹھنڈا ہوتا ہے۔ ممتاز احمد اور عزیز مئے کو سلام۔ عقیدتوں کا سفر میں کاروانِ حجاز میں حرمین شریفین کے پُرانوار لمحات کو محسوس کرتے ہوئے آنکھوں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

سے آنسو امڈ آئے۔ گویا یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میری روح ان مقدس تجلیات سے سرشار ہو رہی ہے۔ اب آتے ہیں کہانیوں پر تبصرے کی طرف۔ پہلی سچی کہانی مجرم کون؟ وطن سے محبت کی بے مثال کہانی ہے' داری دیکھتی آنکھیں' ابا کی بخشا' ور انصاف' نرالے یہ بھید ہیں' روگ عمر بھر کا ہے' کینسر' پاسٹ بہترین سچ بیانیاں ثابت ہوئیں۔ میجر عبدالقدوس تحسین کو خراج تحسین پیش کر کے سرفہرست رہے۔ ساتھ ہو تو ایسا۔ جو ہم سفر کے چلے جانے کے بعد بھی عقیدت کے پھولوں سے مہکتا رہے۔ ایم اے راحت کا سلسلہ ہم شکل بہترین ہے۔ ندیم عباس سیواتی' کتے کی موت' اتنا بھیانک انتقام بھی لوگ لے سکتے ہیں۔ کبھی سوچا نہ تھا۔ عزت دار' ریگی' صدقہ' نیکی کرتا جا' وڈیری' استاد' تم یاد آتی ہو' ادھوری کہانی بھی گوارا تھیں۔ زیبا بدر کی جیت شمارے کی خاص کہانی بہترین ہے۔ فاریہ کا لڑکیوں کا ظالموں کے چنگل سے نجات دلانا انسانیت کی معراج ہے۔ سماج سیوا، موسمی پرندے' ڈھونڈو گے ہمیں، جاوید راہی کی مفرور، ممتاز احمد کی قلی سے افسر تک بھی بہترین کہانیاں ثابت ہوئیں۔ کاشی چوہان کا زہر عشق تو اسراریت کی بہترین کڑی ہے۔ مسئلہ یہ ہے' ہائیڈ پارک' تیر نیم کش بھی بہترین سلسلے ہیں۔ صائمہ مجید کا شعر بہترین اور سبق آموز ہے۔

☆: پیارے فیصل! تبصرہ اچھا لگا۔ کہانی کے بارے میں تمہیں جلد آگاہ کر دیا جائے گا۔

✉: کراچی سے فرح انیس دو ماہ بعد احوال کا حصہ بن رہی ہیں، لکھتی ہیں اکتوبر کا شمارہ قدرے تاخیر سے ملا۔ اس پر غضب یہ بھی ہے کہ دس تاریخ سے پہلے خط بھیجنا ہوتا ہے۔ گڈی آپا کا پڑھ کر افسوس ہوا۔ اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے رشتے داروں کو صبر دے آمین۔ سدرہ انور علی آپ نے یاد کیا میں آ گئی جناب۔ جس جس نے میری کمی کو محسوس کیا اس کا شکریہ اور جس نے نہیں کیا اس کا بالکل بھی شکریہ نہیں۔ احوال میں ہمیشہ کی طرح ماشاء اللہ خوب رونق لگی ہوئی تھی۔ نزاہت افشاں' ارم خان' مسز نوید ہاشمی بہت شکریہ۔ سال گرہ کی مبارکباد کے لیے، انعم شہزادی اور صائمہ مجید خوش آمدید، آپ کی احوال میں آمد بہت اچھی لگی۔ منعم اصغر کہاں غائب ہیں؟ باقی سب کیسے ہیں۔ کاشی بھیا اور سب کی خیریت مطلوب ہے۔ اب آتی ہوں تبصرے کی جانب، مولانا ماہر القادری کا کاروانِ حجاز اور شورش کاشمیری کا حجاز میں چودہ دن پڑھ کر دل کو ٹھنڈک ملی۔ اللہ پاک تمام مسلمانوں کو وہاں کی حاضری کی سعادت بار بار نصیب فرمائے آمین۔ اعجاز احمد فکرال کی تحریر بہت اچھی لگی۔ ارم ناز کی تحریر آنکھوں کو نم کر گئی۔ اللہ تو اپنے بندے کے عیب چھپا لیتا ہے، پر لوگ نہیں چھپاتے۔ شیخ معظم کی تحریر ان لوگوں کے لیے سبق ہے جو اپنی اولاد سے لاپروائی برتتے ہیں۔ نعیم اللہ کی تحریر استاد بہت اچھی تھی۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی، حمیرا خان ویلڈن بہت اچھی تحریر تھی آپ کی۔ ایسی ہی سماج سیوا تو ہو رہی ہے آج کل ملک میں اور ہماری سادہ عوام کروا رہی ہے شوق سے ایسی سیوا، ریحانہ تنویر کی تحریر بھی بہت اچھی تھی۔ جاوید راہی کی تحریر بھی زبردست تھی۔ ممتاز احمد کی تحریر بہت اچھی لگی واقعی انسان کی محنت اور ہمت اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ کاشی بھیا کا ناول زہر عشق میں شرجیل کی انٹری نے کہانی کو نیا موڑ دیا۔ زبردست ماشاء اللہ باقی تحریریں ابھی پڑھی نہیں، امید ہے وہ بھی بہت اچھی ہوں گی۔ تیر نیم کش میں سب ہی کے اشعار پسند آئے۔ کاشی بھیا آپ کا شکریہ آپ نے میری غزل اور شعر لگایا۔ زندگی نے وفا کی تو پھر ملاقات ہو گی۔

☆: اچھی سی! پیاری سی فرح! جگ جگ جیو! انشاء اللہ بہت جلد تحریر پڑھ کر جواب سے آگاہ کروں گا۔ تبصرے کے لیے شکریہ۔

✉: راشد لطیف صبرے والا، ملتان سے عرض کرتے ہیں، ماہ اکتوبر 2015 کا سچی کہانیاں بہاولپور سے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

خریدا۔ ٹائٹل خوبصورت تھا۔ منزہ سہام کا اداریہ ''بدنصیب کون'' خوب رہا، اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلائے۔ آمین۔ احوال میں نئے لوگوں کو خوش آمدید، ویلکم، پرانے احوالیوں کے لیے ڈھیروں نیک خواہشات، سلام و دعا۔ مجید احمد جائی، ممتاز احمد، منشی محمد عزیز مئے، فیصل ندیم بھٹی، علی حسنین تابش، سدرہ انور علی، ارم ناز، ندیم عباس میواتی، ڈاکٹر خادم حسین کھیڑا، باجی صائمہ مجید، مسز نوید ہاشمی تبصروں کے ساتھ مسکراتے نظر آئے۔ تمام کے تمام احوال زبردست تھے۔ تمام کے لیے چھوٹی سی بات، کہ ہمیشہ حق سچ کا راستہ اپنانا کاشی بھائی آپ کی نظم ہر بار بہت خوب ہوتی ہے۔ ویلڈن۔ نرالے یہ بھید، مجید احمد جائی کمال کا لکھتے ہیں، قلی سے افسر تک، پلیٹ فارم کہانی، ہر بار لکھاری سبق آموز تحریر لا کر ہمارے دلوں کے تار ہلا دیتا ہے۔ محمد سلیم اختر کی کہانی بھی خوب رہی۔ اس کے بعد، کتے کی موت، سماج سیوا، عزت دار، حجاز کے چودہ دن، روگ عمر بھر کا، تم یاد بہت آتی ہو، انصاف، دیکھتی آنکھیں، جیت، بہت خوب رہیں۔ اس کے علاوہ باقی کہانیاں بھی زبردست تھیں۔ زہر عشق شاندار جا رہی ہے اور ہم شکل نے متاثر کیا ہوا ہے۔ چھوٹے سلسلے کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں اور ان کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ باقی میرے پیارے شاہد رفیق سہو صاحب، ہم فقیر لوگ ہیں، جھوٹ سے نفرت اور سچ بولتے ہیں چاہے گردن اڑ جائے۔ زندگی اور موت رب رحمان کے ہاتھ میں ہے۔ سچ بولنے پر موت آ جائے تو خوشی سے سر کٹوا دوں گا۔ سچی کہانیاں کے اسٹاف اور لکھاریوں کے لیے دلی دعا، اس بار پرچہ شاندار رہا۔

☆ اچھے بھائی! تبصرے کا شکریہ، رہی بات حق سچ پر چلنے کی تو بھیا یہ پند و نصائح کا وقت نہیں۔ آپ اپنا راستہ چلیں دوسروں کو اُن کے راستے چلنے دیں۔ زندگی بہت مختصر ہے۔ جیو اور جینے دو۔

✉: ہمارے بہت پیارے ساتھی مجید احمد جائی، ملتان شریف سے شامل احوال ہیں۔ لکھتے ہیں اُمید کرتے ہیں رب تعالیٰ کے خاص کرم و فضل سے ہنستے مسکراتے، خوشیاں بانٹتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ رحمتوں اور نعمتوں کے سائے تلے ہمیشہ شاد اور آباد رکھے آمین ثم آمین۔ اس بار سچی کہانیاں بہت دور سے منگوایا، ہاں جی لاہور سے اپنے دوست کو زحمت دی، کیونکہ ملتان میں پرچہ ابھی تک آیا نہیں، آٹھ تاریخ ہو گئی، لیکن سچی کہانیاں کی ٹرین کہیں راستہ بھول گئی، اور ایک ہم ہیں کہ سچی کہانیاں نہ پڑھیں، بخار سا ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو تندرست رکھنے کے لیے سچی کہانیاں پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ (ڈاکٹر حضرات! ہوشیار باش) سرورق دیدہ زیب اور کمال تھا۔ سچی کہانیاں کے سرورق کمال کے ہوتے ہیں، دل جیت لیا۔ آگے بڑھے تو منزہ سہام کا اداریہ ''بدنصیب کون'' ہمارا منتظر تھا۔ منزہ سہام کے اداریے پورے پرچے کی جان ہوتے ہیں۔ احوال کی دُنیا، خوابوں کی دُنیا، جس میں پریاں، شہزادے پیارے محل میں کاشی بھائی کے ساتھ خوب دل کا احوال پیش کرتے ہیں۔ تحسین جونیجو، ممتاز احمد، منشی محمد عزیز مئے، ارم ناز، سدرہ انور علی، علی حسنین تابش، فیصل ندیم بھٹی، ندیم عباس میواتی، صائمہ مجید، ڈاکٹر خادم حسین کھیڑا، نگہت غفار، مسز نوید ہاشمی، کے شاندار تبصروں کے ساتھ باون شامل احوال تھے۔ یہ سچی کہانیاں کی کامیابی کی زندہ جاوید مثال ہے اور اس کا سہرا پیارے کاشی چوہان صاحب کو جاتا ہے۔ ان کی انتھک محنت اور جدوجہد سے نہ صرف سرکولیشن میں اضافہ ہوا ہے بلکہ نئے لکھاری بھی شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر سو سچی کہانیاں کی گونج ہے۔ چھوٹی سی بات عرض کروں گا، میرے بھائی اپنوں کے رُوپ میں منافق لوگوں سے محتاط رہیے۔ رانا محمد شاہد، صفدر عباس، مبارک علی شمسی، اور بہت سے پرانے لوگ کہیں گم ہیں، پلیز لوٹ آئیے۔ کہانیوں میں سب سے پہلے قلی سے افسر تک پڑھی، دل کے نہہ خانوں سے مصنف کے لیے دعائیں نکلی۔ ممتاز احمد

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

دنیا میں کس جگہ سچی کہانیاں کے چرچے نہیں

آپ سچی کہانیاں کے خریدار بن کر ملک کو

زرِمبادلہ بھیجیے

اندرون ملک =/890 روپے

ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلے میں دستیاب ہے

زرسالانہ

کویت	55امریکی ڈالرز	ایران	55امریکی ڈالرز
سعودی عرب	55امریکی ڈالرز	سری لنکا	55امریکی ڈالرز
یو اے ای	55امریکی ڈالرز	جاپان	55امریکی ڈالرز
مصر	55امریکی ڈالرز	لیبیا	55امریکی ڈالرز
یونان	55امریکی ڈالرز	ڈنمارک	55امریکی ڈالرز
فرانس	55امریکی ڈالرز	جرمنی	55امریکی ڈالرز
برطانیہ	55امریکی ڈالرز	ہالینڈ	55امریکی ڈالرز
ناروے	55امریکی ڈالرز	پولینڈ	55امریکی ڈالرز
امریکہ	65امریکی ڈالرز	کینیڈا	65امریکی ڈالرز
افریقہ	65امریکی ڈالرز	آسٹریلیا	65امریکی ڈالرز

آج ہی رابطہ کیجیے 88-C II ۔فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل ۔ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

فون نمبر: 021-35893121 - 35893122

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

صاحب جی جان سے لکھتے ہیں اور ہر بار عمدہ کاوش لے کر آتے ہیں۔ دیکھتی آنکھیں، حجاز میں چودہ دن، روگ عمر بھر کا، مجرم کون، مغرور، کتے کی موت، جیت، ایمانداری کا ٹکٹ، تم یاد آتی ہو، عزت دار کے ساتھ ساتھ تمام کہانیاں شاندار رہیں۔ زہر عشق، اپنے جادوئی اثر میں جکڑے منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ ہم شکل، خوب چل رہی ہے۔ مستقل سلسلے، کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں، ہو سکے تو کسی نہ کسی کا انٹرویو ہر ماہ شامل اشاعت کریں، مختصر احوال کے ساتھ اجازت، جہاں رہیں سلامت رہیں، خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں۔

☆: پیارے مجید! پرچے سے تمہاری محبت' تمہارے قد میں اضافے کا باعث بن رہی ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد پرچہ وقت پر آپ کے ہاتھوں میں ہوا کرے گا۔ خوش رہو۔

✉: صائمہ مجید ملتان سے ہماری بہت پیاری بہن لکھتی ہیں ماہ اکتوبر کا سچی کہانیاں قدرے لیٹ ملا۔ سرورق خوبصورت اور شاندار تھا۔ سچی کہانیاں کے حسن کو چار نہیں چوبیس چاند لگا کر حسن میں اضافہ کر رہا تھا، منزہ سہام کا ''بدنصیب کون'' بہت خوب تھا۔ منزہ سہام اداریہ کے علاوہ بھی تحریریں لائیں تو سونے پہ سہاگہ ہوگا۔ کاشی بھیا کی حق اور سچ گوئی بھلی لگی۔ دُنیا والے سچے کھرے لوگوں کو چین سے جینے ہی نہیں دیتے، ہیں ناں بھیا۔ لیکن یہ بھی سچ ہے جیت ہمیشہ سچ کی ہوتی ہے، پھر کیوں نہ ہمیں حق اور سچ کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ اس بار نئے اور پرانے احوالیوں نے خوب احوال پیش کیے۔ ممتاز احمد، سدرہ انور علی، ارم ناز، نگہت غفار، ڈاکٹر خادم حسین کھیڑا، مجید احمد جائی، ملک عاشق حسین ساجد، منشی محمد عزیز مئے، راشد لطیف کے احوال زبردست تھے۔ احوالیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ سچی کہانیاں ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ گڈی آپا کے انتقال پر ملال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ کہانیوں میں سب سے پہلے محمد سلیم اختر کی تحریر پڑھی، سادہ اسلوب میں زبردست لکھتے ہیں۔ اس کے بعد قلی سے افسر تک پڑھی، ممتاز احمد مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کتے کی موت، نرالے یہ بھید ہیں، مجید احمد جائی، کمال کی تحریر تھی۔ کمرشل کہانی لائف بوائے، خوب جا رہی ہے۔ دیکھتی آنکھیں، روگ عمر بھر کا، مجرم کون، مغرور، تم یاد آتی ہو، سماج سیوا، عزت دار، زبردست تحریریں تھیں۔ زہر عشق نے اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ ہم شکل منزل کی طرف جاتے ہوئے، مستقل سلسلے ہائیڈ پارک، تیر نیم کش بھی خوب چل رہے ہیں۔ اس بار تمام کا تمام پرچہ زبردست رہا۔ میری طرف سے ڈھیروں ڈھیر مبارکاں۔

☆: اچھی بہن! اب اپنی بھی کوئی تحریر بھیج ہی دو۔ تبصرہ ہمیشہ کی طرح اچھا لگا۔

✉: سونیا خان، چاہ شاہ گردیز سے پہلی بار شامل احوال ہیں، لکھتی ہیں۔ ماہ اکتوبر کا سچی کہانیاں، سات تاریخ کو ملا۔ سرورق بہت اعلیٰ تھا۔ منزہ سہام کا اداریہ بدنصیب کون، پڑھ کر دل سوچوں کے نگر میں ڈوب گیا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ احوال کی محفل مسکراہٹوں سے سجی ہوئی تھی۔ میں شکر گزار ہوں، مجید احمد جائی صاحب کی جنہوں نے سچی کہانیاں سے متعارف کروایا۔ زبردست پرچہ ہے، ہر احوالی محبت سے سرشار ہے اور محبتوں کا پیغام دے رہا ہے۔ میرا کسی رسالے میں پہلا خط ہے، اُمید ہے ویلکم کریں گے۔ میرے لیے یہ محفل نئی ضرور ہے لیکن اُمید ہے مجھے اس محفل کے قانون وضوابط سے آگاہ کیا جائے گا، تحسین جونیجو، مجید احمد جائی، منشی عزیز مئے، ارم ناز، سدرہ انور علی، ممتاز احمد، راشد لطیف صبرے والا، کے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

زبردست تبصرے تھے،اس کے علاوہ بھی شاندار احوال تھے اور ان کے خوبصورت جوابات دیے گئے ہیں۔کہانیوں میں قدم رکھا تو ہر کہانی دوسری سے بڑھ کر تھی۔ کس کا نام لکھوں، کس کو گم نام لکھوں۔ سلسلے وار کہانیاں زہر عشق،اور ہم شکل شاندار رہیں،کاش میں پہلی اقساط بھی پڑھ سکتی،زہر عشق کتابی شکل میں کب آئے گا۔ مستقل سلسلے بھی اچھے لگا۔قلی سے آفسر تک،انصاف،نرالے یہ بھید، کتے کی موت لاجواب کہانیاں تھیں۔اگر آپ نے میرا لیٹر کسی کونے میں ٹانک دیا تو حاضری یقینی بناؤں گی،ورنہ......ہم غریب لوگ کر بھی کیا سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سچی کہانیاں سے جڑے ہر فرد کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے،اور دین حق پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے،خاتمہ ایمان ہو،موت کے وقت لبوں پر مسکراہٹ اور دل میں ملال نہ ہو،آمین

☆: گڑیا سونیا! خوش آمدید! زہر عشق کے لیے مارچ سے پرچے ادارے سے منی آرڈر کے ذریعے منوائے جاسکتے ہیں۔اور ہاں......گڑیا اب احوال میں مستقل حاضر رہنا۔ مجھے انتظار رہے گا۔

✉: ہمارے نبض شناس ڈاکٹر خادم حسین کھیرا رجب والا، ملتان سے لکھتے ہیں۔ ماہ اکتوبر 2015 کا سچی کہانیاں اسلام آباد سے ملتان آتے ہوئے ایک ٹول پلازے سے خریدا۔ماشاءاللہ اسرورق کے ساتھ بہت خوبصورت پرچہ لگا۔منزہ سہام کا اداریہ بدنصیب کون نے دل کے نہہ خانے روشن کر دیے۔آپ کی سچی باتیں سچی کہانیاں کو حسن بڑھا دیتی ہیں۔احوال میں منشی محمد عزیز، مجید احمد جائی،ممتاز احمد،صائمہ مجید،راشد لطیف صبرے والا،تحسین جونیجو،سدرہ انور علی،ندیم عباس میوانی،اور نئے احوالیوں نے خوب لکھا۔نئے احوالیوں کو مبارک باد قبول ہو،چند پرانے محفل سے غیر حاضر ہیں،وہ بھی وجہ بتائے بغیر۔اس بار تمام کے تمام احوال شاندار تھے۔گڈی آپا کی وفات کا سن کر دل کو شاک لگا،اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر وجمیل عطا فرمائے،دکھ کی اس گھڑی میں ہم برابر کے شریک ہیں۔کرشل کہانی لائف بوائے خوب رہی،نرالے یہ بھید ہیں،کمال کی تحریر تھی۔انداز تحریر خوب پسند آیا،معاشرے میں پھیلی برائیوں کی عکاس تحریر تھی۔قلی سے افسر تک،کتے کی موت،عزت دار،تم یاد آتی ہو،سماج سیوا،جیت،ایمانداری کا ٹکٹ،وڈیری،حجاز میں چودہ دن،انصاف،روگ عمر بھر کا کمال کی تحریریں تھیں۔اس کے علاوہ باقی تحریریں بھی خوب رہی،زہر عشق،پراسراریت پھیلائے ہوئے لحہ لحہ جس میں جکڑے منزل کی طرف سفر کرتے ہوئے خوب جاری ہے۔ہم شکل،مفرور بھی خوب رہی۔ہائیڈ پارک،تیر نیم کش،کمال ترتیب کی تحریروں سے مزین تھے۔اس بار سچی کہانیاں نے دل پر گہرے نقوش چھوڑے۔تمام اسٹاف اور لکھاریوں کو مبارک باد۔اللہ تعالیٰ سچی کہانیاں کو ترقی کی منزلیں طے کروائے،دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے اور ہمیشہ شاد اور آباد فرمائے۔آمین۔

☆: ڈاکٹر صاحب! آپ کی احوال میں باقاعدگی ہمارا سر فخر سے بلند کر دیتی ہے۔اپنا بہت خیال رکھیں۔اور ہاں بھیا......وہ تحریر کیا ہوئی جو ہم تک پہنچ ہی نہیں پا رہی ہے۔

✉: کنزہ ملک،قاسم پور ملتان سے پہلی بار ہماری بزم میں شریک ہیں، لکھتی ہیں۔عرصہ دس سال سے امی سے چھپے چھپائے اسے پڑھتی چلی آرہی ہوں۔آپ کی سچی کہانیاں سے محبت نے سچی کہانیاں کو عروج پر پہنچا دیا ہے۔آج نہ چاہتے ہوئے بھی احوال لکھنے پر مجبور ہوگئی ہوں۔منزہ سہام کا اداریہ بدنصیب کون ہمیشہ کی طرح خوب لکھا گیا۔پچاس سے اوپر احوالیوں کے شاندار احوال،شامل اشاعت تھے۔سبھی کو مبارکاں! کنجوسو! ہمیں ویلکم تو کرلو۔کہانیوں کے انتخاب میں قلی سے افسر تک،کتے کی موت،نرالے ہیں یہ بھید،عزت دار،جیت،مجرم کون،سماج سیوا،تم یاد آتی ہو،مغرور،داری،انصاف نے خوب انصاف کیا،کیا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہوا اگر میرے ملک میں انصاف کے ساتھ کھلواڑ کیا جا رہا ہے۔ زہر عشق، بہت ڈراتی ہے، بیچارہ سلمان جن کو پاگل کتے نے کاٹ لیا تھا جو انسانوں میں آ دھمکا۔ یہ انسان سب سے خطرناک مخلوق ہے۔ اس کے کئی روپ ہیں اور ہر روپ نرالا ہے۔ ہائیڈ پارک، تیر نیم کش، مستقل سلسلے اچھے جا رہے ہیں۔ اب اجازت

☆: نٹ کھٹ کنزہ! خوش آمدید، خوش رہو۔ ویلکم اور ہاں لڑکی تبصرہ دس سال بعد بھیجا نوازش مگر اب مستقل احوالی رہنا۔ اب پھر سے نہ کہیں چھپ چھپا جانا۔

✉: کراچی سے ہماری سینئر لکھاری ساتھی نفیسہ فضل لکھتی ہیں سب سے پہلے انتہائی ہر دلعزیز اور قابل لکھاری گڈی آپا کی جدائی کی خبر پر دل دکھی ہو گیا کہ وہ اپنے چاہنے والوں کو، اپنے محبت کرنے والے شوہر اور پیارے پیارے بچوں کو داغ مفارقت دے گئیں۔ اللہ رب العزت تحسین اختر کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ مجھے ان کی پختہ تحاریر سے دلی لگاؤ تھا۔ اب کیا تبصرہ کروں، کہانیوں پر، دل دکھی ہو گیا ہے۔ بہرحال زہر عشق اور ہم شکل تو ہے ہی نامور مصنف کا اس کی تو ایک الگ حیثیت ہے۔ پہلی دو کہانیاں کاروان حجاز اور حجاز میں چودہ دن دل و دماغ کو روشن کر گئیں۔ نصرت سرفراز، ڈھونڈو گے ہمیں، نے روح کو جھنجوڑ دیا۔ جیت زیبا بدر میں تو گم ہو گئی تھی فاریہ کے کردار میں۔ عزت دار، ارم ناز کی زبردست تحریر ہے۔ قلی سے افسر تک ممتاز احمد' ندیم عباس سیوانی کتے کی موت' مظلوم کی آہ سے بچو! پاسٹ' ملک محمد اکرم' وڈیری سیدہ کاظمی' نرالے یہ بھید ہیں مجید احمد جائی غرض تمام کہانیوں نے ایک تاثر چھوڑا ہے۔ صبح لاسٹ ڈیٹ ہے اس لیے اب اجازت، اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ سفر سے پہلے آیت الکرسی ضرور پڑھا کریں۔

☆: نفیسہ آنٹی! آپ کے تبصرے کے لیے شکریہ۔ آپ بھی اپنا خیال رکھیں۔ آپ ہمارا سرمایہ ہیں۔

آخر میں اپنے پیاروں کی نذر ایک تازہ نظم کے ساتھ ہی اگلے ماہ تک کے لیے اجازت۔

انجام

سنہری پیڑ کی ٹہنیوں پر
بسیرا ہے میری محبت کا
چمکتی بوندیں، رہن رکھی محبت
اپنی جیب میں بھر کر میں
روز اک نیا کام کرتا ہوں
سیلی مٹی پہ اپنا نام لکھتا ہوں
روز اس نام کو دفن کرتا ہوں
سیکڑوں ورق محبت کے پھڑ پھڑاتے ہیں

سنہری پیڑ سے پتے جھڑتے ہیں
اور پھر میرے نام کے ساتھ
روز مٹی میں دفن ہو جاتے ہیں
رہن رکھی محبت آزاد ہو جاتی ہے
روز ہوا میں اڑ جاتی ہے
جیب خالی رہ جاتی ہے
بس چمکتی بوندیں مٹی چمکاتی ہیں
روز اک نیا کام دہراتی ہیں

آپ کا اپنا

کاشی چوہان

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

لائف بوائے... آئیڈیل ملائے

اسماء اعوان

حقیقت سے جڑی وہ کہانیاں، جو اپنے اندر بہت سارے دکھ سکھ اور کامیابی کے راز پنہاں رکھتی ہیں

سدرہ بیگم کو بس شوق تھا تو یہی کہ دونوں بیٹوں کی بہوئیں لائیں تو لمبے لمبے بالوں والی ہوں۔ سیاہ، چمکتے، لانبے بال اُن کی کمزوری تھے۔ خود اُن کے بال بچپن میں کسی بیماری کے سبب بہت روکھے، پھیکے اور بے جان ہوگئے تھے۔ اُن کے پڑوس میں اُن کی سہیلی صفیہ نے غربت کے ہاتھوں تنگ آ کر اپنی محنت سے بیوٹیشن کا کورس کیا اور پھر جلد ہی دو ایک بیوٹی پارلرز میں کام کر کے انہوں نے اپنے گھر ہی میں اپنا بیوٹی پارلر کھول لیا۔ بیس برس میں ترقی کرتے کرتے بیوٹی پارلر جم گیا اور عزت کے ساتھ گھر بیٹھے صفیہ بیگم حلال رزق کمانے لگی تھیں۔

سدرہ بیگم سادگی پسند خاتون تھیں۔ میاں کی اپنی فرم تھی۔ خدا کا دیا ہوا سب کچھ تھا۔ لیکن اُن کی سادگی بے مثال تھی۔ وہ اپنی اس ایک خواہش پر ذرا پیچھے ہٹنے کو راضی نہ تھیں۔ بڑے بیٹے کی شادی کردی لیکن بہو...... بہو ہی تھی، اُن کی خواہش پوری نہ ہوئی تھی۔ وہ خدا کی رضا پر راضی بہ رضا ہوگئیں۔ قانع ہوگئیں۔ صفیہ سے اکثر چھوٹے بیٹے کی بابت بات ہوتی رہتی تھی۔ وہ بھی تلاش میں سرگرداں تھیں مگر خدا کی مرضی...... لڑکیاں تو بہت تھیں مگر سدرہ بیگم کو گھر ہستی بنانے والی چاہیے تھی، اترانے والی نہیں۔ سو بات بننے اور تلاش رشتہ پر دونوں ہی امید افزا تھیں۔

سدرہ بیگم کی صفیہ سے دوستی دو چند اُس زمانے میں ہوئی جب سدرہ اپنے بالوں کی وجہ سے ازحد پریشان تھیں۔

صفیہ نے اُن کے دو موہے بال بہت سارے شیمپو استعمال کرا کر ٹھیک کرنا چاہے لیکن شیمپو بے کار رہے اور بال اپنی رہی سہی صورت بھی کھو بیٹھے۔ آخری حل کے طور پر لائف بوائے شیمپو استعمال کرایا گیا۔ پہلے ہفتے تو نتیجہ صفر رہا لیکن پھر رفتہ رفتہ جادو ہوگیا اور سدرہ بیگم اپنے بالوں کی تکالیف سے نجات حاصل کرنے لگیں۔ ایسا جادو دیکھ کر ہی صفیہ نے اپنے پارلر کا نام Life Beauty Parlour رکھا تھا۔ لائف بوائے شیمپو ان کی استعمال کردہ سب سے کامیاب پراڈکٹ تھی۔ جس کے بنا وہ بیوٹی کو نامکمل سمجھتی تھیں۔

☆......☆......☆

آج کل سدرہ بیگم کی طبیعت ناساز چلی آرہی تھی۔ وہ چاہ رہی تھیں کہ جلد از جلد چھوٹے بیٹے کے لیے اپنی پسندیدہ بہو لے آئیں۔ ایک جگہ پھر سے لڑکی دیکھی گئی۔ ثناء ایک میلاد کی تقریب میں اُن کی نظر میں آئی تھی۔ لانبے، سیاہ چمکدار بالوں والی اس لڑکی پر اُن کا دل آ گیا اور جھٹ اس کی بھابی رفعت کے آگے دستِ سوال دراز

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کر دیا۔ وہ لوگ عظیم کو بھی دیکھ گئے تھے۔ اب انہوں نے فائنل جواب دینا تھا۔

☆......☆......☆

فون کی بیل بجی تو سدرہ بیگم چونک پڑیں۔ ایک انجانی مسرت کے تحت ان کے لب مسکرا اٹھے اور آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ تو صبح ہی سے فون کا انتظار کر رہی تھیں اس لیے فون اٹھاتے ہی چہک کر بولیں۔

"ہیلو!"

"آداب آنٹی!" دوسری جانب ثناء کی بھابی رفعت بول رہی تھیں۔

"جیتی رہو' خوش رہو۔" انہوں نے حسب عادت خوش دلی سے دعا دی۔ "اور سناؤ سب ٹھیک ہیں' کیا خبر سنا رہی ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

سدرہ بیگم کی پرمسرت آواز اور لہجے کو سن کر رفعت چپ سی ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ انہیں کس طرح سے یہ خبر سنائے جب کہ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی اچھی خبر کا انتظار کر رہی ہیں۔

سدرہ بیگم نے بھی اس کی گمبھیر خاموشی کو محسوس کر لیا اور ان کا دل انجانے خدشے سے دھڑک اٹھا۔

"بولو نا بیٹی' کیا بات ہے' تم چپ کیوں ہو؟" انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"آئی ایم سوری آنٹی! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کس طرح سے کہوں' اصل میں ہمارے ہاں سب گھر والوں کی مرضی سے ہر فیصلہ کیا جاتا ہے' آپ یوں سمجھ لیں کہ سب لوگ ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے۔" اس نے کہا اور پھر خاموش ہو گئی۔

"اچھا!" انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ "جیسی آپ لوگوں کی مرضی مگر انکار کا سبب تو بتا دو۔" انہوں نے مردہ لہجے میں کہا۔

"نہیں' کوئی خاص وجہ بھی نہیں ہے۔ شاید اللہ نے جوڑ بنایا ہی نہیں تھا۔ اچھا خدا حافظ!" اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

سدرہ بیگم ایک بار پھر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بار بار انہیں ایک ہی جواب سننے کو کیوں مل رہا ہے۔ آخر ان میں' ان کے گھر میں' ان کے ہونہار بیٹے میں ایسی کون سی خرابی ہے کہ کہیں سے بھی ہاں میں جواب نہیں آ رہا۔ اس مرتبہ تو وہ بہت پرامید تھیں۔ دو روز قبل جب ثناء کے گھر والے عظیم کو دیکھنے کے لیے آئے تھے تو جاتے ہوئے بہت خوش اور مطمئن تھے بلکہ ان لوگوں نے تو آپس میں منگنی پر بھی ڈسکس کیا تھا اور ایک دوسرے کے رسم و رواج کے متعلق بھی پوچھا تھا پھر آج فون کر کے جواب دینے کا وعدہ کیا تھا اور آج جب جواب آیا تو انہوں نے انکار ہی کر دیا۔ وہ بہت دل برداشتہ ہو رہی تھیں۔

سدرہ بیگم کے شوہر علیم خان اپنی فرم کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کی صورت میں دو بیٹے ہی عطا کیے تھے۔ سب کے سب لائق' ہونہار اور فرمانبردار تھے۔ سدرہ بیگم بھی نہایت خوش مزاج' سادہ اور دریا دل مشہور تھیں۔ عموماً انہوں نے لوگوں کو یہ کہتے بھی سنا تھا کہ آپ کے گھر آنے والی بہو بہت خوش قسمت ہو گی۔ نہ نندوں کا بکھیڑا نہ کام کاج کی فکر' کیوں کہ کام کاج کے لیے گھر میں نوکر موجود تھے اور پھر خود سدرہ بیگم بہت منکسر المزاج تھیں۔ غصہ کرنا یا لڑائی جھگڑا کرنا تو وہ جانتی ہی نہیں تھیں۔ گھر میں دولت کی ریل پیل تھی مگر ان کے رہن سہن اور اطوار سے کہیں بھی بناوٹ اور تکبر نہیں چھلکتا تھا۔ وہ انتہائی حد تک سادگی پسند تھیں۔

بڑے بیٹے کی شادی وہ خاندان میں کر چکی تھیں مگر بہو مزاج کی تک چڑھی تھی۔ اسے سدرہ بیگم کی سادگی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ ایک روز انہوں نے اپنے کانوں سے سنا ان کی بہو فون پر اپنی امی سے بہت تپے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"پتا نہیں امی' اتنی ڈھیر ساری دولت کو جمع کر کے کیا کریں گی؟ نہ تو گھر میں اور نہ ہی ان کی شخصیت میں وہ چمک دمک دکھائی ہی نہیں دیتی جو نظر آنی چاہیے' بس ہر وقت سادگی سادگی کی رٹ لگائے رہتی ہیں۔"

سدرہ بیگم بت سی بن گئی تھیں۔ اگرچہ انہوں نے بہو پر کبھی بلاوجہ روک ٹوک نہ کی تھی بلکہ انہوں نے تو سارا گھر بہو پر یہ کہہ کر چھوڑ دیا تھا کہ بیٹا' یہ تمہارا گھر ہے' جس طرح چاہو' اس کو سجاؤ اور سنوارو اور جتنے پیسوں کی ضرورت ہو' مجھ سے لے لو۔" مگر بہو اس گھر کو اپنا سمجھتی تب نا' اس کا کہنا تو یہ تھا کہ یہ اس کا گھر نہیں ہے' یہ تو

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ساس کا گھر ہے' پھر وہ کیوں اتنی محنت کرے۔ اتنی محنت تو بس اپنے ہی گھر کے لیے کی جاتی ہے۔
عظیم ان کا لائق بیٹا تھا۔ وہ چائلڈ اسپیشلسٹ تھا اور امریکا سے تعلیم حاصل کر کے آیا تھا۔ اچھی شکل و صورت تھی مگر پھر بھی نہ جانے کیا بات تھی کہ ہر بار لڑکی والے انکار کر دیتے۔ انہیں یاد تھا کہ ایک مرتبہ جب وہ ایک لڑکی کو دیکھنے گئیں اور انہوں نے اپنے شوہر اور بیٹوں کے متعلق بتایا تو لڑکی کی ماں نے حیرت سے انہیں اوپر سے نیچے تک دیکھا اور منہ بنا کر بولیں۔
''آپ کو دیکھنے سے لگتا تو نہیں کہ آپ کے شوہر اپنی فرم کے مالک ہوں گے اور بیٹے بھی اتنا کماتے ہوں گے۔''
''کیا مطلب؟'' انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔
''کچھ نہیں۔'' لڑکی کی ماں نے کہا اور پھر وہاں سے بھی انکار آ گیا۔
اس روز صفیہ جب ان سے ملنے کے لیے آئیں تو انہوں نے تمام حالات بیان کر کے اس سے پوچھا۔
''صفیہ! تم مجھے صاف صاف بتاؤ کہ لوگ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ کیا اپنے بیٹے کے ہر رشتے کے انکار کی وجہ میں ہوں؟''
''ایسا ہو سکتا ہے۔'' صفیہ نے جواب دیا۔ ''کیوں کہ تم آج کل کے زمانے اور لوگوں کی سوچ سے واقف نہیں ہو۔ لوگ چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھ کر اپنے آپ کو عقل مند تصور کرتے ہیں۔ یہاں تو لوگوں کا حال یہ ہے کہ ادھر چار پیسے ہاتھ میں آئے نہیں اور لوگوں نے اپنا رنگ ڈھنگ اور حلیہ بدلا نہیں' چاہے ڈھنگ سے پیٹ میں روٹی نہ جائے مگر جسم پر لباس اتنا قیمتی ہو گا کہ دوسرا انہیں کچھ سے کچھ سمجھ لے' ڈرائنگ روم اتنے شاندار طریقے سے سجالیں گے چاہے سارا گھر بھنڈار ہی پڑا رہے اور پھر تم ذرا اپنی جانب نگاہ ڈالو' تمہارے ہاں ماشاء اللہ' ماہانہ لاکھوں کی آمدنی آ رہی ہے اور تم سر میں کالے خضاب کی جگہ مہندی استعمال کرتی ہو۔ سادے کپڑے پہنتی ہو' ڈھیروں گولڈ ہونے کے باوجود نمائش نہیں کرتیں۔ نہ ہی اب تم پارلر جاتی ہو۔ بس ادھر تمہارے بال لائف بوائے شیمپو نے ٹھیک کیے، اُدھر تم نے پارلر سے ناتا توڑ ڈالا۔ شاید تمہیں دیکھ کر لوگ یہی سوچتے ہوں گے کہ پیسا پاس تو ہے مگر تم جاہل گنوار ہو' معاف کرنا' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے تمہیں جاہل گنوار کہہ دیا۔'' صفیہ نے کہا۔
''مگر صفیہ! میں تو شروع ہی سے ایسی ہوں۔ مجھے تو کبھی ان سب باتوں کا خیال ہی نہیں آیا۔ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ سادگی اللہ کو پسند ہے۔ نمود و نمائش کو تو رب پیارے نے بھی پسند نہیں کیا اور رہی گھر کو جدید طریقے سے سجانے کی بات تو میں تو ایک طرف ہو گئی ہوں۔ بس بالوں کے مسئلے پر میں خدا سے شکوہ کناں تھی مگر وہ بھی تم نے ہی لائف بوائے شیمپو کے ذریعے حل کر دیا اور یہ گھر میں نے بہو کو سونپ دیا تھا کہ اپنی پسند اور مرضی سے سجالو اس لیے کہ میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ بہویں گھر میں ساس کا زیادہ عمل دخل پسند نہیں کرتیں مگر وہ تو یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئی کہ اپنا گھر وہ ہوتا ہے جہاں کا بلاشرکت غیرے بندہ خود مالک ہوتا ہے اور میں تو جیسی ہوں' ٹھیک ہوں' اب میں اپنے آپ کو اس عمر میں تو بدلنے سے رہی۔'' سدرہ بیگم نے کہا۔
''تم رشتے بھی تو اچھے گھرانوں میں ڈھونڈ رہی ہو۔ ذرا نچلے طبقے کی طرف جا کر دیکھو۔ جھٹ ہاں ہو جائے گی۔'' صفیہ کا مشورہ برا نہیں تھا مگر ان کا دل کسی طرح نہ مانتا تھا۔
''کیوں' کیا میرا بیٹا پڑھا لکھا نہیں ہے؟ میرا سارا سسرال تعلیم یافتہ ہے تو میں رشتہ بھی ایسے ہی لوگوں میں دیکھوں گی اور خاندان کی تو میں ایک بہو لے ہی آئی ہوں۔ دوسری لانے کو اب دل آمادہ نہیں ہوتا دوسری بہو تو مجھے لمبے چمکدار، بالوں والی چاہیے باقی بالوں کی خوبصورتی میرا لائف بوائے شیمپو پوری کر دے گا۔'' سدرہ بیگم نے صاف گوئی سے کہا۔
''تو پھر تمہیں اپنے آپ کو بدلنا ہو گا۔ ذرا ٹپ ٹاپ سے بڑے لوگوں کی بیگمات کی طرح رہنا سیکھو پھر دیکھو لڑکی والے کیسے تمہارے آگے پیچھے پھریں گے۔ اب یہ انکساری دوسروں سے جھک کر ملنا چھوڑ دو' ان باتوں کی کوئی قدر نہیں ہے آج کل' ٹھسے سے جاؤ گی تو لوگ تمہیں کچھ سمجھیں گے۔'' صفیہ نے نئی راہ دکھائی تھی۔
''نہیں صفیہ! میں خدا کی ذات سے پُرامید ہوں۔ اس دنیا میں کوئی تو میرے جیسے مزاج کا ہو گا جو مجھے قبول کرے گا۔''

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

سدرہ بیگم نے کہا تو صفیہ بھی خاموشی سے اٹھ گئیں۔

☆......☆......☆

شام کو عظیم گھر آئے تو انہوں نے امی کا اداس چہرہ دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ ایک بار پھر انکار میں جواب آیا ہے۔ انہوں نے ماں سے کچھ بھی نہیں پوچھا اور خاموشی سے ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھے مگر سدرہ بیگم آج بالکل خاموش تھیں۔ عظیم ان کے چہرے کے گہرے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہے تھے۔

''کیا سوچ رہی ہیں امی؟'' وہ مسکراتے ہوئے سالن کا ڈونگا اپنے نزدیک کرتے ہوئے بولے۔

''کچھ نہیں! مجھے کیا سوچنا ہے سوائے اس کے کہ آخر ہم میں ایسی کیا خرابی ہے جو ہر رشتہ ہی سے انکار ہوا جا رہا ہے۔'' انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

''آپ ناحق پریشان ہو رہی ہیں۔ ابھی اس کام کا وقت ہی نہیں آیا ہے۔ جب وقت آ جائے گا' پھر کہیں سے انکار نہیں ہوگا۔''

عظیم نے سالن پر نگاہ ڈالی اور امی کا دھیان بٹانے کے لیے بولے۔

''یہ کوفتوں کا سالن یقیناً آپ نے بنایا ہے۔ اس کی خوشبو تو یہی بتا رہی ہے۔''

سدرہ بیگم بیٹے کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسکرا دیں۔

☆......☆

سبین کے دروازہ ناک کرنے پر اندر سے فوراً ہی یس کمنگ کی آواز آئی تھی اور پھر دروازہ کھولتے ہی اس کی نگاہ بڑی سی میز کے پیچھے بیٹھے اس بارعب شخص پر پڑی تو اس کے ہاتھ لرزنے لگے مگر اپنے آپ کو سنبھال کر اس نے ایک بار پھر بڑے سے دوپٹے کو درست کیا اور بااعتماد اور پروقار طریقے سے چلتی ہوئی آگے بڑھی اور کرسی پیچھے کر کے بیٹھ گئی۔

''آپ کا نام سبین ہے اور تعلیم......؟'' انہوں نے ایک نگاہ سامنے رکھی ہوئی فائل پر ڈالی اور گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''جی میں نے بی ایس سی کیا ہے۔'' اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے صاف ستھرے لہجے میں کہا۔

''اور عمر......؟'' پھر پوچھا گیا۔

اس کا دل چاہا کہ جھٹ کہہ دے کہ سامنے سب کچھ لکھا موجود تو ہے۔

''انیس سال۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ''واقعی؟''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ میرے خیال میں آپ نے میرے برتھ سرٹیفکیٹ کو تو ضرور دیکھا ہوگا پھر بھی شاید آپ یہ اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ میں کس قدر جھوٹ بول لیتی ہوں' یا بول سکتی ہوں۔'' اس نے بنا کسی گھبراہٹ کے صاف گوئی سے کہا۔

''محترمہ آپ شاید یہ سمجھ رہی ہیں کہ اس قدر اعتماد اور صاف گوئی کا مظاہرہ کر کے مجھے امپریس کر لیں گی۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں ہے اور شاید آپ کو یہ جان کر افسوس بھی ہوگا کہ اس جاب کے لیے فائنل سلیکشن تو ہو چکا ہے کیوں کہ آج کے انٹرویو کی آپ آخری امیدوار تھیں اس لیے میں نے سوچا کہ وقت گزاری کے لیے آپ سے بھی تھوڑی سی ملاقات اور بات چیت کر لی جائے۔'' اس شخص کا انداز تمسخر آمیز تھا۔

''چلیں' اچھا ہی ہوا کہ آپ نے پہلے ہی فائنل سلیکشن کر لیا۔ اگر آپ مجھے سلیکٹ کر بھی لیتے تو میں آپ جیسے شخص کے ساتھ کام کرنا قطعی پسند نہیں کرتی جو آفس میں کام سے زیادہ صرف ملاقاتوں اور بات چیت میں ٹائم ضائع کرتا ہو۔'' اس نے شدید تپے ہوئے لہجے میں کہہ کر اس شخص کے سامنے رکھی ہوئی اپنی فائل تیزی سے اٹھائی اور جانے کے لیے مڑ گئی۔

''ارے' آپ تو ناراض ہو گئیں' ایک منٹ پلیز! دیکھیں' ہو سکتا ہے کہ میں اس امیدوار کو جس کا سلیکشن ہوا ہے' ریجیکٹ کر دوں اور آپ کو منتخب کر لوں۔'' وہ اس کی اس حرکت کے باوجود چہرے پر شستی سی مسکراہٹ سجا کر بولا۔

''بہت شکریہ' میں نے ابھی کہا نا کہ میں آپ جیسے لوگوں کے ساتھ کام نہیں کر سکتی۔ مجھے تو آپ بہت ہی کمزور ذہن کے مالک لگتے ہیں۔ جلدی میں فیصلے بھی کر لیتے ہیں اور اپنے ہی فیصلوں کو بدلنے میں ذرا بھی ٹائم نہیں لگاتے۔'' اس نے تنگ کر کہا۔

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

"آپ جا سکتی ہیں۔" اس بار اپنی بے عزتی پر وہ بھی تپ کر بولا تو سبین تیزی سے باہر نکل آئی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اس نے ایک اچھی ملازمت جو اسے مل سکتی تھی' کھودی ہے مگر کیا کرتی۔ اس نے اس شخص کی آنکھوں اور رویے میں جو گھٹیا پن دیکھا تھا' اس کے بعد کہاں ممکن تھا کہ اس کا دل آمادہ ہوتا۔ وہ اک ٹھنڈی سانس لے کر اسٹاپ پر کھڑی ہو گئی اور اپنے مطلوبہ روٹ کی بس کا انتظار کرنے لگی۔

☆......☆......☆

وہ جب گھر میں داخل ہوئی تو تھکن اور گرمی سے برا حال تھا۔ اس نے ہاتھ میں تھامی ہوئی فائل اور پرس چارپائی پر پھینکا اور خود بھی چارپائی پر ڈھے گئی۔

"کیا ہوا بیٹی' کوئی امید بندھی؟" اماں ہاتھ میں پانی کا گلاس لے کر اس کے قریب آتے ہوئے بولیں۔

"نہیں اماں!" اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"مل جائے گی نوکری بھی۔" اماں نے اس کا ہاتھ آنکھوں سے ہٹایا اور اس کے سامنے پانی کا گلاس کر دیا۔ اماں کو دیکھ کر وہ اٹھ گئی اور پانی پی کر اپنے خشک حلق کو تر کرنے لگی۔

"مجھے تو یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ اب کیسے گزارہ ہو گا؟ چند روپے پڑے ہیں' آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں رہا اور تم ہو کہ سارے پیسے میری دواؤں میں ضائع کر دیتی ہو۔" اماں اس کے قریب بیٹھتے ہوئے فکر مند لہجے میں بولیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں اماں! اللہ مسبب الاسباب ہے' وہ آمدنی کا کوئی نہ کوئی ذریعہ نکال ہی لے گا اور کچھ نہیں تو میں گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کر دوں گی اور آپ نے یہ کیا بات کی کہ آپ کی دواؤں میں پیسے ضائع ہوتے ہیں؟ میری پیاری اماں! آپ ہیں تو سب کچھ ہے' ذرا میرے بارے میں تو سوچیں' ابا نہیں رہے اور اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہو گا۔" اس نے محبت سے اماں کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو اماں نے سر ہلا دیا۔

سبین کو شدید بھوک کا احساس ہوا تو وہ کھانے کے ارادے سے اٹھی اور بولی۔

"اماں! آپ نے کھانا کھا لیا؟"

"نہیں میری بچی! بھلا یہ کیسے ممکن ہے' میری بچی تو بھوکی پیاسی سڑکیں ناپے اور میں گھر میں مزے سے بیٹھ کر کھانا کھا لوں۔" اماں نے دکھی لہجے میں کہا۔

"اماں! دو تین روز پہلے آپ بتا رہی تھیں کہ زینت آنٹی اپنے بچوں کے ٹیوشن پڑھانے کے لیے کوئی ٹیوٹر تلاش کر رہی ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ ان کے بچوں کو میں پڑھاؤں گی۔" سبین نے اچانک ایک خیال آتے ہی سر اٹھا کر اماں سے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹا' جیسی تمہاری مرضی۔" اماں نے پھر ایک گہری سانس لی اور برتن اٹھا کر کچن میں جانے لگیں۔

"ارے اماں! آپ رہنے دیں' میں برتن سمیٹ لیتی ہوں۔ آپ زیادہ کام مت کیا کریں۔ آرام کریں۔ خدا خدا کر کے تو آپ کی طبیعت تھوڑی بہتر ہوئی ہے۔" اس نے اماں کو روکنا چاہا پھر اس نے اماں کے چہرے پر مسلسل فکرمندی کے تاثرات دیکھے تو انہیں سمجھانے لگی۔

"اماں! آپ کو پتا ہے آج کل ٹیوشن پڑھانے میں بڑی کمائی ہے۔ لوگ ٹیوشن ہی کے ذریعے ہزاروں روپے کما رہے ہیں۔"

"پھر بھی بیٹا! خالی صرف پیٹ بھرنے کا تو سوال نہیں ہے۔ میرے آگے سب سے بڑا مسئلہ تمہاری شادی کا ہے' کیا کمی ہے میری بچی تیرے اندر؟ حسین ہے' سگھڑ ہے' پڑھی لکھی ہے' نہیں ہے تو دولت اور بڑا گھر نہیں ہے اور لوگ آج کل تو صرف اونچے گھرانوں میں ہی جاتے ہیں۔" اماں نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں نے کہا ناں کہ آپ ناحق یہ ساری باتیں سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی ہیں۔ سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے' وہ جو کام کرنا چاہتا ہے' اس کے لیے ہر سبیل پیدا کر دیتا ہے۔" اس نے کہا اور چارپائی پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

سبین نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو اماں اور ابا کی پُرشفقت سائے تلے پایا۔ وہ اکلوتی تھی اس لیے اماں ابا کا سارا پیار اس کے حصے میں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے حسن کی دولت سے اسے جی بھر کر نوازا تھا۔ دودھ اور شہد میں گھلی شہابی رنگت' ستواں ناک' بڑی بڑی غلافی آنکھیں اور اونچے لمبے قد کے ساتھ بال بھی خوب دراز تھے۔ اماں آج تک اس کے بالوں میں اپنے ہاتھوں سے

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تیل ڈالا کرتی تھیں اور باقی خوبصورتی لائف بوائے شیمپو پوری کر دیتا تھا۔ ابا ایک کمپنی میں کام کرتے تھے۔ وقت بہت اچھا نہیں تو برا بھی نہیں تھا۔ وہ بی ایس سی کے فائنل ایئر میں تھی کہ ابا اچانک ہی چل بسے۔ اماں نے اپنے سلیقے سے جو تھوڑی بہت رقم پس انداز کی تھی' وہ کچھ ابا کے کفن دفن وغیرہ میں اٹھ گئی' باقی بیٹھے بیٹھے ختم ہونے لگی۔

بی ایس سی کا رزلٹ آیا تو اس نے جاب کے لیے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ اس بھرے پرے شہر میں جہاں لاکھوں نوجوان اپنی ڈگریاں ہاتھوں میں اٹھائے خوار ہو رہے تھے' وہاں وہ بھی اس دوڑ میں شامل ہو گئی مگر ہر جگہ تجربہ مانگتے تھے' وہ تجربہ کہاں سے لاتی' ایک آدھ جگہ بات بنتی دکھائی دی مگر ان لوگوں کی آنکھوں سے چھلکتی ہوس کی اس سے چھپی نہ رہ سکی' سو جاب کی تلاش کا یہ سلسلہ ہنوز جاری تھا مگر آج تو وہ بہت ہی بددل ہو کر واپس آئی تھی۔ اس نے باہر جا کر جاب تلاش کرنے کا فیصلہ موقوف کر دیا تھا۔ اس کے آگے پیچھے کون تھا۔ نہ باپ نہ بھائی' وہ تنہا زمانے کے سرد و گرم کا کہاں مقابلہ کر سکتی تھی۔

☆......☆......☆

وہ بس میں بیٹھی اسی مسئلے پر مستقل سوچ رہی تھی۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ اچانک اس کے پاس بیٹھی خاتون نے اُسے مخاطب کیا۔

''کیا بات ہے بیٹی؟ بہت پریشان دکھ رہی ہو۔''

وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ ''نہیں آنٹی بس ایسے ہی۔''

وہ شفقت سے مسکرائیں۔ ''کیا کرتی ہو، پڑھتی ہو یا جاب کرتی ہو؟''

''آنٹی بی ایس سی ہوں۔ جاب کے لیے تلاش جاری ہے مگر......''

''مگر کیا...... یقیناً وجہ یہی ہوگی کہ لوگ ضرورت مندوں کو پورا کیش کر کے پیسہ دینا چاہتے ہیں۔ آہ! کب بدلے گا نظام۔ کب نوکری ایمانداری سے ہر بندے کو ملے گی۔''

''انشاء اللہ آنٹی! مجھے ضرور نوکری ملے گی۔ میں اپنے خدا پر پورا بھروسا رکھتی ہوں اور پھر اپنی محنت پر۔''

''اللہ تمہارے مان کو سلامت رکھے۔ بیٹی یہ بتاؤ کہ پڑھائی کے علاوہ بھی کوئی کورس وغیرہ کیے ہیں تم نے۔''

''نہیں آنٹی مجھے پڑھنے کے علاوہ دوسرا کوئی شوق نہیں تھا۔ سو بس پڑھائی، پڑھائی اور بس پڑھائی......'' وہ مسکرائی۔

''چندا! پڑھنے کے علاوہ بیوٹی پارلر' سلائی کڑھائی وغیرہ سے متعلق بھی کام آنا چاہیے لڑکیوں کو۔''

''میری امی بھی یہی کہتی ہیں امی بہت اچھی بیوٹیشن اور ہیئر ایکسپرٹ بھی رہ چکی ہیں لیکن خاندان کی حد تک مگر آنٹی امی کی بیماری نے انہیں کسی قابل نہیں چھوڑا۔''

''اللہ کرم کرے گا۔ تم میرا کارڈ رکھ لو۔ میرا پارلر ہے۔ میں وہاں لڑکیوں کو بیوٹیشن کے طور پر ایکسپرٹ بھی کرتی ہوں اور میرا دعویٰ ہے کہ میرے پارلر میں کام کرنے والی لڑکی قسمت بنا جاتی ہے۔'' انہوں نے 'لائف بیوٹی پارلر' کا کارڈ پرس سے نکال کر اُسے دیا۔

''لائف بیوٹی پارلر'' اس نام پر وہ حیران ضرور ہوئی۔

''ارے تعجب کس بات کا ہو رہا ہے۔ سب کچھ لائف ہی کے ساتھ تو ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں اور اس نے بھی کارڈ اپنے پاس رکھ لیا۔

☆......☆......☆

اگلے دن وہ Life Beauty Parlour کے سامنے کھڑی تھی۔ صفیہ نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ اور پھر اُس چھوٹے مگر چلتے ہوئے پارلر میں اُس کی ٹریننگ اسٹارٹ ہو گئی۔

کہتے ہیں جس کام میں دل لگا کر محنت کی جائے اُس کا نتیجہ بھی بہت بہتر سامنے آتا ہے۔ دو ماہ کی محنت میں سبین بہترین بیوٹیشن بن گئی تھی۔

☆......☆......☆

کئی دنوں سے سدرہ بیگم کا بی پی ہائی ہو رہا تھا۔ سر میں درد اور چکر بھی بہت آ رہے تھے۔

''امی! آپ آج ڈاکٹر کو دکھانے ضرور چلی جائیے گا۔ میں گاڑی اور ڈرائیور کو بھیج دوں گا۔ میں آپ کو خود لے جاتا مگر آج کل کلینک میں مریضوں کا بہت رش ہوتا ہے۔ چھوٹے بچوں میں ڈائریا کی وباء پھیلی ہوئی ہے۔'' عظیم نے صبح ہاسپٹل جاتے ہوئے کہا۔

''ارے چھوڑو بیٹا! تم خود کیوں نہیں دوا لکھ دیتے' میں بہت الجھتی ہوں مریضوں کی لائن میں بیٹھنے سے۔'' سدرہ بیگم نے کہا۔

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

"نہیں امی' ڈاکٹر انیل شوگر کے اسپیشلسٹ ہیں اور وہی آپ کا علاج کر رہے ہیں تو آپ کو ان ہی کے پاس جانا چاہیے۔ میں ان سے فون پر بات کر لوں گا۔" عظیم نے کہا اور انہیں تاکید کرتے ہوئے نکل گئے۔

صبح گیارہ بجے ڈرائیور گاڑی لے کر آ گیا تو سدرہ بیگم کو مجبوراً ڈاکٹر انیل کے کلینک جانا پڑا۔

وہی ہوا جس بات سے انہیں کوفت ہوتی تھی۔ مریضوں کا اچھا خاصا رش تھا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ عظیم نے فون کر کے ٹائم لے لیا تھا۔ وہ وہاں پہنچیں تو ریسیپشن پر انہیں ان کا نمبر بتا دیا گیا۔ کلینک میں ڈاکٹر کے روم کے باہر صوفے اور کرسیاں رکھی تھیں۔ صوفے بھر چکے تھے کرسیاں خالی تھیں۔ وہ ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گئیں اور وقت گزاری کے لیے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگیں۔ اچانک ان کی نگاہ قریبی صوفے پر بیٹھی سبین پر پڑی تو ان کی نگاہیں تو جیسے ہٹنا ہی بھول گئیں۔ اتنی حسین اتنی دلکش اور اتنی ہی معصوم صورت اور گھنیرے لانبے بال!! وہ ایسی لڑکی ہی تو چاہتی تھیں۔

نہ جانے کون ہے' کس گھر کی بیٹی ہے کیا خاندان ہے' وہ سوچتے ہوئے ٹکٹکی باندھے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

اچانک سبین کی نگاہ سدرہ بیگم پر پڑی اور اس نے جو انہیں یوں اپنی جانب محویت سے تکتے دیکھا تو جھینپ گئی۔ سدرہ بیگم بھی اپنی چوری پکڑے جانے پر شرمندہ سی تھیں۔ اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔

"السلام علیکم!" اس نے بھی جواباً دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ مترنم لہجے میں کہا۔

"جیتی رہو!" انہوں نے خوش ہو کر کہا پھر قدرے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا تم اپنے چیک اپ کے لیے آئی ہو؟"

"جی نہیں آنٹی میری اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کل تو وہ آئی تھیں مگر آج ان کی طبیعت کافی خراب ہے اس لیے میں تنہا ہی آئی ہوں تاکہ ڈاکٹر صاحب کو اماں کی کنڈیشن بتا سکوں۔"

"اچھا' اچھا!" انہوں نے بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔

"کیا نام ہے تمہارا اور کہاں رہتی ہو؟" وہ جلد از جلد اس لڑکی کا پتا جان لینا چاہتی تھیں اس لیے موقع ملتے ہی جھٹ نام و پتا پوچھ ڈالا۔

"سبین' اور میں نارتھ کراچی سے آئی ہوں۔ کافی دور ہے مگر کہوں کہ ڈاکٹر اچھے ہیں اس لیے آنا پڑتا ہے۔" اس نے کہا۔

"نارتھ کراچی میں۔" انہوں نے مایوسی سے دہرایا پھر پوچھا۔ "تمہارے بہن بھائی کتنے ہیں اور والد صاحب کیا کام کرتے ہیں؟"

"گھر میں صرف میں اور اماں ہی ہیں۔ بہن بھائی کوئی ہے نہیں اور والد صاحب کا چند ماہ پیشتر ہی انتقال ہوا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تو کیا گزر بسر کرنے کے لیے تم کوئی جاب کرتی ہو یا والد صاحب بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"جاب بہت تلاش کی مگر نہیں مل سکی' بس اب میں ایک پارلر میں جاب کرتی ہوں۔" اس نے کہا۔

اتنے میں اس کا نمبر پکارا گیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سدرہ بیگم اس کے پارلر کا نام پوچھتی ہی رہ گئیں۔

☆......☆......☆

سدرہ بیگم اس رات دیر تک سبین کے بارے میں سوچتی رہیں۔ اس لڑکی میں وہ ساری خوبیاں موجود تھیں جیسی وہ اپنے عظیم کی دلہن میں چاہتی تھیں مگر وہ اتنے غریب گھرانے میں اپنے عظیم کی شادی نہیں کر سکتی تھیں۔ آخر اس کا کوئی اسٹیٹس ہے وہ اپنے ملنے جلنے والوں سے کیا کہے گا کہ اس نے ایسے گھرانے میں شادی کیوں کی ہے اور شاید یہی ٹینشن تھی کہ ان کا بی پی نارمل نہیں ہو رہا تھا حالانکہ وہ ڈاکٹر کی بتائی ہوئی تمام دوائیں پابندی سے لے رہی تھیں۔

اس روز عظیم نے کہا کہ آپ آج اور جا کر ڈاکٹر سے ملیں اور انہیں اپنی ساری کیفیت بتائیں اور اس بار بھی جب وہ ڈاکٹر کے کلینک پہنچیں تو سبین کو وہاں پہلے سے موجود پایا۔ وہ اس سے کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ ان کی نگاہ اس کے ساتھ بیٹھی خاتون پر پڑی اور وہ بری طرح چونک پڑیں۔ گھڑی کی چوتھائی میں وہ پچیس سال پہلے اپنے ماضی میں پہنچ گئیں۔ وہ اور کوئی نہیں' ان کی اسکول کی دوست حلیمہ تھیں۔

"تم حلیمہ ہو ناں؟" انہوں نے حیرت انگیز پر مسرت لہجے میں پوچھا۔

"ہاں' میں حلیمہ ہوں اور تم سدرہ؟" انہوں نے کہا۔

"آج کتنے عرصے کے بعد تمہیں دیکھا ہے۔ کیسی

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
READING Section

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہو؟ کہاں رہتی ہو؟ کتنے بچے ہیں؟" انہوں نے ایکسائیٹڈ ہوکرایک ساتھ کئی سوالات کرڈالے۔

"ارے' آرام سے بھئی'ایک ایک کر کے پوچھو۔ اچھا ٹھہرو میں تمہارے پاس آجاتی ہوں۔" انہوں نے سدرہ بیگم سے کہا اور اٹھ کر ان کے برابر میں جا بیٹھیں پھر بولیں۔ "کیسی ہوں' یہ تم دیکھ ہی رہی ہو' شوگر اور بلڈ پریشر کی مریضہ ہوں اس لیے تمہیں یہاں دکھائی دے رہی ہوں۔ نارتھ کراچی میں رہتی ہوں اور میری ایک ہی بیٹی ہے۔شوہر کا انتقال ہوگیا ہے۔میں تمہیں اپنی بیٹی سے ملواتی ہوں' دیکھو سبین!" حلیمہ نے سدرہ بیگم کے سوالات کے جوابات دینے کے بعد سبین کو مخاطب کیا توانہیں خوشگوارسی حیرت ہوئی۔

"ارے' یہ تمہاری بیٹی ہے؟ ماشاءاللہ' بہت پیاری بیٹی ہے' کل میری اس سے ملاقات ہوئی تھی اور بھئی' میں سچ کہوں کہ تم بہت ہی خوش نصیب ہو جو اتنی پیاری بیٹی اللہ نے دی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہوسدرہ! واقعی یہ بہت ہی پیاری بیٹی ہے' بس تم یوں سمجھ لو کہ اب تو یہی میرا کل سرمایہ ہے۔ اللہ اس کا نصیب اچھا کرے۔" حلیمہ نے محبت پاش نگاہوں سے سبین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا جو نہایت دلچسپی سے بچھڑی ہوئی سہیلیوں کی اس ملاقات کودیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

جب سے سبین کے منہ سے سدرہ بیگم نے Life Beauty Parlour کا سنا تھا۔اُن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اُڑ کرصفیہ کے پاس پہنچ جائیں۔

گھر آتے ہی انہوں نے صفیہ کے پارلر میں دوڑ لگائی۔

"خیریت تو ہے؟"

"ہاں بس......اللہ کاشکر ہے۔"

"اتنی بھاگم بھاگ آنے کی وجہ تو بتادو۔"

"صفیہ مجھے یہ بتادو کہ لائف تم نے اپنے پاس چھپا رکھی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے بہن تم نے میری لائف،میری سبین کواپنے [illegible]......اور......"

"اوہ......اچھاتو یہ بات ہے۔تو تمہیں اپنے لائف بوائے شیمپو والی بہو......جس کے لمبے،سیاہ،لہراتے بال ہوں۔یعنی عظیم کی دلہن مل ہی گئی۔"

"بالکل بالکل! بھئی میں تو سچ میں خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی۔"

☆......☆......☆

دوسرے دن سدرہ بیگم اپنے بیٹے عظیم اور صفیہ کو لیے اپنی سہیلی حلیمہ کے گھر موجود تھیں۔عظیم نے سبین کو سدرہ بیگم کی طرف سے ایک گفٹ پیک دیا تھا۔

"بیٹی تم اسے کھولو تو ذرا ہمارے سامنے۔" سبین نے سدرہ بیگم کے کہنے پر گفٹ پیک کھولا۔اندر سے لائف بوائے شیمپو کے تین بڑے شیمپو نکلے۔

"اس کا مطلب جانتی ہو۔" صفیہ بیگم نے سبین کو ٹہوکا دیا۔

"اس کا مطلب میں بتاتا ہوں آپ کو۔" عظیم کھل کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"میری ماں کی خواہش ہے کہ ان کی بہو لہراتے ہوئے بالوں والی ہو۔گھنے سیاہ چمکدار بال اِن کی کمزوری ہیں۔آپ جب یہ لائف بوائے شیمپو استعمال کریں گی تو ان کی فیورٹ بہو بن کر ہماری ہوجائیں گی۔"

"ارے واہ......ہم سے تو پوچھا نہیں اور بہو بھی بنالی۔" اب حلیمہ بیگم بولی تھیں۔

"تم سے بھی اگر پوچھ کر بیٹی کو بیٹی بنایا تو کیا فائدہ......یہ تو لائف نہ ہوئی......" سدرہ بیگم نے حلیمہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"آج سے آپ کی لائف ہماری لائف ہوئی۔" صفیہ نے کہا تو اچانک سبین بول اٹھی۔

"ایک منٹ......میری امی مجھے لائف بوائے شیمپو ہی بچپن سے استعمال کراتی ہیں۔اگر آج لائف بوائے نہ ہوتا تو آنٹی بہو کے سلسلے میں اس قدر ایکسائٹڈ نہ ہوتیں اور میں ان کی بہو نہ بنتی۔Thank You تو لائف بوائے کاہوا ناں۔"

"Thank You Life Bouy Shampoo۔تم نے آئیڈیل ملادیے۔"

سب کے مشترکہ قہقہے ایک ساتھ بلند ہوئے تھے۔

☆☆......☆☆

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

پہلی سچ بیانی

اپنے دیس سے، اپنے شہروں سے موصولہ، وہ سچ بیانیاں
جن کو پڑھ کر، اپنی مٹی کی خوشبو، آس پاس محسوس ہوتی ہے

دلِ آباد

نعمان اسحٰق

فیصل آباد سے اُس شخص کی کہانی، جس نے ہمیشہ نفرتیں آباد کی تھیں

میں تحسین ہوں۔ تین بہن بھائیوں میں میرا تیسرا اور آخری نمبر ہے۔ عموماً 'چھوٹے' گھر بھر کے لاڈلے ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے ہوش سنبھالتے ہی خود کو نظر انداز ہوتے پایا۔ امی کو ہم تینوں میں سے



Downloaded From Paksociety.com

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

احسن سب سے زیادہ پیارا تھا۔ سب سے زیادہ کیا کہنا، بلکہ یوں کہوں کہ صرف احسن ہی سے پیار تھا۔

''احسن بیٹا پوری روٹی کھاؤ۔'' امی اس قدر چاؤ سے کہتیں کہ میں دیکھتا رہ جاتا۔

''احسن تمہیں پٹھ کا گوشت پسند ہے۔ اسی لیے تو میں نے تمہاری رکابی میں پٹھ کی بوٹیاں ڈالی ہیں۔'' احسن کی رکابی بوٹیوں سے بھری ہوتی۔

''آؤ احسن تمہارے سر میں تیل لگا دوں۔ لڑکوں کو اپنے بالوں کے معاملے میں حساس ہونا چاہیے۔ آج بالوں کا خیال رکھو گے تو کل گنجے ہونے سے بچو گے۔ میرے پیارے بیٹے میں ہر دوسرے دن تمہارے بالوں میں تیل لگا دیا کروں گی۔'' میں ساتھ ہی بیٹھا ہوتا امی احسن کے بالوں میں محبت سے مساج کرتی رہتیں اور درمیان میں مجھ سے سرسری سا کہہ دیتیں۔

''تحسین تم بھی تیل لگوا لیا کرو۔''

آپا سے بھی امی کی محبت یونہی سی ہوتی۔ لیکن میں نے آپا کو کبھی اس سلسلے میں جلتے کلستے نہ دیکھا۔ آپا ناولوں کی شوقین تھیں۔ اُن کا بیشتر فارغ وقت ناولوں کے ساتھ ہی گزرتا۔ ان کی زیادہ تر گفتگو بھی ناول کے ہیرو اور ہیروئن کے گرد ہی گھومتی۔ امی کا احسن کے مقابلے میں اپنے سے دوسرے درجے کے شہری کا برتاؤ دیکھتا تو مجھے گمان گزرتا کہ ممکن ہے کہ میں امی کی اولاد ہی نہ ہوں۔ ویسے تو یہ بات بعید از قیاس تھی لیکن پھر بھی میں نے ٹھیک ٹھاک تحقیق کی۔ چچیوں، پھوپیوں اور خالاؤں سے اپنی پیدائش کے قصے فرمائش کر کر کے سنے۔ سب کے پاس سنانے کے لیے ایک ہی قصہ ہوتا جس میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی جھول نہ ملتا۔

''تمہارے وقت نسرین کی طبیعت بہت خراب رہتی۔ ہم سب پریشان خوب دعائیں مانگتے۔ آخری مہینے تو نسرین کے ہاتھ پاؤں سوج گئے اور جب الیکشن کے دن اس کا جسم اکڑنے لگا اور جھٹکے بھی لگنے لگے تو ہم بھاگم بھاگ اسپتال لے گئے۔ ڈاکٹروں نے پیٹ کاٹ کر تمہیں نکالا۔ اس الیکشن میں خاندان بھر میں کسی نے ووٹ نہ ڈالا تھا۔''

الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ ایک ہی قصہ سننے کو ملتا۔

آپا سے میری بے تکلفی کی حد تک دوستی تھی۔ ان سے بھی میں نے کبھی حالِ دل نہ چھپایا اور جب یہ ذکر کیا کہ امی کو احسن کی نسبت مجھ سے کم محبت کی وجہ ممکن ہے کہ یہ ہو کہ میں ابو کی کسی دوسری بیوی کی اولاد ہوں تو آپا ہنس ہنس کر دوہری ہو گئیں۔

''ناول' میں' پڑھا کرتی ہوں اور دماغ تمہارا خراب ہوتا جا رہا ہے۔'' آپا نے ہنستے ہوئے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا اور میرا گال چومتے ہوئے کہا۔

''میرے پیارے منے بھائی، جب تم پیدا ہوئے تھے اس وقت میں نو یا شاید ساڑھے آٹھ سال کی تھی اور مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔ امی کی طبیعت بہت خراب تھی اور انہیں اسپتال لے جایا گیا۔ خدیجہ خالہ اُس دن میری، احسن اور گھر کی دیکھ بھال کے لیے اِدھر ہی تھیں۔ میرا دھیان بٹانے کے لیے انہوں نے مجھے پرستان کی شہزادی کی جادو بھری کہانی سنائی تھی۔ پھر اسپتال سے تمہارے پیدا ہونے کی خبر آئی۔''

امی کی احسن کے لیے خصوصی توجہ سالہا سال ویسی کی ویسی رہی اور میں عدم توجہی کا شکار، احساسِ کمتری میں مبتلا ہوتا گیا اور میرے دل میں اپنے سے ساڑھے تین سال بڑے احسن کے لیے حسد کا پودا پروان چڑھنے لگا اور اس حسد کے پودے نے اس قدر نشوونما پائی کہ اس پر نفرت کے پھل بھی لگنے لگے۔

☆......☆......☆

لڑکپن سے نوجوانی کا سفر کرتے ہوئے مجھے یہ خیال بھی آنے لگا کہ احسن کے لیے امی کی خصوصی توجہ شاید اس لیے ہو کہ وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ یہ بھی ایک غلط قیافہ ہے۔ بلاشبہ میرا رنگ احسن کی نسبت تھوڑا ایشتا ہوا تھا لیکن ناک نقشہ اس سے زیادہ اچھا تھا۔ یہ میں نہیں ہر کوئی کہتا تھا۔

اور میرے ابو!! انہیں دنیا میں پیسہ جمع کر کے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

جائیداد خریدنے سے خوب رغبت تھی۔ بھوانہ بازار میں ابو کا خوب چلتا ہوا اسٹور تھا۔ اس کی ماہانہ آمدنی کا مجھے صحیح طرح اندازہ تو نہ ہو سکا لیکن اتنا پتا تھا کہ وہ پورے بازار کا سب سے مشہور اسٹور ہے۔ لیکن اس کے باوجود ابو گھر کے خرچے کے لیے ہمیشہ چند ہزار ہی امی کی ہتھیلی پر رکھتے۔

''لو نسرین تمہیں تو جیسے بڑھتی ہوئی مہنگائی کی خبر نہیں۔ کام بہت مندا ہے۔ مہنگائی نے لوگوں کی کمر توڑ دی ہے۔ میں اور سیلز بوائے گاہک کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے شام کر دیتے ہیں۔'' کیسا جھوٹا بیان ہوتا اور ان جھوٹے بیانات کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ ہر سال فروری یا مارچ میں ابو کوئی چھوٹی موٹی دکان، کوئی پلاٹ یا کوئی گیراج خرید لیتے۔ گھر کے خرچے کے لیے ابو کا بخل خاندان بھر میں ضرب المثل تھا۔ ابو سب ہنس ہنس کر سنتے۔ لیکن کبھی کان نہ دھرتے۔ بچپن کے ابتدائی سالوں میں، میں نے امی کو ابو کے خرچے کی مد میں دی گئی قلیل رقم پر قناعت کرتے دیکھا تھا۔ لیکن جیسے جیسے جائیداد بڑھنے لگی۔ امی پر بھی ابو کے جھوٹ کھلنے لگے اور کچھ خاندان کے مردوں نے بھی امی کو باور کروایا کہ تم خاوند کو سمجھاؤ کہ خوب جائیداد بنالی، اب کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے پر توجہ دو۔ بھوکے فقیروں کی طرح تم رہتے ہو۔''

امی کا خرچ کے لیے مزید پیسوں کا مطالبہ گزرتے وقت کے ساتھ زور پکڑنے لگا۔ نتیجہ وہی جو اس صورت میں ہو سکتا تھا۔ جھگڑے ہونے لگے۔ شدید قسم کے جھگڑے اور گھر کا سکون آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگا۔

''نسرین جو خود کھاتا ہوں۔ تمہیں کھلاتا ہوں۔ جو خود پہنتا ہوں وہی تمہیں اور بچوں کو پہناتا ہوں۔ یہ رقم اتنی قلیل بھی نہیں کہ تم کہو کہ اس سے گھر نہیں چل سکتا اور تم میرے پیسوں پر نظر کیوں رکھنے لگی ہو۔ کیا میری کمائی کو نظر لگاؤ گی۔'' پیسوں کے معاملے میں تیرا میرا ہونے لگا اور کشیدگیاں بڑھتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ امی اور ابو جب بھی ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے طنز سے کام لیتے۔ اور طنز کا نتیجہ ہمیشہ جھگڑا نکلتا۔ ان جھگڑوں میں احسن امی کا حمایتی ہوتا۔ میں اور آپا خاموش تماشائی، امی کا حمایتی ہونے کا یہ نقصان ضرور ہوتا کہ وہ ابو کے عتاب کا نشانہ بنتا لیکن یہ فائدہ بھی ہوتا کہ اس کی رکابی پٹھ کی بوٹیوں سے بھری ہوتی۔

آپا اور میں اس معاملے میں کافی بزدل تھے۔ دل ہی دل میں ہم بھی امی کے حق بجانب ہونے کے قائل تھے۔ لیکن ابو کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت ہم میں نہ تھی۔

ان ہی دنوں احسن نے امی کے پاؤں دبانے شروع کر دیے۔ ہم سب گھر کے لوگ گرمیوں میں صحن میں سوتے تھے اور احسن نے یہ معمول بنالیا کہ رات کو سونے سے پہلے پانچ سے دس منٹ امی کے پیر دباتا۔ تیسرے یا چوتھے دن آپا نے احسن سے کہا تھا۔

''صرف امی کے پاؤں دبانا مناسب نہیں، ابو کو برا لگتا ہوگا۔ تم ایسا کرو ابو کے پاؤں دبالیا کرو، میں امی کے پیر دبالوں گی۔''

''ہرگز نہیں، مجھے ابو اچھے نہیں لگتے۔ پیسے ہونے کے باوجود وہ ہمیں محتاج رکھتے ہیں۔ میں اُن کے پاؤں نہیں دباؤں گا۔'' احسن کا لہجہ دوٹوک اور انداز نفرت بھرا تھا۔ آپا کے ماتھے پر تیوری آ گئی۔

''احسن تمیز کا دامن پکڑے رکھا کرو۔ بچے نہیں ہو تم۔ تمہیں ابو پسند نہیں، ایسا کیوں کہا تم نے۔'' آپا کا لہجہ تیز تھا۔

''جب مجھے پسند نہیں تو میں کہوں گا مجھے پسند نہیں۔'' آپا کے تیز لہجے کا احسن پر زیادہ اثر نہ ہوا۔

''جو وہ کماتے ہیں وہ تم کھاتے ہو، انہی کے گھر میں رہتے ہو اور پھر انہی کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہو۔''

''تمام بچے اپنے والدین کے گھر رہتے ہیں، والدین کا دیا کھاتے ہیں، یہ کوئی احسان نہیں بلکہ ابو تو کنجوسی کر کے ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ ظالم ہیں وہ۔ امی اور ہمیں کیسے حالوں میں رکھا ہوا ہے۔''

بلاشبہ ابو بخیل تھے وہ یقیناً زیادتی کرتے تھے۔ لیکن مجھے بھی احسن کے یہ الفاظ 'ابو پسند نہیں' 'ظالم ہیں وہ' برے لگے تھے۔ لیکن اس وقت میں نے احسن سے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کچھ نہ کہا۔ پہلے پہل آپا نے احسن کو تلخ لہجے میں سمجھایا پھر اپنے لہجے میں نرمی لے آئیں، لیکن احسن کے خیالات بدلنے تھے نہ بدلے۔ اس رات آپا ابو کے پیروں کے پاس کھڑی کہہ رہی تھیں۔

''آئیں ابو، آپ کے پاؤں دبا دوں۔'' ریڈیو سے کان لگائے ابو نے چونک کر آپا کو دیکھا تھا۔ چند لمحے تو آپا کو دیکھتے رہے۔ پھر اٹھ بیٹھے۔ آپا کو اپنے ساتھ بٹھایا شفقت سے آپا کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے۔

''میری صبیحہ تو سمجھدار ہوگئی۔ شکریہ بیٹی۔ لیکن مجھے پاؤں یا ٹانگیں دبوانا قطعاً پسند نہیں۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں تمہاری ماں نے بھی کوشش کی تھی کہ میری ٹانگیں دبا لیا کرے لیکن میں نے کبھی ہاتھ نہ لگانے دیا۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ تم جاؤ سو جاؤ۔ صبح سب سے پہلے تم ہی تو اٹھتی ہو۔ اور ہاں کبھی کبھار اپنی ماں کے پاؤں دبا لیا کرو۔ روز احسن ہی دباتا ہے۔ کبھی تم کبھی احسن اور کبھی تحسین دبا لے تو زیادہ اچھا ہے۔'' میں اپنی چارپائی پر لیٹا یہ محبت بھرا منظر دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

اگلی رات میں نے ابو سے پوچھا کہ میں ان کے پیر دباؤں تو انہوں نے مجھے شفقت سے منع کرتے ہوئے وہی باتیں دہرائیں جو کل آپا سے کہی تھیں۔ میرے دل میں ابو کی کنجوسی کے سلسلے میں کدورت تھی۔ وہ قدرے کم ہوگئی۔ گھر کے خرچ کے لیے کم رقم دینے کے علاوہ تو ابو نے کبھی ہم سے کوتاہ نظری سے کام نہ لیا تھا۔ اس سے اگلے دن احسن سے پہلے ہی میں امی کے پاؤں دبانے بیٹھ گیا۔ ابھی دو منٹ بھی نہ دبائے ہوں گے کہ امی کہنے لگیں۔

''احسن بیٹا تم آؤ پاؤں دباؤ۔ تحسین کو تو پاؤں دبانا ہی نہیں آتا۔ تم بڑے اچھے پاؤں دباتے ہو۔'' میرے دل میں موجود شکوہ آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔ لیکن اس نیم تاریکی میں امی کا دھیان ہی نہ گیا۔ شاید وہ متوجہ ہو بھی جاتیں اگر انہیں مجھ سے احسن جتنی محبت ہوتی۔

☆......☆......☆

احسن مجھ سے تین جماعتیں آگے تھا۔ وہ پڑھائی میں ایک اوسط درجے کا طالب علم تھا۔ اساتذہ اُسے اتنا ہی پسند کرتے تھے جتنا عموماً اوسط درجے کے طالب علم کو کیا جاتا ہے۔ جبکہ میں ایک ہونہار طالب علم تھا اور اساتذہ کا منظورِ نظر بھی اور یہ واحد معاملہ تھا جس میں احسن مجھ سے حسد کرتا تھا۔ یوں تو میری بھی کبھار پوزیشن آجاتی تھی لیکن پہلی پوزیشن پہلی بار آئی تھی اور تقریبِ تقسیم اسناد و انعامات میں مجھے ایک خوبصورت سی ٹرافی ملی تھی۔ گھر واپسی پر میں خوشی خوشی جا رہا تھا۔ احسن کے چہرے پر چھائی ہوئی مایوسی بھی خوب لطف دے رہی تھی۔

''احسن ٹرافی خوبصورت ہے نا، بیٹھک کی سجاوٹ بنائیں گے۔'' میں نے احسن کو جلانے کے لیے کہا تھا۔

''ہاں اچھی ہے، ذرا دکھاؤ۔'' احسن نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے ٹرافی اُسے پکڑا دی۔

''طاق کے ساتھ جو خانہ ہے وہاں سجاؤں......'' میرے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ ٹرافی زمین بوس تھی اور دو ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ میں نے ایک نظر احسن کو دیکھا جس کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔ میں نے جھک کر ان دو ٹکڑوں کو اٹھایا۔

''میں نے خود نہیں گرایا۔ میرے ہاتھ سے گر گئی۔ میں معذرت خواہ ہوں۔'' احسن کے چہرے پر معذرت کا شائبہ تک نہ تھا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو۔'' پل کی پل میں مجھے ایسا غصہ آیا کہ میں احسن پر چڑھ دوڑا۔ ٹرافی کے وہ ٹکڑے میرے ہاتھ سے گر کر مزید ٹکڑوں میں بٹ گئے۔ میرے مکے کے جواب میں احسن نے مجھے گھونسا مارا اور ہم ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ ٹرافی کے ٹکڑے ہمارے پیروں تلے آکر مزید ٹکڑیوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک راہ گیر نے چھڑوایا۔ اگلے پل ہم پھر گتھم گتھا تھے۔ اس وقت ہم اپنی گلی سے دو گلیوں کے فاصلے پر تھے۔ اپنے محلے کے قریشی صاحب گزرے تو انہوں نے ہمیں چھڑوایا اور اپنے ساتھ لیے گھر کے دروازے تک چھوڑنے آئے۔ ٹرافی تو

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

اتنے چھوٹے چھوٹے ٹکڑیوں میں بٹ چکی تھی کہ تمام ٹکڑیوں کو سمیٹنا محال تھا۔ پھر بھی میں نے چند ٹکڑوں کو اٹھالیا۔

"تم کیسی عورت ہو، ہزاروں نوٹ تمہاری ہتھیلی پر رکھتا ہوں۔ پھر بھی تمہیں پورا نہیں ہوتا۔" گھر میں قدم رکھتے ہی ابو کی پھنکارتی آواز کانوں سے ٹکرائی تھی۔

"ہزاروں ضروریات ہیں، وہ چند ہزار پورے نہیں ہوتے۔ تمہارا ارادہ کفن میں جیب بنوانے کا ہے جو اتنا جمع کیے جا رہے ہو۔ ضروریات پر بھی نہیں خرچ کرتے۔"

"میں کوئی جمع نہیں کر رہا جتنا کماتا ہوں تمہارے ہاتھ پر رکھ دیتا ہوں۔"

"جھوٹ تو مت بولو۔ ایسے ہی تو نہیں ہر سال دو سال بعد جائیداد خریدی جا رہی۔"

"یہ مردوں کی باتیں ہیں، تم میرے پیسوں پر نظر مت رکھو۔"

"میرے پیسے، میرے پیسے، صرف پیسے ہی تمہارے ہیں۔ میں اور بچے تمہارے کچھ نہیں لگتے۔"

میں نے ایک نظر امی اور ابو کو لڑتے دیکھا۔ دوسری نظر ٹرافی کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں پر ڈالی اور آخری شکایت بھری نظر احسن پر۔ احسن نے اپنے چہرے پر کمینی مسکراہٹ سجالی۔ میں سر جھکائے صحن کی طرف بڑھ گیا۔ صحن کے ایک کونے میں کوڑا دان تھا۔ ٹرافی کے ٹکڑوں کو کوڑے دان میں ڈالنے سے پہلے میں نے ایک بار محبت سے اُن پر ہاتھ پھیرا اور انہیں کوڑے دان کے حوالے کردیا۔ وہ ٹکڑے بیٹھک میں سجانے کے قابل ہرگز نہیں تھے۔ آج نہیں تو کل انہیں کوڑے میں ہی جانا تھا۔ تو کل کی تکلیف سے آج کی تکلیف ہی بھلی۔

یہ میری زندگی کا پہلا انعام تھا جو احسن کی وجہ سے ضائع ہوگیا تھا۔ میں نے دل میں احسن کے لیے نفرت بڑھتی ہوئی محسوس کی تھی۔

ابو پاؤں پٹخ کر اسٹور جاچکے تھے۔ امی بھی بڑبڑاتے ہوئے نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے باورچی خانے کی طرف جاچکی تھیں۔ دو گھنٹے بعد آپا کی یونیورسٹی سے واپسی ہوئی تھی تو انہوں نے ہم دونوں سے نتیجے کی بابت پوچھا تو امی کو بھی یاد آ گیا کہ آج ہمارا نتیجہ تھا۔ وہ بھی پوچھنے لگیں۔

"میں کلاس میں اول آیا تھا۔ مجھے ٹرافی ملی تھی۔ احسن نے توڑ دی۔"

"نہیں امی میں نے خود نہیں توڑی، میرے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئی، میں نے جان بوجھ کر نہیں توڑی۔"

"اور احسن تمہارا نتیجہ؟"

"میں بھی پاس ہوں۔"

"بہت بہت مبارک ہو تم دونوں کو۔" احسن امی کے پاس بیٹھا تھا۔ امی نے پہلے اس کے گال پر بوسا دیا پھر میرے گال پر، آپا منتظر تھیں کہ ٹرافی ٹوٹنے کے بارے میں پتا چلے۔

"اور تحسین تم بھائی سے اس قدر بدگمان کیوں ہو؟ وہ تمہارا بھائی ہے وہ تمہارا انعام کیوں توڑے گا؟"

"امی احسن نے ہی توڑی ہے۔ آپ کو بھی میری بات پر یقین ہی نہیں آئے گا کیونکہ آپ کو احسن زیادہ اچھا لگتا ہے۔" میں اُٹھ کر جانے لگا۔

"رکو تو، کہاں جا رہے ہو؟ تحسین، تحسین......"

امی اور آپا آوازیں دیتی رہ گئیں۔ آپا تو دروازے تک بھی آئی تھیں۔ اس سے پہلے وہ مجھے پکڑتیں میں دروازہ پار کر گیا۔

امی کے نخرے سنبھالیں جو آپ کو زیادہ پیارا ہے۔"

دوپہر سے شام ہوگئی میں سڑکیں ناپتا رہا۔ نمایاں کامیابی کی خوشی میں لوگ عموماً اچھا اور زیادہ کھاتے ہیں۔ لیکن میں نے وہ دن بھوکا آوارہ گردی کرتے گزارا اور ایسا میرے بھائی کی وجہ سے تھا۔ مجھے احسن سے نفرت نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔

اور جب رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تو میں واپس گھر آیا۔ امی نے پاس بٹھا کر پیار کیا بال سہلائے، میں نروٹھے پن سے بیٹھا رہا۔

"تم دونوں میرے بیٹے ہو، میں تم دونوں سے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ایک جیسا پیار کرتی ہوں۔ بدگمانی اچھی چیز نہیں۔ میرے لیے جیسے تم ویسا احسن۔" میں چپ چاپ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ آپا اور احسن یکے بعد دیگرے کمرے سے نکلے۔ آپا ستون سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئیں۔ احسن میرے پاس بیٹھ گیا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں، میں نے ٹرافی جان بوجھ کر نہیں توڑی۔ میرے ہاتھ سے اچانک گر گئی۔ مجھے معاف کردو۔" میں نے ایک نظر احسن کو دیکھا اور پھر سے سر جھکا لیا۔ دل میں موجود کدورتیں ایسی معافیوں سے کبھی نہیں جاتی۔

"اچھا تحسین پہلی بار اول آئے ہو، امی سے انعام نہیں لوگے۔" آپا ماحول کی کشیدگی کم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ امی نے جھٹ پٹ دوپٹے کے پلو سے بندھے سو روپے نکالے اور میری ہتھیلی پر رکھ دیے۔

"رہنے دیں امی، آپ کے پاس یوں بھی پیسوں کی کمی ہوتی ہے ابو خرچہ جو کم دیتے ہیں۔"

"چل چل رکھ، میرا بیٹا پہلی بار اول آیا ہے میں اسے انعام بھی نہ دوں۔" امی نے ایک بار پھر میرے ماتھے پر بوسہ دیا۔ آپا اندر گئیں اور اپنا محبوب قلم لے آئیں۔

"تمہیں میرا قلم بہت پسند ہے نا، آج سے یہ تمہارا۔"

اور پھر دن اسی طرح گزرتے گئے۔ امی کی عنایتیں احسن کے لیے مخصوص، میں انتظار کرتا رہتا کہ مجھ پر بھی نظرِ کرم کریں لیکن یہ انتظار، انتظار ہی رہتا۔ پیسوں کے معاملے میں امی ابو کے جھگڑے بھی جاری رہے۔ مہنگائی نے آسمان سے باتیں کرنا شروع کردیں۔ ابو پھر بھی اتنے پیسے دیتے جتنے آج سے پانچ سال پہلے دیتے۔ یہاں تک کہ گھر کا دسترخوان مختصر ہونے لگا۔ ابو کو دسترخوان کے مختصر ہونے کی زیادہ پروا نہ تھی۔

☆......☆......☆

دن گزرتے گئے اور آپا کی شادی کے ہنگامے جاگنے لگے۔

چچا شوکت ابو کے تایازاد بھائی تھے، گاؤں کے رہنے والے، زمیندار، اُن کا بیٹا عمیر میٹرک پاس، خوش شکل، باپ کی طرح زمیندار بی اے پاس آپا کا رشتہ اُن سے طے ہوگیا اور شرماتی مسکراتی آپا گھر میں بلاوجہ پھرنے لگیں۔

شادی کارڈ بٹنے لگے۔ محلے میں کارڈ بانٹنے کا کام میرے ذمے لگا۔ ابتداء ساتھ والے قریشی صاحب کے گھر سے کی۔

"کون ہے؟" دستک کے جواب میں قریشی صاحب کی زوجہ کی آواز سنائی دی۔

"میں ہوں تحسین، ساتھ والے گھر سے۔"

"لو اپنے بچے ہو، اندر آجاؤ۔" انہوں نے دروازہ وا کیا تو میں جھجکتے ہوئے اندر چلا گیا۔ آج سے دو تین سال پہلے تو میں بے دھڑک چلا جایا کرتا تھا۔ لیکن اب میں بچہ نہیں رہا تھا۔

"بہت بہت مبارک ہو، صبیحہ تو مجھے اپنی نوین کی طرح ہی پیاری ہے۔ آؤ دالان میں چل کر بیٹھو۔ چائے پی کر جانا۔"

"نہیں خالہ، چائے پھر کبھی ابھی کارڈ بانٹنے ......" الفاظ میرے حلق میں اٹک گئے۔ نوین کو دیکھ کر دل ایسے زور سے دھڑکا کہ مجھے لگا کہ ابھی سینے سے باہر ہی نہ نکل آئے۔

حالانکہ میں اسے پہلی بار نہیں دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر نوین اپنا دوپٹا ٹھیک کرنے لگی۔ انتہائی سرخ شلوار قمیض کے ساتھ اس کا دوپٹا سفید رنگ کا تھا۔ بالوں کی بے ترتیب سی چوٹی تھی۔ کلائیوں میں چند ایک کانچ کی چوڑیاں تھیں۔ اس نے مجھے دور سے ہی سر کی جنبش سے سلام کیا تو مجھے کچھ ہوش آیا۔

"چائے پھر کبھی۔" میں ٹوٹے ہوئے الفاظ میں کہتا بمشکل تمام اپنے آپ کو سنبھالتا گھر سے باہر آیا۔

قریشی صاحب کے گھر سے اگلے گھر تک اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے مجھے لگنے لگا کہ میری کوئی چیز ان کے گھر ہی رہ گئی ہے۔ کیا؟ کیا؟؟ کیا؟؟ میں ان کے گھر صرف کارڈ لے کر گیا تھا۔ ان کو دیے جانے والے کارڈ کے سوا سب میرے پاس ہے۔ پھر کیا رہ گیا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

میری نظروں کے سامنے سے ایک بار پھر نوین کا سراپا گھوما۔ سرخ قمیض، سفید دوپٹا، چند کانچ کی چوڑیاں، اچانک احساس ہونے لگا کہ میرا دل ان کے گھر ہی رہ گیا ہے۔ بس پھر کیا تھا بمشکل تمام کارڈ بانٹنے اور گھر آتے ہی چارپائی پر ڈھے گیا۔

نوین کے ساتھ کھیلتے ہوئے میں نے بچپن گزارا تھا۔ کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ پھر اب ایسا کیوں ہو رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ بچپن گزر گیا تھا۔ آنکھیں بند کرتا تب بھی نوین آنکھوں کے سامنے ہوتی۔ آنکھیں کھولتا تب بھی وہ سامنے رہتی یہ کیا ماجرا تھا۔

محبت، محبت...... اچانک سرگوشیاں ہونے لگیں اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

☆......☆......☆

اور بس پھر شادی کی تقریبات میں میری نگاہیں نوین کو ہی تلاش رہیں۔ وہ بالوں کو کچھ اس انداز سے گوندھتی کہ وہ بے ترتیب سے لگتے، اور یہ بے ترتیب انداز اس پر خوب جچتا۔ جوتیاں ہر تقریب میں اونچی ایڑی والی ہوتیں۔ شاید سرخ رنگ اس کا محبوب رنگ تھا۔ اس کے ہر لباس میں وہ کہیں نہ کہیں موجود ہوتا۔

اور جب میں نے سرخ لہنگے میں ملبوس آپا کو دیکھا تو دل بے اختیار نوین کو سرخ لہنگے میں دیکھنے کو چاہا اور جب آپا رخصت ہو کر گاؤں جا رہی تھیں تب میں فیصلہ کر چکا تھا کہ میری دلہن نوین ہی بنے گی۔

ان دنوں میں پری میڈیکل کے دوسرے سال میں تھا۔ میں نے ارادہ کیا جیسے ہی میڈیکل کالج میں داخلہ لوں گا، امی کو رشتہ ڈالنے کا کہوں گا تاکہ ایک محفوظ مستقبل والے شخص کو اپنی بیٹی دیتے ہوئے قریشی صاحب نہ ہچکچائیں۔

شادی کے ہنگامے سرد پڑے تو دوسرے شہر سے آئے رشتہ دار بھی جانے لگے۔ خدیجہ خالہ امی کی چھوٹی بہن، اپنے بچوں کے ساتھ شادی میں شرکت کے لیے آئی تھیں۔ شہروں کے درمیان فاصلہ ہونے کی وجہ سے میری ان کے بچوں سے بہت زیادہ بے تکلفی تو نہ تھی لیکن اچھی دوستی اور گپ شپ ضرور تھی۔ ان کی بڑی بیٹی زہرہ شاید عمر میں مجھ سے دو سال بڑی تھی۔ جاتے ہوئے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ مجھے ایک کاغذ تھما گئی اور میں حیران و پریشان وہ کاغذ لیے کمرے میں آیا اور خلوت میسر آتے ہی اسے پڑھا۔

''ایک لڑکی ہوتے ہوئے یہ بات کہنا تھوڑا عجیب تو ضرور ہوگا لیکن کہے بغیر چارہ نہیں کہ میں تمہارے عقد میں آنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ میں تم سے بے تحاشا محبت کرتی ہوں۔ میں نے تمہیں دعاؤں میں خدا سے خوب مانگا ہے۔ خدا میری دعا میں رد نہیں کرتا۔ لیکن اتنے سال گزرنے کے بعد بھی کوئی وسیلہ نہ بنتا نظر آیا تو میں نے سوچا خود ہی کہہ دوں۔ منہ سے کہنے کی ہمت نہ تھی اس لیے ضبطِ تحریر میں لائی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ عمر میں بھی تم سے کچھ بڑی ہوں۔ پاکستان میں بلاشبہ بڑی عمر کی لڑکی سے شادی کرنا عیب ہے۔ لیکن جہاں محبت ہوتی ہے وہاں یہ سب باتیں ہیچ ہیں، میں انتظار کروں گی۔''

اس تحریر کے علاوہ خط کے ابتداء میں القابات تھے اور نہ اختتامی جملہ میں نے حیرانگی سے اس تحریر کو ایک بار پڑھا، دوسری بار پڑھا اور پھر ٹکڑے ٹکڑے کر کے کوڑے دان میں ڈال دیا۔

مجھے نوین سے چند دن پہلے محبت ہوئی تھی اور زہرہ کو مجھ سے چند سال پہلے، محبت سے بڑھ کر خود غرض کوئی اور شے نہیں۔ مجھے زہرہ پر کیا گزر رہی تھی اور کیا گزرنے والی تھی سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ دلچسپی تھی تو صرف خود سے یا پھر نوین سے......

☆......☆......☆

بی اے کے بعد احسن نے ابو کے ساتھ اسٹور پر بیٹھنا شروع کر دیا تھا۔ مزید پڑھائی کا اس کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ ابو اب بھی 'میرے پیسے' کہتے رہتے لیکن پہلے کی نسبت کافی کم۔ اسٹور پر احسن کے عمل دخل سے امی کو اسٹور کے حساب کتاب کا زیادہ بہتر پتا چلنے لگا۔ یوں ابو کچھ زیادہ پیسے دینے لگے اور کچھ احسن ابو سے چھپ کر امی کو دے دیتا۔ امی کے پاس پیسوں کی تھوڑی فراوانی ہوئی تو امی ابو کے جھگڑے کم ہونے لگے۔

پری میڈیکل کے تحریری امتحان کے بعد عملی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

امتحان میں کچھ دن باقی تھے۔ عملی امتحان یوں بھی برائے نام تھا۔ کالج والے اچھے طلباء کے پورے نمبر لگوالیا کرتے۔ اُس دن بھی امی ہمیشہ کی طرح احسن کے لاڈ اٹھاتے ہوئے اس کے بالوں میں تیل لگا رہی تھیں اور میں ہمیشہ کی طرح لاتعلق سا ایک طرف بیٹھا تھا۔ بیزاریت سے بچنے کے لیے میں آپا کے پرانے سامان سے ایک پرانا ناول اٹھالایا۔

''تحسین تم سر میں تیل لگواؤ گے؟'' امی نے سرسری سا پوچھا تھا۔

''آؤ میرے بیٹے تحسین، کتنا تو تم پڑھتے ہو۔ تیل تمہارے بالوں کی صحت کے لیے ناگزیر ہے۔ آؤ تیل لگاؤں تمہارے بالوں میں......'' ایسا جملہ تو شاید مجھے کبھی سننے کو نہ ملے گا۔ ایسا پیار تو صرف احسن کے لیے ہے۔

''نہیں، دل نہیں چاہ رہا۔'' میں نے نفی میں جواب دیا تو امی ایک بار پھر احسن کی ناز برداریوں میں مصروف ہوگئیں۔

''میری پیاری امی جان تیل لگالیں تو ایک خاص بات بتاؤں۔''

''لگا چکی تیل، اب بتاؤ میرے دلارے۔''

''میں اپنی پیاری سی امی کے لیے ایک چاند سی بہو پسند کر چکا ہوں۔''

''اوہو، چھپے رستم، پسند کرنے کے بعد بتا رہے ہو، پسند کرتے ہوئے مشورہ تو لیتے۔ چلو بتاؤ کسے اپنی زوجہ کا شرف دینا چاہتے ہو۔''

''نوین۔'' احسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرے اللہ میں بھی ہمیشہ سے نوین کو تمہاری دلہن کے روپ میں دیکھتی آرہی ہوں۔'' امی دلارے کی پیشانی چوم رہی تھیں۔ میرے ہاتھ سے ناول چھوٹ کر گر گیا تھا۔ کسی نے دھیان ہی نہ دیا۔

''تحسین تمہاری بھابی کے روپ میں نوین کیسی لگے گی۔'' احسن پوچھ رہا تھا۔

امی بھی مسکراتے ہوئے میری طرف متوجہ ہوئیں۔ میرے چہرے پر کچھ ایسی کرختگی تھی کہ ان دونوں کے مسکراتے لب بھینچ گئے۔

''تحسین تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟'' امی کو تشویش ہونے لگی۔

میں کچھ دیر خاموشی سے امی اور احسن کو دیکھتا رہا اور ہمت مجتمع کرتے ہوئے بولا۔

''امی میں نوین سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

امی اور احسن ٹکر ٹکر مجھے دیکھنے لگے۔ کتنے لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے۔

''تحسین لیکن......''

''امی کیا لیکن؟ میں نوین کو پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے نزدیک میری پسند کی کوئی اہمیت ہے؟ یا آج بھی آپ اپنے دلارے کی پسند کو جلا بخشیں گی۔ اور مجھے نامراد ٹھہرائیں گی جیسا کہ آپ ہمیشہ کرتی آئی ہیں۔'' کتنے سالوں کی بھڑاس میں نے چند جملوں میں سمو کر امی کے سامنے پیش کی تھی۔ امی خاموش رہیں۔ ان کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ بہت کچھ کہنا چاہتی ہیں لیکن الفاظ ہی نہیں ملتے۔ کتنے لمحوں کی خاموشی کے بعد احسن نے کہا۔

''نہ صرف میں بلکہ نوین بھی مجھے پسند کرتی ہے، اب سے نہیں پچھلے کئی سالوں سے۔'' میں نے بے یقینی سے احسن کو دیکھا تھا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو۔''

''یہ سچ ہے، کچھ دن پہلے ہم دونوں ایک پبلک پارک میں بھی ملے تھے۔ اکٹھے لنچ بھی کیا تھا۔''

''ایسے جھوٹ تو نہ بولو جن کے پاؤں اندھے کو بھی نظر آئیں۔''

''اگر نوین خود ان باتوں کی تصدیق کردے تو......'' احسن کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔ برف جیسا ٹھنڈا میں مزید کچھ نہ کہہ سکا اور اُٹھ کر اندر کمرے میں جانے لگا۔

''تحسین میری بات سنو۔'' احسن نے پیچھے سے پکارا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں سننا، ہاں البتہ یہ ضرور بتانا ہے مجھے تم سے نفرت ہے، شدید نفرت۔'' اندر کمرے میں آکر میں نے اسے مقفل کیا اور بستر پر آڑا ترچھا لیٹ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

گیا۔ آنکھیں بند کیں تو چھم سے اس لڑکی کا سراپا آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ سرخ لباس جس کا وطیرہ تھا۔ سرخ رنگ شاید بنایا ہی اس کے لیے گیا تھا۔ میں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں آنکھوں میں چبھنے لگی تھیں اور آنکھیں پانی سے بھرنے لگی تھیں۔

''نوین ...... بھابی......'' بھابی کہتے ہوئے میں بلک بلک کر رونے لگا۔

امی اور احسن رات گئے تک میرے دروازے پر دستک دیتے رہے لیکن میں نے دروازہ نہ کھولا۔

''تحسین بیٹا، اب دروازہ کھول دو، تمہارے ابو کتنی بار تمہیں بلا چکے ہیں، میں کوئی بہانہ بنانے سے بھی قاصر ہوں۔ انہیں کیا وجہ بتاؤں کہ کس وجہ سے تم کمرہ بند ہو۔'' امی کی گھگھیاتی التجائیں زور پکڑتی گئیں اور بالآخر میں نے دروازہ کھول دیا۔

اُس صبح ابو اور احسن کے جانے کے بعد میرے نہ نہ کرنے کے باوجود امی نے اپنے ہاتھوں سے مجھے کھانا کھلایا۔ پھر زبردستی میرا سر اپنی گود میں رکھ کر بیٹھ گئیں اور میرے بال سہلانے لگیں۔

''ایسا بالکل بھی نہیں تحسین جیسا کہ تم سوچتے ہو۔ تم دونوں میرے ہو، جتنی محبت احسن سے اتنی ہی مجھے تم سے، ہاں البتہ تم سے اظہار کے معاملے میں مجھ سے کوتاہی ہوتی رہی ہے۔ لیکن یقین کرو اب اس سلسلے میں بھی کوتاہی نہ ہوگی۔'' امی بال سہلاتے ہوئے کہتی رہیں اور میں چپ چاپ آنکھیں بند کیے سنتا رہا۔

''اور جہاں تک نوین کی بات ہے، میں اُسے اپنی بہو کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی چاہے تمہاری یا پھر احسن کی لیکن اب جب احسن کہتا ہے کہ نوین بھی اُسے پسند کرتی ہے تو......''

''امی اس ذکر کو رہنے دیں۔'' میں نے قطع کلامی کی تو امی خاموش ہو گئیں۔

☆......☆......☆

دن گزرتے گئے اور میں سنبھلتے سنبھلتے سنبھل ہی گیا۔ میرے میڈیکل کالج میں داخلے سے پہلے ہی امی ابو نے نوین کے لیے قریشی صاحب کے گھر چکر لگانے شروع کر دیے۔ اور چھ مہینے چکر لگوانے کے بعد قریشی صاحب نے ہاں کر دی۔

میرا میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہونے لگا تو اپنے شہر میں میڈیکل کالج ہونے کے باوجود میں نے دوسرے شہر کے میڈیکل کالج کا انتخاب کیا۔ وجہ میں فی الحال اس چھت تلے نہ رہنا چاہتا تھا۔ جہاں چند مہینوں تک نوین نے دلہن بن کر آنا تھا۔ میں ہاسٹل شفٹ ہوا۔ چند مہینوں تک نوین مسز احسن بن کر ہمارے گھر آ گئی۔

امتحان کا بہانہ کر کے میں نے شادی میں صرف ولیمے کی تقریب میں شرکت کی تھی۔ آپا جو شادی پر آئیں تو انہوں نے زچگی کے بعد جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور آپا کے شوہر عمیر بھائی کی وجیہہ شخصیت کے پیچھے چھپے ان کے اصل انسان کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب آپا نے سارہ کو جنم دیا۔ عمیر بھائی کافی بے صبرے واقع ہوئے تھے۔ دنیا دکھاوے کو بھی بیٹی کی پیدائش پر خوشی کا اظہار نہ کیا۔ بلکہ ہرآئے گئے کو بتایا انہیں بیٹے کی تمنا ہے اور انشاء اللہ اگلے سال وہ ایک بیٹے کے باپ بھی ہوں گے۔

انہی دنوں مجھے ہاسٹل کے پتے پر ایک خط موصول ہوا۔ زہرہ کا خط، جس کا مضمون پچھلے خط سے چنداں مختلف نہ تھا۔ لیکن پھر بھی اس بار 'میں انتظار کر رہی ہوں' کے الفاظ نے مجھ پر کچھ اثر ڈالا اور ایک پل کو میں خط کوڑے دان کی نذر کرنے کو ہچکچایا۔ لیکن اگلے پل خط کوڑے دان میں ہی تھا۔

☆......☆......☆

آنے والے سال بہت ساری پریشانیاں لے کر آئے اور پریشانیوں کی بڑی وجہ عمیر بھائی تھے۔ آپا کے ہاں ہر سال بچہ پیدا ہونے لگا اور بیٹیوں کی قطار لگنے لگی۔ عمیر بھائی کا رویہ آپا سے خراب سے خراب تر ہوتا گیا۔ اور میری خوش اخلاق ملنسار سی ناولوں کی تخیلاتی دنیا میں رہنے والی آپا مسکرانا بھی بھول گئی۔ یوں مسکراتیں جیسے رو رہی ہوں۔ اِدھر میرا میڈیکل کی پڑھائی کا آخری سال تھا اور اِدھر آپا پانچویں بار

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

فارغ ہونے کو آئیں اور اس بار بالآخر انہوں نے بیٹے کو ہی جنم دیا۔ عمیر بھائی تو جیسے خوشی سے پاگل ہونے کو تھے۔ پورے اسپتال میں مٹھائی بانٹی، وہ تو بیٹے کو ابھی گاؤں لے جانا چاہتے تھے لیکن آپا کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ زچہ کے بغیر بچہ کو رخصت دینے کا اسپتال میں قاعدہ نہ تھا۔

اس وقفے میں، مجھے زہرہ کے خطوط ملتے رہے۔ جو مختصر ہوتے ہوتے اب فقط صرف ایک سطر تک محدود ہو چکے تھے۔ ''میں انتظار کر رہی ہوں۔'' اور جہاں تک میرے دل کی بات تھی...... میرے دل میں زہرہ کے لیے کوئی خوبصورت جذبہ نمو نہ پا سکا تھا۔ بلکہ اب تو مجھے اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔

احسن اور نوین اپنی زندگی میں مگن تھے۔ اور جب نوین نے ایک صحت مند بیٹے کو جنم دیا تو آپا اپنے تین مہینے کے خضر کو لیے اپنے بھانجے کو دیکھنے آئیں۔ خضر بہت کمزور تھا۔ یہاں تک کہ تین مہینے کا ہونے کے باوجود نومولود سے چھوٹا لگ رہا تھا۔ جانے کیوں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی صحت تنزلی کا شکار ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

ہمارے گھر کی گلی سے اگلی گلی میں ایک درزی کی دکان تھی۔ باریش سا درزی، صوم صلوٰۃ کا پابند، شلوار بھی ہمیشہ ٹخنوں سے اونچی ہوتی، دم درود کرتا تھا، اہلِ علاقہ اُس کی خوب عزت کرتے۔ جس کسی نے بھی اُن سے دم کروایا۔ شفا پائی، روزانہ لگ بھگ پچاس لوگ ان کے پاس دم کے لیے آتے۔ امی کے اصرار پر آپا مان گئیں۔ اور مجھے خضر کو دم کروانے کے لیے بھیج دیا۔ میں اس بات کا بحیثیت ڈاکٹر زیادہ قائل نہ تھا۔ لیکن پھر بھی روانہ ہوگیا۔ حالانکہ میں نے آپا کو فارمولیٹڈ دودھ استعمال کروانے کا مشورہ بھی دیا تھا، لیکن وہ راضی نہ ہوئیں۔

''فارمولیٹڈ دودھ بہت سخت ہوتے ہیں۔ میرا خضر پہلے ہی اتنا کمزور ہے میں نے نہیں استعمال کروانے۔''

''آپ لوگ مجھے ڈاکٹر نہیں سمجھتے، مجال ہے جو کبھی میرے مشورے پر عمل کیا ہو۔'' یہ دھمکی بھی کارگر ثابت نہ ہوئی۔

دم کروانے کے لیے میں خضر کو لیے جا رہا تھا۔ گلی کے موڑ پر ایک گٹر تھا۔ کوئی کل اس کا ڈھکن چوری کر گیا تھا۔ مجھے علم نہ تھا۔ میں بے دھیانی میں جا رہا تھا۔ یقیناً گٹر میں ہی جا اترتا اگر ساتھ سے گزرنے والا ایک موٹر سائیکل سوار مجھے دھکا نہ دیتا۔ میں تو بچ گیا۔ لیکن میں خضر کا توازن نہ قائم رکھ سکا۔ اور میری اُسے محفوظ رکھنے کی بھرپور کوشش بھی رائیگاں گئی۔ خضر گٹر کے پیٹ میں اُتر گیا۔ تین گھنٹے بعد مردہ خضر گٹر سے نکالا گیا اور دو دن بعد آپا طلاق یافتہ تھیں۔ جب عمیر طلاق دینے آیا تو آتے ہی میرے منہ پر دو طمانچے مارے تھے۔ آپا ساتھ کھڑی رو رہی تھیں۔ پھر آپا کی طرف مڑا تھا اور بولا تھا۔

''صبیحہ نثار میں عمیر حیات بقائمی ہوش و حواس تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔'' لاشعوری میں مجھ سے ہونے والی بے احتیاطی نے بے انت غضب ڈھایا تھا۔ میں اپنے آپ کو آپا کا مجرم پاتا تھا۔ اُن کا سامنا کرنے سے گھبراتا تھا لیکن آپا نے مجھے کچھ نہ کہا۔ گھر میں ایک بار پھر پیسوں کے معاملے میں جھگڑے ہونے لگے۔ یوں تو میرے اور احسن کے برسرِ روزگار ہونے سے گھر کی آمدنی لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی لیکن ابو کہتے تھے۔

''صبیحہ تو میری بیٹی ہے، لیکن اس کی بیٹیاں تو کسی صورت ہماری ذمہ داری نہیں، عمیر کو ان کا ماہانہ خرچ مقرر کرنا چاہیے۔'' ابو نے ایک بار یہ بات آپا کے سامنے کہہ دی، آپا رونے لگیں۔

''میں اپنی بیٹیوں سے ہی ہوں، میں اس شخص سے اپنی بیٹیوں کے لیے ایک پیسہ بھی نہیں لینا چاہتی۔ آپ کو عذاب لگتی ہوں تو اپنی بیٹیوں کو لے کر چلی جاتی ہوں۔'' ابو پھر کبھی نواسیوں کے خرچ کا جوڑ توڑ زبان پر نہ لائے۔ البتہ دل میں ضرور رکھتے۔

☆......☆......☆

خدیجہ خالہ کی وفات پر ہم لوگ ان کے گھر گئے تھے۔ زہرہ کے سوا تمام بہنیں بیاہی جا چکی تھیں۔ زہرہ

Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

سب سے بڑی تھی پھر بھی کنواری تھی۔ لوگ تو اب یہی سمجھنے لگے تھے کہ زہرہ نے کبھی شادی نہیں کرنی۔ واپسی سے پہلے امی نے زہرہ کو پاس بٹھا کر سمجھایا تھا۔

''اور کتنی ضد کرو گی زہرہ، ماں گزر گئی۔ اب انکار نہ کرو۔ جو رشتہ آئے اس پر ہاں کر لینا۔ تمہاری رضا ہو تو کہیں بات چلاؤں؟''

''نہیں خالہ کہیں بات نہ چلاؤ، میں شادی کروں گی، ضرور کروں گی، بس آپ دعا کریں۔ خدا میری قسمت جلد کھولے۔ میں انتظار کرتے کرتے تھکنے لگی ہوں۔'' مجھے دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں کی نمی آنسوؤں کی شکل میں بدلنے لگی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اماں جو بھانجی کے حال سے تھوڑا بہت باخبر تھیں۔ حالِ دل مکمل جان گئیں۔

''زہرہ کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟'' امی نے راستے میں پوچھا تھا۔

''کیسا خیال؟'' میں جان بوجھ کر انجان بن رہا تھا۔

''شادی کا...... اس سے شادی کر لو۔'' میں چپ رہا۔

''بولو، کیا کہتے ہو؟''

''بہن کا گھر اجاڑ دیا ہے۔ اب شادی کر کے کیا کروں؟''

''تم نے گھر نہیں اجاڑا، یہ حادثہ تو خود عمیر سے بھی ہو سکتا تھا۔''

''امی میں نے خود سے خضر کو نہیں مارا، میں قاتل نہیں ہوں۔'' میری آنکھیں بھی آنسو سے بھرنے لگیں۔

''میرے بچے میں جانتی ہوں تمہاری کوئی غلطی نہیں، یہ تو حادثہ تھا۔'' امی نے میرا کندھا تھپتھپایا تھا۔

''بھول جاؤ اسے، جو ہوا وہ میری صبیحہ کا نصیب تھا، تمہارے لیے اس کے دل میں کوئی کدورت نہیں، جانتی ہوں میں اسے، بہت اچھی ہے میری صبیحہ۔''

''میں بھی اپنی بہن کو جانتا ہوں امی، لیکن پھر بھی......''

''تم اس بات کو چھوڑو، مجھے یہ بتاؤ زہرہ سے شادی کرو گے؟ وہ بھی میری بیٹی ہے اور میں اسے بہو بنانا چاہتی ہوں۔ تم بتاؤ۔'' کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد گویا ہوا۔

''میں زہرہ سے شادی کروں گا۔ لیکن شادی کے بعد میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں رہوں گا۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ آپ احسن کے ساتھ رہتی ہیں اور میں احسن کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ مجھے احسن سے نفرت ہے۔'' میرے لہجے میں صرف نفرت تھی۔

☆......☆......☆

''چلو بھی سہی، دو گھنٹے لگیں گے۔ ایک گھنٹہ آنے جانے کا اور ایک گھنٹہ اسکول کا، کیا تم اپنے دوست کے لیے دو گھنٹے بھی نہیں نکال سکتے۔'' عاشر کی منتیں ختم نہ ہو رہی تھیں۔ عاشر سے میری دوستی ہاؤس جاب کے دوران ہوئی تھی۔ عام طور پر عمر کے اس حصے میں دوستیاں کم ہی ہوتی ہیں، لیکن میں اور عاشر پھر بھی دوست بن گئے۔ اور اس میں بھی زیادہ ہاتھ عاشر کا ہی تھا۔ ہنس مکھ سا عاشر پورا ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار، حالانکہ اس کے دانت کچھ ایسے سفید بھی نہ تھے۔ لیکن وہ پھر بھی اپنے دانتوں کی نمائش کرتا رہتا۔

آج عاشر پر اپنے اسکول جا کر پرانی یادیں تازہ کرنے کا جنون سوار ہو گیا تھا اور وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ جب اس نے اتنی منتیں کیں تو بالآخر میں نے حامی بھر لی۔ حالانکہ میں کافی تھکا ہوا تھا۔ نیند کی طلب بھی شدید ہو رہی تھی۔

ڈی پی ایس فیصل آباد، اقبال اسٹیڈیم سے کچھ فاصلے پر تھا۔ اسکول پہنچ کر تو عاشر بچہ ہی بن گیا۔ یوں محسوس ہوتا، چل نہیں رہا بلکہ اُڑ رہا ہے۔

''یہاں، یہاں ہماری اسمبلی ہوتی تھی اور میں یہاں کھڑا ہوتا تھا۔ میٹرک میں، میں اسکول کا ہیڈ بوائے تھا۔ میرا نام اندر لوح اعزاز پر لکھا ہوا ہے۔ تمہیں اندر جا کر دکھاؤں گا۔''

''اور اِدھر یہ وہ گھنٹہ ہے جسے درمیانی وقفے کی اطلاع کے لیے چپڑاسی بجاتا تھا۔ ٹن ٹن ٹن ایک

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

خوفناک اس گھنٹے کی آواز ہے، میرے سر میں بعض اوقات درد ہو جاتا تھا۔

''اور یہ دیکھو اس آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر میں اس وقت بال بناتا جب میری کسی ہم جماعت سے لڑائی ہوتی اور اس لڑائی کے نتیجے میں میری کنگھی خراب ہو جاتی تھی۔''

''دسویں میں، میں اس ڈیسک پر بیٹھتا تھا۔ ہیڈ بوائے تھا نا تو سب سے آگے بیٹھتا۔''

''یہ ہماری لائبریری، ہمارا روزانہ ایک پیریڈ لائبریری کا ہوتا تھا۔ ہماری لائبریری میں ہر طرح کے اخبارات، رسالے اور ڈائجسٹ آتے تھے جیسے کہ اب بھی تمہیں ہر ٹیبل پر نظر آ رہے ہیں۔''

''اسکول کا عجائب گھر تو تمہیں دکھایا نہیں، آؤ وہ دکھاتا ہوں۔''

''یہ دیکھو یہ اسکول کا سب سے پہلا کمپیوٹر، اور وہ دیکھو قطار میں پرانے ٹائپ رائٹر پڑے ہیں۔'' عجائب گھر سے نکلتے ہوئے عاشر کو اس کے کوئی پرانے استاد مل گئے۔ ان سے اس نے خوب قہقہے لگا کر بات کی۔

''آؤ کینٹین تو دکھاؤں۔ وہاں کے ٹھنڈے سموسے، اُف کیا بتاؤں ابھی چل کر کھائیں گے بھی۔''

''السلام علیکم! السلام علیکم......'' ایک استاد جا رہے تھے۔ عاشر نے بھاگ کر انہیں جا لیا۔

''وعلیکم السلام، لفنٹر تو......'' استاد عاشر سے بغل گیر ہو گئے اور پھر میری طرف مڑ کر بولے۔ ''تو نہیں ملے گا اپنے استاد سے لفنٹر......'' انہوں نے میری طرف ایک قدم بڑھایا تو میں بھی جھجکتے ہوئے اُن کے پاس آیا، بغل گیر ہوا۔

''کتنا شرارتی ہوتا تھا اور آج ڈاکٹر بن گیا۔'' مجھ سے میری بابت پوچھنے کے بعد انہوں نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ میں بھی کھسیا کر ہنسنے میں ان کا ساتھ دینے لگا۔ میں اُن کا شاگرد نہیں تھا، وہ شاید شکل کی مشابہت کی وجہ سے یا پھر اس خیال سے کہ یہاں آنے والا ہر نوجوان اُن کا شاگرد ہو گا، مجھ سے پرانے استاد کی طرح پیش آ رہے تھے۔ اور جب میں ان استاد سے مل کر ہم آگے بڑھے تو عاشر مجھ سے گویا ہوا۔

''تحسین ایک بات تو بتاؤ۔''

''پوچھو۔''

''تم اس قدر پریشان کیوں رہتے ہو؟''

''میں......نہیں تو۔''

''جھوٹ مت بولو تحسین، میں تمہارا دوست ہوں۔ بلاشبہ پرانا دوست نہیں لیکن پھر بھی تم مجھے بتاؤ کہ کیا وجہ ہے کہ تم پریشان رہتے ہو۔ دیکھو آج میں نے تمہیں اپنا اسکول دکھایا ہے یہ میرا ماضی ہے میں اس سے حظ اٹھاتا ہوں۔ انسان کو خوش رہنا چاہیے، تم بتاؤ کیا مسئلہ ہے۔ ممکن ہے میں تمہاری مدد کر سکوں۔''

میں چپ چاپ سر جھکائے کھڑا رہا۔

''کینٹین کے سموسے چھوڑو، یوں بھی ٹھنڈے سموسے کھانے کی عمر نہیں۔ یہاں پاس میں ایک آئس کریم پارلر ہے وہاں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' اور چند لمحے بعد ہم آئس کریم پارلر میں بیٹھے تھے۔

''بولو اب، شروع سے آخر تک۔''

''یہ پہلی بار ایسا ہوا ہے کوئی مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ میں کیوں پریشان رہتا ہوں، اتنی اہمیت تو مجھے شاید کبھی نہیں ملی۔''

''اب حقیقت ہے یا خود ترسی اس کا فیصلہ تو میں تمہاری کہانی سننے کے بعد ہی کروں گا۔''

''سمجھ نہیں آتا کہاں سے شروع کروں؟'' میں نے میز کی سطح کو کھرچتے ہوئے کہا۔

''جہاں سے جی آئے شروع کرو، میں تمہیں ٹوکوں گا نہیں۔ میں ایک اچھا سامع ہوں۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں گویا ہوا۔

''خضر میرا بھانجا، میں نے تمہیں چند ماہ پہلے اس کی وفات کا بتایا تھا۔ وجہ میں نے غلط بتائی تھی وہ نمونیا سے نہیں مرا تھا۔ میں نے اُسے مار ڈالا۔ وہ بے احتیاطی سے مجھ سے گٹر میں گر گیا۔ اس کے مرنے کی وجہ سے میری بہن کو طلاق دے دی گئی۔ چار بیٹیوں کے بعد میری بہن نے ایک بیٹے کو پیدا کیا تھا اور وہ بیٹا بھی میری وجہ سے......''

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''میرے ابو بہت کنجوس ہیں، وہ اس لیے کماتے ہیں کہ مزید جائیداد بنا سکیں۔ ساری زندگی میں نے اپنی ماں کو پیسے کے لیے ابو سے جھگڑتے دیکھا ہے۔ امی کا قصور کم ہوتا تھا۔ ابو ہی بخل کرتے تھے۔ اب میں اور میرا بھائی کمانے لگے ہیں تو حالات اچھے ہوئے ہیں، ورنہ بچپن میں تو اکثر اوقات پیسے کی قلت کی وجہ سے رات کا کھانا ہم اچار سے کھاتے تھے۔

''اور میرا بھائی احسن مجھے اس سے شدید نفرت ہے۔ امی کا وہ اس قدر دلارا ہے کہ کبھی کبھار مجھے اپنا آپ سوتیلا لگنے لگ جاتا ہے۔ تمہیں پتا ہے بچپن میں وہ مجھے اسکول سے ملنے والا انعام توڑ دیا کرتا تھا۔ امی اسے کچھ بھی نہیں کہتی تھیں اور اس نے شادی بھی نوین سے کی ہے۔ نوین وہ تھی جسے میں نے چاہت سے دیکھا تھا۔ میں نوین کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتا تھا۔ ہم دونوں بھائیوں نے ایک ہی دن امی سے نوین سے شادی کی فرمائش کی تھی۔ لیکن احسن نے کہہ دیا کہ نوین بھی اسے پسند کرتی ہے اور وہ دونوں گھومنے بھی جاتے ہیں۔ جھوٹ بولا تھا۔ وہ اور نوین کبھی ساتھ گھومنے نہ گئے تھے اور نہ ہی نوین اسے شادی سے پہلے پسند کرتی تھی۔ ولیمے کی تقریب کے بعد احسن کی غیر موجودگی میں، میں نے حسد کے مارے نوین سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں کہاں گھومنے جا چکے ہیں۔ اور نوین نے پتا ہے مجھے کیا بتایا اس نے کہا کہ بچپن کے علاوہ تو اس کی کبھی احسن سے بات ہی نہیں ہوئی اور اس نے کچھ ایسی سنجیدگی سے کہا تھا کہ وہ جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا احسن سے نفرت کرنے کے لیے یہ باتیں ناکافی ہیں۔'' میرا لہجہ کیوں اتنا تیز تھا، مجھے نہیں پتا تھا۔ اور پھر خاموشی کا ایک وقفہ آیا۔

''بس یا مزید کچھ کہنا ہے؟'' اور میں نے چڑھی تیوری کے ساتھ سر نفی میں ہلا دیا۔

''اور اپنی اس کزن کا تو تم نے تذکرہ ہی نہیں کیا جو تمہیں خط بھیجتی رہی ہے اور جس سے تمہاری شادی ہونے والی ہے۔''

''زہرہ، میری سمجھ میں نہیں آتا، وہ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔ اس کے بارے میں کیا کہوں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''دیکھو تحسین تم نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا ہے اور بہت کچھ ابھی دیکھنا ہے۔ بلاشبہ تمہارے ساتھ بہت ساری زیادتیاں ہوئی ہیں اور تم سے بھی اپنے بھانجے کے سلسلے میں کوتاہی ہوئی لیکن اس کا کیا مطلب ہے تم اپنی زندگی یوں ہی گزار دو جیسے کہ تم گزار رہے ہو۔''

''عاشر تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''دیکھو تحسین مجھے یہ جواب دو تمہاری کوتاہی سے تمہارا بھانجا مر گیا۔ لیکن تم مجھے یہ بتاؤ کیا تم اپنے آپ کو قاتل سمجھتے ہو؟ قاتل کا لفظ اپنے لیے تم خود استعمال کر سکتے ہو؟'' میرا سر نفی میں ہلنے لگا۔

''اس لیے کہ تم قاتل نہیں ہو۔ جو ہوا وہ حادثہ تھا کسی سے بھی ہو سکتا تھا۔ ایک دفعہ میری گاڑی کے نیچے کتے کا پلا آ گیا، وہ پلا خود ہی سامنے آ گیا تھا، میری کوئی غلطی نہیں تھی وہ مر گیا۔ اس کی جگہ کوئی آدمی آ جاتا اور مر جاتا تو میں قاتل ٹھہرتا؟ نہیں نا، تم پھر اپنے آپ کو کیوں خطار کار سمجھ رہے ہو۔ جو ہوا اس پہ خدا سے معافی مانگو اور اسے سر سے اتار دو۔'' وہ کچھ دیر رکا پھر بولا۔

''اور آ گئی بات تمہارے ابو کی کنجوسی کی جس کی وجہ سے تم نے کئی دفعہ روٹی اچار کے ساتھ کھائی ہے۔ کیا مجھے یہ بتاؤ کہ اچار کا ذائقہ تمہیں ناپسند ہے؟''

میرا سر ایک بار پھر نفی میں ہلا تھا۔

''یہی تو اچار کے ساتھ روٹی کھانے کا شکوہ نما تذکرہ عبث ہے۔ اچار کا ذائقہ ایسا برا نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ روٹی نہ کھائی جا سکے اور باقی کنجوسی کی بات جس کی وجہ سے تم نے بچپن خواہشوں کو مارتے مفلسی میں گزارا تو میرے دوست اپنے آپ کو باور کرواؤ کہ وہ ماضی تھا جو گزر چکا ہے۔ اب تم خود برسر روزگار ہو۔ خود کماتے ہو۔ ماضی کا مفلسی بھرا دور یاد کرنے کا تو اب کوئی فائدہ نہیں۔ چند سالوں تک تمہارے ابو گھر بیٹھ جائیں گے اور تم مختار کل ہو گے، تب یہ باتیں اپنے والد کو سنا کر انہیں طعنے نہ دینا۔ جو انہوں نے کیا اُن کا ظرف تھا تم اپنا ظرف دکھاؤ اور جہاں تک میں دیکھتا ہوں اُن کا ظرف ایسا برا بھی نہیں۔ یہ گھبرو جوان ہو تم۔ 80 کلو سے تو ایک

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کلو بھی تمہارا وزن کم نہ ہوگا اور مفلسی میں یہ حال ہے اگر وہ کھلا خرچ دیتے تو یہاں میرے سامنے بیٹھنے والا شخص اتنا اسمارٹ نہ ہوتا، بلکہ موٹا گول گیا ہوتا۔" آخری جملہ کہتے ہوئے عاشر ہنسنے لگا تھا اور میں بھی ہنستے ہوئے اُس کا ساتھ دے رہا تھا۔

"اور رہی بات تمہاری اپنی بھائی احسن کے ساتھ تعلق کی تو جہاں تک مجھے لگتا ہے تم دونوں نے ایک دوسرے سے حسد و رقابت کا جذبہ باندھ لیا تھا۔ اوپر تلے کی اولادوں میں یہ جذبہ عموماً موجود ہوتا ہے، جو وقت کے ساتھ کم ہو جاتا ہے۔ لیکن تم نے اس حسد کے جذبے کو ختم ہونے ہی نہ دیا۔ بلکہ پروان چڑھائے رکھا۔ اور اس حسد کے درخت کا پھل کھاتے رہے۔ تمہارا بھائی تمہارے تحائف اور انعامات توڑ دیتا تھا تو کیا تم نے بھی اسے گزند نہ پہنچایا اور رہ گئی بات نوین کی جو کہ اب تمہاری نوین بھابی ہے اس سلسلے میں تو میں تمہارے بھائی کو داد دوں تو اچھا ہے۔ جو قصہ تم نے مجھے سنایا ہے وہ یہی بتاتا ہے کہ تم نوین کو صرف پسند کرتے تھے۔ یاد کرو 'تھے' تمہارے بھائی جھوٹ موٹ باتیں بنا کر اس سے شادی نہ کرتا تو تم دونوں کی دوریاں مزید بڑھتیں۔ لیکن اب اس کا کیا مطلب بنتا ہے؟ کہ تم اپنے بھائی سے قطع تعلق کرلو، یا پھر نوین احسن سے طلاق لے کر تم سے شادی کرلے اب جبکہ وہ تمہارے بھتیجوں کی ماں بھی ہے۔"

"نہیں، میں یہ تو نہیں چاہتا۔"

"جب یہ نہیں چاہتے تو چپ کر کے بیٹھو اور اُسے بھول جاؤ۔"

"اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ احسن تمہاری والدہ کا زیادہ دلارا ہے تو تم مجھے ایک بات بتاؤ کہ تمہاری والدہ احسن کے لاڈ اٹھاتی تھیں یا وہ لاڈ اٹھواتا تھا؟"

"یہ کیسا سوال ہے بھلا؟ وہ لاڈ اٹھاتی تھیں تو وہ لاڈ اٹھواتا تھا۔"

"کیا تم نے کبھی ایسے لاڈ اٹھوانے کی کوشش کی؟"

"وہ...... میں...... یہ کہ...... نہیں۔" بالآخر سوچ نہیں پر آن ٹوٹی۔

"بس پھر یہ گلہ بھی بے کار ہے۔ قصور تو تمہارا اپنا ہے کہ تم کھنچے کھنچے رہے۔ ممکن ہے کہ ان کے دل میں احسن کے لیے زیادہ محبت ہو۔ بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ ایک اولاد کے لیے دل میں خود بخود زیادہ محبت ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایسی قابلِ گرفت بات نہیں۔ جب تم اپنی والدہ سے دور رہے تو صرف انہیں تو قصور وار نہ ٹھہراؤ۔ اور معاف کرنا میرے دوست، میری بات تمہیں تکلیف دے لیکن یہ حقیقت ہے کہ تم قنوطی ہو۔"

"قنوطی......" میں نے اچنبھے سے اُسے دیکھا۔

"ہاں قنوطی تم ہر چیز میں منفی پہلو ڈھونڈتے ہو اور جب کوئی منفی پہلو سامنے آجاتا ہے تو اُسے سینے سے لگا کر بیٹھ جاتے ہو۔ یہ بتاؤ نوین کا تو تم نے خوب تذکرہ کیا اور زہرہ کا نہ خود سے تذکرہ کیا اور جب میں نے کہا تو بھی جان چھڑوائی۔ کیا اس لڑکی کی تمہارے لیے کوئی اہمیت نہیں جو تم سے اس قدر محبت کرتی ہے کہ سات سال سے تمہارے انتظار میں بیٹھی ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ اپنی محبت کو ثابت کرنے کے لیے وہ کیا کرے اور کتنے سال تمہارا انتظار کرے۔ بولو۔" عاشر بول رہا تھا اور میں یک ٹک اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

زہرہ سے میری شادی کو ابھی پانچ دن رہتے تھے کہ مجھے پیٹ میں درد ہونے لگا۔ اچانک شروع ہونے والا شدید قسم کا درد۔ پیشاب میں خون آنے لگا اور پھر خون آنا بند ہوگیا۔ درد تھا کہ ناقابلِ برداشت، اور جب مجھے میرے فاضل ڈاکٹر نے بتایا کہ مجھے "Adult Poly Cystic Kidney Disease ہے۔ تو میں کچھ بول بھی نہ سکا۔ یہ ایک جنیاتی بیماری تھی جو عموماً تیسرے عشرے کے انتہا پر ظاہر ہوتی ہے۔ گردوں پر بہت ساری خون اور پیپ بھری تھیلیاں بن جاتی ہیں اور دونوں گردے ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ ڈائلیسز سے چند مہینے تو گزارے جا سکتے ہیں لیکن اس کا مکمل علاج انتقالِ گردہ ہے۔ بصورتِ دیگر اپنی موت کی چاپ سنتے رہیے۔

میرے پورے گھر پر موت کا سناٹا چھا گیا۔ امی، ابو بوڑھے تھے۔ آپا بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں اور احسن کے ساتھ کراس میچنگ نہ ہوئی، گھر میں کوئی بھی مجھے گردہ نہ دے سکتا تھا۔ اخبار میں اشتہار دے دیا گیا کہ گردے کی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ضرورت ہے۔

اور وہ گھر جہاں میری شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ وہاں خاموشی راج کرنے لگی۔ موت یا زندگی کیسا عجب انتظار تھا۔

بالآخر ایک شخصیت آئی۔ وہ مکمل طور پر صحت مند تھی اور مجھے گردہ دے سکتی تھی۔ اس کا نام زہرہ تھا۔ اور ایک طویل آپریشن کے بعد زہرہ کا ایک گردہ مجھے منتقل کر دیا گیا۔ اور اس کے سال بعد میری زہرہ سے شادی ہوگئی۔

وہی زہرہ جو مجھ سے بے تحاشا محبت کرتی تھی، جو میرے لیے سالہا سال انتظار کر سکتی تھی، جو مجھے زندگی عنایت کر سکتی تھی۔

"آپ سے ہی تو ہے میری زندگی، گردے کے انتقال کے معاملے میں بار بار کی ممنونیت مجھے بیزار کرتی ہے۔" یہ زہرہ کے الفاظ تھے۔ زہرہ گردے کے انتقال کے بعد بھی مکمل صحت مند تھی۔ لیکن Tissue Rejection سے بچنے کے لیے استعمال کی جانے والی دوائیں مجھے جسمانی طور پر کمزور کرتی جا رہی تھیں۔ پہلے میں جوڑوں کے درد میں مبتلا ہوا۔ بمشکل چھڑی کے سہارے چلتا۔ سال کے چھ مہینے تو مجھے چھاتی کا انفیکشن رہتا اور وہ میری جی جان سے خدمت کرتی رہتی اور محبت لٹاتی رہتی۔

☆......☆......☆

"تھکتیں نہیں میری خدمت کر کر کے۔" ایک دن میں نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔ زہرہ کسی کام میں اُلجھی ہوئی تھی۔ میری آواز سن کر اُس کے کام کرتے ہاتھ تھم گئے۔

"نہیں بالکل نہیں۔" کام ادھورا چھوڑ کر وہ میرے پاس آ بیٹھی۔ اور اس انداز میں وہ میرے ساتھ آ کر بیٹھی تھی اُس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بھی کچھ کہنا چاہتی ہے۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

"ایک بات تو بتاؤ تحسین۔"

"جی۔"

"کیا تمہیں اب بھی مجھ سے محبت نہیں ہوئی۔"

اب میں یک ٹک اُس کا چہرہ دیکھے گیا۔ بھوری کانچ سی آنکھوں والی، زہرہ جو میری نصف بہتر تھی۔ اس سے قبل کہ میں کوئی جواب دیتا۔ وہ خود ہی بول پڑی۔

"اگر تمہارا جواب ناں ہے تو پلیز جواب رہنے دو۔ کبھی کبھی الفاظ اس قدر تکلیف دیتے ہیں۔ شاید تمہیں اندازہ نہ ہو۔" آن کی آن میں کانچ سی بھوری آنکھیں نم ہوگئیں۔ اور میرا دل اتھل پتھل ہونے لگا۔

"رکو زہرہ!" زہرہ آنکھیں پونچھتی اُٹھ کر جا رہی تھی جب میں نے ہاتھ پکڑ کر اُسے روکا تھا۔ اور پھر سے اپنے پاس بٹھایا تھا۔

"تم میری بیوی ہو......"

"صرف بیوی ہوں۔"

"محسن ہو۔"

"صرف محسن ہوں؟"

"مجھے کچھ بولنے تو دو۔ کم از کم فقرہ تو سیدھا کرنے دو۔" زہرہ کے یوں درمیان میں بولنے پر میں قدرے جھلایا تھا۔

"اگر تم رابطہ مسلسل اور فاصلہ مسلسل کا تعلق رکھو گے تو میں درمیان میں ہی بولوں گی۔" عموماً زہرہ اتنا نہیں بولتی تھی۔ مگر شاید...... یہ عام دن نہ تھا۔ میں کچھ لمحے زہرہ کو تکتا رہا۔

"اور میری محبوبہ بھی ہو۔" زہرہ لمحہ بھر کو بُت سی ساکن ہوگئی۔

"ہاں زہرہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" زہرہ ساکن سی مجھے دیکھتی رہی۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ بولتی۔ دو آنسو اُس کی آنکھوں سے ٹپکے تھے۔

"تحسین یہ فقرہ تم سے سننے کے لیے میں نے سالوں انتظار کیا ہے۔ وہ سال جو صدیوں سے طویل تھے۔" زہرہ کے منہ سے الفاظ نہیں جذبات نکلے تھے اور میں اپنی جگہ پانی پانی ہوگیا۔

اور یوں ہم دونوں میں محبت کا جو رشتہ شروع ہوا تو وہ ساری زندگی پر محیط ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ شادی کے سالوں بعد جب میں بیت الخلاء تک جانے کے لیے محتاج ہوگیا تو زہرہ میری چھڑی بن گئی ہے۔ دعا کیجیے، خدا ہمارا ساتھ قائم و دائم رکھے۔ اور یہ دل اسی طرح آباد رہے۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہانڈی وال

سید افتخار بھٹی

آہنی سلاخوں کے پیچھے سے ایک ناکردہ جرم کی سزا پانے شخص کی کہانی، جس کی رہائی ناگزیر ہوئی تھی

میں اپنی بیرک میں بیٹھا کام میں مصروف تھا، پر میری نظریں ہمارے سرکل کے گیٹ پر تھیں۔ آج میرا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا کیونکہ یوسف آج ملیر کورٹ تاریخ پر گیا تھا۔ مجھے بڑی بے چینی سے یوسف کا انتظار تھا۔ آج کورٹ میں یوسف کا فیصلہ تھا کیس کا۔ میرے علاوہ سارے دوستوں کو بھی یوسف کا انتظار تھا کیونکہ آج یوسف نے رہا ہونا تھا۔ جب بھی کسی قیدی کی رہائی کا پتا چلتا تو ہم سب بڑے خوش ہوتے، خاص کر جب کوئی ایسا قیدی جو دوست ہو یا پھر ہانڈی وال (ہانڈی والا کا مطلب جیسے 10 یا 12 یا 6 قیدی آپس میں ایک دسترخوان پر اپنا کھانا ملا کر ساتھ کھائیں تو یہ آپس میں سارے ہانڈی وال ہوتے ہیں)۔ یوسف تو میرا بہت اچھا دوست اور پھر ہانڈی والا بھی تھا۔ صبح ہتھکڑی لگنے سے پہلے جب جیل سے مجرم کو پولیس والے ہتھکڑیاں لگا کر عدالت لے جاتے ہیں اس سے پہلے یوسف میرے ساتھ بیٹھا کہہ رہا تھا۔

''افتخار بھائی! آج میں چلا جاؤں گا۔ یہ پرچی رکھ لو، کچھ لڑکوں سے پیسے لینے ہیں اور کچھ کو دینے ہیں، سب اس میں لکھا ہوا ہے۔ افتخار بھائی جن سے پیسے لینے ہیں اگر انہوں نے مجھے آج نہ دیے اور جن کو میں نے دینے ہیں۔ جاتے وقت انہوں نے مجھ سے مانگے اور میرے پاس نہ ہوئے تو مجھے بڑی شرمندگی ہوگی۔''

میں نے کہا۔ ''یوسف تم پریشان مت ہو۔ تم اللہ کو یاد کر کے کورٹ جاؤ۔ جن سے لینے ہیں میں لے لیتا ہوں اور جن کو دینے ہیں میں دے دیتا ہوں۔ اگر کوئی رہ بھی گیا تو جاتے ہوئے تم سے کوئی پیسوں کی بات نہیں کرے گا، میں ہوں نہ۔''

میں نے یوسف کو دعاؤں کے ساتھ کورٹ روانہ کیا۔ مجھے یوسف کی رہائی کی اتنی خوشی تھی کہ میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا، پر اپنے تنہا ہونے کا احساس بھی تھا کیونکہ آج سے تین سال پہلے جب میں جیل میں آیا تھا تو بیرک میں اکیلا بیٹھا تھا، کھانے کا وقت ہوا تو سب لوگ کھانے میں مصروف ہوگئے۔ میں الگ تھلگ بیٹھا تھا۔ اچانک مجھے آواز آئی۔

''اوئے اِدھر آ۔'' میں نے دیکھا سامنے ایک لڑکا کھڑا تھا۔ اس نے کہا کہ ''اِدھر آ۔''

مجھے چھ لڑکوں کے ٹولے میں جا کر بٹھایا اور کہا ''کھانا کھاؤ۔'' میں بھی کھانا کھانے لگ گیا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

انہوں نے مجھے کہا۔ ''تیرا نام کیا ہے؟''
میں نے کہا۔ ''افتخار بھٹی۔''
انہوں نے کہا۔ ''بات سن، ملاقات وغیرہ آئے گی تیری۔''
میں نے کہا۔ ''ہاں آئے گی۔'' تو وہ بولا۔
''اچھا ٹھیک ہے، ہم چھ ہانڈی وال ہیں۔ تمہیں ملا کر سات ہو گئے۔ اب تمہارا کھانا کھانا، اٹھنا بیٹھنا، سونا سب ہمارے ساتھ، یعنی ہانڈی والوں کے ساتھ۔''
میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔''
آہستہ آہستہ وقت گزرنے لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہماری ہانڈی میں باقی ہانڈیوں کی نسبت اچھے اور کھلے ہوئے لڑکے تھے۔ اگر کسی کی ملاقات آتی، گھر سے کھانا آتا تو سب مل کر کھاتے، مل کر ایک دوسرے کے کپڑے دھونا، ایک دوسرے کی دیگر ضروریات پوری کرنا اور ہماری ہانڈی کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہماری ہانڈی میں سے کوئی شخص نشہ نہیں کرتا تھا۔ سارے ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ہم سب کی ملاقات آتی تھی، کھانا، تیل، صابن، سرف، پیسے اور دیگر ضرورت کی چیزیں سب آتی تھیں۔ میں نے محسوس کیا ہماری ہانڈی میں جب کسی کے گھر کا کھانا آتا ہے یوسف کہیں غائب ہو جاتا ہے۔ کھاتا نہیں ہے اور جو کھانا جیل کی طرف سے بنتا ہے، وہ کھانا وہ ہمارے ساتھ کھاتا ہے اور یوسف کی ملاقات بھی نہیں آتی۔ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں بھی کسی سے نہیں لیتا، حتیٰ کہ اپنے ہانڈی والوں سے بھی نہیں۔
اس بات پر ہم تھوڑا پریشان ہوتے تھے۔ میں نے وحید سے پوچھا۔
''وحید...... یوسف کو کتنا عرصہ ہو گیا جیل میں۔''
وحید نے بتایا سات ماہ...... یعنی وہ مجھ سے چھ ماہ پہلے آیا اور مجھے ابھی ایک مہینہ ہوا تھا۔
ایک دن ہم نے یوسف کو بٹھا کر سمجھایا کہ بھائی جب ایک ہانڈی وال کی ملاقات آتی ہے جو سامان



Downloaded From Paksociety.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

آتا ہے سب کا حق ہوتا ہے تُو کیوں نہیں کھاتا۔‘‘
یوسف نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہمیں بھی غصہ آتا اور کبھی ترس۔

پھر ایک دن تنہائی میں یوسف کو میں نے بٹھایا اور کہا کہ یوسف تم ہم سے کیوں دور دور بھاگتے ہو۔ ہمارے ساتھ بیٹھ کر کیوں نہیں کھاتے۔‘‘ یوسف نے جواب دیا۔

’’افتخار بھائی آپ سب کے گھر سے کچھ نہ کچھ آتا ہے پر میرے گھر سے کوئی ملنے تک نہیں آتا۔ کل کسی ہانڈی وال نے کہہ دیا کہ یوسف ہمارے گھر والے آتے ہیں، سامان لاتے ہیں، پر تمہارے گھر سے کچھ نہیں آتا۔ تم ہمارے گھر کا کھاتے ہو پر اپنے گھر سے کچھ منگواتے نہیں تو میں کیا جواب دوں گا یار! اس لیے میں کسی کا کچھ نہیں کھاتا۔‘‘

یوسف کے الفاظ میرے دل کو لگے۔ یوسف کے ساتھ ساتھ میری آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ اُس کی خودداری اچھی بھی لگی۔ ہمارے بار بار سمجھانے اور ہمارے پیار نے یوسف کو ہمارے قریب کر دیا اب وہ ہمارے ساتھ کھانا کھاتا بھی تھا۔ گپ شپ بھی کرتا تھا۔ میں نے پوچھا۔

’’یوسف تمہارا کیس کیا ہے؟‘‘

’’یوسف نے بتایا 302 یعنی قتل کا کیس۔‘‘

یہ سن کر میں بہت پریشان ہوا۔ ’اتنا بڑا کیس، دوسرا نہ کوئی وکیل، نہ گھر والوں کا ساتھ..... یوسف نکل پائے گا جیل سے؟‘ یہ سوچ سوچ کر میں پریشان ہوتا۔

☆......☆......☆

خیر ہماری ہانڈی سے آہستہ آہستہ سب رہا ہوتے چلے گئے۔ پہلے وحید پھر سونا خان پھر عامر، غوث اللہ باقی میں، یوسف اور جمالی بچ گئے۔ نئے ہانڈی وال مل گئے۔ سب نے ہانڈی کا بڑا مجھے بنا دیا۔ جمالی کو ہانڈی سے نکال دیا۔ یوسف اب میرے گھر سے آئی ہر چیز کو اپنا سمجھتا تھا۔ میں کورٹ جاتا۔ یوسف سامان لکھ کر دیتا، میں سارا لے آتا۔ اب وہ میری بڑے بھائیوں سے بھی زیادہ عزت کرنے لگا۔ وقت گزر رہا تھا۔ جیل کا وقت دُکھ سکھ ہم ساتھ سہہ رہے تھے۔ یوسف پر سب سے مشکل وقت وہ آیا جب اطلاع ملی کہ یوسف کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کے علاوہ کئی مشکلات اور بھی آئیں مگر ہم سہتے گئے۔

☆......☆......☆

قید کا وقت گزر رہا تھا۔ ہماری بیرک میں ایک عالم نام کا آدمی بھی تھا۔ اُس کے گھر سے جب بھی کھانا وغیرہ آتا تھا وہ مجھے اور یوسف کو لازمی دیتا تھا۔ اس کی عمر 60 سال کے لگ بھگ ہوگی۔ اس کے اچھے اخلاق کو دیکھ کر یوسف اس کے کپڑے دھو دیتا، بستر وغیرہ صاف کر دیتا، اُس کو پانی وغیرہ بھر دیتا۔ یوسف ہر طرح سے عالم چاچو کی خدمت کرنے لگا تھا۔ عالم چاچو ہمیں بٹھا کر اکثر بولتے۔

’’بیٹا میں تو بوڑھا ہوں، پر آپ لوگوں کو اللہ جلدی رہائی دے۔‘‘

میں نے کہا۔’’عالم بابا اللہ آپ کو جلدی جیل سے نکالے۔ آپ اگر نکل جاؤ۔ تو یوسف کے لیے کوئی بھاگ دوڑ لازمی کرنا اس کو نکالنے کی۔‘‘

انہوں نے کہا کہ ’’میں ضرور کروں گا۔‘‘

کچھ عرصے بعد عالم بابا رہا ہو گئے۔ میرا اور یوسف کا کورٹ ایک ساتھ تھا۔ کورٹ میں عالم بابا پہلے سے موجود تھا جسے دیکھ کر ہم بہت حیران تھے۔ ہمارے ساتھ رہنے والے ہزاروں لوگ رہا ہوئے پر آج تک کوئی نہیں آیا تھا۔ عالم بابا کو دیکھ کر یقین نہیں آ رہا تھا خیر ہم لوگ بیٹھ گئے۔

عالم بابا نے بتایا کہ یوسف تمہارے دیے ہوئے ایڈریس پر میں گیا تھا کورنگی سو کوارٹرز، تمہارے بہنوئی سے بات ہوئی وہاں۔ اُس نے کچھ خاص رسپانس نہیں دیا۔ آج تمہاری تاریخ ہے، آج اُس نے کورٹ میں آنے کا کہا ہے کہ آج آئے گا۔‘‘

سارا دن ہمارا کورٹ میں گزرا مگر یوسف کا بہنوئی نہیں آیا۔ تین بجے ہم جیل آنے لگے تو یوسف کے چہرے پر مایوسیاں تھیں کہ اتنے عرصے بعد کسی کو اپنے بہنوئی کے گھر بھیجا پر وہاں سے کوئی ہمدردی نہیں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ملی۔

کورٹ کی سیڑھیوں سے نیچے اُترتے ہوئے یوسف نے مجھے بتایا کہ افتخار بھائی عالم بابا مجھے پیسے دے رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں اپنے لیے کوئی وکیل کرلو۔ میں نے کہا کہ پہلے آپ سے پوچھوں کہ لوں یا نہ لوں۔"

میں نے کہا" کتنے پیسے دے رہے ہیں؟"

یوسف نے بتایا۔"15 ہزار تک ہیں۔"

میں نے کہا کہ یوسف عالم بابا سے کہو کہ پیسے آپ اپنے پاس رکھو اور آپ خود میرے لیے کوئی وکیل کرو۔"

یوسف نے عالم بابا کو ایسے ہی کہا پیسے اگر آپ سے لے کر میں جیل جاتا ہوں تو خرچ ہو جائیں گے۔ پیسے اپنے پاس رکھو اور آپ خود میرے لیے کوئی وکیل ڈھونڈ لو۔"

عالم بابا نے یوسف سے پوچھا کہ بیٹا تمہارا مدعی کہاں رہتا ہے۔"

یوسف نے کہا کہ وہ بھی کورنگی سو کوارٹرز میں رہتا ہے۔"

عالم بابا نے اس کے مدعی کا نام اور ایڈریس پوچھا اور اگلی تاریخ پر آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

اگلی تاریخ میں نے اور یوسف نے ساتھ ہی لی۔ میں نے اپنی تاریخ اس لیے ساتھ لی کیونکہ عالم بابا نے اگلی تاریخ پر آنے کا وعدہ کیا تھا۔

☆......☆......☆

اگلی تاریخ پر جب ہم کورٹ کے سامنے جا کر بیٹھے۔ ہماری نظریں عالم بابا کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اچانک یوسف نے مجھے بتایا کہ افتخار بھائی وہ دیکھو عالم بابا۔" عالم بابا کے ساتھ ایک بندہ اور بھی تھا۔ اُس کو دیکھتے ہوئے یوسف نے کہا۔

"افتخار بھائی عالم بابا کے ساتھ جو بندہ آپ دیکھ رہے ہو یہ میرا مدعی ہے۔ یہ عالم بابا کے ساتھ کیسے ہے؟"

میں نے کہا کہ پریشان نہیں ہو۔" اور پھر میں نے سپاہی کو کہا کہ وہ بابا جی کھڑے ہیں ذرا اُن کو بلا دو۔"

سپاہی نے فوراً اُن کو بلا دیا۔ عالم بابا کی نظر جیسے ہی ہم پر پڑی۔ وہ بھی اور ساتھ والا آدمی بھی تیز تیز قدموں سے ہماری طرف آ گیا۔

دونوں ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ یوسف کا مدعی خود ہی کہنا شروع ہو گیا۔

"یوسف عالم بابا میرے پاس آیا۔ مجھے کہا یوسف کو جیل میں چار سال ہو گئے ہیں۔ تم اسے اللہ کی رضا کے لیے معاف کر دو۔ میں جیل میں یوسف کے ساتھ رہ کر آیا ہوں۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ باقی مالی مدد جتنی ہو سکی میں کروں گا تمہاری۔ اور یوسف باہر آ کر تمہاری خدمت کرے گا۔ یوسف میں تمہیں اللہ کی رضا کے لیے معاف کر دوں گا۔ عدالت میں تمہارے حق میں بیان دوں گا کیونکہ تم بے گناہ ہو۔ پر تم اپنے گھر سے کسی کو میرے پاس بھیجو تا کہ میں کسی کو خاندان میں بتا سکوں کہ اس کے گھر والے آئے تھے۔ معافی مانگی تو میں نے معاف کر دیا۔"

یوسف نے کہا میرے والدین فوت ہو گئے ہیں۔ میری بہن اور بہنوئی ہے میں آپ کے گھر اُن کو بھیجوں گا۔"

یوسف نے اپنی بہن کو فون کیا۔ ساری صورت حال بتائی۔

یوسف کی بہن نے کہا۔" میں اور تیرا بہنوئی دو سے تین دن میں مدعی کے گھر جائیں گے اور اُن سے صلح کر آئیں گے۔" یہ سنتا تھا یوسف کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

یوسف کی بہن نے یوسف سے وعدہ کر لیا کہ اگلی تاریخ پر تمہارے بہنوئی کو مٹھائی سمیت کورٹ بھیجوں گی۔ مدعی اگر کہہ رہا ہے تمہارے گھر والے آئیں تو میں تمہارے حق میں بیان دے دوں گا۔ تو ہم ضرور جائیں گے۔"

یوسف تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اگلی تاریخ لے کر ہم جیل آ گئے۔

یوسف نے کسی سے کانٹیکٹ نمبر لیے کسی کو دیے خوش ہو کر سب کو بتاتا پھر رہا تھا کہ میں رہا ہونے والا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جا سکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہوں۔

☆......☆......☆

یوسف کی تاریخ کے یہ چودہ دن تو جیسے یوسف کے لیے لمبے ہوگئے تھے۔ اللہ اللہ کرکے چودہ دن پورے ہوئے۔ صبح جوڑی کے لیے سیٹی بجی میری آنکھ کھلی میں نے دیکھا یوسف بستر پر نہیں تھا۔ میں فوراً اُٹھ بیٹھا میری نظر کونے پر پڑی دیکھا تو یوسف جائے نماز پر بیٹھا دعا مانگ رہا تھا۔

ہم لوگ فوراً اٹھے، جوڑی دی۔ یوسف نے اپنے کپڑے نکالے، مجھے کپڑے دیے۔ ہم دونوں نے کورٹ جانے کی تیاری کرلی۔

صبح دس بجے ہم کورٹ میں تھے۔ جلد ہی عالم بابا اور یوسف کا مدعی بھی آگئے۔ یوسف عالم بابا کے ساتھ اپنے بہن بہنوئی کو نہ پاکر پریشان ہوگیا۔ عالم بابا بھی کچھ پریشان سے تھے۔

عالم بابا نے بتایا۔ ”بیٹا میں نے کئی بار تمہارے بہنوئی سے رابطہ کیا پر وہ میرے پاس نہیں آیا۔ میں اُن کے گھر گیا پھر بھی اُس نے کوئی دلچسپی نہ لی۔“

یہ سن کر تو لگا یوسف کا دل کسی نے سینے سے نکال کے کچل دیا ہو۔ پریشانی کے باعث یوسف کو پسینہ آگیا۔ یوسف کے مدعی کو میں نے بٹھایا اور کہا۔

”بھائی آپ اللہ کی رضا کے لیے اس کو معاف کررہے ہو تو کسی اور کو مت بلاؤ۔ انسان کا احساس کرتے ہیں۔ اس کے والدین تو فوت ہوگئے ہیں اب کس کو اس کا احساس ہوگا۔ جیل میں ہم بہت تکلیف میں رہتے ہیں۔ اس کا اب بہن کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اب وہ بھی ساتھ نہیں دے رہی ہے تو آپ اس پر احسان کرو۔“

عالم بابا نے کہا کہ سمجھو میں یوسف کا باپ ہوں۔ میں چل کر آیا ہوں آپ کے پاس، میں معافی مانگتا ہوں۔“ الغرض میں نے اور عالم بابا نے اسے بہت سمجھایا۔ کورٹ کا ٹائم ختم ہوگیا اور ہم پھر جیل آگئے۔

اگلے چودہ دن یوسف پھر بہت پریشان رہا۔ اگلی تاریخ پر یوسف اکیلا کورٹ گیا۔ یوسف کورٹ سے واپس آیا تو میں نے کہا کہ یوسف بتاؤ تمہارے گھر سے کوئی آیا یا عالم بابا۔“

یوسف نے بس اتنا کہا کہ یار بھوک لگی ہے۔ پہلے کھانا کھانے دو۔“

یوسف نے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد کہا۔

”افتخار بھائی عالم بابا آیا تھا۔ مدعی بھی آیا تھا۔ خوشخبری یہ ہے کہ عالم بابا نے اسے میرے حق میں بیان دینے پر راضی کرلیا ہے۔ اگلی تاریخ پر وہ میرے حق میں بیان دے دے گا۔“

یہ سنتے ہی ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ہم مل کر عالم بابا کو دعائیں دینے لگے۔

اگلی بار میں کورٹ گیا تو وہی تاریخ لے آیا جو یوسف کی تھی۔ ہم دونوں اگلی تاریخ پر ساتھ کورٹ پہنچ گئے۔ عالم بابا مدعی کو لے کر آگیا۔ انہوں نے کسی وکیل سے بات کی ہوئی تھی۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد وکیل آگیا۔ فٹافٹ بیان ہونے لگے مدعی نے اپنا بیان ریکارڈ کراتے ہوئے کہا کہ جج صاحب مرنے والا میرا بھائی تھا۔ میں یوسف کو اللہ کی رضا کے لیے معاف کرتا ہوں اور عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ یوسف کو رہا کردیا جائے۔

جب ہم عدالت سے باہر نکلے تو سب یوسف کو مبارکباد دینے لگے کیونکہ قتل کے کیس میں اگر مدعی معاف کردے تو عدالت اس ملزم کو چھوڑ دیتی ہے۔ ہم اگلی تاریخ لے کر خوشی خوشی جیل آگئے۔ یوسف کو اب جیل قید خانہ نہیں لگ رہی تھی۔ وہ ہر وقت سوچوں میں باہر کی دنیا میں جی رہا ہوتا۔

☆......☆......☆

خیر اللہ اللہ کرکے تاریخ آگئی۔ سب دوستوں سے مل کر ہم کورٹ جانے لگے سب کہنے لگے۔

”یوسف بھائی آج تو رہائی کا لیٹر لے کر آنا۔

یوسف نے کہا۔

”انشاءاللہ لے کر آؤں گا۔“

کورٹ پہنچے عدالت میں حاضری کا وقت آیا۔ مجھے اور یوسف کو ساتھ ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ عدالت گئے عدالت نے کہا آج اخبار میں اشتہار دینا ہوگا کہ فلاں کیس میں فلاں کا قتل ہوا۔ مدعی جو اُس کا بھائی تھا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

اُس نے معاف کر دیا ہے۔ اگر کسی کو اعتراض ہو تو وہ سات یوم کے اندر عدالت سے رجوع کرے۔''

عالم بابا نے فوراً تین ہزار روپے اخبار میں اشتہار کی فیس وکیل کو دی اور وکیل کو ہدایت کی کہ وکیل صاحب یہ اشتہار آج ہی اخبار میں دے دو۔ وکیل نے کہا ٹھیک ہے۔ ہم واپس جیل آ گئے۔

دس دن کی تاریخ تھی۔ یوسف نے ایک سوٹ الگ کیا اور کہا۔ یہ رہائی والے دن پہن کر جاؤں گا۔'' باقی کچھ کپڑے غریب قیدیوں میں بانٹ دیے جو سامان وغیرہ تھا وہ بھی بانٹ دیا۔

دس دن بعد آج یوسف پھر کورٹ گیا۔ شام میں ہم سب نے آتے ہی پوچھا۔

''یوسف آج تو پکا رہا ہو رہے ہوناں۔''

یوسف نے کہا کہ نہیں یار اگلی تاریخ دی ہے پانچ دن کی۔ اس پر عدالت چھوڑ دے گی۔''

''کیا وکیل نے اخبار عدالت میں پیش کیا اور کہا جج صاحب اخبار میں اشتہار دے دیا ہے۔ سات دن سے اوپر ہو گئے ہیں کسی نے اعتراض جمع نہیں کرایا۔ عدالت اب یوسف کو رہا کر دے۔ جج صاحب نے 5 دن بعد کی تاریخ دی ہے۔ اور کہا ہے کہ اس پیشی میں فیصلہ دے دوں گا۔ اب میں یہاں پانچ دن کا مہمان ہوں۔ پانچ دن بعد چلا جاؤں گا۔''

اب ہم رات دن ہنس کھیل کر گزارنے لگے۔ اللہ کی مہربانی سے پانچ دن اور گزر گئے۔ یوسف آج پھر کورٹ گیا اور میری نظر سرکل کے گیٹ کی طرف تھی۔

☆......☆......☆

آج یوسف نے رہا ہونا تھا ساڑھے تین سال جیل میں ساتھ دُکھ سکھ کاٹے۔ اس کی رہائی کی خوشی جو مجھے تھی شاید ہی کسی اور کو ہو۔ ساڑھے تین سال ایک پلیٹ میں کھایا، وہ بھی جیل میں۔ اس کی اہمیت جیل کاٹنے والا ہی جانے۔ میں نے وقار سے پوچھا۔

''یار کورٹ کی گاڑی نہیں آئی کیا؟''

وقار نے بتایا کہ آ گئی ہے۔ میں نے یوسف کا پوچھا تو وہ بولا کہ وہ بیرک میں ہے۔''

میں نے رجسٹر بند کیا اور بھاگتا ہوا بیرک میں گیا۔ جاتے ہی کہا۔

''یوسف مبارک ہو۔'' یوسف نے کوئی جواب نہیں دیا۔

میں نے کہا۔'' یوسف خیریت تو ہے۔ چپ کیوں ہو۔'' یوسف کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور کہا۔

''افتخار بھائی میرا دل پھٹ رہا ہے۔ میری ساری امیدیں ٹوٹ گئی ہیں۔ میرا کیا بنے گا۔''

میں نے کہا کہ یوسف بات کیا ہے۔ مجھے بتاؤ تو سہی۔''

یوسف بولا'' افتخار بھائی جج نے کہا یہ جو مدعی ہے یہ مرنے والے کا سگا بھائی نہیں ہے اس لیے عدالت اس کے معاف کرنے سے تمہیں نہیں چھوڑے گی۔ جب تک مرنے والے کے ماں باپ یا سگا بھائی نہ ہو۔ کیا مدعی عدالت میں کہتا رہا کہ اس نے مرنے والے کو بچپن سے میں نے پالا ہے۔ اس کے والدین فوت ہو گئے ہیں اور اس کا کوئی بھائی نہیں ہے۔ اس کا سب کچھ میں ہی تھا۔ پر جج نے کہا نہیں۔ تمہارا معاف کرنا قابلِ قبول نہیں۔

آج شام جیل میں ہم پر قیامت بن کر آئی۔ آج یوسف کو ایسا لگ رہا تھا جیسے آج اُس کا سب کچھ چھین کر کسی نے اُسے جیل میں بند کر دیا ہو۔ اور آج جیل میں اُس کا پہلا دن ہو۔ آج یوسف بہت ٹوٹ گیا تھا۔ پر مجھے امید ہے کہ جلد ہی اللہ پاک یوسف کی رہائی کا کوئی آسان راستہ بنا دے گا۔

ساتھیو! قانون تو انسان نے بنائے ہیں۔ اللہ کا قانون، اللہ کی کتاب میں درج ہے۔ یوسف کی طرح کتنے ہی بے گناہ اسی طرح سزائیں کاٹتے رہیں گے۔ ہمارے قوانین میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ قانون کی آنکھوں پر بندھی کالی پٹی کب اترے گی؟ کب انصاف ہوگا۔ کب تک بے گناہ، گناہ گار بنے سلاخوں کے پیچھے اپنی زندگیاں بنجر کرتے رہیں گے۔

''آپ سب میرے دوست میرے ہانڈی وال یوسف کے لیے دعا کریں میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ممی ممی...

رضیہ فصیح احمد

امریکہ میں مقیم اُس ماں کی کہانی، جس نے ایک معصوم کی زندگی بچا کر اپنی خوشیاں حاصل کر لیں

میرے اندر کوئی کہہ رہا تھا۔ 'بھا گو' بھا گو' یہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے' تم تنہا اسے نہیں جھیل سکتیں' تم کمزور ہو اور یہ بڑا جھمیلا ہے۔' میرا دل للکار رہا تھا۔ 'بڑا ہو یا چھوٹا' اب صرف تم یہاں ہو اور تمہیں ہی جھیلنا ہے اسے 'بیمیں بی بی! کمزور ہونے کے بہت مواقع آئیں گے۔ گھر میں چوہیا نکل آئے تو ہائے وائے کر لینا۔ یہ بہادر بننے کا وقت ہے۔ ایک زندگی کا سوال ہے۔ تم نے اس بچے کی آواز اپنے کانوں سے سنی ہے' اگر وہ بند ہوگئی تو کیا تم زندگی بھر خود کو معاف کر سکوگی؟' دل سے دو بہ دو تو ہوتی رہتی تھی مگر ایسا نازک وقت اس سے پہلے نہیں آیا تھا۔

اچھا صرف ایک منٹ' اسے آکسیجن مل جائے' اس کے بعد میری ذمے داری نہیں۔

کبھی کبھی کوئی کھینچ کر مجھے ایسی جگہ لے جاتا ہے جہاں جانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ دل سے دو بہ دو اس بات پر بھی ہوئی' میں نے کہا کہ کل سے باقاعدہ چہل قدمی شروع ہوگی' آج تو اندھیرا ہو چلا ہے۔ دل نے کہا کہ بزرگوں نے کہا ہے' کل کبھی نہیں آتا۔ میں نے کہا کہ ارادہ مضبوط ہو اور من میں کھوٹ نہ ہو تو کل ہمیشہ آتا ہے۔ دل نے کہا کہ ارادہ مضبوط ہو اور دل میں کھوٹ نہ ہو تو آدمی کام آج سے شروع کرتا ہے نہ کہ کل سے اور چھوٹے موٹے بہانے تلاش نہیں کرتا۔ میں نے کہا۔ 'چلو آج سے سہی' ابھی اتنی روشنی ہے کہ اپارٹمنٹ کا ایک چکر لگایا جا سکے۔

''بسم اللہ۔'' دل نے خوش ہو کر کہا۔ ''چلو احتیاطاً پڑوسن سے بھی پوچھ لیں کہ اکثر ساتھ ٹہلنے جانے کا ذکر کرتی ہے۔''

پڑوسن کے اپارٹمنٹ کی گھنٹی بجائی اور ساتھ چلنے کو کہا تو جواب ملا۔ ''آج نہیں' آج میرے پاس کمپنی ہے۔'' مطلب یہ کہ کوئی بیٹھا ہے۔ میں نیچے اتری۔

بادلوں کے ٹکڑے شفق کے رنگ میں گھل کر افق پر پھیلتے جا رہے تھے اور اندھیرا انہیں نگلنے کی کوشش میں تھا۔ پارکنگ لاٹ میں گاڑیوں کی تعداد اور بڑھ گئی تھی۔ صبح کے گئے قریب قریب سارے ہی پنچھی گھونسلوں میں آ گئے تھے۔ اس وقت کچھ زیادہ ہی سناٹا ہو جاتا تھا۔ بچے کھیل کھال کر گھروں میں چلے جاتے تھے۔ دفتروں سے لوٹ کر آنے والے اور آنے والیاں ٹی وی کے پروگرام اور کھانے کے انتظام میں مشغول ہو جاتے تھے۔

اس کمپلیکس میں کئی عمارتیں تھیں۔ سب کا

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

طرزِ تعمیر ایک تھا۔ آگے سب کے لان تھے، پیچھے کار پارکنگ اور ہر دو عمارتوں کے درمیان ایک بڑا سا ڈمسٹر یا کوڑا گھر جس میں دو عمارتوں کا سارا کوڑا ایک ہفتے تک سمایا رہے۔ ہمارا کمپلیکس آخری تھا، اس لیے حد بندی کے لیے خاردار تار تھی اور اس کے آگے جنگل۔

ہلکی سی آواز، بہت ہلکی کوڑے گھر کے پاس شاید بلی کی۔ گاؤں ہی تو تھا، کھلی ہوئی بلیاں جو شہروں میں نظر نہیں آتیں، یہاں دکھائی دے جاتی تھیں۔ اپنے ملک میں کوڑے کے آس پاس بلی عجوبہ نہیں مگر امریکا میں جہاں انہیں بلور کے برتنوں میں کٹا ہوا قیمہ، وٹامن ملے گوشت اور کھیلنے کے لیے پلاسٹک کے چوہے اور ہڈیاں فراہم کی جاتی ہیں، وہ کوڑا گھر میں کیوں جھانکیں؟ یہ سوچتی ہوئی آگے بڑھی کہ واقعی کوئی آفت کا مارا بلی کا بچہ پھنس گیا ہے تو اس کی مدد کر دوں۔

دوسری آواز...... ''می می۔'' بالکل میاؤں بھی نہیں تھی۔ یہ یقین ضرور ہوا کہ آواز ڈمسٹر کے اندر سے آ رہی ہے۔ کوشش کروں گی ڈمسٹر سے باہر نکالنا میرے بس میں بھی ہوگا یا نہیں، یہ بعد کی بات ہے، دیکھ تو لوں۔

ڈمسٹر کے پاس پہنچی تو آواز بند ہو چکی تھی۔ اونچے ڈمسٹر میں اچک کر جھانک کر دیکھا، بلی نہیں تھی۔ دفعتاً نحیف سی آواز پھر آئی۔ یہ وہاں پڑے بڑے بڑے کالے تھیلوں میں سے ایک تھیلے سے آئی تھی، تو کیا بلی تھیلے میں بند ہے؟

تب ہی دل نے کہا۔ 'بچی کیوں بن رہی ہو، یہ کسی نوزائیدہ بچے کی آواز ہے۔'

دوبارہ کان لگا کر سنا، دل ٹھیک کہہ رہا تھا، کسی نوزائیدہ بچے کی آواز تھیلے کے اندر سے آ رہی تھی، گھٹی گھٹی، اگر اسے فوراً نہ نکالا گیا تو آکسیجن کی کمی سے مر جائے گا غریب۔ میرے اندر کوئی کہہ رہا تھا۔ 'بھاگو بھاگو کس مصیبت میں پڑ رہی ہو؟' اور دل کہہ رہا تھا۔ 'ایک زندگی کا سوال ہے، بچہ مر گیا تو ساری زندگی خود کو کیا منہ دکھاؤ گی؟'



Downloaded From Paksociety.com

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

خیالات کی یلغار۔ بچے کو نکالوں' پولیس کو اطلاع دوں' کسی کو مدد کے لیے بلاؤں؟'

اندھا دھند نزدیک ترین کمپلیکس اپارٹمنٹ کی طرف بھاگی' اندر داخل ہوئی تو کمپلیکس کا اندر جانے والا دروازہ مقفل تھا۔ ڈاک کے ڈبوں پر رہنے والوں کے نام لکھے تھے اور ہر اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولنے کے لیے الگ گھنٹی کا بٹن تھا۔ میں ان اپارٹمنٹس میں کسی کو نہیں جانتی تھی' یوں ہی بٹن دبایا اور کسی کے آنے کی امید نہیں ہے تو دروازہ نہیں کھلے گا پھر بھی موہوم سی امید میں جلدی جلدی سارے بٹن دبائے مگر دروازہ نہیں کھلا۔ کچھ دن پہلے لوگ کھول بھی دیتے تھے مگر جب سے ایک شرابی نے یہ وتیرہ اپنایا تھا کہ اپنے اپارٹمنٹ میں جانے کے لیے کسی بھی گھر کا بٹن دبا کر اندر داخل ہو جاتا تھا اور پھر نشے میں جس گھر کو اپنا گھر سمجھتا تھا' وہاں گھنٹیاں بجا کر لوگوں کا ناطقہ بند کر دیتا تھا۔ اگر وہ صحیح عمارت میں پہنچ کر صحیح جگہ کی گھنٹی بھی بجاتا تو دروازہ نہ کھلتا کہ اس کی دھرم پتنی نے طلاق کے مقدمے کے ساتھ شوہر سے تحفظ کا پروانہ بھی لے رکھا تھا۔ وہ نیک بخت پولیس کو بلا لیتی اور رات کو پولیس اسٹیشن اس کا ٹھکانہ ہوتا۔ چنانچہ اب کوئی دروازہ نہیں کھولتا' یہ بات یاد آتے ہی میں پھر باہر بھاگی۔ دفتر میں تو اس وقت کوئی ہوگا نہیں' گھر سے فون کروں تو تین منزل چڑھ کر فون کرنے تک اس گھٹی گھٹی آواز پر کیا گزرے گی؟

'آخری فیصلہ' بچے کو خود نکالنا' کوئی قانونی اڑچن تو نہ ہوگی؟ بلا سے ہو' کوڑے کے ڈھیر سے پھول سے بچے کو نکال سکو گی' کبھی پہلے یہ کام کیا ہے؟ جس نے ڈالا ہے' اس نے دیکھ لیا تو ٹینٹوا دبا دے گا اور پولیس کہیں یہ نہ کہے کہ تم نے اغوا کیا اور مارا؟'

'چپ' چپ' یہ بولنے کا وقت نہیں' کام کا وقت ہے۔ دیکھو میرے ہاتھ پہلے ہی کانپ رہے ہیں' ہونٹ موٹے ہو گئے ہیں' زبان بھاری ہو گئی ہے' بس اب نہ بولنا۔ اپنے اندر اٹھنے والی آوازوں کو چپ کرانا بھی بڑا کام تھا۔ میں نے تھیلے ٹٹولے' آواز پھر بند ہو گئی تھی۔

'بھاگو' بھاگو' بچہ مر چکا ہے۔'

'چپ چپ' آواز آ رہی ہے' ہلکی ہو گئی ہے۔'

'جب تک نکالو گی' مر ہی جائے گا۔'

''می......می......می......'' آواز آخری تھیلے سے آ رہی تھی' جیسے تیسے کھینچ کر نکالا۔ خاصا بھاری تھا' کمر نے احتجاج کیا' مختلف اعضا' مختلف اوقات میں احتجاج کرتے رہے۔ کم بخت' یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ایمرجنسی ہے' باغیانہ ذہنیت لے کر پیدا ہوئے ہیں۔

چاند کی روشنی اتنی ہلکی تھی جیسے کسی ٹارچ کے سیل ختم ہو گئے ہوں اور پیلی روشنی آخری ہچکیاں لے رہی ہو۔ کانپتے ہاتھوں سے تھیلے میں لگی گرہ کھولنے کی کوشش کی' نہیں کھلی کم بخت' تھیلے کو پھاڑنے کی کوشش کی۔

''می......می......'' جیسے کوئی ہمت بند ہار رہا ہو مگر گٹھیا زدہ کلائی اور انگلیاں احتجاج کرنے لگیں۔ 'مریں کم بخت' میں تو کھول کر دم لوں گی۔' میں پھر گرہ کھولنے لگی۔ اتنی دیر میں نظر آیا کہ تھیلا کئی جگہ سے تھوڑا تھوڑا کٹا ہوا ہے' وہاں سے پھاڑنے میں یقیناً آسانی ہوگی۔

اندھیرا اب نیچے اتر آیا تھا' شفق کے رنگ اندھیرے میں ڈوب گئے تھے' خاردار تار' کھمبے اور عمارتوں کے ٹیڑھے میڑھے سائے ماحول کو پراسرار بنا رہے تھے کہ اتنے میں ایک سایہ میری طرف بڑھا۔ میں ڈر کر چیخ مارنے والی تھی کہ آواز آئی۔

''امی......!'' بیٹا میری تلاش میں نکلا تھا۔

'فرمان' جلدی آؤ' ڈمسٹر کے پاس' جلدی۔''

فرمان بھاگتا ہوا آیا۔ ''یہاں کیا کر رہی ہیں آپ؟'' وہی احتجاج' اب بیٹے کی طرف سے۔

''دیکھو' اس تھیلے میں کوئی بچہ ہے' میں اسے نکال رہی ہوں۔''

''خدا کے لیے' آپ نہ نکالیے۔'' جیسے وہ رونے والا ہو۔

''کیوں' کیوں نہ نکالوں؟''

''پولیس کو فون کیجیے۔''

''تم کرو' مجھے کوشش کرنے دو' ورنہ وہ مر جائے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

گا یا تم نکالو تو میں گھر جا کر فون کرتی ہوں۔''
آخری بات سنتے ہی وہ گھر کی طرف بھاگا' میں نے چلا کر کہا۔''ایک ٹارچ اور تولیا لے کر فوراً واپس آؤ۔''

میرے ہاتھ مسلسل تھیلا پھاڑنے میں مصروف تھے۔ آخر خاصا بڑا سوراخ ہو گیا۔ میں نے جھانک کر دیکھا' مڑے تڑے کاغذ' ڈبل روٹی کے ٹکڑے' پھلوں کے چھلکے اور بیج' شیشے کے ٹکڑے اور ایک منا سا بچہ۔ ایک دم سردی سی لگی اور میں سر سے پیر تک کانپنے لگی۔

بیٹا ٹھیک کہتا تھا' نہیں' دل ٹھیک کہتا تھا۔ اب کیا کروں؟ بچے کو اپنے دوپٹے میں لیے میں تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اسے نکالتے ہوئے ہاتھوں میں جو چپچپاہٹ محسوس ہوئی' وہ بڑی لرزہ خیز تھی۔ بہت دور درخت کی ایک شاخ کے بیچ چاند بند سا لٹکا ہوا تھا۔ اس چاند کی ہلکی روشنی میں پتا چلنا محال تھا کہ یہ چپچپاہٹ تھی یا شیشے کے ٹکڑوں نے بچے کے بدن پر زخم ڈال دیے تھے۔

میرے جسم کی گرمی اسے بھلی لگی یا کیا کہ وہ خاموش ہو گیا اور ساکن بھی۔

اور کھڑکی سے روشنی کی رمق آئی۔ کسی کو باتوں کی آواز سے کچھ شبہ ہوا یا شاید کوئی میری طرح کھڑکی سے جھانکنے کا شوقین تھا۔

کراچی میں اپنی کھڑکی سے جو منظر میں نے کئی سال پہلے دیکھا تھا' جیسے وہ سامنے آ کھڑا ہوا۔ صبح کا وقت تھا' یوں ہی موسم کا اندازہ کرنے کھڑکی سے جھانک رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ تھوڑے فاصلے پر کوڑے کے ڈھیر کے پاس کچھ بچے کھڑے ہنگامہ کر رہے ہیں' یکا یک دو چار بچے چلائے۔''ملا جی' ملا جی' یہاں آن کے دیکھیے' ایک بچہ پڑا ہے۔''

ملا جی فجر کی نماز سے لوٹتے ہوئے کوئی وظیفہ پڑھ رہے تھے' دم بھر کو رکے اور کہا۔''مار ڈالو حرام زادے کو......''

بچوں نے ملا جی کی بات کو حکم سمجھا اور اس بچے پر پتھر برسانا شروع کر دیے۔ میں اوپر سے چلا کر منع کرنے لگی مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا' تب میں گرتی پڑتی زینے سے اتر کر نیچے بھاگی مگر جب تک وہ ننھا پھول سا بچہ ختم ہو چکا تھا۔ رفتہ رفتہ مردوں اور لڑکوں کی بھیڑ لگ گئی' کچھ عورتیں گھروں کے دروازوں سے جھانک کر صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

ایک بڑے میاں نے پہلے مجھے غور سے دیکھا پھر نہایت خفگی سے بولے۔

''بی بی! آپ کا یہاں کیا کام ہے' آپ گھر جائیے۔''

میں اوپرے آن کر دیکھتی رہی' بچہ وہیں پڑا تھا۔ بھیڑ بڑھ رہی تھی' لوگ ایک دوسرے کو احکامات دے رہے تھے۔

''پولیس اب تک نہیں آئی' تم جاؤ میاں' جا کر دوبارہ کہو۔''

''قبلہ' آپ ذرا اپنے گھر سے فون کر دیں۔''

''ارے' سامنے والی دکان پر چلے جاؤ' وہاں پر فون ہے۔'' کوئی سن رہا تھا' کوئی نہیں سن رہا تھا اور میں کھڑکی میں کھڑی کانپ رہی تھی۔

''یااللہ......! ایک انسانی جان کی یہ قدر؟ اور اسے مارنے کے بعد یہ فضیحتا؟''

فرمان اب تک نہیں لوٹا تھا۔ ماؤں کی رکھی ہوئی چیزیں ویسے بھی بچوں کو آسانی سے نہیں ملتیں۔ میرے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی۔ لگتا تھا' درخت صورتِ حال معلوم کرنے کئی قدم نزدیک کھسک آئے ہیں پھر یوں محسوس ہوا جیسے میں اپنے جسم سے الگ کھڑی اس ہولے کو دیکھ رہی ہوں جو نیم تاریکی میں چھوٹی سی گٹھڑی کلیجے سے لگائے ہولے ہولے کانپ رہا ہو۔

جیسے ہی فرمان ٹارچ اور تولیا لے کر آیا' سڑک پر 'ٹیاؤں' ٹیاؤں' کرتی ایمبولینس کی آواز سنی اور پھر ایمبولینس' فائر انجن اور پولیس کی گاڑیاں اندر آ کھڑی ہوئیں۔ میری جان میں جان آئی۔ بچے کو ایک سیکنڈ ضائع کیے بغیر ایمبولینس میں ڈال کر لے گئے۔ آگ بجھانے والا انجن بھی چلا گیا۔ پولیس والوں نے میرا بیان لکھا' جائے وقوع کی تصویریں لیں' وہ کوڑے گھر کی حد بندی کر رہے تھے جب ہم ماں بیٹے ان سے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

اجازت لے کر گھر واپس آ گئے۔
گھر کی تین سیڑھیاں چڑھ کر سرخ پتھر پر فرمان دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے چہرے سے ایک ہاتھ اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لیا تو یوں لگا جیسے پگھلتا برف کا ٹکڑا ہاتھ میں لے لیا ہو۔ اس کے چہرے کی پیلاہٹ پورے چاند نما ہنڈے کی روشنی میں اور نمایاں ہو گئی تھی۔ خاردار تار پار جنگل میں کسی بھٹکے ہوئے جگنو کی روشنی جلتی اور امیدوں کی طرح ٹمٹما کر بجھ جاتی تھی۔
میرے بہت کہنے پر بھی بیٹا نہیں اٹھا بلکہ اس نے ایسی رکھائی سے جس سے وہ آج تک مجھ سے نہیں بولا تھا' کہا۔ ''خدا کے لیے' آپ اندر جائیے اور مجھے اکیلا چھوڑ دیجیے۔''
تبھی ایک خیال میرے ذہن میں کوندا' اس پڑوسن نے جو میرے ساتھ ٹہلنے نہیں گئی تھی' مجھے بتایا تھا کہ جب تمہارا بیٹا یہاں اکیلا رہتا تھا تو ایک امریکن لڑکی اکثر اس کے ساتھ نظر آتی تھی۔ اس کمپلیکس کا ہر پہلا گھر ایک بیڈروم کا تھا' جس میں اس کمپلیکس کے ملازمین یا کالج' یونیورسٹی کے لڑکے لڑکیاں رہتے تھے۔ وہ بھی ایسے ہی کسی اپارٹمنٹ میں تھی مگر اب بہت دنوں سے نظر نہیں آئی۔ ایک مرتبہ کسی اسٹور میں ملی تو وہ ماں بننے والی تھی۔ میں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی کہ ممکن ہے' وہ فرمان کی کوئی کلاس فیلو ہو۔ ماں بننا یہاں کوئی عجوبہ تو ہے نہیں۔ میں تو جب اس گھر میں آئی تھی' میں نے کسی لڑکی کو اس کے ساتھ نہیں دیکھا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ مجھ سے کچھ نہیں چھپاتا۔ اس نے خود مجھے اس گھر میں بلایا تھا کہ وہ ہاسٹل میں رہنا چاہتا تھا' اتنی دور سے آنے جانے میں اس کا وقت خراب ہوتا تھا۔ ہر ہفتے وہ مجھ سے ملنے آتا تھا' میں ہفتے بھر کا کھانا پکا کر ساتھ کر دیتی تھی' وہ بھی خوش' میں بھی خوش۔
اپنے گھر میں جانے سے پہلے میں نے پڑوسن کی گھنٹی بجائی' پڑوسن نے دروازہ کھولا' ایک گنجا موٹا سا مرد سامنے بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ پڑوسن بھی سجی سجائی تھی۔ اس کے بال جو عام حالات میں خاصے پراگندہ رہتے تھے' سنورے ہوئے تھے۔ شاید وہ کہیں باہر کھانا کھانے کا پروگرام بنائے ہوئے تھے۔ میں نے دخل در معقولات کی معافی مانگی اور پوچھا۔ ''اس لڑکی کا نام کیا ہے جس کے ساتھ میرے بیٹے کی دوستی تھی؟''
''مجھے نہیں معلوم اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کی دوستی تھی یا صرف جان پہچان تھی؟'' یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کر لیا۔

☆......☆......☆

وہ رات عجب قیامت کی رات تھی' کسی طرح نیند نہیں آ رہی تھی' رہ رہ کر خیال آتا تھا' جاؤں' بیٹے سے کچھ پوچھوں' کیا پوچھوں؟' اب تو دل بھی دم سادھے پڑا تھا' کچھ نہ بولتا تھا۔ رات بھر سوتی جاگتی رہی' طرح طرح کے برے خواب دیکھتی رہی' رات بھر گھر کے سامنے لگا درخت ٹیرس کے جنگلے پر ہاتھ مارتا رہا اور میں چونک چونک کر اٹھتی رہی' ایک مرتبہ آنکھ کھلی تو بے چین ہو کر اٹھی' بیٹے کے دروازے تک گئی' یوں لگا جیسے اندر کوئی سسکیاں لے رہا ہو۔ نہیں' شاید پنکھا چل رہا ہے۔
پھر میں نے کچھ نہیں سوچا نہ دل کو بولنے کی مہلت دی۔ برائے نام دروازہ کھٹکھٹا کر جھٹ اندر داخل ہو گئی۔ بجلی کا بٹن دبایا کہ میں اسے اور وہ مجھے دیکھ لے۔ میرا خیال تھا کہ وہ جاگ رہا ہے مگر وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور اس نے آنکھیں ملیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ سو رہا تھا مگر اب واپسی کی کشتیاں جل چکی تھیں۔
''کیا بات ہے امی؟'' اس نے پوچھا۔
''ایک بات میرے ذہن پر سوار ہے' تم سے پوچھنا چاہ رہی تھی۔''
''رات کے دو بجے؟'' اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔
''مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اور جب تک یہ بات صاف نہیں ہو گی' مجھے نیند نہیں آئے گی۔ تم میری عادت جانتے ہو اس لیے یہ بات ابھی پوچھنا چاہتی ہوں۔''
وہ چپ رہا۔ میں انتظار کرتی رہی کہ کہے' پوچھیے مگر وہ کچھ نہ بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

بغیر کسی تیاری کے میرے منہ سے نکلا۔ ''کیا وہ تمہارا بچہ تھا؟''

فرمان کا منہ کھلا اور کھلے کا کھلا رہ گیا' اس کا چہرہ سرخ ہونا شروع ہوا' دیکھتے دیکھتے گلنار ہوگیا اور کان جیسے جلتے انگارے۔ میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ڈر رہی تھی کہ مجھے تو سچ جواب سننا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں کیا دیکھا' بیک وقت غصہ' رحم' بے اعتباری اور دکھ' رنج کی وہ پرچھائیاں جنہیں بیان نہیں کیا جاسکتا پھر وہ رونے لگا۔ میری گود میں سر ڈال کر کہنے لگا۔ ''آپ مجھے اتنا برا سمجھ سکتی ہیں' میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''

نہیں معلوم کیوں' میں سر سے پیر تک کانپی۔

میں نے کہا۔ ''بیٹا' معاف کرنا' کل اس بچے کو دیکھ کر تمہاری جو کیفیت تھی تو جانے کیوں خیال آیا کہ......''

''مجھے یہی خیال آتا رہا' کہیں وہ مر نہ گیا ہو' کیا وہ زندہ تھا امی؟''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتی' دعا تو یہی کر رہی ہوں مگر یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں۔''

''میں بھی یہ سوچتا رہا کہ...... کہ وہ میرا بھی ہوسکتا تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''ڈیڑھ سال ہوا' آپ کے آنے سے پہلے میں نے ایک امریکن لڑکی سے شادی کرلی تھی۔ میں اسے بتارہا تھا کہ ابا کے انتقال کے بعد آپ نے کتنی مشکلوں سے میری پرورش کی ہے' میری خواہش پر مجھے پڑھنے امریکا تک بھیجا ہے' میں کسی طرح آپ کو ناخوش نہیں کرسکتا۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ آپ ایمان کی حد تک یقین رکھتی ہیں کہ اگر میں نے کسی امریکن لڑکی سے شادی کی تو آپ مجھے کھودیں گی۔ اس لیے ابھی میں آپ کو نہیں بتاسکتا اور نہ تعلیم کے دوران بچے کا بار اٹھا سکتا ہوں۔ جب میں نے کئی بار اس سے ابارشن کرا لینے کی بات کی تو وہ ناراض ہوگئی۔ اب چھ مہینے کے بچے کو وہ اکیلی پال رہی ہے۔ مجھ سے بات تک نہیں کرتی مگر میں اپنے بیٹے کو دیکھ آتا ہوں۔ امی......! وہ اتنا پیارا ہے کہ کیا بتاؤں' کل اس بچے کو دیکھ کر خیال آیا کہ وہ میری بات مان لیتی تو میرا بیٹا بھی اسپتال کے کوڑے گھر کی نذر ہوجاتا......'' وہ سسکیاں لینے لگا' میں بھی رونے لگی۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اس کا سر تکیے پر رکھ کر کہا۔ ''تم سوجاؤ' میں بھی اب تھوڑی دیر لیٹوں گی۔''

وہ میری طرف دیکھتا رہا' جب وہ بچہ تھا تو ایسی ہی امید بھری نظروں سے دیکھتا تھا کہ میں اسے دوسری ٹافی دوں گی یا نہیں؟ میں اٹھ کر جانے لگی تو وہ بولا۔ ''امی......! کیا کل ہم جمی اور اس کی ماں کو یہاں لے آئیں؟'' اس کی آنکھوں میں امید کے چراغ روشن تھے۔

''نہیں۔'' میں نے کہا۔

اس کی آنکھوں کے چراغ بری طرح ٹمٹمانے لگے۔

میں دروازہ اور روشنی بند کرکے ٹیرس پر چلی آئی۔ ٹیرس کی لکڑی کا فرش اور جنگلا تر تھا، جیسے رات روتی رہی ہو۔ چاند اوپر آگیا تھا۔ کوڑا گھر کے چہار طرف لگا زرد ٹیپ پھڑ پھڑا رہا تھا۔ میرے ذہن میں 'می' می' کی آواز ابھری، پھر وہ معصوم بچوں کی خاموش چیخیں جیسے میرے سینے میں سلاخوں کی طرح گڑ گئیں۔ مجھے اس بہادر لڑکی کا خیال آیا جو میرے بیٹے کے بیٹے کو اس محبت سے اکیلی پال رہی تھی کہ اگر وہ مجھے چھوڑ بھی دے' میں اسے نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

میں یہ بات فرمان کو فوراً نہیں بتانا چاہتی تھی۔ عورت ہونے کے ناتے میں اسے تھوڑی سی سزا دینا چاہتی تھی۔

لیکن یہ تو سوچو' اتنی بڑی قربانی اس نے صرف تمہاری خاطر کی' صرف تمہاری خوشی کی خاطر کی' صرف تمہاری خوشی کی خاطر۔ دل پھر بدلنے لگا۔ مجھ سے بھی صبر نہیں ہوا' میں دوبارہ اس کے کمرے میں گئی' دروازہ کھولا اور کہا۔ ''سنو فرمان! جب تک میں اپنے پوتے کے لیے نرسری نہ بنالوں اور بہو کو دلہن بنا کر لانے کا انتظام نہ کرلوں' اسے کیسے لاسکتی ہوں؟''

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

وہ مانوس اجنبی

ارم خان

ڈیرہ غازی خان سے، اُس دوشیزہ کا قصہ جسے زندگی بھر ایک اجنبی یاد آتا رہا

آج میں شادی شدہ ہونے کے ساتھ دو بچوں کی ماں ہوں۔ میرا شوہر بہت اچھا ہے۔ میری زندگی مکمل ہے اور میں بھرپور طریقے سے اسے گزار بھی رہی ہوں۔ لیکن جس گھر میں، میں پیدا ہوئی وہ ایک نہایت غریب گھرانہ تھا۔ مجھ سے بڑی ایک بہن تھی پھر میں یعنی بانو پھر میرے بعد ایک بھائی اور بس خاندان مکمل۔ میرے ابو ایک مزدور اور امی لوگوں کے گھروں میں کام کرنے والی محنتی عورت تھیں۔ ہم تین بہن بھائی کی عمروں میں بس دو دو سال کا فرق تھا۔ ہمیں تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا لیکن پانچ پانچ جماعتوں کے بعد ہمیں اسکول سے ہمیشہ کے لیے چھٹی کرنی پڑی۔

وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا اور اب ہم بہن بھائیوں میں دو کا اور اضافہ ہو گیا۔

میری عمر تب سترہ سال تھی جب بڑی بہن کے لیے ایک اچھے گھر کا رشتہ آیا۔ گھر والوں کے قبول کرنے کے بعد آناً فاناً شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ کچھ ہی عرصے میں شادی کا دن بھی آ گیا اور وہ رخصت ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔

شادی کے بعد غربت نے اپنا دامن ہم پر اور تنگ کر دیا کیونکہ جمع پونجی سب شادی پر خرچ ہو گئی تھی۔ ہمارے پاس اب گھر کے راشن کے پیسے بھی نہ تھے۔ چونکہ ہم کرائے کے گھر میں رہتے تھے تو مکان کا کرایا کیسے ادا کرتے۔

ایک دن ابو نے آ کر ہمیں بتایا کہ ہم سب گاؤں جا رہے ہیں۔ وہاں کچھ رشتے دار ہیں، کچھ ماہ وہاں رہیں گے پھر جیسے ہی کچھ حالات بہتر ہوں گے ہم واپس لوٹ آئیں گے۔

اور پھر ہم اُداس دل کے ساتھ اگلے دن گاؤں کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں ہمیں ہمارے ایک انکل کا خالی گھر بھی مل گیا تھا۔

ہم وہاں رہنے لگے۔ زندگی کی گاڑی چل رہی تھی۔ مجھے ہمیشہ اپنی دوستوں اور کزنز کی یاد آتی، دل کرتا میں اُن کے پاس پہنچ جاؤں۔ دعائیں مانگتی اور پھر ایک دن شاید میری دعا قبول ہو گئی۔ میرا کزن گاؤں آ گیا۔

اس نے بتایا کہ صبا جو کہ میری کزن تھی، اُس کی منگنی ہے اور وہ ہمیں اس میں شرکت کے لیے دعوت دینے آیا ہے۔ یہ خبر سُن کر میں تو جیسے ہوا میں اڑ رہی تھی۔ ایک تو یہ خوشی تھی کہ میں شہر جاؤں گی۔ دوستوں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

سے ملوں گی۔

دوسری خوشی یہ کہ میری کزن کی منگنی تھی۔ وہ بھی اس کی جو میری بیسٹ فرینڈ تھی۔ میں خوشی خوشی آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگی۔ میرا کزن ایک رات وہیں ہمارے پاس رُک گیا پھر اگلے دن وہ اپنے گھر کے لیے روانہ ہوگیا۔

ہمیں چار دن بعد جانا تھا لیکن جانے سے ایک دن پہلے امی کو بہت تیز بخار ہوگیا، جس وجہ سے ہمارا جانا تقریباً کینسل ہوگیا اور میرے منہ پر اُداسی ناچنے لگی۔

امی میری خوشی سے اچھی طرح واقف تھیں۔ انہوں نے مجھے اُداس دیکھ کر اپنے پاس بلایا اور کہا کہ تم چلی جاؤ۔''

''لیکن امی آپ کی طبیعت خراب ہے۔ میں کیسے جاسکتی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''نورین گھر میں ہے نا وہ سب سنبھال لے گی تم جاؤ اپنی تیاری کرو۔ تمہارے ابو بھی نہیں جا پائیں گے۔ اللہ کا نام لے کر تم منگنی میں جاؤ۔

اگر کوئی نہ گیا تو بہت بری بات ہوگی۔'' اور اس طرح جانے کی خوشی اور امی کی فکر لیے میں اگلے روز چار سال کے چھوٹے بھائی ذیشان کے ساتھ شہر کے لیے روانہ ہوگئی۔

یہ میری زندگی کا پہلا سفر تھا جو میں اکیلے کر رہی تھی، دل کے کسی کونے میں خوف بھی محسوس ہو رہا تھا لیکن اب خوف سے نہیں ہمت سے کام لینا تھا۔ خدا خدا کرکے سفر ختم ہوا تو میں نے سکھ کی سانس لی۔

دو گھنٹے کے سفر نے تھکا دیا تھا۔ میں ڈی جی خان کے اڈے پر اُتری تو سکون محسوس ہونے لگا۔ ڈر کہیں



READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

چھپ گیا تھا کیونکہ یہ میرا اپنا شہر تھا۔ مجھے یہاں خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔ میں بس سے اُتری تو ایک ہاتھ سے ذیشان کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے ہاتھ میں اپنی ضرورت کا سامان تھام لیا اور پیدل چلنے لگی۔ اس وقت میں تانگے ہوا کرتے تھے۔ میرا سفر اڈے سے دور آدھے گھنٹے کا تھا لیکن میں تانگے پر نہیں بیٹھی کیونکہ میں کچھ دیر پیدل چلنا چاہتی تھی۔ ذیشان اپنے چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ توتلی زبان بھی چلا رہا تھا۔ میں اس کے معصوم سے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے اس کے چلنے کی رفتار کے ساتھ چل رہی تھی۔ باتیں کرتے کرتے ہم اڈے سے کافی دور آ گئے تھے۔

روڈ کے ایک جانب ہم چلے جا رہے تھے کہ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔ پہلے میں نے اسے اپنا وہم سمجھا لیکن تھوڑی دور جانے کے بعد وہم یقین میں بدل گیا۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک سفید کار ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔ میرے دل میں ایک دم خوف اٹھا اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میں نے اپنے چلتے قدم اور تیز کر دیے۔ میرے ساتھ چلتا ذیشان جیسے اب بھاگ رہا تھا۔ میری چال ہی اتنی تیز تھی کہ اُسے بھاگنا پڑا۔

اب کچھ دور اور جا کر میں نے سوچا کہ تانگے پر بیٹھ جانا ہی بہتر ہے لیکن مشکل یہ تھی کہ اب کوئی تانگہ نہیں مل رہا تھا۔ جو بھی ملتا سواریوں سے بھرا ہوا ملتا۔ سخت گرمیوں کی جلاتی ہوئی دھوپ تھی۔ ہم روڈ کی ایک جانب چلے جا رہے تھے۔ ایک اور پریشانی یہ تھی کہ روڈ پر رش نہیں تھا۔ سناٹا مجھے مزید خوف میں مبتلا کر رہا تھا۔

میں اپنے خوف سے دھڑکتے دل کو سنبھالتے ہوئے تیز تیز چل رہی تھی کہ وہ کار ہمارے بالکل قریب آ گئی اور پھر اگلے ہی پل وہ ہمارے قریب سے ہو کر آگے نکل گئی میں نے سکون کی ایک لمبی سی سانس لی اور قدموں کی رفتار دھیمی کر دی۔

لیکن شاید یہ سکون ایک پل کا تھا کیونکہ وہ کار ہمارے آگے جانے کے کچھ ہی دوری پر رُک گئی۔ کار کو اپنے سامنے رُکے ہوئے دیکھ کر میرے چلتے قدم بھی رُک گئے۔ کچھ ہی سیکنڈ بعد کار کا فرنٹ ڈور کھلا اور ایک خوبصورت سا لڑکا جس کی عمر یہی کوئی بائیس یا تیئس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اُترا اور ہماری طرف قدم بڑھانے لگا۔

میں نے خوف سے ذیشان کے ننھے ہاتھ کو اور زور سے جکڑ لیا۔ وہ اجنبی چلتا ہوا آیا اور ہمارے سامنے آ کے رُک گیا۔

پہلے اُس نے میرے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے تھوڑا سا جھکا اور گول مٹول سے ذیشان کے گالوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھپتھپانے لگا لیکن میں نے ذیشان کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس اجنبی نے ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور اب اس کی نظروں میں، میں تھی اور وہ بڑے غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''کون ہیں آپ؟ کیوں پیچھا کر رہے ہیں ہمارا؟'' آخر میں نے ہمت کر کے پوچھ لیا۔

''انسان ہوں کوئی جن تو نہیں ہوں۔ اور یہ آپ اتنا ڈر کیوں رہی ہیں۔'' اس نے مسکرا کے پوچھا۔

''ہمارا راستہ چھوڑیں، ہمیں جانے دیں۔ کیوں تنگ کر رہے ہیں۔''

میں نے کہا۔ لیکن اس نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا اور ذیشان کو گود میں اٹھا لیا اور پھر اس کے گالوں سے کھیلنے لگا۔

''بہت پیارا بچہ ہے۔'' ذیشان کے دونوں گالوں کو اس نے چومتے ہوئے کہا۔ لیکن میں نے اس کا پیار اور بات دونوں نظر انداز کر دی۔ میرے دماغ میں اب صرف ایک ہی سوچ تھی کہ یہ آدمی میرے بھائی کو مجھ سے لینے کے لیے میرا پیچھا کر رہا تھا۔ یہ شاید ان میں سے ہے جو بچوں کو اغواء کر کے لے جاتے ہیں۔ میرے ذہن میں آندھیاں چلنے لگیں۔ میں نے ایک قدم ذیشان کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو بھولا سا ذیشان بھی مجھے تو کبھی اجنبی کو دیکھتا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

"چھوڑو میرے بھائی کو ورنہ میں یہاں چلانے لگوں گی۔ پھر لوگ جمع ہو جائیں گے۔ چھوڑو میرے بھائی کو۔" میں نے بے بس ہو کر ایک کمزور سی دھمکی دی جو کام کر گئی۔ اس نے ذیشان کو تو چھوڑ دیا۔ لیکن اب پہلے سے زیادہ ہنسنے لگا۔

اسی وقت میری نظر ایک خالی تانگے پر پڑی میں نے اسے روکا اور اس میں سوار ہو گئی لیکن اب میں خالہ کے گھر کے بدلے اپنی ایک دوست کے گھر جا رہی تھی۔ کیونکہ جہاں میں کھڑی تھی دوست کا گھر وہاں سے دس منٹ کے فاصلے پر تھا۔ اب میں جلدی اپنے کسی جاننے والے کے گھر جانا چاہتی تھی کیونکہ وہ اجنبی اپنی کار میں ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہمارا سفر ختم ہوا تو کرایا دیتے ہوئے میں نیچے اتر کر روڈ سے گلی میں آ گئی۔ میں نے پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اپنی دوست ریحانہ کے گھر پہنچی تو تسلی ہوئی۔ ریحانہ میری اچھی دوستوں میں شامل تھی۔ سو میں نے اسے اس اجنبی کے بارے میں بتایا اور پھر ایک گھنٹے بعد ہم خالہ کے گھر کے لیے نکل پڑیں۔ دل میں خیال تھا کہ کہیں وہ اجنبی باہر کھڑا نہ ہو لیکن یہ بس ایک خیال ہی رہا۔

☆......☆......☆

"وہاں کا سارا حال دو مجھے۔ کون کون آیا تھا کیا کیا ہوا تھا اور اتنا سفر تم نے اکیلے کیسے کیا۔ کیا تمہیں ڈر نہیں لگا۔"

پانچ دن خالہ کے گھر رہ کر میں کچھ دیر کے پہلے ہی تو گاؤں واپس اپنے گھر آئی تھی اور آتے ہی نورین کے سوالوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اس اجنبی والی بات کے سوا میں نے اسے ہر بات بتائی، تو وہ بھی خاموش ہو گئی۔

وقت کی چال میں کوئی فرق نہ ہوا دن رات اپنے معمول کے مطابق روشنی اور اندھیرے میں بدلتے رہے۔ ہمیں گاؤں میں رہتے ہوئے، چھ ماہ گزر گئے۔

پھر اچانک ایک دن امی نے بتایا کہ ہم سب واپس شہر جا رہے ہیں۔ اب ہم وہیں رہیں گے۔" پھر کیا تھا ہم نے سامان سمیٹا اور جس جس نے ہماری مدد کی تھی، اس کا شکریہ ادا کر کے دو دن بعد ہم شہر کے لیے روانہ ہو گئے۔ ہمارے شہر میں آنے سے پہلے ابو شہر میں کرائے کے مکان کا انتظام کر چکے تھے۔

مکان خالہ کے گھر کے قریب تھا۔ ایک یہ بھی آسانی تھی صبا اور میں ہر روز ایک دوسرے کے گھر آتی جاتیں۔ دیر تک ساتھ بیٹھ کے باتیں کرتیں۔ اگر کہیں جانا ہوتا تو ایک ساتھ جاتیں۔ بازار، کسی سہیلی کے گھر یا کہیں بھی ہم دونوں ساتھ ہی جاتی تھیں اور ہمارے ساتھ صبا کا بھائی عارف جاتا، جو ہمیں اپنی بائیک پر لے جاتا تھا۔

دن رات اسی طرح گزر رہے تھے۔ زندگی کی وہی پہلے والی روٹین تھی لیکن ہم سب کو کوئی شکایت نہیں تھی کیونکہ وقت جیسا بھی ہو گزر جانے کے لیے ہوتا ہے۔ آخر ہمارے برے وقت نے بھی گزر ہی جانا تھا۔

☆......☆......☆

میں اپنے روز مرہ کے کاموں میں مصروف تھی لیکن میری سوچ کہیں اور تھی۔ پتا نہیں کیوں میں چاہ کر بھی اس اجنبی کو بھلا نہیں پائی تھی۔ اب مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں نے اسے جیسا سمجھا تھا وہ ویسا نہیں تھا۔ جانے کیوں اس اجنبی کا چہرہ اب بار بار میرے سامنے آ رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ، ذیشان کو پیار کرنا اور خاص طور پر مجھے اپنی گہری آنکھوں سے غور سے دیکھنا۔ میں خیالوں میں گم کام میں مصروف تھی کہ اچانک صبا بھائی کے ساتھ بائیک پر آ گئی۔ اسے دیکھ کر مجھے پتا چل گیا تھا کہ وہ کہیں جانے کی تیاری کے ساتھ آئی ہے۔

"کہاں جا رہی ہو۔" میں نے پوچھا۔

"میں نہیں ہم دونوں جا رہی ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کہاں؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"اوفو! ایک تو تم سوال بھی بہت کرتی ہو۔ ہم بازار جا رہی ہیں اور پھر اگر ٹائم ملا تو ریحانہ کے گھر بھی چلیں گے۔"

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

"ہوں۔ لیکن پتا نہیں امی اجازت دیتی ہیں یا نہیں۔ میں نے اپنی سوچ ظاہر کی۔ ایک منٹ کہہ کر وہ اندر روم میں چلی گئی، جہاں امی بیٹھی تھیں۔ وہاں جا کر پتا نہیں اُس نے کیا کہا۔ کیسے انہیں منایا کہ امی نے جانے کی اجازت دے دی۔ اجازت ملی تو میں فوراً تیار ہوگئی۔ تیار ہو کر ہم روانہ ہوگئے۔ پہلے ریحانہ کے گھر پھر بازار۔ اس طرح تین گھنٹے بعد ہم واپس لوٹ رہے تھے کہ راستے میں بائیک پنکچر ہوگئی۔

عارف نے ایک غصیلی نگاہ ہم پر اور ایک پنکچر بائیک پر ڈالی اور ہمیں وہاں چھوڑ کر خود پنکچر لگوانے چلا گیا۔ اب ہم دونوں وہاں کھڑی عارف کا انتظار کرنے لگیں۔ مجھے فکر تھی جلدی گھر پہنچنے کی کیونکہ میں جانتی تھی امی ہمارا ہی انتظار کر رہی ہوں گی۔ ٹائم بھی کافی ہوگیا تھا ہم کو۔ میں جتنی فکر مند تھی اس سے زیادہ صبا کی زبان چل رہی تھی۔ مجبوری میں مجھے بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ ہم باتوں میں مصروف تھیں کہ اچانک ہمارے سامنے ایک سفید کار آ کر رُکی۔

ہم دونوں نے ایک پل دیر کیے بغیر اس گاڑی کی طرف دیکھا۔ تو میں دیکھتی رہ گئی مجھے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ یہ وہی ہے جسے اب تک میں بھلا نہیں پائی۔ حیرت سے میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کار سے نکل کر اب وہ اجنبی میرے سامنے کھڑا تھا۔ صبا بھی مجھے تو کبھی اس اجنبی کو غور سے دیکھتی لیکن اس نے بولا کچھ بھی نہیں۔

"پہچان تو لیا ہوگا نہ مجھے آپ نے؟" اس نے مجھے اپنی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی...... لیکن کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ آپ میرا پیچھا کیوں کر تے ہیں۔ اس دن وہاں پیچھا کیا اور آج یہاں بھی پہنچ گئے۔" میں نے اُلٹا سوال کر دیا۔

"اُس دن قسمت اور آج شاید میری دعا نے ہمیں ملایا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" میں نے کہا۔

"دیکھو میں زیادہ کچھ نہیں کہوں گا، بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس دن آپ کو دیکھا۔ آپ مجھے پسند آ گئی ہیں۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو مجھے اس کی آنکھیں اس کی زبان کی گواہی دیتی معلوم ہوئیں لیکن میں نے کچھ کہا نہیں مجھے خاموشی دیکھ کر اس نے پھر بولنا شروع کیا۔

میں نے آپ کو کافی تلاش کیا۔ اس دن آپ جس گھر میں گئی تھیں۔ میں وہاں بھی گیا۔ جانا نہیں چاہتا تھا، مجھے آپ کی عزت کا بھی خیال تھا لیکن پتا نہیں مجھے کیا ہوگیا ہے۔ میں وہاں گیا تو پتا چلا وہ آپ کی دوست کا گھر ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے اس لڑکے ندیم کو جو شاید آپ کی دوست کا بھائی ہے، اعتماد میں لیا اور آپ کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ آپ یہاں شہر میں نہیں رہتی ہیں اور نہ ہی یہاں کی ہیں۔ کافی دور گاؤں میں رہتی ہیں۔ پھر اس نے مجھے کہا کہ جب آپ پھر ان کے گھر جائیں گی تو وہ مجھے بتائے گا۔ پھر میں آپ کا انتظار کرنے لگا لیکن کئی ماہ گزر گئے لیکن یہ انتظار انتظار ہی رہا۔ اور پھر آج راستے سے گزرتے ہوئے آپ پر نظر پڑی تو میں رُک گیا۔"

اس نے اپنی بات مکمل کی اور خاموشی سے مجھے دیکھنے لگا۔

"تو آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ کو ان سے عشق ہو چکا ہے۔" صبا نے اس دوران پہلی بار اپنی زبان کی تیزی اس اجنبی کو دکھائی تھی۔

"جی کچھ ایسا ہی ہے۔" اجنبی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ ایسی باتیں اس طرح روڈ پر کھڑے ہو کر کرنا ٹھیک نہیں لگتا۔" صبا نے کہا۔

"جی مجھے بھی ٹھیک نہیں لگتا لیکن میں اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔ آپ مجھے گھر کا ایڈریس دے دیں، میں اپنی فیملی کو رشتے کے لیے بھیجوں گا۔"

"اوہ...... نام کیا ہے آپ کا؟" صبا شاید اس کا انٹرویو لے رہی تھی۔

"عمیر علی۔" اس نے بتایا۔ اس سے پہلے کہ صبا اس سے دوسرا سوال کرتی نظر سامنے سے آتے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

عارف پر پڑی تو ہم دونوں کا خون جیسے جم کر رہ گیا۔
عارف نے آ کر اپنی بائیک ہمارے قریب روک دی۔ پہلے اس اجنبی کو دیکھا پھر ’کون ہے یہ‘ کا سوال آنکھوں میں لیے ہمیں گھورنے لگا۔ ہم کیا جواب دیتیں، سو نظریں جھکالیں۔
’’کون ہو تم۔‘‘ اب عارف اس اجنبی کی جانب رُخ کیے پوچھ رہا تھا۔
’’عمیر علی۔‘‘ اس نے جواب دیا۔
’’یہاں کیا کر رہے ہو۔‘‘ اب عارف نے غصے سے پوچھا۔
’’سب بتا دیتا ہوں اگر آپ ٹھنڈے دماغ سے سنیں تو۔‘‘ اُس نے کہا۔
’’ہماری عزت کے ساتھ تُو اس طرح سرِ عام کھڑا ہے اور کہتا ہے میں ٹھنڈے دماغ سے بات سنوں۔ بے غیرت انسان۔‘‘ عارف نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔
’’میں تمہیں پیار سے سمجھانا چاہتا ہوں اور تم اتنا غصہ دکھا رہے ہو کہ میرا گریبان تک پکڑ لیا۔‘‘ اس نے اپنا گریبان عارف کے ہاتھوں سے آزاد کرایا۔
’’میں تمہیں معاف کر رہا ہوں کسی کی خاطر اور جا رہا ہوں۔ اگر مجھے کسی کی عزت کا خیال نہ ہوتا تو تجھے اچھی طرح دیکھ لیتا اور میں کیا ہوں، یہ بھی سمجھا دیتا۔‘‘ وہ کہہ کر اپنی کار کی طرف مڑ گیا۔
اس نے فرنٹ ڈور کھولا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ کار میں بیٹھتا، وہیں رُک گیا اور عارف کی طرف دیکھ کر بولا۔
’’میرے خیال میں آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں ان لوگوں کے ساتھ کیوں کھڑا تھا۔ کیا چکر ہے۔ اگر آپ واقعی ایسا سوچ رہے ہیں تو یہ غلط سوچ ہے آپ کی۔ نہ یہ مجھے جانتی ہیں اور نہ میں انہیں، بس راستے سے گزرتے ہوئے میری نظر ان پر پڑی تو میں چلا آیا کہ شاید کوئی مسئلہ تو نہیں۔
اور جو تم نے میرا گریبان پکڑا ہے۔ اس کا بدلہ بھی لیتا اگر مجھے ان دو لڑکیوں کی عزت کا خیال نہ ہوتا تو کیونکہ یہ شریف معلوم ہوتی ہیں اور عورتوں کو تماشا بنانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔‘‘ وہ اپنی بات مکمل کر کے کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔
’’اب تم دونوں سچ سچ بتاؤ یہ کون تھا؟‘‘ اب عارف کے غصے کا نشانہ ہم تھے۔
’’بھائی قسم سے ہم نہیں جانتے یہ کون تھا۔‘‘ صبا نے یقین دلانے کے لیے قسم کھائی اور یہ کافی حد تک ٹھیک تھا کہ ہم اسے نہیں جانتے تھے۔ عارف کو بڑی مشکل سے یقین دلایا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ شکر یہ تھا کہ عارف نے گھر میں کسی کو کچھ نہ کہا۔

☆......☆......☆

وقت کچھ گزرا تو میرے لیے ایک رشتہ آیا جو منظور کر لیا گیا پھر ایک سال بعد میری شادی ہو گئی۔ لیکن یہاں پر ایک بات بتاتی چلوں کہ اپنی شادی سے دو ماہ پہلے ایک بار پھر میں نے عمیر علی کو دیکھا تھا، راستے سے گزرتے ہوئے لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ پایا تھا۔
پھر اس کے بعد آج تک میں نے اُسے نہیں دیکھا۔ ریحانہ سے بھی میں نے دوستی ختم کر دی تھی کیونکہ عمیر علی جانے کتنی بار اُس کے گھر گیا تھا لیکن اس نے مجھے ایک بار بھی نہیں بتایا تھا۔
کیوں......؟ میں نہیں جانتی تھی۔
پندرہ برس گزر چکے ہیں لیکن میں آج تک اس شخص کو بھول نہیں پائی۔ عجیب شخص تھا وہ ہر بار مجھے ایک اُلجھن میں ڈال جاتا تھا۔
میں نہیں جانتی اس کا اتنی بار مجھے ملنا صرف اتفاق تھا یا قسمت کا کوئی کھیل۔ وہ مجھے واقعی پسند کرنے لگا تھا یا بس اس کی باتیں ہی تھیں۔
بس ایک بار دیکھ لینے سے اتنی محبت ہو جائے کہ وہ شخص اپنی محبت کو تلاش کرتا پھرے...... بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔
یہ سب سوچ کر میں اب بھی اُلجھ جاتی ہوں لیکن یہ سچ ہے یہ اُلجھن مجھے اس کی یاد دلاتی ہے۔ اور دلاتی رہے گی۔ وہ مانوس سا اجنبی اکثر مجھے سب کچھ بھلا دیتا ہے۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More



بھرم

محمد سلیم اختر

ممتا کا بھرم رکھتی ایک بیوہ کا زندگی نامہ، راولپنڈی سے

سردیوں کے دن تھے۔ دو دن سے بارش ہو رہی تھی۔ جس نے سردی کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا۔ شام ڈھلنے والی تھی۔ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ سکینہ اپنے پانچ سالہ نومی کو گود میں اٹھائے بیٹھی تھی۔ نومی تو کھانسی اور بخار کی شدت سے رو رہا تھا۔ سکینہ کی آنکھیں بھی ساون بھادوں بنی ہوئی تھیں۔ اس کی انگلیاں نومی کے نرم بالوں میں رینگ رہی تھیں۔ اسے نومی کی بیماری کی بے حد فکر تھی مگر آج اس کے آنسو نہ صرف نومی کی بیماری بلکہ راشد کی اس حرکت کی وجہ سے بہہ رہے تھے۔ جو آج اُس نے اس کے ساتھ کی تھی۔

☆......☆......☆

سکینہ اور جلال نے محبت کی شادی کی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو پا کر بہت ہی خوش تھے اور جب نومی ان کی زندگی میں آیا تو اُن کی خوشیاں دو چند ہو گئیں۔ وہ اُن کی آنکھوں کا تارا تھا اور وہ اسے دیکھ کر جیتے تھے۔ ان دنوں ان کی زندگی اتنی حسین تھی کہ انہوں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ جلال ایک سرکاری ادارے میں گریڈ اٹھارہ کا آفیسر تھا۔ راشد بھی اسی دفتر میں کام کرتا تھا اور وہ جلال کا اسسٹنٹ تھا۔ نہایت ہی اسمارٹ، محنتی اور ایماندار، جلال اسی لیے اُسے پسند کرتا تھا اور اُسے کبھی کبھار اپنے گھر بھی لے آتا تھا۔

راشد...... سکینہ کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا۔ اور اسے بھابی کہتے نہ تھکتا تھا۔ جلال اور سکینہ کو اس پر بے حد اعتماد تھا۔ جب سے نومی دنیا میں آیا تھا۔ سکینہ کی زیادہ توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ نومی کو جب وہ اپنے ساتھ لپٹاتی تو اس کا سینہ مسرت و شادمانی کی بے نام سی لہروں سے بھر جاتا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا نومی کوئی علیحدہ وجود نہیں بلکہ اس کے جسم کا ہی ایک حصہ ہے۔ جو کچھ دیر کے لیے اس سے جدا ہو کر کھیل کود کر اسکول جا کر، ہنس بول کر پھر اس کے جسم سے پیوست ہو جاتا ہے۔

ممتا کا جذبہ تو ہر عورت کے سینے میں ہر لمحہ موجزن رہتا ہے جو اللہ کی دین ہوتی ہے مگر سکینہ میں یہ جذبہ کچھ زیادہ ہی تھا اور شدید تھا۔ اسے شروع سے ہی بچوں سے بہت اُنس تھا۔ پھر جب اس کی اپنی گود میں پیارا سا پھول کھلا تو اس کی تمام محبتیں سمٹ کر ممتا کا روپ دھار گئیں۔ نومی ہی اس کی زندگی کا حاصل اور مقصد بن گیا جو اس کی محبت کی نشانی تھی۔ نومی بھی اپنے ماں باپ کو بہت چاہتا تھا۔ وہ اُن کی نرالی محبتیں پا کر نہال ہو جاتا۔ وہ دونوں کی زندگی تھا۔ جینے کی امنگ اور سہارا تھا۔

ان دنوں نومی پانچ سال کا تھا کہ اس کی زندگی میں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More



ایک سانحہ رونما ہو گیا۔ زندگی تو ہے ہی حادثات کا دوسرا نام...... جلال ایک حادثے میں جاں بحق ہو کر سکینہ کی زندگی کو بھی تہہ و بالا کر گیا۔ لوگوں نے سکینہ کی جوانی اور خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے اسے دوسری شادی کے مشورے دیے۔ لیکن اس نے کسی کے بھی مشورے پر کان نہ دھرے۔ اس کے عزیزوں نے بھی بہت زور لگایا۔ اسے سمجھایا کہ مرد کے بغیر تم زندگی کا طویل سفر طے نہ کر سکو گی۔ مگر اس نے شادی کرنے کے حق میں ہر دلیل اور تاویل سنی...... جس کا جواب وہ نومی کو سینے سے لگا کر اس کا منہ چوم کر دیتی۔ اور یہی اس کا آخری فیصلہ اور جواب ہوتا تھا۔

اب اس حادثے کو تین برس گزر گئے تھے۔ مگر اسے اپنے اس فیصلے پر کبھی کوئی پچھتاوا نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ دس مرلے کے ایک خوبصورت سے گھر میں رہتی تھی اور ایک مطمئن زندگی گزار رہی تھی۔

جلال اس کے لیے اس گھر کے علاوہ دو فلیٹ اور اتنا بینک بیلنس چھوڑ گیا تھا کہ وہ باقی کی زندگی بغیر کسی محتاجی کے گزار سکتی تھی۔ دو فلیٹ سے ملنے والا کرایہ ہی اس کے ماہانہ خرچ سے بھی زائد ہوتا تھا۔ پھر بھی وہ کوئی نہ کوئی مصروفیت ڈھونڈ لیتی تھی۔ اس کی زندگی میں ایک خاص قسم کی ترتیب اور خوبصورتی پائی جاتی تھی۔ اپنی صحت کا بھی وہ خاص خیال رکھتی تھی کہ وہ ایک بیٹے کی ماں معلوم ہی نہ ہوتی۔ کئی لوگ اسے کنواری سمجھتے تھے۔ یہی ترتیب، فٹنس اور خوبصورتی اس کی شخصیت پر بھی حاوی ہو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک پانچ سالہ بچے کی ماں ہے۔

☆......☆......☆

نومی کو سردی لگ گئی تھی۔ اسے کھانسی کے ساتھ بخار بھی تھا۔ سکینہ پریشان ہو گئی۔ اس نے ڈاکٹر کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ مگر گاڑی اسٹارٹ نہیں ہوئی۔ تو اس کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ وہ نومی کی تکلیف برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ بارش میں وہ ٹیکسی لینے بھی نہ جا سکتی تھی۔ اچانک اس کے ذہن میں راشد آ گیا۔ راشد نے جلال کی وفات کے بعد دفتری حساب کتاب کے لین دین میں اس کی ہر طرح سے مدد کی تھی۔ اور اسے دفتر کا ایک چکر بھی نہیں لگانے دیا تھا۔ اور تمام واجبات اسے گھر آ کر ادا کیے تھے۔ اور پھر یہ پیشکش بھی کی تھی کہ جب کبھی بھی اسے اس کی ضرورت پڑے تو اسے بلا تکلف کہہ دیا کرے۔ سکینہ اس کی بے حد ممنون ہوئی تھی کہ اس نے جلال کا دوست اور ساتھی ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن اب تک سکینہ نے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کبھی راشد کو کسی بھی معاملے میں زحمت نہ دی تھی۔ راشد اب اس کے گھر تو نہ آتا تھا۔ مگر کبھی کبھار فون کر کے ماں بیٹے کی خیریت ضرور معلوم کر لیتا تھا۔

سکینہ نے راشد کا نمبر ملایا اور اسے نومی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا کہا تو اس نے دیر نہ لگائی اور فوراً ہی آ گیا۔ وہ دونوں کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ نومی کا معائنہ کرایا اور اسٹور سے ادویات بھی اپنی جیب سے لے کر دیں۔

راشد بہت ہی خوش تھا کہ سکینہ نے اسے کسی کام کے بہانے بلایا تو ہے۔ راشد جلال کے انتقال کے بعد سکینہ کے بہت قریب آ گیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اسے چاہنے لگا تھا مگر اس میں اظہار کی جرأت نہ تھی۔ یہ سب کچھ بتدریج اور اتنے غیر محسوس انداز میں ہوا تھا کہ سکینہ کو پتا ہی نہ چلا اور نہ ہی راشد کو، راشد دل ہی دل میں سکینہ کو اپنا سب کچھ سمجھنے لگا۔

اسپتال سے واپسی پر سکینہ کو اس وقت شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ جب ڈرائیونگ کرتے ہوئے راشد نے اپنا ہاتھ سکینہ کے ہاتھ پر رکھ دیا اور جلتی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

سکینہ تو سکتے میں رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بعض اوقات حالات اتنا بڑا دھوکہ بھی دے جاتے ہیں اور جذبوں کو اتنے غلط معنی بھی پہنائے جا سکتے ہیں۔

راشد اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اور وہ گھر میں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ اس روز کے بعد سکینہ کبھی راشد سے نہ ملی۔ اس نے بے شمار فون کیے۔ اس کے دروازے تک آیا۔ ہر طرح سے اس تک رسائی کی کوشش کی۔ لیکن سکینہ نے دوسری شادی کا باب ہی بند کر دیا۔ اس نے اپنے آپ کو پتھر کا بنا لیا۔ اس سے جو ایک غلطی ہوئی تھی وہ ہی بہت تھی۔ اب وہ کسی بھی طرح سے راشد کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتی تھی اور اگر وہ ایسا کرتی بھی تو یہ سراسر دھوکہ ہوتا۔ فریب ہوتا۔ کیونکہ وہ تو دوسری شادی کا خیال بھی دل میں نہیں لاتی تھی۔ راشد نے ہر طرف سے مایوس ہو کر ایک خط سکینہ کے نام لکھا اور اس کے گھر کے دروازے پر ڈال گیا۔ اس نے بہت ساری باتیں لکھی تھیں اور اسے یقین دلایا تھا کہ وہ اس کا اور نومی کا وفادار رہے گا اور ان کی زندگی میں پھول کھلا دے گا۔

آخر میں اس نے لکھا تھا کہ تم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہی ہو۔ مرد کے بغیر عورت نامکمل ہوتی ہے۔ تم ایک لاحاصل جنگ لڑ رہی ہو۔ مگر میری محبت کی شدت تمہیں پگھلا دے گی۔ میری چاہت اتنی سچی ہے کہ ایک روز تم خود چل کر میرے پاس آ ؤ گی۔

سکینہ نے خط پڑھ کر پھاڑ ڈالا۔ اور راشد کو بھلا کر زندگی کے ہنگاموں میں کھو گئی۔"

☆......☆......☆

یوں ہی چند دن گزر گئے تھے۔ سکینہ خیالوں میں گم لیٹی ہوئی تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ تو اس کے سامنے ایک بوڑھی عورت کھڑی تھی۔ سکینہ نے اس عورت کو دیکھا تو اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ راشد کی والدہ تھی۔ راشد اور اس کی والدہ سے ملاقات دو سال قبل ہوئی تھی۔

انہیں دیکھتے ہی سکینہ کے منہ سے بے ساختہ "ماں جی" نکلا اور وہ انہیں لے کر کمرے میں آ گئی۔ سکینہ نے ان کو صوفے پر بڑے احترام سے بٹھایا اور پوچھا۔

"آپ کیا پئیں گی ٹھنڈا یا گرم؟" بوڑھی عورت نے ہاتھ بڑھا کر سکینہ کا بازو تھام لیا۔ اس کے چہرے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

"کچھ نہیں بیٹی...... کچھ بھی نہیں...... بس یہ دیکھو...... یہ میری پھیلی ہوئی جھولی دیکھو...... اس میں میرے راشد کی زندگی کی بھیک ڈال دو۔" یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سکینہ پہلے تو بھونچکی سی ہو کر کھڑی رہی۔ پھر اس نے راشد کی ماں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بولی۔

"ماں جی! ہوا کیا ہے؟" بڑھیا آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔

"بیٹی سکینہ! میرا بیٹا راشد تمہیں پسند کرتا ہے۔ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر تم اس سے انکاری ہو۔ اس نے مجھے یہ کہلوا کر تمہارے پاس بھیجا ہے کہ اب اس سے تمہاری جدائی برداشت نہیں ہو پا رہی۔ اگر تم نے ہاں نہ کی تو وہ اپنی جان دے دے گا۔" یہ سن کر سکینہ کا چہرہ سفید ہو گیا۔ اور سوالیہ نگاہوں سے بڑھیا کی طرف دیکھنے لگی۔

"بیٹی...... راشد کے ارادے آج بہت ہی خطرناک

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

لگ رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنی زندگی ختم نہ کر ڈالے۔ میں اسی لیے تمہارے پاس آئی ہوں۔ بیٹی تم سے دور ہوکر میرے بیٹے نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ اس کی زندگی اور موت اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم کسی طرح اسے بچالو۔" بڑھیا رونے لگی تھی۔ سکینہ کچھ دیر سر جھکائے سوچتی رہی پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ماں جی آپ کی حالت پر میرا دل رو رہا ہے۔ مگر افسوس میں آپ کے لیے کچھ نہیں کرسکتی۔ میں ایک بچے کی ماں ہوں۔ مرحوم خاوند کی یادیں میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ میں عمر بھر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کرچکی ہوں۔ اب میں اپنی جان تو دے سکتی ہوں مگر میں اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔" سکینہ کے جواب نے بوڑھی کے چہرے پر مایوسی پھیلا دی۔ وہ لرزتی ہوئی اٹھی اور نوی کا ماتھا چوم کر بولی۔

"بیٹی! میں اور تم ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ تُو بھی ماں ہے اور میں بھی ماں ہوں۔ تیرا بھی ایک بیٹا ہے اور میرے دل کا ٹکڑا بھی ایک ہی ہے۔ ذرا میری جگہ اپنے آپ کو رکھ کر سوچو۔ تم نے تو اپنے بچے کے ساتھ صرف پانچ سال گزارے ہیں۔ مگر میں پچیس سال گزار چکی ہوں۔ پچیس سال میری آنکھوں نے اس کی بلائیں لی ہیں۔ میں نے اسے پھلتا پھولتا دیکھا ہے۔ اب میرے دل میں اس کے سر پر سہرا دیکھنے کی آرزو جوان ہوئی ہے۔ پچیس سال بعد اگر کل مجھے اپنے جوان بیٹے کا لاشہ دیکھنا پڑا تو مجھ پر کیا گزرے گی۔ تم اپنے معصوم کو دیکھو اور سوچو کہ میرا کیا حال ہوگا۔ میں نے بھی اسے تیری طرح لوریاں دی ہیں۔ سینے سے لپٹا کر سلایا ہے۔ گلے میں بستہ ڈال کر اسکول بھیجا ہے۔ اس کے انتظار میں اپنی تپتی دوپہروں کو بے قرار کیا ہے۔ لیکن یہ تو بہت پہلے کی باتیں ہیں۔ اب تو وہ جوان ہوچکا ہے۔ اب تو میرے صبر کی شاخوں پر پھول کھلنے والے تھے۔ اب اگر وہ مجھے اکیلا چھوڑ گیا تو کیا ہوگا میرا...... میں بھی مرجاؤں گی۔ میری قبر بھی اس کے ساتھ بنے گی۔" راشد کی والدہ پھر زار و قطار رونے لگی۔

اچانک سکینہ کو احساس ہوا کہ اس کی آنکھوں میں بھی نمی تیر رہی ہے۔ ایک ماں کا دکھ دوسری ماں ہی محسوس کرسکتی ہے۔ یہ دکھ ایک دھوئیں کی طرح خود بخود سکینہ کے سینے میں بھرتا چلا جارہا تھا۔ اس نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ ایک روز وہ اس انداز میں بھی سوچے گی۔ وہ تو ایک آہنی عورت تھی۔ آئرن لیڈی تھی۔ نہ جھکنے والی نہ ٹوٹنے والی...... لیکن ایک ماں نے اس کی ممتا کو چھیڑ کر اسے موم بنا دیا تھا۔ اس کے اپنے ہی تیر سے اُسے شکار کرلیا تھا۔ اس لیے اب سوال کسی مرد کا یا اس کی خواہش کا نہیں رہا تھا۔ اب سوال ماممتا کے بھرم کا تھا۔ ماممتا اور اس کی بھیگی آنکھوں کا تھا۔ سکینہ اب سب کچھ بھولتی جارہی تھی۔ اب اسے ایک ہی بات یاد تھی کہ اسے ایک ماں کے بیٹے کو بچانا ہے۔ جو آج کسی وقت اپنی جان لینے والا ہے۔

وہ دیر تک خالی نظروں سے دیواروں کو گھورتی رہی۔ راشد کی بوڑھی والدہ بھیگی آنکھوں سے اس کے تیج چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں ممتا کا نور ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ سکینہ کے بال ہوا کے جھونکوں سے لہرا رہے تھے۔ وہ مہربان اور عظیم جذبوں کی مالک کوئی قدیم دیوی نظر آرہی تھی۔ جس کی ایک نگاہ کسی لاعلاج مریض کی مسیحائی کرسکتی تھی۔ آخر وہ بولی۔ "ماں جی! میں ماں ہوکر ایک ماں کا بھرم رکھوں گی میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔"

فرطِ جذبات سے راشد کی ماں نے ماں اور بیٹے دونوں کو سینے سے لگالیا اور انہیں بے تحاشا پیار کرنے لگی۔

☆......☆......☆

ادھر راشد اپنے کمرے میں بے چینی سے ماں کی واپسی کا منتظر تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر خواب آور گولیوں کی بوتل اور پانی کا گلاس رکھا تھا۔ ناکامی کی صورت میں اس نے گولیوں کی بوتل حلق میں انڈیل لینی تھی۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور زندگی کی ہمکون روشنی کی صورت اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے ماں سکینہ اور نوی کو دیکھا تو سکھ کا سانس لیا۔ اور اس کا سینہ جذبات انگیز دھڑکنوں سے بھر گیا۔ اس کی محبت جیت گئی تھی۔ بے اختیار اس کے آنسو اس کے گالوں کو بھگونے لگے۔ اور وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"مجھے یقین تھا تم آؤ گی سکینہ!"

"ہاں راشد میں آگئی ہوں۔ میں نے ایک ماں کی لاج رکھ لی ہے۔" سکینہ بولی۔ راشد بے اختیار ہوکر آگے بڑھا اور تمام دوریاں مٹ گئیں۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

چھٹی سچ بیانی

اَٹ خدا دا ویر

شمع اصغر

ڈیرہ غازی خان سے ایک عزت کے لٹیرے کا دلخراش قصہ عبرت

میں ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ ہماری فیملی کوئی بہت بڑی نہیں تھی میں، میری بہن، امی اور ابو تھے۔ ابو کی اپنی کپڑوں کی چھوٹی موٹی دکان تھی اور فیملی بڑی نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا خوشحال گھرانہ تھا۔ ابو اور امی ہم دونوں سے بہت پیار کرتے کیونکہ ہم ہی اُن کی کل کائنات تھے۔ انہوں نے ہمیں بہترین اسکول میں تعلیم دلوائی تھی۔

یہاں تک تو سب ٹھیک تھا لیکن میری عادتیں بہت خراب ہو رہی تھیں، اُس کی وجہ شاید میرے دوست تھے جو کہ مجھ سے بھی زیادہ امیر تھے، وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی گھٹیا حرکت کرتے رہتے تھے۔

پہلے پہل تو مجھے یہ سب بہت برا لگا لیکن پھر میں بھی اُن میں شامل ہو گیا۔ کبھی امی ابو نے بھی کوئی نصیحت نہیں کی تھی۔ وہ صرف ہمیں ایک ہی نصیحت کرتے کہ دل لگا کر پڑھنا اور اچھے نمبر لے کے آنا۔"

اس طرح ہمیں کھلی چھٹی مل گئی اور اب میں بھی انہیں گالی کا جواب گالی سے ہی دیتا اور امی ہمیشہ مجھے ابو سے بچالیتی تھیں۔ وہ میرے لیے پوری دنیا سے لڑنے کو تیار تھیں۔ اُن کو اگر کوئی یہ کہہ دیتا کہ تمہارا بیٹا بگڑ رہا ہے تو وہ اس پر برس پڑتی تھیں۔ اس طرح میں سمجھ گیا کہ ماں کے ہوتے ہوئے مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، اس طرح میں کھل کر بدتمیزیاں کرنے پر اُتر آیا۔

اب اسکول میں جن دوستوں سے مجھے چڑ تھی کہ وہ بہت بری باتیں کرتے ہیں میں اُن کے ساتھ بیٹھا تھا اور وہ جو مجھے 'مسجد کی کڑی' کہتے تھے۔ اب وہ مجھ سے ہر وہ بات کہتے جو مجھے بری لگتی تھی لیکن اب مجھے وہ باتیں بری کہاں لگتی تھیں۔ اب تو میرا اُن کے بغیر دل ہی نہیں لگتا تھا، یوں میں گمراہ ہوتا گیا اور گناہوں کی دلدل میں دھنستا گیا۔

☆......☆......☆

پھر ایک بار ہمارے اسکول میں پارٹی تھی۔ وہ شاید عید ملن پارٹی تھی یا شاید نئے سال کی پارٹی تھی، مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ خیر اس میں یونیفارم میں نہیں بلکہ کپڑے پہن کر جانا تھا۔ کھانا اپنی طرف سے لے کر آنا تھا اور موبائل کیمرہ وغیرہ بھی لانا تھا۔ پھر وہ دن بھی آ گیا۔ اسکول میں ہر طرف جیسے رنگ ہی رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ احسن اور شہروز اپنے کیمرے لائے ہوئے تھے اور ہم سب ایک جگہ چھپ کر لڑکیوں کی فوٹو بنانے لگے۔ کسی لڑکے نے ہمیں دیکھ لیا اور ہمارے کلاس ٹیچر کو بتا دیا جس سے ہمیں بہت ڈانٹ پڑی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تھی۔

پھر کچھ دن بعد ہماری کلاس میں سرفراز صاحب آئے جو کہ ہمیں قرأت پڑھاتے تھے۔ انہیں بھی وہ بات پتا چل گئی تھی اور پھر وہ نرم لہجے میں سمجھانے لگے کہ یہ بہت بری بات ہے۔ لیکن ہم بے زار سے بیٹھے تھے تبھی سر بولے۔

"دیکھو بیٹا ابھی تم لوگوں کو ہماری باتیں غلط لگتی ہیں۔ جب تم لوگوں پر گزرے گی تو تب تمہیں پتا چلے گا اگر کوئی تمہاری بہن کے ساتھ ایسا کرے تو تم لوگوں کو کیسا لگے گا؟"

پھر احسن نے کھڑے ہو کر کہا۔

"سر میری تو بہن ہی نہیں...... ماں تو ہے۔" سر کے کہنے پر وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے، دیکھو بیٹا یہ مت سمجھنا کہ تم کسی کی بہن کے ساتھ بدتمیزی کرو گے تو تمہاری بہن محفوظ رہے گی۔ نہیں یہ قدرت کا انصاف ہے۔ جب تم برا کرو گے تو تمہاری بہن کے ساتھ بھی ضرور ہوگا اور پھر دیکھنا تمہاری ایک غلطی تمہاری پوری زندگی میں طوفان کھڑا کر دے گی۔"

لیکن ہم نے اُن کی کسی بات پر دھیان نہیں دیا



READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

اور اپنے کاموں میں مشغول ہوکر اپنی جوانی کی سیڑھی پر قدم رکھا پھر کیا تھا اب ہم پورا کام کرنے لگے تھے۔ لڑکی کو دیکھتے اس سے دوستی کرتے، پھر پیار میں مبتلا کرتے اور ہوٹل کے کمرے میں لے آتے۔ جس میں احسن اور شہروز پہلے سے ہی موجود ہوتے اور اُس پر بھوکے بھیڑیے کی طرح جھپٹتے۔ وہ لڑکی روتی چلاتی لیکن اُس کی چیخیں کمرے میں دب کر رہ جاتیں اور ہم لوگ مل کر اُسے بھنبھوڑ ڈالتے۔

پھر ایک دن میں کسی لڑکی کو اُجاڑ کر گھر پہنچا تو گھر میں ایک بھولی بھالی معصوم لڑکی کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ پوچھتا، امی نے اس لڑکی سے کہا۔

''جاؤ شازیہ بیٹی! یہ تمہارا بڑا بھائی ہے عدیل۔''

وہ معصوم سی بھولی بھالی حسینہ مسکراتی ہوئی میری طرف آئی اور کہنے لگی۔

''سلام بھیا۔'' اُس نے سر جھکایا تاکہ میں اُس کے سر پر ہاتھ رکھوں لیکن میں نے آگے بڑھ کر ڈھٹائی سے اُسے باہوں میں بھر لیا۔ جس کا اس نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا اور شرماتی مسکراتی تھوڑی دور ہوکر کھڑی ہوگئی، تبھی امی بولیں۔

''بیٹا یہ شازیہ ہے۔ اب یہ ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں ہی رہے گی، اسے بھی تم اپنی چھوٹی بہن ایمن کی طرح سمجھنا۔'' امی نے کہا۔

''اور شازیہ یہ آج سے تمہارا بڑا بھائی ہے اور تم بھی میری طرح اس پر اپنا حق جتانا۔'' ایمن نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

شازیہ امی کی دور پرے کی ایک رشتے دار کی بیٹی تھی۔ امی اور شازیہ کی ماں بہت اچھی دوست بھی تھیں۔ شازیہ کے دو بھائی تھے، اس کے ماں باپ وفات پا چکے تھے۔ دونوں بھائی بھی شادی شدہ تھے اور وہ اُس کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ دونوں اپنی بیویوں میں مست تھے اور اُس کی بھابیاں اس سے خار کھاتی تھیں۔ آئے دن نند سے جھگڑا کرتی تھیں۔ اس لیے وہ امی کے ساتھ آ گئی تھی۔ امی تو ویسے بھی حقوق العباد سے واقف تھیں، سو وہ اُسے خوشی سے ساتھ لے آئیں اور یوں معصوم سی بھولی بھالی شازیہ بے فکر ہوکر اِسے اپنا گھر سمجھنے لگی۔

☆......☆......☆

شازیہ کو جو کام بتایا جاتا، ڈٹ کر وہ کام کرنے لگتی اور وہ میرے کام تو بہت ہی شوق سے کرتی تھی، ایک دن میں نے اُسے کپڑے استری کرنے کا کہا تھا وہ گنگناتے ہوئے میرے کمرے میں داخل ہوئی۔

''کسی دن بنوں گی میں راجہ کی رانی......''

''عدیل بھائی کون سے کپڑے استری کروں؟''

اس نے معصومیت سے پوچھا تھا اور میرے اندر کا درندہ آہستہ آہستہ جاگنے لگا تھا۔

''وہ سفید والے کردو۔'' میں نے کنکھا کرتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں عدیل بھائی! آج آپ یہ والے کپڑے پہنو دیکھو کتنے پیارے لگ رہے ہو آپ۔'' اس نے کپڑے دکھاتے ہوئے کہا اور میں نے اُسے زور سے اپنے گلے لگایا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی مزید پیش قدمی کرتا، وہ پیچھے ہوئی تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''کیا ہوا؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں بھیا! میں سوچ رہی تھی کہ اتنا پیار تو کبھی میرے سگے بھائی نے بھی نہیں کیا، جتنا آپ کرتے ہیں۔'' اس نے آنسو صاف کیے اور باہر نکل گئی اور میں کمینی سی ہنسی ہنستا اُسے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ ''سبزا تو گھر میں ہی موجود ہے۔ ایک دم نرم اور فریش فریش۔'' یہ سوچ کر میں ہنسنے لگا بہت کمینے خیال آرہے تھے مجھے اور میں یہ بھی نہیں سوچ سکا کہ وہ بھولی بھالی لڑکی مجھے بھائی مانتی ہے اور وہ تو اتنی معصوم ہے کہ میری ہر بری بات کو سمجھتی ہی نہیں بلکہ وہ سمجھتی تھی کہ میں بھائی ہونے کے ناتے اُسے گلے لگاتا ہوں۔

☆......☆......☆

پھر کچھ دن بعد سب کو کسی مایوں کے فنکشن میں جانا پڑا۔ شازیہ نے جانے سے انکار کر دیا اور میں نے بھی موقع غنیمت جان کر انکار کر دیا۔ اتنا اچھا موقع پھر نہیں آ سکتا تھا۔ سارے افراد جا چکے تھے تو میں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

نہانے کے لیے واش روم میں گھس گیا۔ میں کچھ دیر پانی بہاتا رہا پھر میں نے شازیہ کو آواز دی۔ وہ سمجھی کہ شاید میرے کپڑے مانگ رہا ہوں۔ وہ کپڑے لے کر آئی تو میں نے اُس کی کلائی پکڑ لی۔

''بھیا کیا کر رہے ہیں، یہ لیں کپڑے، میری کلائی چھوڑیں۔'' اس نے دیوار کا سہارا لیا اور کپڑے مجھے دے کر واپس اندر چلی گئی۔ میں نے شلوار پہنی اور باہر نکل آیا، شازیہ اندر اپنے کپڑے تبدیل کر رہی تھی میرے اندر کا درندہ پوری طرح جاگنے لگا۔

☆......☆......☆

میں اندر داخل ہو گیا۔ شازیہ نے بوکھلا کر دوپٹا آگے کیا اور کہنے لگی۔

''سوری بھیا! میں نے کنڈی نہیں لگائی، آپ باہر جائیں، میں ابھی آتی ہوں۔'' اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''وہ کیا ہے شازیہ مجھے جلن ہو رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''کہاں ہو رہی ہے بھیا؟'' وہ پریشانی سے بولی تو میں نے کمینگی سے ایک گندہ اشارہ کیا، جس سے وہ زرد پڑ گئی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بھیا۔ بہنوں سے بھی ایسا مذاق کرتے ہیں کیا۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی تھی۔ لیکن میں بے پروا آگے بڑھا۔

''پلیز مجھے اپنی پیاس بجھانے دو۔'' میں نے مسکرا کر کہا تھا۔

''بھیا پلیز آپ بہن بھائی جیسے پاکیزہ رشتے کی توہین کر رہے ہیں۔'' وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔

''دیکھو شازیہ کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا اور ہم مزے بھی کر لیں گے۔'' میں ایک دم آگے بڑھا اور اُس کو پکڑ لیا۔

''بھیا مجھے چھوڑیں...... خدا کا واسطہ عدیل مجھے چھوڑو...... خدا کے قہر سے ڈرو، تمہاری بھی بہن ہے...... یا اللہ۔'' وہ چیختی رہی، چلاتی رہی لیکن میں نے اپنا کام پورا کیا اور اُسے برہنہ چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

سب لوگ مایوں سے واپس لوٹے تو اُسے اس حالت میں دیکھ کر سب کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ امی نے بھاگ کر اُسے کپڑوں سے ڈھانپا اور ایمن اُسے گلے لگا کر رونے لگی، پھر امی نے اس سے پوچھا۔

''تو اُس نے میرا نام لیا اور میں صاف مکر گیا کہ میں نے ایک آدمی سے بات کرتے دیکھا تھا۔ میری طرف اشارہ کرنے پر امی سخت طیش میں آ گئیں اور اُسے برا بھلا کہنے لگی۔

''گھٹیا میسنی ...... میں نے تجھے گھر میں پناہ دی اور تُو میرے ہی بیٹے کو پھنسانا چاہ رہی ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم کتنی کمینی ہو، اس لیے تو تجھے بھائیوں نے نکال دیا ہے۔'' وہ روتی رہی، صفائی دیتی رہی لیکن کسی نے اُس کی بات نہیں سنی، کسی نے اُس کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ میں ایک کونے میں کھڑا اُسے دیکھتا اور مسکراتا رہا، یہاں تک کہ امی نے اُسے گھر سے بے دخل کر دیا، تبھی میں بھی باہر نکل آیا۔

''دیکھو شازیہ! میں نے کہا تھا نا کہ کسی کو مت بتانا۔ اب دیکھا تمہارا کیا حال ہوا ہے، اب کہاں جاؤ گی؟ اگر تم میری بات مانو تو میں تمہیں اس گھر میں واپس لے جا سکتا ہوں۔'' میں نے گھٹیا پن کی حد کر دی۔ اس نے ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر مارا اور کہا۔

''کمینے تُو میری عزت سے کھیلا ہے، دیکھنا کل میرا بدلہ کوئی تم سے ضرور لے گا۔ اس دنیا میں کسی نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا لیکن اوپر والا ضرور انصاف کرے گا۔'' یہ کہہ کر وہ روتی ہوئی چلی گئی۔

☆......☆......☆

اس کے بعد وہ اپنے بھائیوں کے گھر گئی کیسے گئی مجھے نہیں پتا لیکن وہاں بھی اُس کی کہانی سننے کے بعد بھائیوں نے اُسے کمینی، بے غیرت جیسے الزام لگا کر گھر سے باہر پھینک دیا۔ اس نے ہر وہ دروازہ کھٹکھٹایا جو وہ جانتی تھی لیکن سب نے اُسے باہر کر دیا۔ ہتک کے شدید احساس سے وہ سرخ ہو چکی تھی۔ وہ ٹوٹ کر بکھر چکی تھی۔ کوئی اُسے پناہ دینے کو تیار ہی نہیں تھا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

وہ پاگلوں کی طرح گلی گلی، نگر نگر پھرتی رہی۔ کہیں اُس نے کچھ مردوں کو کھڑے دیکھا اور اندھا دھند بھاگنے لگی۔ عدیل کے بعد اُس کا ہر رشتے سے اعتبار اٹھ چکا تھا۔ وہ سمجھی کہ وہ مرد بھی اُس کا جسم نوچنے کے لیے کھڑے ہیں۔ بھاگتے بھاگتے کسی چیز سے ٹکرائی اور اچھل کر سڑک پر جا گری، وہاں سے آتے ٹرک نے اُس کے جسم کی دھجیاں اُڑا دیں۔

اُس کے مرنے کے بعد اُس کا قصہ دب کر رہ گیا۔ کسی نے مجھ پر کیس نہیں کیا اور تو اور کسی نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ معصوم سی لڑکی جس چیز سے ٹکرائی تھی، وہ میری بائیک تھی اور وہ بھی میں نے جان بوجھ کر کیا تاکہ کوئی مجھ پر کیس نہ کر سکے کہ میں نے اُس لڑکی کا ریپ کیا ہے اور پھر میں تھوڑی دور جا کر کھڑا ہو گیا۔ جب اُس نے اپنی آخری سانسیں لے لیں، تب میں نے سکون کی سانس لی اور خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔

اب ہمارے گھر میں شازیہ کا ذکر نہیں ہوتا تھا، ایسا لگتا تھا کہ وہ بھی ہمارے گھر کا حصہ تھی ہی نہیں۔ ابو اور امی اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے اور میں اپنے کاموں کو پھر سے کرنے لگا۔

☆......☆......☆

اس واقعے کو گزرے سال ہو گیا کہ ایک دن مظہر شازیہ کا بھائی اس سے ملنے آ گیا۔ ہم سب حیران ہوئے کہ انہیں شازیہ کے بارے میں معلوم ہی نہیں تھا، حالانکہ شازیہ اپنے گھر بھی نہیں گئی تھی۔ امی نے اُسے سارا واقعہ بتایا تو وہ یک دم طیش میں آ گئے، لیکن امی نے اسے بے عزت کر کے گھر سے باہر نکال دیا۔

مظہر گھر پہنچا تو اس نے سب سے پہلے اپنی بیوی ناہید کو اپنے پاس بلایا اور اس سے شازیہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ یہاں نہیں آئی تھی۔ جب مظہر نے اُسے دو تھپڑ مارے تو اس نے سب بتا دیا کہ اُس نے اُسے اپنے گھر ہی نہیں آنے دیا۔ مظہر نے اُسے جانوروں کی طرح پیٹا لیکن اب کیا فائدہ تھا۔ وہ معصوم تو اس دنیا سے جا چکی تھی، وہ بھی ''بدکار'' کا نام پا کر۔

پھر پانچ سال کا طویل عرصہ گزر گیا، اس عرصے میں ایمن کا رشتہ آیا جو کہ ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ امی نے جھٹ ہاں کر دی اور پھر روز شاپنگ ہونے لگی۔ ایمن کا سارا جہیز اکٹھا ہو چکا تھا۔ میں بھی بہت خوش تھا اور ہوتا بھی کیوں نا، آخر میری بہن کی شادی تھی اور جہاں تک شازیہ کا قصہ تھا، اس سے تو میں بالکل بھی شرمندہ نہیں تھا کیونکہ میں نے تو شازیہ جیسی کئی لڑکیوں کو اُجاڑا تھا اور مجھے کوئی پچھتاوا بھی نہیں تھا۔ کبھی کبھی میں سوچتا تھا کہ لوگ کہتے ہیں جو دوسروں کے ساتھ کرتا ہے اُس کے ساتھ بھی وہی ہوتا ہے لیکن میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، اب تو میری بہن کی شادی بھی ہو رہی تھی، یہ سوچ کر ہی پُرسکون تھا لیکن کہتے ہیں نا کہ اللہ کے آگے دیر ہے اندھیر نہیں۔

اس طرح ایمن کو مایوں میں بٹھا دیا گیا اور امی ابو بازار فرنیچر کا سامان دیکھنے چلے گئے۔ میں ایمن کے پاس آیا اور کہا کہ تم کھانا مت بناؤ میں ہوٹل سے لے آتا ہوں۔ میں مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔ ہوٹل ہمارے گھر سے تھوڑی ہی دوری پر تھا۔ اس لیے کھانا لیتے ہوئے مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ خیر میں کھانا لے کر واپس آیا تو میں نے اپنے گھر کے سامنے لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ جنہوں نے ہاتھوں میں موبائل لے رکھے تھے، میں بھیڑ کو چیرتا ہوا اندر داخل ہوا تو ساکت رہ گیا۔

صحن میں میری بہن برہنہ حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے شازیہ کو چھوڑ کر گیا تھا۔ میں کانپ کر رہ گیا اور لوگ کھڑے اُس کی تصویریں بنا رہے تھے۔ میں نے جلدی سے اُسے اٹھایا اور کمرے میں لے گیا۔ امی ابو بھی آ گئے۔ وہ بھی سینہ پیٹ کر رونے لگے۔ مجھے شازیہ یاد آنے لگی تھی۔ جو مجھے بھیا کہتی تھی اور ہر وہ لڑکی یاد آنے لگی جو مجھے بہن کا واسطہ دیتی تھی۔ آج مجھے پتا چلا کہ جب اپنی بہن کے ساتھ ایسا ہوتا ہے تو کیسا لگتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ ''کس نے کیا ہے؟'' ایک آدمی نے کہا۔

''بلے (بلاول) نے۔'' میں نے پستول اٹھائی اور اُس کے گھر میں گھس گیا۔ وہ کھانا کھا رہا تھا۔ میں نے ساری گولیاں اُس کے سینے میں اُتار دیں۔ محلے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

'حضرت عمر فاروقؓ'

اسلامی سال کا آغاز اس جانباز انسان کی شہادت سے ہوتا ہے جو 22 لاکھ ایکڑ زمین پر تنہا حکومت کرتا تھا۔ جو اپنے دورِ حکومت میں راتوں کو اُٹھ کر لوگوں کی خبر گیری کرتا تھا۔ جس کے قدموں کی آہٹ سن کر شیطان میلوں دور بھاگ جاتا تھا۔ جو حکمران ہونے کے باوجود بھی سوکھی روٹی کھاتا تھا۔ جس کے خوف سے کفار کانپتے تھے۔ وہ اسلام کے خلیفہ دوئم ''حضرت عمر فاروقؓ'' ہیں۔

☆......☆☆......☆

حضرت عمر فاروقؓ کی زوجہ (کاتکہ) کہتی ہیں کہ عمرؓ بستر پر سونے کے لیے لیٹتے تو نیند ہی اڑ جاتی۔ بیٹھ کر رونا شروع کر دیتے تھے۔ میں پوچھتی تھی۔ ''اے امیر المومنین! کیا ہوا؟'' فرماتے۔

''مجھے محمد ﷺ کی امت کی خلافت ملی ہوئی ہے اور ان میں مسکین بھی ہیں ضعیف بھی ہیں اور مظلوم بھی، مجھے ڈر لگتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ سے ان سب کے بارے میں سوال کرے گا۔ مجھ سے جو کوتاہی ہوتی تو میں اللہ اور اس کے نبی ﷺ کو کیا جواب دوں گا۔''

حسنِ انتخاب: راز عدن۔ بحرین

میں بھونچال آ گیا، اُسی وقت پولیس آ گئی اور مجھے پکڑ کر لے گئی۔

اس کے بعد مجھے عدالت لے جایا گیا جس میں، میں نے اپنے سارے اگلے پچھلے گناہ قبول کیے کہ شازیہ سے میں نے زبردستی کی تھی۔ امی ابو سینہ تھام کر رہ گئے اور مظہر اور اظہر کی بیویاں شرمندہ سی نظریں چرا گئیں۔ میں نے سارے گناہ قبول کر لیے تھے اس لیے عدالت سے مجھے عمر قید ہو گئی۔

آج پورے گیارہ ماہ ہو گئے ہیں مجھے جیل میں بیٹھے ہوئے اور اس سب کا میں خود ذمے دار ہوں۔ میں نے اپنی زندگی اپنے ہاتھوں سے ختم کر ڈالی۔ شازیہ صحیح کہتی تھی کہ قدرت ضرور انصاف کرے گی اور وہ ٹھیک کہتی تھی۔ آج قدرت نے انصاف کر دیا تھا، یہی میری سزا ہے جب مجھے والدین کی خدمت کرنی چاہیے تھی۔ میں جیل میں آ گیا تھا۔ میری بہن کی میرے کرموں کی وجہ سے شادی ٹوٹ گئی تھی۔ اگر میں شادی کر لیتا اور ایک عزت دار زندگی گزارتا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ شازیہ ضرور میرے خواب میں آتی تھی اور مجھے کہتی۔

''عدیل تمہیں سزا ضرور ملے گی۔'' اور جب مجھے سزا ملی تو وہ ایک دن مسکراتی ہوئی آئی تھی۔

''دیکھا عدیل کسی نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا لیکن قدرت کا انصاف دیکھو۔ اُس نے کیسا انتقام لیا ہے میرا۔''

اتنے عرصے میں عدیل کی ماں صرف دو بار ہی اُس سے ملنے آئی تھی۔ وہ ماں جو اس کے لیے ساری دنیا سے لڑنے کو تیار تھی۔ وہ آج اس کی وجہ سے اپنے خاندان سے کٹ کر رہنے لگی تھی۔ پہلی ملاقات پر اماں نے کہا تھا۔

''عدیل مجھے یہ کہتے ہوئے بہت ہتک محسوس ہو رہی ہے کہ میں نے تجھ جیسے سنپولیے کو جنم دیا ہے اور دراصل غلطی میری ہے میں نے تجھے اگر شروع سے ہی لڑکیوں کی عزت کرنا سکھائی ہوتی تو آج یہ نوبت ہی نہ آتی۔''

میری بہن ایک زندہ لاش بن کر رہ گئی ہے اور یہی حال اب میرے ماں باپ کا بھی ہے۔ گلی سے گزرتے ہوئے انہیں کتنی ذلت اٹھانی پڑتی ہے یہ تو وہی جانتے ہیں۔

لیکن ایک بات طے ہے انسان جو بھی کچھ کرے بالخصوص برائی تو اس سے پہلے اپنا انجام بھی اچھی طرح سوچ لے۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ساتویں سچ بیانی

دکھ کی فصیل کٹ گئی



مسز نوید ہاشمی

کراچی سے اُس دوشیزہ کی کتھا، جس نے ایک طویل دکھ کی فصیل کے بعد سکھ پایا تھا

میرا نام طوبیٰ ہے۔ میں اپنی خوبصورتی کی وجہ سے ہمیشہ ہی خاص رہی ہوں۔ مگر جو جو کسی نے کہا ہے کہ اچھی صورت بھی کیا چیز ہے، جس نے ڈالی نگاہ غلط ڈالی۔

میں حقیقت میں سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئی تھی۔ دولت ہمارے گھر کی باندی تھی۔ سب لوگ میری گوری اور گلابی رنگت' سنہرے بال دیکھ کر بے ساختہ' ماشاءاللہ ضرور کہتے تھے۔ میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ میرے والد کا نام شکیل تھا۔ میرے ایک چچا بھی تھے جن کا نام عقیل تھا۔ اُن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔

ابا جتنے دولت مند تھے، چچا اتنے ہی غریب، مفلسی نے اُن کے گھر میں ڈیرا ڈالا ہوا تھا۔ اوپر سے تین بچے اور تینوں بچوں کی شکل پر ایسا لگتا تھا کہ جیسے خدا نے کالک پوت دی ہے۔ جی ہاں، اُن کے رنگ بہت کالے تھے۔ لڑکے تو کالے چل جاتے ہیں مگر کالی کلوٹی لڑکی کو کوئی نہیں پوچھتا اوپر سے جلن اور حسد نے لڑکی کا چہرہ اور بگاڑ دیا تھا۔

اکثر تینوں بہن بھائی خدا سے شکوہ کرتے کہ اے اللہ تُو نے ہمیں دولت سے محروم رکھا، اچھے کپڑوں اچھا کھانا آرام دہ گاڑی میں گھومنے سے محروم رکھا اور اوپر سے شکل صورت بھی خوبصورت نہیں بنائی۔ اسد سب سے بڑا تھا جس کی عمر 13 سال تھی۔ عمر 12 سال کا تھا اور کنول 10 سال کی تھی۔ کنول میری ہم عمر تھی۔ میں اپنے والدین کی شادی کے دس سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ اوپر سے حسن کی دولت سے مالا مال تھی۔

چچا کی فیملی اکثر ہمارے گھر آتی رہتی تھی۔ امی چچی جان کی فیملی کا بڑا خیال رکھتی تھیں۔

چچا جان اور چچی جان ہر وقت میری نظر اُتارتے رہتے تھے۔ گود میں اٹھائے رکھتے۔

چچی جان میرے ناز اٹھانے میں ہمیشہ سب سے آگے رہتی تھیں۔ وہ اکثر کنول کو کہتی تھیں کہ دیکھو طوبیٰ کے ساتھ بیٹھی یہ ایسی لگ رہی ہے جیسے طوبیٰ کی داسی ہو۔"

امی کو چچی جان کی باتیں سُن کر بڑا غصہ آتا۔ جس کا وہ برملا اظہار بھی کرتی تھیں کہ آپ یہ کیسی باتیں کرتی ہیں کنول بھی پیاری بچی ہے۔ گورا کالا سب اللہ کے رنگ ہیں۔ اللہ کو پسند ہیں اس لیے اس نے بنائے ہیں۔ بس دعا کریں کہ اللہ قسمت اچھی

Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کرے۔''

امی کی بات سُن کر وہ کہتیں۔'' ارے بھئی جو خوبصورت ہے اسے تو خوبصورت ہی کہوں گی۔ میری بیٹی تو کالی کے ساتھ ساتھ قسمت بھی بری لکھوا کر لائی ہے۔

''کنول بھی میری بیٹی ہے۔ جتنا میں طوبیٰ کو دوں گی اتنا ہی کنول کو بھی دوں گی۔'' امی یہ کہہ کر کنول کو گلے سے لگا لیتی تھیں۔ مگر چچی ہنس کر کہتیں۔

''کالا رنگ تمام خوشیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔''

''نہیں بھابی گورا یا کالا نہیں، اچھی سیرت ہی زندگی بناتی ہے۔ یہ رنگ روپ تو چار دن کی کہانی ہے۔ تمام عمر تو لڑکی اپنے کرموں ہی کا کھاتی ہے۔'' یہ بات سُن کر چچی تنک کر کہتیں۔

آپ ایسی باتیں کر سکتی ہیں کیونکہ آپ کی بیٹی خوبصورت ہے۔ میری گڑیا، میری رانی میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔''

میں چچی جان کا اتنا پیار دیکھ کر خوش ہو جاتی۔ اور خود پر رشک کرتی مگر کبھی غرور نہیں کیا تھا۔ کیونکہ میری امی نے میری اچھی تربیت کی تھی۔

☆......☆......☆

دن اسی طرح ہنسی خوشی گزر رہے تھے کہ اچانک امی ابو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ابو موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ امی کافی زخمی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ ان کی ریڑھ کی ہڈی بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ شاید اب یہ



READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تمام زندگی کھڑی نہ ہوسکیں۔ یہ سب سُن کر میرا برا حال تھا۔ ایسے دردناک موقع پر میری چچی جان نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی کوشش تھی کہ میں اس حادثے سے جلد سے جلد نکل آؤں۔ اس مشکل گھڑی میں چچا اور چچی نے میرا بھرپور ساتھ دیا اور یوں میں دوبارہ زندگی سے ناتا جوڑنے میں کامیاب ہوگئی۔

چچا جان نے ابو کے کاروبار کی باگ ڈور سنبھال لی۔

امی جان اپنے دیور اور دیورانی کی شکر گزار تھیں کہ ایسے حالات میں اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو ہمارا کیا ہوتا؟ امی کی دیکھ بھال میری دیکھ بھال، گھر کا سارا انتظام چچا اور چچی نے سنبھال لیا تھا۔

☆......☆......☆

پھر وقت نے کروٹ لی اور کچھ سال آگے سرک گئے۔ چچی جان کے بچوں کی اچھی رہائش، اچھی خوراک اور اچھا لباس بھی ان کے کالے رنگ کو نہیں بدل سکا۔ ہاں بس اتنا ہوا کوئی دیکھتا تو انہیں بس قبول صورت ہی کہتا۔ مگر میں ان حادثات سے گزرنے کے باوجود بھی روز بروز نکھرتی ہی چلی گئی۔ جو مجھے دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔

ایک روز مجھے میتھ کے سوال حل کرنے میں کچھ پرابلم ہورہی تھی اس لیے میں اسد بھائی سے مدد لینے کے لیے اُن کے کمرے کی جانب چل دی۔ جب میں چچی کے کمرے کے پاس سے گزری تو اپنا نام سُن کر چونک گئی اور تجسس سے ان کی بات سننے پر مجبور ہوگئی کہ میرا نام کیوں لیا جارہا ہے۔ چچی کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔

''طوبیٰ کی تعریف کر کر کے اب میں تنگ آچکی ہوں۔ الو کی پٹھی کے نام تمام جائیداد ہے۔ ابھی صرف پندرہ سال کی ہے۔ تین سال ابھی اور اُس کو سہنا ہوگا۔ جب یہ جائیداد اپنی مرضی سے اپنے چچا کے نام کردے گی تو مجھے سکون آئے گا۔''

''مگر مما تب تک میں آپ سے کالی کالی کا گانا سنتی رہوں گی۔ اور وہ حسن کی پری بنی رہے گی۔ آپ کو پتا نہیں ہے جب کوئی اُس کی تعریف کرتا ہے تو کیسے کیسے سانپ لوٹتے ہیں میرے سینے پر۔'' یہ کنول کی آواز تھی۔ جس نے میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ بھردی تھی۔

''ارے بیٹا تُو میری چندا ہے۔ ذرا صبر کرلو۔ اسد سے طوبیٰ کے رشتے کے لیے تمہارے بابا اور میں سوچ رہے ہیں۔ گھر کی دولت گھر میں ہی آجائے گی۔ پھر اس کو تمہاری نوکرانی نہ بنادیا تو میرا نام بدل دینا۔ بس جہاں اتنا انتظار کیا ہے وہاں تھوڑا صبر اور میری جان!''

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اب مجھے ساری زندگی اس حسین چڑیل کو جھیلنا ہوگا۔ نہیں امی ایسا نہ کریں۔ کچھ ایسا کریں کہ یہ ہماری نظروں سے دور ہوجائے۔'' کنول زہر اُگل رہی تھی۔

''بیٹا تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو۔ جب تک اُس کی ماں زندہ ہے، ہم طوبیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''ہاہا! وہ عورت اپاہج ہوتے ہوئے بھی ابھی تک نہیں مری۔ شوہر کے غم میں ہی مرجاتی۔ پتا نہیں کب تک انتظار کرائے گی بڑھیا۔''

اتنی زہر بھری باتیں سُن کر میرا سانس یکدم ہی گھٹنے لگا تھا۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ سب لوگ مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ میں خوبصورت ہوں۔

چچی جان میں تو اپنا دل پہلے ہی اسد کو دے چکی تھی۔ میرے نزدیک تو خوبصورتی بدصورتی کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی تھی، میں تو خود یہ خود اس دولت جائیداد کو چچا کے نام کردینا چاہتی تھی۔ میں نے امی سے بات کر بھی لی تھی مگر بس مناسب وقت کا انتظار تھا۔ مگر آپ سب نے میری آنکھیں کھول دیں کہ میں تو خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے والی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اللہ نے میرے سامنے اعتبار کی دیوار کے پیچھے کا اصل روپ آپ ہی آپ ظاہر کردیا۔

☆......☆......☆

اس سے پہلے کہ میں اپنی ماں کو ان باتوں کا راز دار بناتی کہ ایک حادثے نے میرا سب کچھ لوٹ لیا۔ ابھی میں نہا کر کمرے میں آئی تھی۔ آج میں نے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

گلابی لباس پہن رکھا تھا۔ میں اپنے لمبے بال سکھا رہی تھی کہ چچا جان کمرے میں داخل ہوئے۔

''میری بٹیا کیا کر رہی ہے۔ ارے نہا کر آئی ہے۔'' میں چچا جان کو دیکھ کر پہلے حیران ہوئی پھر اُن کی میٹھی باتوں پر مجھے اپنے بابا جانی یاد آ گئے۔

وہ بھی مجھے پیار میں بٹیا ہی کہتے تھے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ چچا جان کو کیا پتا کہ چچی جان اور کنول کے دل میں میرے لیے کتنی نفرت ہے۔'' دل چاہا انہیں سب کچھ بتا دوں لیکن ایک نادیدہ طاقت نے مجھے خاموش کرا دیا۔ اس لیے میں چچا جان سے کچھ بھی نہیں کہہ پائی۔

''طوبیٰ بٹی تمہارے بال کتنے لمبے ہیں انہیں کیسے سلجھاتی ہو آؤ میرے پاس بیٹھو۔'' چچا جان نے محبت سے کہا تو میں ان کے پاس بیٹھ گئی۔ چچا جان پھر بولے۔

''تمہیں پتا ہے کہ تم کتنی خوبصورت ہو۔ یہ خوبصورت تم نے کہاں سے حاصل کی۔ تمہیں میں جب سے چاہتا ہوں جب تم تیرہ سال کی ہوئی تھیں۔ تمہیں پیار کر کے مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ تمہارے گورے گورے ہاتھ تھام کر بہت مزہ آتا ہے۔''

میرے ذہن میں چچا کے روپ میں میرے بابا تھے اس لیے مجھے ان کی باتیں سن کر اچھا لگ رہا تھا۔ میں خوش تھی کہ چلو چچا جان تو مجھ سے سچا پیار کرتے ہیں۔ پھر چچا جان نے میری کمر کے گرد اپنے ہاتھ حائل کر دیے اور ان کے ہاتھوں کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی اب مجھے ہوش آ گیا کہ یہ محبت اور شفقت نہیں بلکہ ہوس ہے۔ اور میرے ساتھ میرے سگے چچا کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔

''چچا جان آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟'' میرے منہ پر رومال باندھ کر انہوں نے میری عزت تار تار کر دی۔ مجھے لوٹنے کے بعد وہ بولے۔

''اب تم اپنی زبان بند رکھنا۔ اس بند کمرے کی بات باہر نہ جائے بہتری اسی میں ہے۔ اے لڑکی! خاموش رہنا۔ اگر کسی کو کچھ بتایا تو اچھا نہیں ہوگا۔ تیری حسین صورت سے مجھے نفرت ہے، جو میری بیٹی کو پیچھے چھوڑ گئی ہے۔ اب تُو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی تیری خوبصورتی ہی تیری بربادی ہے۔''

میں حیرانی سے سب باتیں سن رہی تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں اپنی بربادی کا ماتم کروں تو کس سے اور اب کس طرح سے میں اپنی اس زندہ لاش کو زندگی کے تابوت میں دوبارہ لے کر جاؤں؟

مجھ پر کیا بیتی، کس کو بتاتی۔ اپنی اپاہج ماں کو، جو خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتی، وہ میری حفاظت کیسے کرتی۔ جس کو باپ سمجھا وہ لٹیرا نکلا۔ اور میری عزت کا جنازہ نکال کر، میرے ہی گھر میں پورے استحقاق کے ساتھ موجود تھا۔

اِدھر کنول کی مجھ سے نفرت دن بہ دن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ آخر اس کی نفرت اتنی بڑھ گئی کہ اُس نے میرا چہرہ جلانے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اس کام میں ایک مشکل تھی اگر کسی کو خبر ہو جاتی کہ مجھ پر تیزاب پھینکا گیا ہے تو پولیس ان سب کا جینا حرام کر دیتی آخر اُس نے سوچ لیا کہ وہ مجھ پر کھولتا ہوا پانی پھینک کر میرا چہرہ جلائے گی۔

اب کنول موقع کی تلاش میں تھی۔ آخر اسے وہ موقع مل ہی گیا۔

☆......☆......☆

میں نماز پڑھنے کھڑی ہوئی تو کنول نے کھولتا ہوا پانی مجھ پر پھینک دیا۔ اسی وقت میں رکوع میں گئی تھی اور اُس ظالم نے کھولتا ہوا پانی مجھ پر پھینک دیا جس سے میرا پیٹ پاؤں اور سر جل گیا۔ میں بے ساختہ چیخ پڑی میری چیخ سن کر چچا اور چچی نے آ کر دیکھا کہ میری پیٹھ اور پاؤں بری طرح جلے ہوئے ہیں میں درد سے چلا رہی تھی اور کنول کھولتے پانی کی بالٹی لیے کھڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ گھر کے نوکر یہ منظر دیکھتے۔ چچا جان نے پانی کی بالٹی ایک طرف رکھی اور مجھے اُٹھا کر باتھ روم میں پھینک دیا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ اور پھر وہ دونوں باہر کھڑے ہو کر چیخنے لگ گئے کہ طوبیٰ دروازہ کھولو کیا ہوا ہے بیٹا دروازہ کھولو۔'' چچی مگرمچھ کے آنسو بہائے چلی جا رہی تھیں۔ اتنے میں چچا آگے آئے اور بولے۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

"تم پیچھے ہٹو میں دروازہ توڑ دیتا ہوں۔" جب تک گھر کے نوکر کمرے تک آ چکے تھے۔ چچا نے دروازہ توڑنے کی اداکاری کرتے ہوئے زور سے کک لگائی اور دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی چچی جان چلا کر بولیں۔

"عقیل آپ سب باہر کھڑے رہیں، میں اور کنول اندر جا کر دیکھتے ہیں۔ پتا نہیں طوبیٰ باتھ روم میں کس حالت میں ہو۔" وہ دونوں باتھ روم میں داخل ہوئیں اور وہیں سے چیخنے لگیں۔

"عقیل صاحب! جلدی سے اسپتال چلنے کی تیاری کریں، ہماری گڑیا طوبیٰ جل گئی ہے۔"

مجھے ایک ہفتے کے بعد ہوش آیا تھا۔ میری کمر اور پیر بری طرح جل گئے تھے۔ ہاسپٹل میں میرا علاج شروع ہوا علاج کے دوران ایک نیا انکشاف سامنے آیا کہ میں ماں بننے والی ہوں۔ یہ بات سُن کر سب مجھے برا بھلا کہنے لگے اور سب میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ اسی پاپ کی وجہ سے میں خود کو جلا رہی تھی۔ "کمبخت حسین تو تھی ہی مگر بدکردار بھی نکلی۔" سب مجھ پر تھو تھو کرنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

جب امی کو پتا چلا کہ میں کنواری ماں بننے والی ہوں اور اس وجہ سے میں نے اپنے آپ کو جلانے کی کوشش کی ہے۔ تو اس غم میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ میری ماں میری دنیا ویران کر کے بہت دور چلی گئی۔

اب میں تنہا رہ گئی تھی۔ لوگوں کی نفرت بھری نگاہیں سہنے کے لیے ابھی میں صرف 16 سال کی ہوئی تھی۔ مگر بدنامی میں، میں نے اتنا نام کما لیا کہ اسپتال میں بھی ہر کوئی مجھ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

اوپر سے چچا جان نے ڈاکٹر پر زور دینا شروع کر دیا کہ کچھ ایسا کریں کہ میری کوکھ میں پل رہے بچے سے میری جان چھوٹ جائے۔ آپ جتنا پیسہ مانگیں گے میں دوں گا۔"

چچا جان جانتے تھے کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ اب وہ کسی بھی قیمت میں اس بچے کو اس دنیا میں نہیں لانا چاہتے تھے۔ آخر عقیل صاحب کا پیسہ جیت گیا اور عقیل صاحب کا گناہ میری کوکھ میں ہی ختم کر دیا گیا۔

☆......☆......☆

ماں کے بعد میری زندگی کو چچی جان نے ایک کمرے میں قید کر دیا۔

میں نے اپنے کمرے سے نکلنا بند کر دیا۔ بہت ضرورت کے وقت ہی میں باہر نکلتی ورنہ نہیں۔ مہینوں سے میں ایک ہی کمرے میں زندگی بسر کر رہی تھی۔ باہر کیا ہو رہا ہے مجھے کچھ پتا نہ ہوتا۔ نہ ہی کوئی مجھے کچھ بتاتا تھا۔ کسی نے آ کر یہ تک نہ پوچھا کہ تم کمرے سے باہر کیوں نہیں آتی ہو؟

وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ میں نے خدا سے لو لگا لی۔ وہ جو سب کے حال سے واقف اور مختار کل ہے۔ کل تک دولت جس کے گھر کی باندی تھی آج وہ یتیم ہو کر اپنے ہی گھر میں قید تھی۔

عقیل صاحب نے آفس کے ایک قابل لڑکے کو دولت کا لالچ دے کر کنول سے شادی کرنے پر راضی کر لیا۔ اسد پڑھائی کرنے لندن چلا گیا اور دولت کو ہر مرض کی دوا سمجھنے والوں کو دولت نے ہی بگاڑ دیا۔ عمر غلط کام جوا، شراب کا عادی ہو کر دولت کو دونوں ہاتھوں سے لٹا رہا تھا۔

چچا، چچی کو صرف عمر کا ہی تھوڑا غم تھا کہ وہ بگڑ گیا ہے ورنہ وہ خوشیاں خوب کیش کر رہے تھے۔ اپنی خوشیوں میں خوش تھے انہیں دوسروں کے غم کی کیا پروا تھی۔

☆......☆......☆

اللہ ظالم کی رسی دراز ضرور کرتا ہے مگر جب پکڑتا ہے تو......

ایک دن چچا سوئے تو دوسرے دن اُن سے اٹھا ہی نہیں جا رہا تھا۔ پتا چلا کہ اُن کو فالج کا حملہ ہوا ہے۔ اُن کا آدھا دھڑ بالکل بے جان ہو گیا۔ پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا مگر وہ ٹھیک نہیں ہوئے، بلکہ پتا چلا کہ اُن کے دل کے تینوں والو بھی بند ہو گئے ہیں۔ اسی غم میں چچی کو شوگر اور ہائی بلڈ پریشر ہو گیا اور لینے کے دینے پڑ گئے۔

لوگوں کو شوگر ہوتی ہے ہائی بلڈ پریشر ہوتا ہے مگر

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

وہ سالوں جیتے ہیں، مگر اُن کی یہ بیماری اتنی خطرناک ہوگئی کہ اُن کے جسم میں پانی بھرنا شروع ہو جاتا پھر وہ پانی پھوڑا بن کر پھٹ جاتا اور وہاں زخم بن جاتا۔ دوسرا غم اُن کو یہ لگا کہ ان کے لاڈلے عمر کو کسی نے گولی ماردی۔ جوان بیٹے کی موت نے اُن دونوں کو توڑ کر رکھ دیا۔

پھر سونے پہ سہاگہ یہ ہوا کہ کنول کے شوہر نے کنول کو طلاق دے دی۔ اپنی چار سالہ بیٹی کو لے کر کنول روتی پیٹتی گھر آ گئی۔ اُس کی بچی بھی اپنی ماں کی طرح کالی سیاہ تھی۔

مگر کنول اب خود ماں تھی اس لیے اُسے اپنی بیٹی حور پری لگتی۔ ان پہ در پہ حادثات کو برداشت کرتے اور بیماری سے نبرد آزما چچی جان کا ایک دن اس دنیا سے ناتا ٹوٹ گیا۔

اب چچا جان بستر پر موت کے منتظر' موت سے بدتر زندگی گزار رہے تھے۔ اب اُن کے جسم پر کیڑے پڑ جاتے تھے اور جسم سے عجیب ناگوار بو آتی تھی۔

وہ سب سے کہتے ہیں کہ خدا کے لیے میری موت کی دعا کرو۔ مجھ سے یہ تکلیف برداشت نہیں ہوتی۔

کنول نے اپنے بڑے بھائی اسد کو فون کیا اور یہاں کے حالات بتا کر گھر آنے کی تاکید کی۔ اب کنول اکیلی باپ اور بیٹی دونوں کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ مگر کسی نے میرے کمرے میں جا کر نہیں جھانکا کہ میں کیسی ہوں زندہ بھی ہوں یا مرگئی ہوں۔

میں نے پہلے ہی سب سے ناتا توڑ کر کمرے میں بسیرا کر لیا تھا۔

کوئی ملازمہ آتی کھانا پانی دیتی اور چلی جاتی۔

☆......☆......☆

ایک دن اچانک شور وغل نے مجھے باہر جھانکنے پر مجبور کیا۔ آخر وجہ کیا ہے؟ کنول کیوں چیخ رہی ہے۔ یہ گھر میں کیسا شور ہے۔ یہ کیا ہنگامہ ہے۔ چچا جان نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنے ملازم سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ کنول کیوں آسمان سر پر اٹھا رہی ہے۔"

انہیں ملازم سے پتا چلا کہ کنول کی چھ سالہ بیٹی کی مالی کے بیٹے نے عزت خراب کر دی ہے۔ اور وہ بچی کو

آبِ زم زم

زم زم کا چشمہ چار ہزار سال قدیم ہے۔

13 فٹ چوڑا۔

11 فٹ لمبا۔

33 میٹر گہرا۔

ایک طاقتور موٹر 8000 لیٹر فی سیکنڈ کے حساب سے اس میں سے چوبیس گھنٹے پانی پمپ کرتی رہتی ہے۔ اس میں اب تک کائی نہیں لگی اور نہ ہی پانی کا ذائقہ تبدیل ہوا ہے۔ پورا دن پانی پمپ کرنے کے صرف 11 منٹ بعد پانی دوبارہ اپنی اصل سطح پر آ جاتا ہے۔

حسن انتخاب: افشاں چوہدری۔ لندن

اسپتال لے کر جا رہے ہیں۔

یہ سنتے ہی عقیل صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کیونکہ انہوں نے بھی ایک معصوم بچی کے ساتھ یہی کچھ کیا تھا۔

پھر خبر آئی کہ کنول کی بچی زخموں کی تاب نہ لا کر مرگئی ہے اور کنول اسی غم میں پاگل ہوگئی۔

☆......☆......☆

اسد جب گھر واپس آیا تو یہ سب حالات دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اب کنول بالکل پاگل ہو چکی تھی۔ کبھی وہ بلیڈ سے اپنے آپ کو زخمی کرتی کبھی چھری سے اور قینچی سے اپنے سر کے تمام بال کاٹ لیتی۔ چچا جان تو خود تکلیف میں تھے۔ اوپر سے کنول کا غم، مگر انہیں موت نہ آتی تھی۔

ایک دن اسد نے ملازم سے پوچھا کہ طوبیٰ کہاں ہے؟"

ملازم نے اُسے بتایا کہ طوبیٰ تو اپنے کمرے میں ہوتی ہیں کچھ ہو جائے وہ کمرے سے باہر نہیں آتی۔ سالوں بیت گئے، اُن کو کسی نے نہیں دیکھا۔ ہاں ایک ملازمہ عائشہ ہی صرف اُس کے کمرے میں جاتی ہے۔" اسد یہ سب سُن کر غصے میں طوبیٰ کے کمرے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

میں چلا گیا۔

''اُف یہ کون سی پری ہے جو حوروں جیسا پاکیزہ چہرہ لیے قرآن پاک کی تلاوت کر رہی ہے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے نور نے اُس کے چہرے پر ایسا گل کھلایا ہوا کہ نگاہ بے ساختہ عقیدت سے جھک جائے۔ وہ طوبیٰ کو مخاطب کر کے بولا۔

''یہ سب کیا ہے طوبیٰ اس گھر میں اتنا کچھ ہو گیا مگر تم اس کمرے سے باہر نہیں آئی ہو۔ کیا کیا قیامت گزر گئی اس گھر پر مگر تم آرام سے اس کمرے میں رہیں۔ تمہیں امی کی موت کا غم نہیں، عمر کا غم نہیں، کنول کے اجڑنے کا غم نہیں، میرے ابو کے تڑپ تڑپ کر جینے کا غم نہیں۔ کنول کی بیٹی مرگئی ہے، تمہیں اُس کا بھی غم نہیں۔''

کنول کی بیٹی کا سُن کر میں نے بے ساختہ کہا۔'' یہ کب ہوا۔ مجھے تو پتا نہیں۔'' یہ کہتے میرا رو رو کر برا حال ہو گیا۔ میرے اس شدت سے رونے پر اسد حیران ہو گیا پھر میں دوبارہ بولی۔

''وہ ننھی بچی مرگئی اور میں آج تک زندہ ہوں۔ مجھ سے زیادہ بے شرم اور کوئی نہیں۔''

اب اسد کو ساری بات سمجھ آ گئی تھی وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ طوبیٰ تم صرف یہ بتا دو کہ تمہاری عزت کس نے خراب کی تھی۔''

میں آنسوؤں سے تر چہرہ لیے اسد کو دیکھنے لگی۔

''پلیز طوبیٰ! میں تم کو بہت چاہتا تھا۔ جب مجھے پتا چلا کہ تم ایسی ہو تو تم سے دور چلا گیا۔ مگر تمہارے آنسو بتا رہے ہیں تم پاکیزہ ہو، تم پاک ہو۔ تمہیں کسی نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا تھا۔

پلیز دیکھو یہ قرآن رکھا ہے۔ تم اُس کو پڑھتی ہو۔ تمہیں اس کی قسم بتا دو۔''

''اسد تم سُن سکو گے، تم میں سچ سننے کا حوصلہ ہے۔''

''ہاں ہاں! مجھ میں سچ سننے کا حوصلہ ہے۔''

''تو چلو چچا جان کے پاس۔ وہاں جا کر میں تمہیں بتاتی ہوں۔''

☆......☆......☆

چچا جان اتنے سالوں کے بعد مجھے اپنے روبرو پا کر حیران ہو گئے اور مجھے دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ جوڑنے لگے۔

''مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔''

اسد نے پوچھا کہ'' ابو آپ طوبیٰ سے معافی کیوں مانگ رہے ہیں۔''

''اسد چچا جان سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ مجھ سے پوچھو۔''

''خدایا تم ہی بتا دو طوبیٰ۔''

''میری عزت چچا جان نے ہی خراب کی تھی۔ اور کنول نے کس طرح کھولتا پانی ڈال کر مجھے جلایا تھا میں ٹھیک تو ہو گئی۔ مگر پیچھے سر میں بال آج تک نہیں آئے۔ بدنامی، ذلت سے بچنے کے لیے میں نے کمرے میں پناہ لی تھی۔''

اسد میرا ہاتھ تھام کر کنول کے پاس لے آیا مگر وہ ہوش میں کب تھی۔ عجیب وحشت ٹپک رہی تھی اُس پر اس کے چہرے پر جگہ جگہ سے زخم اور سر کے بال کٹے ہوئے تھے۔ میں اُس کا ایسا حشر دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کنول مجھے دیکھ کر پاگل پن میں بھی پہچان گئی اور بے ساختہ بولی تھی۔

''نہیں نہیں! میں تمہارا سامنا نہیں کر سکتی......کبھی نہیں۔'' اور یہ کہتی ہوئی وہ بھاگنے لگی اور سیڑھیاں چڑھتی تیسری منزل پر پہنچ گئی۔ سب نے کوشش کی کہ وہ بچ جائے مگر اُس نے تیسری منزل سے چھلانگ لگا دی۔

کنول کی موت اور بیٹے کے سامنے رسوائی سے اُسی پل چچا جان کا بھی دم نکل گیا۔

یہ تھی میری کہانی! آج میں اسد کے ساتھ ایک بھرپور زندگی گزار رہی ہوں۔ ظالم اپنے انجام کو پہنچ چکے۔ اسد رنگ کا کالا ضرور ہے لیکن من کا اُجلا ہے۔ ہیرے جیسے دل والا اسد میری تمام محرومیوں پر اپنی محبت کے پھائے رکھ چکا ہے۔ خدا میری جنت پر اب کسی کالے دل والے کا سایہ نہ پڑنے دے۔ (آمین)۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

آٹھویں سچ بیانی

کانچ کی گڑیا

حمیرا خان

شاہ کوٹ سے اُس دوشیزہ کی کہانی، جسے کانچ کی چوڑیوں کی چاہ نے چکنا چور کردیا

''اماں......او اماں، سنو نا۔'' سامنے والے اسٹور پر نظر جمائے سبزی کے لیے بھاؤ تاؤ کرتی ماں کو اس نے بے حد لاڈ سے پکارا۔
''کیا ہے تجھے؟، سکون سے سبزی بھی نہیں لینے



READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

دیتی خبردار جو آئندہ میرے ساتھ آئی ہو، گھر رہا کر اپنی دادی کے پاس" سبزی کی قیمت نے ویسے ہی سکینہ کا دماغ گرم کر دیا تھا اوپر سے فاطمہ کی بے وقت پکار ،وہ بری طرح چڑ کر بولی ۔"اماں ،سن نا اماں" ماں کو ایک بار پھر سبزی کی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر فاطمہ نے اس کا پلو کھینچ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

"ہاں بول بھی ،میرا ٹیم (ٹائم) کھوٹا نہ کر ابھی جا کر مجھے ہانڈی چولہا بھی کرنا ہے۔ تیرا باپ گھر آنے ہی والا ہوگا، کھانا تیار نہ ہوا تو پھر فجیتہ (مصیبت) کھڑا کر دے گا" اس کی پکار پر سکینہ بولتی ہی چلی گئی مگر فاطمہ نے اس کا ایک لفظ بھی نہیں سنا اس کی نظریں تو سامنے اسٹور کے شوکیس سے جھانکتی لال ہری چوڑیوں پر لگی ہوئی تھی۔

"اماں مجھے وہ دلا دے نا۔" اس نے شوکیس کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تو اس بے وقت کی فرمائش پر ایک لمحے کو سکینہ نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا مگر توجہ دیے بنا بھی نہ رہ سکی، کہ آخر اس کے سینے میں ماں کا دل تھا اور بیٹی کی آنکھوں سے جھلکتی شدید خواہش اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی مگر جب بولی تو لہجے میں وہی ہمیشہ کی تلخی گھلی ہوئی تھی جو مدت سے اس کی شخصیت کا حصہ بن چکی تھی۔

"کیا دلا دوں تجھ مہارانی کو اب میں" اسٹور کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بیٹی کی مطلوبہ شے کو کھوجنا چاہا۔

"اماں وہ......وہ سامنے رکھی ہیں نا لال ہری کانچ کی چوڑیاں، اماں مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہیں" اس نے جیسے التجا کی۔

"اچھا چل دلا دیتی ہوں" سکینہ جانے کس موڈ میں تھی کہ فاطمہ کا ہاتھ تھامے اسٹور کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ چوڑیوں کا سیٹ کتنے کا ہے؟؟" لال ہری چوڑیوں کے درمیان میں سنہری چوڑیاں اور کڑے لگا کر بڑا خوبصورت سیٹ بنایا گیا تھا۔ اگر فاطمہ کا دل للچا گیا تو کوئی بڑی بات نہ تھی۔

"پچاس روپے کا۔" دکاندار کی آواز پر فاطمہ نے فوراً اماں کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"لے دو نا اماں! دیکھو نا کتنا اچھا ہے" اس سے پہلے کہ سکینہ انکار کرتی وہ ماں کا پلو تھام کر آس سے بولی تو سکینہ اپنی مٹھی میں دبے دس دس کے چار نوٹوں کو بھینچ کر رہ گئی۔

"ابھی رہنے دے عید پر لے دوں گی" وہ مرے مرے سے لہجے میں کہتی فاطمہ کا ہاتھ تھام کر دکان سے باہر نکلنے لگی مگر فاطمہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"لے دو نا اماں۔" وہ ضد پر اتر آئی۔

"چل ضد نہ کر کہا نا عید پر لے دوں گی۔" وہ پھر سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دکان سے باہر کھینچنے لگی" کون سی عید پر لے کر دے گی اماں، عید پر تو نے کہا تھا بکرا عید پر لے دوں گی اور پھر بکرا عید بھی گزر گئی ، میں آج چوڑیاں لیے بنا نہیں جاؤں گی" فاطمہ کی بات پر سکینہ دکاندار کے سامنے شرمندہ ہو کر رہ گئی، اس بار اس نے سختی سے فاطمہ کا ہاتھ کھینچا تو وہ اس کے ساتھ کھنچتی چلی آئی۔

"شرم نہیں آتی تجھے دوسروں کے سامنے ذلیل کراتے ہوئے" وہ آہستہ آواز میں اسے جھڑکتے ہوئے ایک بار پھر سبزی کی ریڑھی کی طرف بڑھی۔

"ارے کیوں ڈانٹ رہی ہے۔ بچی ہی تو ہے، آجا میں دلا دیتا ہوں چوڑیاں۔ ویسے سکینہ اب تیری فاطمہ بھی بچی نہیں رہی دیکھ تو ماشاء اللہ کیا اٹھان ہے "ندیم نجانے کب سے کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اب سرخ اور کالے پرنٹ کے سوٹ کے ساتھ سرخ دوپٹہ اوڑھے فاطمہ کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے بڑے گھٹیا انداز میں بولا تو سکینہ کو تو جیسے آگ ہی لگ گئی۔

"چل دفع دور تجھے کتنی بار کہا ہے میرے رستے میں نہ آیا کر۔" اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں فاطمہ کو اس خبیث کی نظروں سے کہیں دور لے جائے، یا پھر سامنے کھڑے ندیم کو ہی فنا کر دے۔ آج تک اس نے ہزاروں بار اسے دھتکارا تھا مگر وہ بھی بڑا ڈھیٹ تھا۔ ہر بار اس کے راستے میں چلا آتا" اماں میں نے آج ہی لینی ہیں "ان دونوں کی باتوں پر بالکل بھی دھیان دیے بنا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

فاطمہ شوکیس پر نظریں جمائے ایک بار پھر ضدی لہجے میں بولی تو سکینہ کا ندیم پر آیا سارا غصہ انگلیوں کے نشان کی صورت فاطمہ کے گورے گلابی گالوں پر اتر گیا۔

''بہت ضدیں کرنی آگئی ہیں تجھے ہاں، تُو گھر چل تجھے ٹھیک کرتی ہوں۔ میں آج تیری ساری ضدیں نکالتی ہوں۔ بہت سر چڑھ گئی ہے تو۔'' تھپڑ نے ایک منٹ میں فاطمہ کو چوڑیوں سمیت سب کچھ بھلا دیا تھا اور اب وہ پورا منہ کھولے بھاں بھاں کر کے رو رہی تھی اور اس کا بازو تھامے سکینہ بولے چلی جا رہی تھی۔ فاطمہ کے اس طرح رونے پر ارد گرد کے دکاندار ادھر متوجہ ہوئے تو ندیم چپکے سے وہاں سے کھسک گیا، اور سکینہ لوگوں کو متوجہ ہوتے دیکھ کر سبزی بھول بھال کر روتی ہوئی فاطمہ کا ہاتھ تھامے اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی، تمام رستے نہ تو فاطمہ کے آنسو تھمے تھے اور نہ سکینہ کی بڑبڑاہٹیں۔

☆......☆......☆

سکینہ کی گلی میں نکڑ والا گھر ندیم کا تھا، جب سکینہ بیاہ کر آئی تو وہ اپنی ماں کے ساتھ اس گھر میں رہتا تھا اور اسے گلی کے آوارہ لڑکوں کے گروپ کا لیڈر کہا جا سکتا تھا، اور آج اتنے سال گزرنے کے باوجود بھی وہ ویسا ہی تھا۔ اس کی زندگی میں بس اتنی تبدیلی آئی تھی کہ اب اس کی ماں اس دنیا میں نہیں رہی تھی شاید اسی لیے اب وہ بالکل آزاد ہو گیا تھا، محلے کے لوگ اس کے منہ لگنے سے کترا کر گزر جانا بہتر سمجھتے۔ اپنی شادی کے کچھ ہی دنوں بعد سکینہ محلے میں ہونے والی ایک شادی میں اپنی ساس کے ساتھ گئی اور وہیں ندیم نے اسے پہلی بار دیکھا، کچھ تو نئی نویلی دلہن کا بانکپن اور کچھ شادی میں شرکت کے لیے کیا گیا سنگھار وہ تو اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اس پورے محلے میں ایسی خوبصورت لڑکی نہ تھی۔

''سنو کیا نام ہے تمہارا، آج سے پہلے تو نہیں دیکھا تمہیں اس محلے میں'' موقع دیکھ کر ندیم اس کا راستہ روک کے کھڑا ہو گیا۔

''کیوں بتاؤں تمہیں اپنا نام راستہ چھوڑو میرا'' سکینہ نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ذرا دبنگ لہجے میں کہا۔ اسی دوران سامنے سے لڑکیوں کے ایک گروپ کو اس طرف آتے دیکھ کر ندیم اسے گھورتا وہاں سے کھسک لیا، اور سکینہ اسی گروپ میں شامل ہو کر آگے بڑھ گئی جو کہ شاید کمرے سے مہندی کے تھال لینے جا رہی تھیں۔

''کیا کہہ رہا تھا تمہیں؟'' لڑکیاں ندیم کو اس کے ساتھ کھڑا دیکھ چکی تھیں تبھی سکینہ کے ساتھ چلتی لڑکی نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''نام پوچھ رہا تھا۔'' سکینہ لاپرواہی سے بولی۔

''ہاہاہا آج نام پوچھا ہے کل...... اس سے ذرا بچ کر ہی رہنا۔'' لڑکی معنی خیز انداز میں کہہ کر ہنسی، وہ باتوں کی شوقین لگتی تھی۔ کمرے تک جاتے جاتے وہ سکینہ کو ندیم کے بارے میں بہت کچھ بتا چکی تھی، جس پر سکینہ نے زیادہ دھیان دینے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس کی دنیا دین محمد سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی تھی، لیکن اس دن کے بعد سے نوجوان ندیم کا سارا دھیان اسی کی طرف ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

سترہ سال پہلے جب سکینہ دلہن بن کر اس آنگن میں اتری تھی تو پندرہ سال کی ایک الھڑ مٹیار تھی، خوابوں کے بوجھ سے جھکی جھکی پلکیں بڑی بڑی خمار آلود آنکھوں پر بسیرا کیے رہتیں، چھوٹے سے آنگن میں جب وہ سج سج کر چلتی تو یوں لگتا جیسے نیند میں ہو اور خوابوں کے ٹوٹنے کے خوف سے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہو۔ ایسے میں اس کے پیروں میں پڑی پائل انوکھے گیت چھیڑ دیتی، اور جب بھی دین محمد چپکے سے آ کر اسے ڈرا دیتا تو وہ کانپ اٹھتی اور دینو ہنس ہنس کر بے حال ہو جاتا، مگر اس غلطی کی سزا میں پھر اسے گھنٹوں سکینہ کے پیچھے پیچھے پھر کر اسے منانا پڑتا، اور جب وہ مان جاتی اور اس سے پوچھتی۔

''پھر بھی ایسا تو نہ کرو گے۔''

''کروں گا اور ضرور کروں گا۔'' وہ وہ بڑی ڈھٹائی سے کہتا۔

''اچھا تو یہ بات ہے'' وہ خفا ہو کر اس کے پاس

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سے اٹھنے لگتی تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر ہنس پڑتا۔
''ارے پگلی اسی لیے تو ستاتا ہوں کہ تجھے منانے میں مزا آتا ہے مجھے'' وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے کٹورے میں تھام کے کہتا تو وہ شرما کے رہ جاتی۔
''پاگل ہے تو بھی، بھلا یہ کیا بات ہوئی'' وہ ناز سے کہتی اس لمحے چاہتوں کے غرور سے چور لہجہ اسے کچھ اور خوبصورت بنا جاتا، اور دینو یک ٹک اسے دیکھے چلا جاتا۔
وہ بھی کیا دن تھے خواب جیسے، اب تو نہ جانے کب سے دینو نے میری طرف دھیان سے دیکھا تک نہیں۔ وہ بستر سے اٹھ آئی اور دیوار پر ٹنگے آئینے میں خود کو دیکھنے لگی، سرخ و سفید رنگت سنولا گئی تھی۔ کھلے گلاب کا سا چہرہ مرجھایا ہوا پھول بن چکا تھا۔
''تو برتن نہ مانجھا کر سکینہ، تیرے ہاتھ خراب ہو جائیں گے'' ماضی کے مہکتے لمحوں میں دینو کا ناراض لہجہ گونج رہا تھا۔
''اچھا میں نہیں دھوتی۔ تو ایسا کر مجھے نوکرانی لگوا دے؟'' سکینہ کھلکھلائی۔
''کاش میں اس قابل ہوتا تو تجھے تو ہاتھ بھی نہ ہلانے دیتا۔ سارے کاموں کے لیے نوکر لگوا کر دیتا مگر میں تو ایک مزدور ہوں۔ تجھے بس ایسی ہی زندگی دے سکتا ہوں'' وہ یکدم ہی اداس ہو گیا تو سکینہ بھی ساری شوخی بھول گئی، ''نہیں بھئی مجھے نہیں چاہیے کوئی نوکر وو کر، یہ بھلا کیا بات ہوئی۔ یہ میرا گھر ہے میں خود کام کروں، خود اسے سجاؤں، سنواروں۔ اسی میں تو میری خوشی ہے'' وہ ہلکے پھلکے لہجے میں کہتی دینو کی اداسی ختم کرنے کی کوشش کرنے لگی۔
''سچ کہہ رہی ہے تو اس میں خوش ہے؟'' دینو نے جیسے یقین دہانی چاہی۔
''تو اور کیا میں تجھ سے جھوٹ بولوں گی بھلا'' وہ اس کے کاندھے پر سر رکھ کر لاڈ سے بولی تو وہ جیسے سو جان سے قربان ہو گیا۔ سکینہ کی آنکھوں سے دو قطرے ٹپک کر اس کے سامنے پھیلے ہاتھوں پر گرے تو وہ چونک کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ یہ وہ ہاتھ تو نہ تھے۔ یہ سخت کھردرے ہاتھ تو کسی اور ہی عورت کے لگ رہے تھے۔
''اور کیا پیسے کی کمی پیار کو بھی کم کر دیا کرتی ہے؟'' وہ آئینے میں نظر آتے اپنے عکس سے پوچھنے لگی اور پھر خود ہی ہنس دی، جب ایک ٹیم کھا کے اگلے ٹیم بھوکے رہ جانے کا خوف ہو تو پیار محبت بے کار کی چیزیں بن کر رہ جایا کرتے ہیں، اس میں دینو کا بھی کیا قصور'' اس نے جیسے اپنے دکھتے دل پر مرہم رکھنے کی کوشش کی۔
''ایاں پانی'' فاطمہ سے چھوٹی زہرہ سوتے سے جاگ گئی تھی اور اب نیند بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر بولی تو وہ بھی جیسے جاگ سی گئی ''میں بھی کیا پاگل ہوں فضول باتوں میں اپنا دماغ کھپاتی ہوں۔ میرا وقت گزر گیا ہے۔ اب تو مجھے اپنے بچوں کا سوچنا ہے بس، اس نے جھک کر زہرہ کے ساتھ سوئی فاطمہ کے گال کو چوم لیا جہاں اب بھی اس کی انگلیوں کے نشان بڑے واضح تھے، اور وہ نشان سکینہ کے دل کو کتنی تکلیف دے رہے تھے یہ کوئی اس کے دل سے پوچھتا، اور کاش اس لمحے فاطمہ اپنی ماں کی ایک جھلک دیکھ لیتی تو جان جاتی کہ اس کے دل میں اپنے بچوں کے لیے کتنا پیار چھپا ہے، جو اس کی مجبوریوں میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔ ندیم کے الفاظ یاد کر کے اس کا دل ایک بار پھر غم و غصے سے بھر گیا، ''کمینہ'' وہ دھیرے سے بڑبڑائی اور ایک بار پھر فاطمہ کے گالوں کو چومتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی نظر اتاری۔
یہ مگر رات کی کہانی تھی اگلی صبح زندگی اپنی تمام تر بدصورتیوں کے ساتھ سکینہ کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی تو وہ بھی ایک تلخ عورت، اور سخت گیر ماں بن چکی تھی۔

☆......☆......☆

''یہ لے تیرے لیے یہ گیند بلا'' بہادر کو گیند بلا تھماتے ہوئے دینو کی آواز میں زندگی پوری طرح چہک رہی تھی۔
''اور ابا میرے لیے؟'' چھوٹا ماجد بھی اشتیاق سے آگے بڑھا اور دینو کے ہاتھ میں پکڑے شاپر میں جھانکنے لگا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''آہافٹ بال'' اپنی پسند کی چیز دیکھ کر ماجد چہکا تو دینو کو سیروں خون بڑھ گیا۔

''تو، تُو نے کیا سمجھا تیرا ابا بھول گیا تھا تیری فرمائش، ایسا نہیں مجھے یاد تھا اور دیکھ جیسے ہی پیسے آئے میں لے آیا'' آج دینو بہت خوش تھا کیونکہ عرصے بعد اس کے پاس اتنے پیسے آئے تھے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے کوئی کھلونا لا سکتا۔

''مجھے گڑیا نہیں لینی ابا'' گھر کا ماحول عرصے بعد بہت خوشگوار ہوا تھا۔ سب اپنے اپنے تحفے دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے، سکینہ بھی پیار سے مسکراتے ہوئے کبھی اپنے شوہر اور کبھی بچوں کو دیکھ رہی تھی تبھی فاطمہ کی آواز پر سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''کیوں نہیں لینی تجھے گڑیا؟ لڑکی ہے تو گڑیا سے ہی کھیلے گی نا'' دینو کے ماتھے پر بل پڑنے لگے تو دادی نے مداخلت کرنا ضروری سمجھا ''تُو ٹھہر میں پوچھتی ہوں، ہاں مجھے بتا کیوں نہیں لینی تجھے یہ گڑیا، اچھی نہیں لگی کیا؟'' وہ فاطمہ سے مخاطب ہوئیں۔

''اچھی ہے مگر...... مجھے کانچ کی چوڑیاں لینی ہیں'' سکینہ کی تنبیہ نظریں فاطمہ کو کچھ بھی کہنے سے روک رہی تھیں، اسے اس دن کا تھپڑ بھی یاد تھا پھر بھی وہ نظریں جھکا کے بول گئی۔

''چل بس اب زیادہ نخرے نہ کر پھر کبھی لے لینا چوڑیاں، چل جا اب بہن کے ساتھ کھیل جا کے۔'' اس کی خواہش کو سمجھے بنا دینو اس پر خفا ہونے لگا تو وہ دل مسوس کے رہ گئی۔

''تو بھی کچھ عقل کر دینو اب وہ بچی نہیں رہی کہ گڑیا سے کھیلے، اب اس کے لیے اور چیزیں لایا کر'' فاطمہ کو اداس ہوتے دیکھ کر دادی دین محمد کو سمجھانے لگی، جبکہ فاطمہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئی۔

☆......☆......☆

''خالہ! نجو گھر ہے کیا'' صحن میں نجو کی ماں کو دیکھ کر فاطمہ نے دروازے سے ہی ہانک لگائی۔ یہ بھی فاطمہ کے گھر جیسا ہی ایک چھوٹا سا کچا گھر تھا ایک کمرہ کمرے کے دائیں طرف بکریاں بندھی تھیں اور کمرے کے سامنے چھوٹا سا کچا صحن جس کے ایک طرف نلکا لگا تھا جس کے اردگرد پکی اینٹیں لگائی گئیں تھیں۔ نجو اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ فاطمہ کے باپ کی طرح اس کا باپ بھی مزدوری کرتا تھا۔

''ہاں ہاں آجا اندر کمرے میں ہے'' نجو کی ماں جواب دے کر ایک بار پھر گندم دھونے میں مصروف ہو گئی۔

''اچھا تو، تُو یہاں بیٹھی ہے، اور میں صبح سے تیرا انتظار کر رہی ہوں، کھیلنے کیوں نہیں آئی'' فاطمہ کے اچانک بولنے پر نجمہ عرف نجو ایک دم اچھل پڑی مگر پھر سنبھل کر مسکرائی۔

''یہ کیا چھپایا تُو نے دکھا ذرا'' فاطمہ کی نظروں سے نجو کی یہ حرکت چھپی نہ رہ سکی تھی۔

''ارے تجھ سے کیا چھپانا۔ تُو تو میری سب سے اچھی دوست ہے، آ دکھاتی ہوں مگر پہلے ذرا دروازہ ٹھیک سے بند کر آ'' نجو نے ہنستے ہوئے کہا تو فاطمہ جلدی سے دروازہ بند کر کے اس کے پاس آ بیٹھی۔

''ارے اتنی ساری چیزیں...... ساری تیری ہیں'' ڈھیر ساری چوڑیاں اور ہار بندے دیکھ کر فاطمہ رشک اور حیرت سے بولی۔

''ہاں تو اور کیا تجھے لگتا ہے میں نے چوری کی ہے۔''

''نہیں نہیں میرا یہ مطلب تو نہیں تھا، مگر اتنی ساری چیزیں تیرے پاس آئیں کہاں سے؟ اتنی چیزیں تو نے کیسے خرید لیں اتنے پیسے کہاں سے آئے تیرے پاس؟ نجو کو خفا ہوتے دیکھ کر فاطمہ جلدی سے بولی۔ اس وقت نجو کو ناراض کر کے وہ ان سب چیزوں کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع ہاتھ سے بالکل نہیں گنوانا چاہتی تھی۔

''خریدی کہاں ہیں! یہ تو تحفہ ہیں۔'' نجو پر اسرار انداز میں مسکرائی ''تحفہ! اتنی ساری چیزیں...... کس نے دیا یہ تحفہ؟'' فاطمہ کے بڑی بڑی آنکھوں میں تجسس ہلکورے لینے لگا۔

''نجو بس بہت باتیں ہو گئیں، اب چل کے ذرا آٹا گوندھ دے میں روٹی لگا لوں پھر مجھے اماں رشیداں کو بھی پوچھنے جانا ہے سنا ہے بے چاری

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

سیڑھیوں سے پھسل کر ٹانگ تڑوا بیٹھی ہے۔'' نجو کی ماں نے دروازے سے جھانک کر اپنی عادت کے مطابق لمبی بات کی۔

'' آتی ہوں اماں'' الماری کے نچلے خانے میں کپڑوں کے نیچے اپنی چیزوں والا شاپر چھپاتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

'' مگر میں نے تو ابھی ٹھیک سے تیری چیزیں دیکھی بھی نہیں''

'' چل کل دیکھ لینا ابھی میں نہ گئی تو اماں کا تجھے پتا ہے نا پھر'' فاطمہ کے افسوس بھرے لہجے پر نجو نے تسلی کرائی۔

'' لیکن یہ تحفے تجھے دیے کس نے؟''

'' شش آہستہ بول ماں باہر ہی بیٹھی ہے، کل بتاؤں گی ابھی تو جا''

'' کل تو نہ آنا میں آؤں گی تیرے گھر تا کہ تیری چیزیں بھی دیکھ لوں۔'' فاطمہ کا دل ابھی تک ان چیزوں میں ہی اٹکا تھا۔

'' چل ٹھیک ہے تو آجانا'' فاطمہ کے اشتیاق پر نجو فخر سے ہنس دی۔

☆......☆......☆

'' کیا کوئی کسی کو اتنے تحفے بھی دے سکتا ہے؟ اور کیا نجو مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے؟ مجھے تو کبھی کسی نے ایسے تحفے نہیں دیے'' آئینے کے سامنے کھڑی وہ اپنا اور نجو کا موازنہ کر رہی تھی۔ سانولی سلونی کمزور سی نجو کو جوانی کی دستک نے دلفریبی بخش دی تھی مگر وہ پھر بھی فاطمہ کا مقابلہ کرنے میں ناکام تھی اور آئینہ اسے یہ حقیقت باخوبی سمجھا رہا تھا تبھی اس کے دل میں حسد دھیرے دھیرے ہلکورے لینے لگا۔ نجو نے اسے بتایا تھا کہ جنرل اسٹور والے کاشف نے اسے یہ سب تحفے دیے تھے کیونکہ نجمہ اسے بہت اچھی لگتی تھی، نجمہ نے جس فخریہ لہجے میں کچھ شرماتے ہوئے یہ سب بتایا تھا اس نے فاطمہ کے دل میں عجیب سے احساسات پیدا کر دیے تھے جنہیں وہ خود بھی نہ سمجھ پا رہی تھی۔ بس وہ یہ جانتی تھی کہ اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اور وہ جب سے نجو سے مل کر آئی تھی اسی طرح کی سوچوں میں گم تھی۔ سکینہ نے اس کی خاموشی اور کھوئی کھوئی کیفیت کو محسوس کیا اور اسے چوڑیاں نہ ملنے اور تھپڑ لگنے کا ردعمل سمجھ کر سوچا، '' کتنی بار سوچتی ہوں اپنے بچوں کی ساری خواہشیں پوری کروں مگر یہ مہنگائی چین لینے دے تب نا، اور پھر بیٹیوں کے زیادہ ناز نخرے نہیں اٹھانے چاہیے ہیں اگلا گھر نہ جانے کیسا ملے۔ اسے ابھی سے ضدیں پوری کرانے کی عادت پڑ گئی تو آگے جا کے مشکل ہوگی، اپنے بڑوں کے منہ سے سنی باتیں اس کے کانوں میں گونجیں۔

'' ایک دو دن میں خود ہی ٹھیک ہو جائے گی، آخر میں اس کے بھلے کے لیے ہی تو سوچتی ہوں'' تھوڑی دیر پہلے نرم پڑتا دل اس سوچ سے سنبھل گیا۔ اپنے بڑوں کی طرح اس نے بھی کبھی یہ نہ سوچا کہ بیٹی نے اگلے گھر جانا ہے جہاں نہ جانے اسے کیسے حالات ملیں تو کیوں نا ماں باپ کے گھر اس کو اتنا پیار دیں اتنی توجہ دیں، کہ وہ ان محبتوں کے سہارے آنے والے حالات کا مقابلہ کر پائے، اور اس کے دل میں خواہشیں اور حسرتیں نہیں بلکہ محبتیں گھر بنائیں، مگر جسے یہ سب سوچنا چاہیے تھا وہ بیٹی کے چہرے سے نظریں ہٹائے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو چکی تھی، اور بیٹی انوکھے احساسات میں گھری، انجانے خوابوں کی سرزمین پر جانے کیا کچھ کھوجتی نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

☆......☆......☆

'' اے فاطمہ چل نا میرے گھر چل کر کھیلتے ہیں، میں نے نیا چوڑیوں کا سیٹ لیا ہے، وہ بھی تجھے دکھانا ہے'' آج بہت دن بعد نجو اس کے پاس آئی تھی۔

'' کیا ہے کہ تحفے میں ملا ہے؟'' اس دن سے وہ نجو سے کچھ چڑی ہوئی سی رہنے لگی تھی، نہ اس کے گھر جاتی وہ غیر ارادی طور پر اس سے دور رہنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن نجو فاطمہ کے لہجے کی تلخی کو محسوس کیے بنا اس کی بات پر زور سے ہنس دی۔

'' چل نا تجھ سے ایک ضروری بات بھی کرنی ہے'' نجو کے ہاتھ پکڑ کر اٹھانے پر وہ بادل نخواستہ اٹھ

Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کھڑی ہوئی۔

''یہ دیکھ، کیسی ہیں؟'' اپنے گھر پہنچ کر اس نے پیکٹ میں سے چوڑیاں نکال کر فاطمہ کے سامنے لہرائیں'' وہ چوڑیوں کا وہی سیٹ تھا جس کے لیے ضد کر کے فاطمہ نے ماں سے مار کھائی تھی۔

''یہ بھی تمہیں تحفے میں ملا ہے؟'' فاطمہ نے مرے مرے لہجے میں پوچھا۔

''ارے نہیں یہ تو تمہارے لیے ہے، لو رکھ لو۔''

''میرے لیے؟ تم لائی ہو؟'' فاطمہ نے چوڑیوں کے لیے ہاتھ بڑھائے بنا حیرت سے پوچھا۔

''نہیں بھئی یہ تو کسی نے تمہارے لیے تحفہ بھیجا ہے، وہ کہتا ہے تم اسے اچھی لگتی ہو'' نجو نے چوڑیاں اس کی گود میں ڈالتے ہوئے لاپروائی سے کہا، اور فاطمہ کے سینے میں جلتے الاؤ پر جیسے کسی نے ٹھنڈا ٹھار پانی ڈال دیا۔

''کون کہتا ہے؟'' اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔

''اس نے نام بتانے سے منع کیا ہے، وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''تو کیا میں بھلا کیسے مل سکتی ہوں۔ میری ماں کو جانتی ہو نا جان نکال دے گی میری'' فاطمہ کا دل کچھ اور کہہ رہا تھا۔ زبان کچھ اور

''چل تیری مرضی ہے، میں نے پیغام دے دیا آگے تمہاری مرضی'' نجو کے رکھائی سے کہنے پر فاطمہ کچھ گڑبڑا سی گئی۔ وہ تو بس اس احساس کو محسوس کرنا چاہتی تھی کہ کوئی اس سے ملنا چاہتا تھا اور وہ انکار کر رہی تھی۔ یہ احساس کتنا دلفریب تھا مگر نجو کا خفا لہجہ اسے اس احساس سے نکال لایا۔

''اچھا ان چوڑیوں کا کیا کروں۔''

''یہ تمہاری ہیں، اپنے پاس رکھو۔''

''مگر ماں سے کیا کہوں گی؟'' فاطمہ تذبذب کا شکار تھی۔

''کہہ دینا نجو کا ماموں اس کے لیے بہت ساری چیزیں لایا تھا ایک سیٹ تجھے دے دیا بس'' نجو نے پرانے کھلاڑیوں کی طرح فاطمہ کی اتنی بڑی مشکل کا اتنا آسان اور چھوٹا سا حل منٹوں میں بتا دیا۔

''تو کب چلے گی ملنے؟'' فاطمہ جانے لگی تو نجو نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' وہ عجیب سے لہجے کہتی باہر نکل گئی۔

''وہ کہتا ہے تم اسے اچھی لگتی ہو'' آنے والے بہت سارے دنوں میں یہ فقرہ اس کے کانوں میں گونجتا رہا مگر وہ ملنے جانے کی جرأت نہ کر سکی۔

☆......☆......☆

''شش......شش'' اس آواز پر صحن میں بیٹھی اسکول کا کام کرتی فاطمہ نے چونک کر دیوار کی جانب دیکھا جہاں نجمہ اسے اشارے سے اپنی طرف بلا رہی تھی۔

''کیا ہے؟؟ فاطمہ نے دیوار کے قریب آ کر پوچھا۔

''سنو میری ماں کو میرے اور کاشف کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے۔ اس نے میرا گھر سے نکلنا بند کر دیا ہے۔ کاشف نے مجھے خط بھجوایا تھا جس میں تیرے دوست کی طرف سے پیغام تھا۔ وہ تجھ سے ملنا چاہتا ہے، جب بھی تو اس سے ملنا چاہے تو بازار میں نکڑ والے ارشد جنرل اسٹور پر جا کر کہہ دینا کہ امجد سے ملنا ہے تجھے اور اس نے کہا ہے کہ جب بھی آنا وہ چوڑیاں پہن کر آنا، جو اس نے تجھے بھیجی تھیں'' نجمہ بار بار پیچھے کی طرف دیکھتی آہستہ آہستہ بول رہی تھی شاید اسے اپنی اماں کے آجانے کا ڈر تھا۔

''ہاں سمجھ گئی'' بس اس سے مل ضرور لینا بہت پیار کرتا ہے تجھ سے، اور ہاں اگر میں کل یہاں رہوں تو مجھ سے اپنے تحفے لے جانا جو اس نے تیرے لیے بھجوائے ہیں، اچھا اب میں جاتی ہوں ماں نہ آجائے، تو آنا کل۔''

''لیکن تو کہاں جا رہی ہے۔'' فاطمہ کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

''معلوم نہیں۔'' نجمہ عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی اور فاطمہ کو حیران پریشان چھوڑ کر جلدی سے دیوار سے اتر گئی۔

''تو امجد نام ہے اس کا، اور تحفے بھی بھیجے ہیں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

میرے لیے۔ کیا ہوگا بھلا؟ پیاری پیاری چوڑیاں، ہار بندے'' وہ خوش کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ سکینہ کی آواز پر چونک گئی جو اسے کسی کام کے لیے پکار رہی تھی۔

☆......☆......☆

''نجمہ گھر سے بھاگ گئی'' اگلی صبح یہ خبر پورے محلے میں گردش کر رہی تھی اور محلے کی عورتیں مزے لے لے کر اس خبر پر چٹخارے دار تبصرے کرنے کے ساتھ نجمہ کے بارے میں وہ وہ کہانیاں سنانے میں مصروف تھیں جن کے بارے میں نجمہ نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔

''نجمہ کے ساتھ تیرا بڑا بہناپا بن گیا تھا تجھے پتا تھا اس سارے قصے کا؟؟'' سکینہ کے سخت لہجے پر فاطمہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا۔

''نن نہیں تو مجھے تو کچھ نہیں پتا'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے بڑی مشکلوں سے جواب دیا۔

''ہوں'' سکینہ نے اور کچھ نہیں کہا اور شکی نظروں سے دیکھتی باہر چلی گئی تو فاطمہ کی جان میں جان آئی۔

''نہ جانے وہ کہاں گئی ہوگی کیسی ہوگی؟ اسے ڈر بھی نہیں لگا اس طرح جانے سے'' جب سے نجمہ گئی تھی فاطمہ بہت خاموش ہوگئی تھی اور ہر وقت اسی قسم کی سوچوں میں الجھی رہتی، مگر اسے زیادہ دن اس کشمکش میں رہنا نہیں پڑا تھا۔ ابھی دو ہفتے گزرے ہوں گے کہ ایک صبح وہ سو کر اٹھی تو اسے پتا چلا نجمہ واپس آگئی ہے۔

''نجمہ واپس آگئی......مگر کیوں؟'' اس نے حیرت سے سوچا، وہ نجمہ سے مل کر ساری کہانی سننے کو بے تاب تھی لیکن ماں کی موجودگی میں یہ ممکن نہ تھا، سکینہ نے اسے سختی سے نجمہ سے ملنے سے منع کیا تھا، لیکن محلے کی جو عورتیں نجمہ کے گھر ہو آئی تھیں ان کی زبانی بہت سی باتیں فاطمہ جان گئی تھی۔ نجمہ نے شادی کر لی تھی اور واپس آکر ماں باپ سے معافی مانگ لی تھی۔ ماں باپ کیا کرتے اکلوتی اولاد کو کس جی سے دھتکارتے، تھوڑی بہت ڈانٹ پھٹکار کے بعد اسے معافی مل گئی تھی، اور نجمہ سے کئی گنا بڑی عمر کے کاشف کو داماد کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ اب اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا وغیرہ وغیرہ۔

اور پھر ایک دن سکول سے واپسی پر اس کی ملاقات نجمہ سے ہو گئی، بجی بنی ہنستی کھلکھلاتی نجمہ کو دیکھنے والا بنا پوچھے جان سکتا تھا کہ اب تک اس کے دامن میں صرف اور صرف خوشیاں آئی ہیں۔ نجمہ نے کیا کہا۔ کیا پوچھا۔ اسے کچھ بھی ہوش نہیں تھا، ایک بار پہلے اٹھنے والی حسد کی لہر اس بار بہت شدید تھی۔

''نجمہ کیوں......میں کیوں نہیں؟''

''کیونکہ تجھ میں نجمہ جیسی ہمت نہیں، آج تک اس سے ملنے تو جا نہ سکی اور کیا کرے گی۔'' اس کے دل نے آئینہ دکھایا۔

''میں اس سے ملوں گی'' اس نے فیصلہ کر لیا، کچھ فیصلے جو بظاہر اتنے اہم نہیں ہوتے مگر زندگی اور موت کے فیصلے بن جایا کرتے ہیں، مگر وہ نادان لڑکی اس حقیقت سے بھی بے خبر تھی کہ قسمت ہر کسی پر نجمہ کی طرح مہربان نہیں ہوتی۔

☆......☆......☆

''سن نجو میں اس سے ملنا چاہتی ہوں'' اس کی ماں سبزی لینے گئی تھی اور دادی بخار کی وجہ سے ابھی تک دوا لے کر سو رہی تھی وہ موقع دیکھ کر نجمہ کے پاس چلی آئی۔

''ہاں تو مل لے میں نے کب منع کیا ہے'' نجمہ کھلکھلائی۔

''تُو بھی چل نا میرے ساتھ۔''

''میں......نہ بابا میں تو نہیں جا سکتی تُو خود چلی جا تجھے طریقہ تو میں نے بتا دیا تھا نا'' نجمہ فوراً اجنبی بن گئی۔

''مجھے ڈر لگتا ہے۔'' اس نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہاہاہا ڈر......ارے اس میں ڈر کی کیا بات ہے بھلا، کچھ نہیں ہوتا۔ میں بھی تو ملتی تھی کاشف سے کیا ہوا کچھ بھی نہیں'' اس کی بات پر نجمہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی اور اپنی مثال دے کر اسے قائل کرنے لگی، فاطمہ کے کافی اصرار کے بعد بھی جب نجمہ ساتھ چلنے کو راضی نہ ہوئی تو آخر وہ مایوس لوٹ آئی۔

☆......☆......☆

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

"ہاں کیا چاہیے تجھے؟" اسٹور والے نے جانچتی نظروں سے گھبرائی ہوئی سی فاطمہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا، جس کے کاندھے پر اسکول بیگ لٹک رہا تھا اور کلائیوں میں لال ہری چوڑیاں تھیں جنہیں وہ دوپٹے میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"وہ میں...... مجھے امجد سے ملنا ہے" وہ اٹک اٹک کر اپنا مدعا بیان کر گئی۔

"اوہ اچھا، تو ادھر بینچ پر بیٹھ ذرا، میں اسے خبر کرتا ہوں" دکاندار کے چہرہ پر ایک معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر فاطمہ شرمندہ سی ہو کر نظریں جھکا گئی۔

"سن میں تجھے رکشے میں بٹھا دیتا ہوں۔ اسے پتا بھی سمجھا دوں گا، وہاں تجھے امجد مل جائے گا ٹھیک ہے" کچھ دیر فون پر مصروف رہنے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوا اور وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ خاموشی سے اٹھ کر اس کے پیچھے چل دی۔ رکشہ نہ جانے کون کون سے راستوں سے گزر رہا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ کبھی کوئی خیال اس کے چہرے پر شرم کی سرخی بکھیر دیتا اور کبھی کچھ غلط ہو جانے کے خیال سے وہ بے چین ہو اٹھتی۔ جب رکشہ آبادی سے نکل کر ذرا ویران علاقے میں داخل ہوا تو اسے کچھ غلط ہو جانے کا یقین ہو گیا، مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی، رکشہ ایک گھر کے آگے جا کر رک گیا۔

"چلو اترو بی بی تمہارا گھر آ گیا۔ یہی پتا بتایا تھا مجھے اس بندے نے" اس کا دل چاہا رکشے والے سے کہے رکشہ موڑے اور اسے واپس لے چلے لیکن اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک لڑکا باہر آیا۔

"آؤ فاطمہ نیچے اتر آؤ" وہ اس کے لیے اجنبی تھا لیکن اسے نام لے کر پکار رہا تھا۔

"شاید یہی امجد ہے" پینٹ شرٹ میں ملبوس بظاہر مہذب نظر آتے نوجوان کو دیکھ کر فاطمہ کو تسلی ہوئی اور وہ نیچے اتر آئی۔

☆......☆......☆

سکینہ جلے پاؤں کی بلی کی مانند اندر باہر کے نہ جانے کتنے چکر لگا چکی تھی۔

"اری اب بیٹھ بھی جا تیرے چکر کاٹنے سے کیا وہ جلدی آ جائے گی۔ اتنی دور تو اس کا سکول ہے دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔"

"اماں اس کے اسکول کی چھٹی ہوئے پورا ایک گھنٹہ ہونے کو ہے۔ اتنی دیر تو اسے کبھی نہیں ہوئی" ساس کی بات پر وہ کچھ کچھ پریشانی سے بولی تو وہ بھی دل ہی دل میں کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئیں۔ اور پھر ایک ایک کر کے کئی گھنٹے گزر گئے، سکینہ ہر اس گھر میں ہو آئی تھی جن کی بیٹیاں فاطمہ کے سکول میں پڑھتی تھیں، ان میں دو اس کی کلاس فیلو بھی تھیں اور ان کے کہنے کے مطابق فاطمہ آج سکول آئی ہی نہ تھی۔

"اوہ میرے خدا اب زندگی کون سا امتحان لینے والی ہے" یہ سنتے ہی سکینہ کے پیروں تلے زمین نکل گئی اور وہ چکرا کر وہیں گر گئی۔ شام ڈھلی اور رات دبے قدموں چلی آئی، مگر فاطمہ کی کوئی خبر نہ ملی، ان کے گھر کی حالت ایسی تھی گویا وہاں کوئی موت ہو گئی ہو۔

"میں اس سے ملنا چاہتی ہوں نجو" بار بار نجمہ کے کانوں میں فاطمہ کی آواز گونجتی، وہ سب کچھ بتانا چاہتی تھی مگر ڈر کی وجہ سے خاموش تھی، لیکن جب رات آدھی ڈھل گئی تو اس کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا اور اس نے روتے ہوئے سب کچھ بتا دیا۔ پولیس کو خبر کی گئی سب سے پہلے اسٹور والے راشد کو اس کے گھر سے گرفتار کرنے کے بعد اس کی نشاندہی پر اس مکان سے ندیم کو اس کے دوستوں سمیت گرفتار کر لیا گیا، جہاں فاطمہ بھی نیم مردہ حالت میں موجود تھی۔

☆......☆......☆

محلے کے بہت سے لوگ ان کے ساتھ اسپتال تک آ گئے تھے اور اب اِدھر اُدھر بیٹھے اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے کے ساتھ افسوس کرتے ہوئے اس جیسے کچھ اور واقعات بھی سنا رہے تھے۔ اس حقیقت سے نجمہ بھی بے خبر تھی کہ امجد کے نام سے تحفے دینے والا ندیم تھا، سکینہ سے ہٹ کر اب اس کی گندی نظریں فاطمہ پر ٹک گئی تھیں اور اسے پانے کے لیے اس نے کاشف کو نجمہ کے ہاتھ یہ کام کرانے کے لیے مجبور کیا تھا۔ نجمہ کو بھی اس کا احساس جرم بے تحاشا رلا رہا تھا۔

فاطمہ کو اس راہ پر لانے والی، اس کی دبی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

خواہشوں کو ہوا دینے والی وہی تو تھی، مگر اس کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ یہ سب بھی ہوسکتا ہے۔ وہاں موجود انسانوں میں اگر کوئی چپ تھا تو وہ تھی سکینہ جس نے اس وقت سے اب تک ایک لفظ بھی نہ کہا تھا۔ نہ اس کی آنکھ سے کوئی آنسو ٹپکا تھا۔ بس وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان لوگوں کو تکے جارہی تھی جو اس سے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے حوصلہ کرنے کو کہہ رہے تھے۔ اس کا چہرہ بھی اس کی آنکھوں کی طرح بالکل بے تاثر تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی، سن رہی تھی مگر سمجھ کچھ بھی نہ رہی تھی کیونکہ اس کا ذہن وہاں حاضر ہی نہ تھا، اس کا ذہن تو سالوں کی مسافتیں طے کرتا اپنے گھر کے کچے آنگن میں بھٹک رہا تھا۔

''کیا تو سچ میں خوش ہے دین محمد؟'' بہت دیر اس کے چہرے پر کچھ کھوجتے رہنے کے بعد وہ اس سے سوال کر رہی تھی جو اپنی گود میں فاطمہ کو لیے کبھی اس کے ننھے ننھے ہاتھ چوم رہا تھا تو کبھی ماتھے پر بوسے دے رہا تھا۔ اس سوال پر اس نے کچھ حیرت سے سکینہ کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا یوں جیسے وہ سکینہ کے اس سوال کا مطلب اور مقصد بخوبی سمجھ گیا ہو۔

''تو اماں کی باتوں کو دل پر نہ لیا کر۔ وہ پرانی سوچ کی ہے اسے لگتا ہے بیٹیاں بوجھ ہوتی ہیں، سوچنے دے اسے پر تُو ایسی باتوں پر پریشان نہ ہوا کر'' وہ دھیرے دھیرے مسکراتا اسے سمجھانے لگا۔

''اچھا اور تُو کیا سوچتا ہے؟'' سکینہ نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا ''میں......'' سکینہ کے اس سوال پر وہ ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا ''دیکھ سکینہ بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں، مجھے تو ایسا لگتا ہے سکینہ کہ خدا نے میرے گھر اپنی رحمت اتاری ہے مجھے ایک ننھی سی پری دے دی ہے جس کی چہکار میرے گھر میں رونق کر دے گی، اور جس کی مسکراہٹ میری ساری تھکن سمیٹ لے گی، اور جب یہ مجھے بابا کہہ کر پکارے گی اور اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے میرے کام کرنے کی کوشش کرے گی تو کتنا اچھا لگے گا مجھے۔ اور یہ تیرا بھی تو کتنا خیال رکھے گی۔ بس تُو اسے تھوڑا بڑا ہونے دے، میری رانی، میری پری، دیکھ تو یہ تو تجھ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے اور کتنی نازک جیسے کوئی کانچ کی گڑیا'' وہ فاطمہ کو بے تحاشا چومتے ہوئے لاڈ بھرے لہجے میں کہے جا رہا تھا اور اس کے ہر لفظ کے ساتھ سکینہ کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہو رہا تھا اور دل میں سکون ہی سکون اترتا چلا جا رہا تھا مگر نہ جانے کب زندگی کی تلخیوں اور مسئلوں میں اس گڑیا کی محبت کہیں چھپ گئی اور ایک مسائل میں الجھا باپ پیچھے رہ گیا۔

''کانچ کی گڑیا'' سکینہ دین محمد کے دیے اس نام کو سوچتے ہوئے فاطمہ کو دیکھنے لگی، سرخ وسفید رنگت، گھنی پلکوں والی بڑی بڑی کالی سیاہ آنکھیں اور بے انتہا دلکش اور نازک نین نقش کے ساتھ وہ واقعی نازک سی گڑیا لگ رہی تھی، جسے چھونے سے ٹوٹ جانے کا خوف ہو، بالکل کانچ کی گڑیا۔ ''اور ہماری کانچ کی گڑیا جانے کب ہمارے ہاتھوں سے پھسل کر چکنا چور ہوگئی اور ہم بے خبروں کو خبر تک نہ ہوسکی اس کے تصور میں فاطمہ کا بکھرا بکھرا وجود آیا تو پہلی بار اس کے لبوں سے سسکی نکلی۔

شاید پہلی بار اس نے اس عظیم نقصان اور خوفناک حقیقت کو ذہنی طور پر تسلیم کیا تھا۔

''میں اس کی خواہش پوری نہ کرسکتی تھی تو اسے پیار سے صبر کرنا تو سکھا ہی سکتی تھی۔ آخر میں ماں تھی۔ اس کی خواہش کو جنون بننے سے روک سکتی تھی۔''

ایک ایک کر کے اسے اپنی ہر غلطی یاد آرہی تھی ہر وہ لمحہ نیزے کی انی کی طرح اس کے دل میں گڑا جا رہا تھا جہاں جہاں اس نے حالات کی ستم ظریفی کا غصہ اپنی نازک گڑیا پر اتارا تھا۔

''اے اللہ رحم کرنا میری بچی کو مزید عذابوں سے بچا لینا'' وہ خشک آنکھوں اور خاموش لبوں کے ساتھ دعا کیے جا رہی تھی۔

''ڈاکٹر صاحب آگئے ڈاکٹر صاحب'' بہت سی آوازوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا مگر وہ اپنی جگہ سے اٹھی نہیں تھی۔

''ہم اسے نہیں بچا سکے'' ڈاکٹر اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا کیونکہ بہت سے لوگوں نے ڈاکٹر کو گھیر رکھا تھا مگر اس کی آواز بخوبی سکینہ تک پہنچ گئی تھی، ڈاکٹر کے یہ خبر سناتے ہی وہاں ایک شور اٹھا۔ کوئی رو رہا تھا تو کوئی

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

افسوس کر رہا تھا۔ سکینہ کو لگا کہ جیسے جس خبر کا اسے انتظار تھا وہ اسے مل گئی تھی۔

''اب مجھے چلنا چاہیے'' اس نے سوچا اور اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا مگر لڑکھڑا گئی، کسی نے آگے بڑھ کر اسے تھامنے کی کوشش کی مگر اس نے نرمی سے اس ہاتھ کو پرے ہٹا دیا اور شکستہ قدموں سے آگے بڑھی یوں جیسے کسی جواری نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا جوا بڑی ہی آسانی سے ہار دیا ہو۔ وہ بھی اپنی عمر بھر کی کمائی گنوا چلی تھی۔

''ارے تم باہر کہاں جا رہی ہو؟'' سب کا خیال تھا کہ وہ فاطمہ کے پاس جانے کے لیے اٹھی ہے۔ اس کا رخ باہر کی طرف دیکھ کر اس کی ساس نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''مجھے جانے دو اماں! میں نے شکرانے کے نفل پڑھنے ہیں'' ساس کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑاتی وہ ٹھہرے لہجے میں کہتی اسپتال کا گیٹ پار کر گئی اور اس دم اس کے لہجے میں اتنی قطعیت تھی کہ پھر کوئی اسے روکنے کے لیے کچھ نہ کہہ سکا، اس کے پیچھے لوگ تھے، آوازیں تھیں اور ان لوگوں کی بے تحاشا حیرت! کسی کو لگتا تھا کہ اس سخت دل، بدزبان سکینہ کو بیٹی کے مرنے سے بھی کوئی دکھ نہ پہنچا تھا اور کسی کو لگتا تھا کہ اچانک صدمے اور غم کی شدت نے اسے پاگل کر دیا ہے۔

☆......☆......☆

سکینہ سر جھکائے اردگرد کی رونقوں سے بے خبر بے نیاز گھر کی طرف چلی جا رہی تھی اور اس سارے وقت میں اس نے ایک بار بھی مسلسل بہتے آنسوؤں کو صاف کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آنسوؤں کی دھند کے پار بھی اسے بہت کچھ بہت صاف صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

فاطمہ کی پہلی چہکار، اس کی پہلی مسکراہٹ، اس کا پہلا لفظ، پہلا قدم، سارے منظر ایک ایک کر کے اس کی نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے تھے اور پھر خون میں ڈوبا ہولے ہولے تڑپتا بدن...... اسے لگا اس لمحے فاطمہ اس کے سامنے موجود ہے اور اس وجود سے ہوتی سکینہ کی نظریں چارپائی سے لٹکتے فاطمہ کے بے جان ہوتے نرم و نازک کلائیوں پر آن ٹھہریں، جن میں کچی چوڑیوں کا رنگ جانے پہلے کیا تھا مگر اب خون میں ڈوب کر سرخ ہو گیا تھا ''میری بچی!'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اسے لگا جیسے خون میں ڈوبی کانچ کی چوڑیاں فاطمہ کی خواہشوں اور حسرتوں کی ساری ان کہی کہانیاں سنا رہی ہوں۔ وہ بے دم ہو کر وہیں بیٹھ گئی یوں جیسے آگے ایک قدم بھی اٹھانا اس کے بس میں نہ رہا ہو۔ جس بیٹی کو دلہن بنا کر گھر سے رخصت کرنے کے خواب اس نے جاگتی آنکھوں سے بھی دیکھے تھے آج اسی بیٹی کے لیے اس نے کس دل سے موت کی دعا مانگی تھی یہ بس وہی جانتی تھی۔ دنیا کی نظر میں وہ سخت گیر عورت یا غم سے پاگل ہوئی ماں تھی مگر سچ تو یہ تھا کہ ان پڑھ ہونے کے باوجود اس میں اتنی عقل ضرور تھی کہ وہ مستقبل میں لوگوں کے طعنوں اور رویوں سے فاطمہ کو ملنے والی اذیت کو سوچ سکتی کیونکہ وہ باخوبی اس حقیقت کو سمجھ رہی تھی کہ لڑکیاں کانچ کی چوڑیوں کی طرح ہوتی ہیں قائم رہیں تو شان بڑھاتی ہیں اور اگر ٹوٹ جائیں تو کوئی بھی انہیں سمیٹ کر ہاتھ زخمی نہیں کرتا اور وہ اپنی بچی، اپنی گڑیا رانی کی ایک بار کی موت تو برداشت کر سکتی تھی لیکن اسے لمحہ لمحہ مرتے ہوئے دیکھنے کی ہمت اس میں بالکل نہیں تھی۔

سکینہ نے ایک نظر آسمان کو دیکھا یوں جیسے خدا کو اپنی اس تکلیف اور اذیت کا گواہ بنانا چاہتی ہو اور زمین پر ہاتھ جما کر ایک بار پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ایک کانچ کی گڑیا میں کھو چکی ہوں مگر ایک گڑیا ابھی میرے پاس ہے۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔ کبھی بکھرنے نہیں دوں گی اس کا دامن ساری نعمتوں سے نہ بھی بھر سکی تو اپنے پیار کی گود اور صبر کی دولت سے ضرور روشناس کرا دوں گی اس کی آنکھوں میں زہرہ کا معصوم چہرہ آن سمایا تو وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ عزم سے مسکرا دی۔ یوں جیسے اسے ایک بار پھر جینے کو مقصد مل گیا ہو، اس بار سکینہ نے گھر کی طرف قدم بڑھایا تو اس کی تصور میں پہلا قدم اٹھا کر فخر اور خوشی سے کھلکھلاتی فاطمہ تھی، اسے لگا بہت بڑی قیمت چکا کر ہی سہی مگر آج وہ بھی زندگی کے اس سفر میں درست راستے پر پہلا قدم اٹھا چکی ہے، اور سفر کوئی بھی ہو پہلا قدم اٹھ جائے تو منزل دور نہیں رہتی۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http: / /www.Paksociety.com for More



مصحف

کشاف اقبال

اُس نوجوان کی داستان، جس کی محبوبہ ساتھ نبھانے کا وعدہ ایک سال بھی پورا نہ کر سکی تھی

رات کا سکوت ظاہر کرتا پہر اور سمندر پر گرتی وہ بارش...... وہ رات ہماری کراچی میں آخری رات تھی۔

اس رات کے ٹھیک چار بجے میں رانیہ کو چھوڑ کر سات سمندر پار جانے والا تھا۔ پورے ایک سال کے لیے ریسٹورنٹ میں بجتی رومانی دھن اور سمندر کی لہروں کا پتھروں سے ٹکرانے کا غل اوپر سے وہ تیز رفتار برکھا ہمیں ایک دوسرے کے قریب نہیں بلکہ ایک دوسرے سے جدا ہونے کا خوف دلا رہی تھی۔ دلوں کی سرزمین کو بھگونے کے لیے اس دھن، سمندر اور اس رم جھم نے کچھ کام نہ کیا، وہ سرزمین تو پہلے سے ہی آنسوؤں کے دریا کی تہہ میں مقیم تھی۔ میں رانیہ کو بار بار سمجھا رہا تھا کہ یہ سب میں ہمارے لیے ہی کر رہا ہوں۔ ہمارے پاس پیسہ ہوگا تب ہی ہماری شادی اچھے سے ہو پائے گی، تب ہی ہم ایک پُرسکون زندگی گزار پائیں گے۔ مگر وہ میری اس نوکری کے لیے خوش تو تھی۔ پر مجھے خود سے دور جانے کے لیے مستعد نہ تھی۔

''آپ کو وہاں کوئی اور حسین لڑکی مل جائے گی۔ پلیز مت جائیں۔ پیرس میں تو ایک سے ایک لڑکیاں آپ پر فدا ہو جائیں گی اور میں یہاں بیٹھ کر آپ کا صرف انتظار کرتی رہوں گی۔ پلیز مت جائیں مصحف۔

ہزار بار یہ اعتماد دلانے کے بعد کہ میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ کسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ نہیں مانی۔ مگر اِک وقت آیا کہ وہ بارش بھی تھم گئی۔ وہ دھن جو ماحول میں رومانیت پیدا کر رہی تھی۔ کہیں کھو گئی اور ہم ایئرپورٹ پہنچ گئے اور بالآخر رانیہ یہ سوچ کر مان گئی کہ آخر ایک سال ہی کی تو بات ہے۔ پھر ہماری شادی ہو ہی جانی ہے۔

وہ رات پانی سے بھری رات تھی۔ پہلے بارش، پھر سمندر اور اب...... اب رانیہ کے آنسو۔

''تم مجھے بہت یاد آؤ گی رانی...... اپنا بہت خیال رکھنا اور یہ آنسو اپنے اندر سنبھال کر رکھو۔ جب میں واپس آ جاؤں گا تب یہ غم کے آنسو خوشی کے دریا میں بہا دینا۔ اس کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں سے پونچھتا میں ٹرمنل کی جانب قدم بڑھانے لگا۔ اگر اب اُس کو پلٹ کر ایک بار بھی دیکھ لیتا تو شاید اس کی آنکھوں میں نمی پا کر اپنا قصد بھول جاتا۔ مگر یہ سب صرف میں نے ہمارے لیے ہی تو کیا تھا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

میرے ابو اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے اور گھر میں اپنی ایک بہن اور ماں کو میں نے ہی دیکھنا تھا۔ انجینئر ہوں اس لیے پیرس میں کافی اچھی جاب مل گئی۔ پاکستان میں جتنی سیلری ملتی تھی، اس میں صرف گھر کا خرچ ہی چل پاتا تھا پر اب میری زندگی کے بند دروازوں پر میری شریکِ حال کی دستک ہونے والی تھی۔۔ اس لیے میں نے پیرس سے آئے ہوئے جاب کو پوزیٹو رسپونس پر زور دیا اور اب وہاں کے لیے روانہ ہونے لگا تھا۔ میں صرف یہ سوچ کر کراچی سے روانہ ہونے لگا تھا کہ ایک سال بعد میں اپنے باس سے کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے استعفیٰ دے دوں گا اور کراچی ہمیشہ کے لیے واپس آ جاؤں گا۔

☆......☆......☆

تقریباً دو دن کے طویل سفر کے بعد جہاز سی ڈی جی ایئرپورٹ پر لینڈ کر چکا تھا۔ میں اُس شہر آ چکا تھا جس کے بارے میں، میں صرف اس حد تک واقف تھا کہ پیرس کو 'سٹی آف لو' کہا جاتا ہے۔ 'سٹی آف لو' کہنے کی وجہ اس شہر کے رومانی نظارے اور مقامات اور مادری زبان فرنچ جسے محبت کی زبان کہا جاتا ہے۔ پیرس میں ایفل ٹاور دیکھنے کا جنون مجھے اپنی یونیورسٹی لائف سے تھا۔

میں یہاں آیا تو اپنے خرچے پر تھا پر مجھے یہ خرچہ کرنا اتنا بھاری نہ لگا اس لیے کیونکہ مجھے یہاں آفس کی طرف سے دو کمرے کا مکان مل چکا تھا۔ جب تک میں پیرس میں تھا، تب تک وہاں رہ سکتا تھا۔ میں نے میٹرو پکڑی اور اس جگہ چل پڑا جہاں میرا گھر تھا۔ کئی افراد سے پوچھنے کے بعد بالآخر میں اس جگہ پہنچ گیا۔ جہاں میرا گھر تھا۔

مگر یہ کیا ہوا؟ وہ جگہ ایسی تھی جیسے کراچی میں لالو کھیت۔ اتنی پیچ پیچ، اوپر سے تنگ گلی۔ گھر تھا کہ شروع ہوتے ہی ختم اور اوپر سے گھٹن زدہ۔ اب مجھے وہاں رہنا ہی تھا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ نوکری کی ابتداء میں ابھی ایک ہفتہ باقی تھا۔

میری جیب میں اتنے پیسے ضرور تھے کہ میں پیرس



READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کے روڈوں پر گھوم پھر سکوں اور اچھا کھا پی سکوں مگر اتنے پیسے نہ تھے کہ روز اچھا کھانا کھا سکوں۔

رات کے ڈھائی بج رہے تھے پر مجھے پہلی رات نیند بالکل بھی نہ آئی۔ میں نے اپنی ٹی شرٹ کے اوپر جیکٹ ڈالی اور پیرس کے روڈ ناپنے نکل کھڑا ہوا۔

میں اس تنگ گلی سے نکل کر پندرہ منٹ کے اندر اندر اس لوکالٹی جگہ سے کافی دور آ چکا تھا۔ ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی۔ مجھے اس جگہ کا نام بھی نہ معلوم تھا جہاں میں چل رہا تھا۔ پر مجھے اتنا ضرور معلوم تھا کہ پیرس کو سٹی آف لو کے ساتھ ساتھ 'سٹی آف لائٹس' بھی کہا جاتا ہے۔ پتھریلی سڑک پر چلتے چلتے اپنی نظریں یونہی اِدھر اُدھر دوڑا رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک عالیشان گاڑی پر پڑی۔ چونکہ میں میکینکل انجینئر ہوں سو میں نے گاڑی کی ساخت دیکھ کر ہی شناسائی کر لی تھی کہ وہ لیموزین گاڑی ہے۔ میری نظر اس پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ اس قدر شاندار گاڑی تھی۔ وہ سڑک کے ایک کنارے کھڑی تھی، اس جگہ تھوڑا اندھیرا تھا۔ مجھے لگا کہ گاڑی کے اندر کوئی نہیں ہے۔ میں گاڑی کے پاس چلا گیا تاکہ اپنی من پسند گاڑی کا دل بھر کے معائنہ کر سکوں مگر یہ کیا ہوا؟ گاڑی میں چار نوجوان بیٹھے تھے۔ ایک ڈرائیونگ سیٹ پر اور پیچھے تین ان کے ساتھ ایک لڑکی تھی جس کے ساتھ وہ لوگ زبردستی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں فوراً آگے بڑھا اور گاڑی کے شیشے پر ہاتھ مارنے لگا۔ دو لڑکے باہر نکلے اور انگریزی میں کچھ کہنے لگے۔ جس کا مطلب تھا 'کیا مسئلہ ہے؟'

میں نے بھی انگریزی میں جواب دیا کہ اُس لڑکی کو چھوڑ دو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔'' میں نے بولا ہی تھا کہ وہ دو لڑکے مجھے مارنا پیٹنا شروع ہو گئے۔ میں نے بھی انہیں دکھا دیا کہ میں پاکستانی ہوں۔ لڑکیوں کی عزت پر ہاتھ اٹھاؤ گے تو چھوڑوں گا نہیں۔'' میں نے بھی ہاتھ اور لات اٹھانا شروع کر دی۔ ایک کو لات سے مارا تو دوسرے کو ہاتھ سے۔ اتنے میں بقیا دو افراد گاڑی سے باہر نکلنے لگے اور مجھے مارنے کے لیے میرے نزدیک آنے لگے۔ ان دو کو فارغ کرنے کے بعد میں تیسرے سے نمٹ ہی رہا تھا کہ سارے فرار ہو گئے۔ گاڑی کے اندر جھانکا تو وہ لڑکی بے ہوش ہونے ہی والی تھی اور اس کے سر پر تھوڑی چوٹ بھی آئی تھی۔ میں اسے فوراً گاڑی سے نکال کر قریبی اسپتال لے گیا۔

ڈاکٹر فرنچ زبان میں بات کر رہا تھا۔ میں نے اس سے انگریزی میں کہا کہ فرنچ سمجھ نہیں آئی تو اس نے انگریزی کا استعمال کیا۔ ڈاکٹر کے مطابق اس لڑکی کو زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی اور اس کے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

''آپ نے انہیں صحیح وقت پر بچا لیا ورنہ پیرس میں تو اس طرح کی حرکتیں کھلے عام ہوتی ہیں، پر کوئی اس پر ایکشن نہیں لیتا۔''

کچھ دیر بعد جب اس کو ہوش آنے لگا تو میں نے اس کے پاس سے جانا ضروری سمجھا۔ اب میرا وہاں کوئی کام نہیں تھا۔ اُس کو بچانا میرا فرض تھا اور میں نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ اب وہ ہواسوں میں آنے لگی تھی۔ میں اس کے قریب سے پلٹنے ہی لگا تھا کہ اس لڑکی نے میرا ہاتھ تھام لیا اور مجھ سے اردو زبان میں بولی۔

''تم کون اجنبی ہو جس نے میری عزت بچائی؟ مجھ سے ایسا کیا رشتہ ہے تمہارا؟'' مجھے اس کے جملے سے زیادہ اس بات نے حیران کیا کہ وہ اردو بول سکتی تھی۔ اور وہ بھی با آسانی شکل و صورت سے تو بالکل فرنچ لگتی تھی۔ پھر وہ فراک اور ٹراؤزر پہنی ہوئی تھی۔

''انسانیت کا رشتہ!'' میں نے اسے جواب دیا۔

اس کے چہرے پر برجستہ مسکراہٹ اُمڈ آئی اور وہ دھیمی آواز میں اپنی داستان سنانے لگی۔

''میرے ماں باپ تین سال پہلے ایک کار ایکسیڈنٹ میں چل بسے۔ پاپا کا پیرس میں پرفیوم کا ایک بہت بڑا بزنس تھا۔ اُن کے چلے جانے کے بعد وہ بزنس میں نے سنبھال لیا۔ پیرس میں وہ بات باقی نہ رہی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ اب میں بالکل اکیلی رہتی ہوں۔ بہن بھائی نہیں ہیں، اکلوتی اولاد ہوں۔ تم بھلے آدمی معلوم ہوتے ہو، مسلم بھی ہو گے۔ کیا تم

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

میرے گھر میں رہ سکتے ہو اگر تمہیں کوئی مسئلہ نہ ہو؟ مجھے اکیلے بہت ڈر لگتا ہے۔ اپنی عزت کے کھو جانے کا ڈر، تم اگر ساتھ رہو گے تو میں خود کو محفوظ سمجھوں گی۔ پلیز مجھے اُس قسم کی لڑکی مت سمجھنا۔ پیرس میں رہتی ہوں پر پیرس والوں جیسی بالکل نہیں ہوں۔ پرانے پاکستانی خیالات کی مالک ہوں۔ اگر تم نہیں رہنا چاہتے میرے گھر تو کوئی مسئلہ نہیں، میری عزت بچانے کا بہت شکریہ!''

چند ثانیے کے لیے تو میں فکر و تامل میں پڑ گیا۔ پھر سوچتے سوچتے مجھے وہ تنگ گلی اور دو کمرے کا کھوکھا یاد آیا جو مفت میں مجھے دیا گیا تھا۔ اُس لڑکی کے ساتھ رہتا تو کم از کم اچھا کمرہ اور روز اچھا کھانا پینا تو نصیب ہو سکتا تھا۔ میں فوراً مان گیا۔ میرے ماننے سے اُس لڑکی کے اُداس چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی اور وہ کہنے لگی۔

''میرا نام آیت ہے۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ کیا میں آپ کا نام جان سکتی ہوں؟'' اس کا ہاتھ بے دھیانی میں اب تک میرے ہاتھ میں تھا۔

''مصحف زبیر۔'' ڈاکٹر صاحب اب روم میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کی ہدایات کے مطابق اب آیت گھر جا سکتی تھی۔

☆......☆......☆

میں جب آیت کے گھر پہنچا تو اُس نے مجھے بتایا کہ وہ لیمبور گھنی اس کی اپنی ہے۔ اس کا گھر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ مگر خوبصورت بہت تھا۔ مجھے اس کی دولت سے کوئی سروکار نہ تھا بس جب تک میں یہاں تھا، مجھے ایک طریقے کے گھر میں رہنا ہی تھا۔

میں نے اس کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا کہ میں کہاں سے آیا ہوں اور کس لیے، بس یہ نہیں بتایا کہ میری شادی ہونے والی ہے وہ بھی ایک سال بعد، اس لیے کیونکہ میں نے بتانا ضروری نہیں سمجھا نہ ہی میں اس اجنبی لڑکی سے اتنا کلوز ہونا چاہتا تھا۔ آیت نے مجھے گیسٹ روم دکھایا اور ڈنر کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ڈنر ختم کرتے ہی میں اپنے کمرے میں جانے لگا۔ میرا کمرہ آیت کے کمرے کے پاس سے گزرنے کے بعد ہی آتا۔ آیت کے کمرے کا دروازہ اُدھ کھلا تھا اور سامنے سے نظر آنے والا منظر ایک لمحے کے لیے مجھے ساکت کر گیا تھا۔ وہ سر پر نفاست کے ساتھ دوپٹا اوڑھے جائے نماز بچھائے نماز پڑھ رہی تھی۔ اس کی پشت میری جانب تھی۔ میں اِک لمحے کے لیے مسکرایا اور سر جھٹک کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں واقعی پاکستان دوبارہ آ پہنچا تھا۔ پہلے وہ پاکستانی کھانا اور اب وہ پاکستانی لڑکی وہ بھی اس قدر پارسا۔

☆......☆......☆

اگلی صبح کا سورج شاید میری محبت کو غروب کرنے کے لیے طلوع ہوا تھا۔ مجھے پتا بھی نہ تھا کہ وہ اجنبی سی لڑکی میرے دل کے ایک گوشے میں اپنے لیے جگہ بنا لے گی۔ صبح کے گیارہ بج رہے تھے کہ آیت میرے کمرے کا دروازہ ناک کرنے لگی۔ میں نے دروازہ کھولا تو اس کا حلیہ دیکھ کر پہچان گیا کہ وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہوئی ہے۔ بے بی پنک کلر کی گھٹنوں سے نیچے تک جاتی فراک اور سفید ٹراؤزر کے ساتھ وہ سفید دوپٹا اوڑھے بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ مگر میری رانیہ سے زیادہ نہیں۔ میں اسے دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ چاہے آیت دنیا کی سب سے حسین لڑکی کیوں نہ ہو پر میری رانی ہمیشہ سے رانیہ تھی، ہے اور رہے گی۔

''تم پیرس پہلی دفعہ آئے ہو اور تمہارا مجھ پر قرض بھی ہے۔ وہ قرض تو میں شاید کبھی نہ اُتار پاؤں پر تمہیں پیرس ضرور گھما سکتی ہوں۔

یقین کرو پیرس اِک ایسی جگہ ہے جس کے دلفریب مقامات دیکھ کر اِک سکون دل میں سرائیت کر جاتا ہے۔ میں تمہیں وہ سکون محسوس کروانا چاہتی ہوں۔ جانتی ہوں ابھی چھ دن تک تم بالکل فری ہو۔ اس لیے ان چھ دنوں میں، میں تمہیں پورا پیرس دکھانے کی بھرپور کوشش کروں گی۔ تو پھر تم تیار ہو جاؤ میں نیچے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ (پولیس کی مدد کے ذریعے آیت کو اس کی گاڑی صبح ہی واپس مل گئی تھی) اور ہاں! تمہیں یہاں سب کچھ با آسانی مل جائے گا۔''

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

سر اثبات میں ہلاتے میں الماری کی طرف بڑھ گیا پر......سوٹ کیس تو میرا اس کھوکھے میں تھا۔ میں نے سوچا کہ سوٹ کیس تو میں لے ہی آؤں گا۔ میں بنا کچھ سوچے سمجھے وہ الماری کھول چکا تھا اور وہاں پر لائن سے کافی سارے کپڑے ٹنگے تھے، پر کیوں؟ پھر مجھے آیت کی کہی وہ آخری بات یاد آئی۔ ''تمہیں یہاں سب کچھ باآسانی مل جائے گا۔'' اس کی بات پر غور کرنے کے بعد میں ایک انڈیگو مائیکل اینڈ ڈیوڈ ڈیزائنرز شرٹ اور بلیک ڈینم جینس نکالے فریش ہونے چلا گیا۔

☆......☆......☆

میں بیرونی دروازہ پار کرنے کے بعد جب اس کے پاس پہنچا تو وہ ایک لمحے کے لیے میری ڈریسنگ دیکھ کر خاموش مسکراہٹ ظاہر کرنے لگی۔ پھر لبوں پر مسکراہٹ بھیچے کہنے لگی۔

''تم تو مکینیکل انجینئر ہو تو یہ گاڑی چلانا بھی آتی ہوگی؟ پولیس کی پرواہ مت کرو، وہ لائسنس نہیں دیکھتی سب کا۔'' میں نے سر اثبات میں ہلایا تو اس نے مجھے گاڑی کی چابی تھما دی۔ میری زندگی کی ایک خواہش پوری ہوگئی تھی۔ لیمبورگھنی ڈرائیو کرنے کی خواہش۔ اس نے مجھے بتایا نہیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ بس راستہ بتانے لگی کہ یہاں سے لیفٹ، یہاں سے رائٹ، پیرس کا موسم بہت دل پسند تھا۔ سورج آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر تھا مگر گرمی تھی کہ محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔

سب سے پہلے ہم لی گرینڈ کیفے گئے۔ وہ ایک چھوٹا سا کیفے تھا۔ جس کے باہر پتھریلی سڑک پر ٹیبل اور کرسیاں ترتیب سے رکھی گئی تھیں۔ ہم اُن میں سے ایک میں جا کر بیٹھ گئے۔ چائے آرڈر کرنے کے بعد آیت دوبارہ سے میری ڈریسنگ کی طرف متوجہ ہوئی۔

پتا نہیں ایسی کیا برائی تھی میری ڈریسنگ میں! مجھ سے برداشت نہیں ہوا تو میں نے پوچھ ہی لیا۔

''تمہیں برا لگا کہ میں نے تم سے بغیر پوچھے یہ کپڑے پہن لیے؟''

''بالکل نہیں! تم پر یہ شرٹ کروز سے زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔''

''کروز؟ کون کروز؟'' میرے دل میں شک تھا کہ کروز آیت کا کوئی پرانا بوائے فرینڈ ہوگا پر وہ تو اس سے بھی بڑھ کر نکلا۔

''میرا شوہر کروز! میں تمہیں اس رومانی شہر میں اپنی کہانیاں سنا سنا کر بور نہیں کرنا چاہتی اس لیے 'Change The Topic'۔''

چائے کا ایک گھونٹ گلے میں اتارتے ہوئے اس نے کہا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اگر شوہر ہے تو ساتھ کیوں نہیں رہتے دونوں؟'' پھر سر جھٹک کر اپنی چائے پر دھیان دیا۔

چائے ناشتے کے بعد وہ مجھے مونٹ مارٹ نامی جگہ لے گئی۔ آیت کے مطابق مونٹ مارٹ پیرس کی سب سے خوبصورت ولیج تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو مجھے واقعی اس کی بات پر یقین آ گیا۔

وہ ایک اونچی پہاڑ کے مشابہہ ولیج تھا۔ پر وہ پہاڑ عام پہاڑوں جیسی نہ تھی، ایک پوری دنیا بسی تھی اس ولیج میں۔ ولیج کے سب سے اوپر والے حصے پر ایک سفید گنبد والا چرچ بنا ہوا تھا۔ آرٹسٹک وہائٹ چرچ جس کا نام ''باسیلیکا'' تھا۔ ایک منی ٹرین تھی جو لوگوں کو پوری ولیج کی سیر کروا رہی تھی۔ ہجوم اتنا تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ آیت نے بھیڑ میں میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔

''ہم دونوں کہیں اس بھیڑ میں جدا ہی نہ ہو جائیں اس لیے میرا ہاتھ تھامے رہنا۔'' اس کی ادا، اس کی باتوں میں ایک مقناطیسی عمل تھا۔ ایک پوری زندگی تھی اس لڑکی میں......

چرچ کا دل بھر کے معائنہ کرنے کے بعد وہ مجھے ولیج کی ایک ایسی جگہ لے گئی جس نے مجھے صحیح معنوں میں اپنی طرف اٹریکٹ کیا تھا۔

''یہ ہے وال آف لو۔ اس دیوار پر تین سو گیارہ مرتبہ دو سو پچاس زبانوں میں 'آئی لو یو' لکھا ہوا ہے اور یہ جو تم جگہ جگہ سرخ رنگ کے چھینٹے دیکھ رہے ہو نہ دیوار پر، یہ ٹوٹے ہوئے دل کی نشاندہی کرتے ہیں۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

مطلب یہ کہ محبت غم کی سوغات کے بنا ادھوری ہے۔ محبت میں غم ملنا تو محبت کی اصل ہے۔ پر کچھ لوگ اتنے خوش طالع ہوتے ہیں جنہیں محبت میں عارضی غم ملتا ہے مگر کچھ لوگ اتنے بدقسمت ہوتے ہیں جنہیں نا ختم ہونے والا لازوال غم ملتا ہے، جیسے میں!'' وہ کہتے کہتے خاموش ہوگئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو برسنا شروع ہوگئے۔

''کیا غم ملا ہے تمہیں مجھے بتاؤ تو سہی! ہوسکتا ہے میں تمہاری کوئی مدد کرسکوں۔'' میری نظریں اب بھی اس دیوار پر مرکوز تھیں۔

''تم میری مدد نہیں کرسکتے مصحف!'' وہ کہتے کہتے اس وینچ سے نیچے اترنے لگی۔ میں جلدی سے اس وال کے ساتھ ایک سیلفی لیتا اس کے پیچھے پیچھے آگیا۔ اب وہ سارا راستہ ساکت تھی۔ بس مجھے راستہ بتانے کے علاوہ وہ کچھ نہیں بول رہی تھی۔ مونٹ مارٹ میں اتنی دیر ٹھہر گئے تھے کہ وقت کا پتا ہی نہ چلا۔ سورج غروب ہونے والا تھا کہ ہم دریا پر پہنچ گئے جو کافی لمبا تھا۔ کہاں سے شروع ہورہا تھا۔ اور کہاں پر ختم، کچھ پتا نہ چلا۔

جیسے ہی سورج غروب ہونے کا وقت آیا تب مجھے سمجھ میں آیا کہ آیت مجھے اس وقت ہی یہاں کیوں لائی، وہ منظر دل میں اُتر جانے والا منظر تھا۔ سورج آہستہ آہستہ غروب ہونے کی جانب رواں تھا اور نارنجی آسمان سیاہ ہونے کی جانب رواں تھا۔ پر ابھی سیاہ ہوا نہ تھا۔ دریا کے کنارے پتھریلی صاف ستھری لین تھی جس پر ہم چل رہے تھے۔

آیت چلتے چلتے ایک بنچ پر جاکر بیٹھ گئی۔ اور اشارے سے مجھے بھی وہاں بیٹھنے کا کہا۔ وہ ابھی تک خاموش تھی پر ڈھلتے سورج کے ساتھ ساتھ اس کی خاموشی ناقص ہوئی۔

''یہ دریائے سین ہے۔ چار سو بیاسی میل لمبا یعنی سات سو چھہتر کلو میٹر لمبا ہے۔ پورے فرانس کا دوسرا بڑا دریا۔

دریائے سین سے پہلے دریائے لوائر کا نمبر آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس دنیا کے پاس جب بھی دو نظریں ٹکراتی ہیں تو محبت کی صدا ہر سمت گونجنے لگتی ہے اور اس بات پر مجھے یقین تب ہوا جب مجھے یہاں پہلی مرتبہ کروز ملا تھا۔'' اس کی نظریں دریا پر مرکوز تھیں، رفتہ رفتہ وہاں کپلز کا رش بڑھتا جارہا تھا۔ شاید وہاں کوئی ایونٹ ہونے والا تھا یا کچھ اور۔ آیت اُس بوڑھے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو ہاتھ میں ریڈیو لیا ہوا تھا کہنے لگی۔

''یہاں سن سیٹ کے بعد سے آدھی رات تک ٹینگو ہوا کرتا ہے۔ تمام کپلز ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے دنیا سے بے خبر ڈانس کرتے رہتے ہیں جیسے انہیں کسی کی کوئی پروا ہی نہ ہو۔ ایک سال پہلے کی بات ہے میں یہاں اُن کپلز کو دیکھنے کے لیے آئی تھی جو یہاں ساری رات ڈانس کرتے ہیں۔ میں واحد ایسی لڑکی نہیں تھی جو یہاں اکیلی آئی تھی اور بھی بہت سے لوگ تھے جو اس بوڑھے کی دھن سننے اور اُن کپلز کو دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ میں خوشی خوشی اُن کپلز کو دیکھ کر محظوظ ہورہی تھی کہ اچانک وہ میرے پاس آگیا اور میرے ساتھ ڈانس کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ دیکھنے میں اتنا حسین تھا کہ میں منع ہی نہ کرسکی۔ وہ فرنچ تھا اور پیرس میں اتنا عرصہ رہنے کے بعد مجھے بھی فرنچ زبان پر عبور حاصل ہوچکا تھا۔ ڈانس کرتے کرتے اس نے مجھے پرپوز کیا اور تب ہی مجھے اعتبار آیا کہ فرنچ لوگ دریائے سین کے بارے میں جو کچھ بھی کہتے ہیں بجا کہتے ہیں۔ مجھے اس دریا نے اپنے خمار سے تر کردیا تھا اور کروز نے اپنی گفتگو سے۔ میں نے اس کا پرپوزل قبول کرلیا اور پھر ہم نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ بوڑھا آدمی اب وہ موسیقی چلانا شروع کرچکا تھا اور تمام کپلز ایک دوسرے کے ساتھ قدم سے قدم ملائے رقص کرنا شروع ہوگئے تھے۔ کتنا رومانوی شہر تھا پیرس......

''پھر کیا ہوا؟'' میرا سوال کرنا ضروری نہ تھا وہ ویسے بھی اپنی پوری داستان سنانے کے موڈ میں تھی اور میں سننے کے موڈ میں۔ وہ کہنے لگی۔

''پھر ہم نے شادی کرلی۔ میرا اکیلا پن دور ہوگیا تھا۔ جو ڈر مجھے اپنے ماں باپ کے کھونے کے بعد

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ڈرانے لگا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا تھا۔ میں اس طرح کی لڑکی نہ تھی جیسے تم اب مجھے پا رہے ہو۔ میری ڈریسنگ، میرا اسٹائل سب کچھ فرنچ جیسا تھا، ایک آوارہ لڑکی نہ تھی، پر بہت زیادہ اپ ٹو ڈیٹ رہتی تھی۔ جب میری شادی کروز سے ہوئی تو میں نے اپنے بزنس کا چالیس فیصد شیئر کروز کے نام کردیا۔ چھ سات ماہ تک تو سب ٹھیک رہا۔ پھر اس نے بلاوجہ لڑائی جھگڑے کرنا شروع کردیے اور انجام یہ ہوا کہ اس نے اپنے شیئرز بیچ دیے اور مجھے طلاق دے کر سارے پیسے اپنے ساتھ لے کر بھاگ نکلا۔" وہ بے ساختہ رونا شروع ہوگئی۔

مجھے اس کی داستان سن کر بہت افسوس ہوا تھا۔ وہ بہت معصوم لڑکی معلوم ہوتی تھی، بہت سیدھی سادھی، میں نے اس کے آنسو پونچھے اور کہنے لگا۔

"تم نے کروز سے شادی کا فیصلہ سوچ سمجھ کر نہیں کیا تھا، کیونکہ تم نے محبت کی تھی۔ اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں تھی پھر اس طرح کیوں رو رہی ہو؟"

"میرے نصیب میں محبت نہیں لکھی ہوئی مصحف، مجھے سب چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، پہلے ماں باپ اور پھر کروز، مجھے نا ختم ہونے والی محبت کیوں نہیں ملتی مصحف؟" میری شرٹ کا کالر پکڑے وہ ملتجیانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ پھر روتے روتے وہ بینچ پر سے کھڑی ہوئی اور تھوڑا دور چلی گئی۔

دریائے سین پر اب ہزاروں قطرے گرنا شروع ہوگئے تھے۔ بارش کے قطرے، بارش کو محسوس کرتے ہی آیت کی آنکھوں سے آنسو غائب ہوگئے تھے۔ کچھ ہی پل میں اس کا موڈ بہتر ہوگیا تھا اور وہ نارمل ہوگئی تھی۔ کپلز کے بیچ جا کر وہ بھی ڈانس کرنا شروع ہوگئی۔ اُن کپلز کی طرح وہ بھی دنیا جہان سے بے غرض اپنے غم بھلانے کے لیے قدم ہلانے لگی۔ اتنے میں میری نگاہ ایک فرنچ نوجوان پر پڑی جس کی آنکھیں آیت کا تعاقب کررہی تھیں۔ وہ آیت کے پاس آکر اس سے فرنچ میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز سے لگا کہ وہ آیت کے ساتھ ڈانس کرنا چاہ رہا تھا۔ آیت نے نفی میں سر ہلایا تو وہ دوبارہ سے اس سے فرنچ میں کچھ کہنے لگا۔ میں آیت کے پاس گیا اور اس لڑکے سے انگریزی میں بس اتنا کہا۔

"She,s with Me, Any Problem۔" وہ میری بات سن کر وہاں سے منہ بنائے واپس چل دیا۔ اب میں آیت کے بالکل عین سامنے کھڑا تھا۔ وہ دوبارہ ڈانس کرنا شروع ہوگئی تھی۔ ڈانس کرتے کرتے اس کے پاؤں لڑکھڑائے اور وہ گرنے لگی کہ میں نے اسے سنبھال لیا۔

بارش کی رفتار تیز ہوتی گئی، لوگ بھیگتے گئے پر کسی کو بھیگنے کا احساس کہاں تھا۔ سب اپنے رقص میں محو تھے۔ ایک بارش کراچی میں ہوئی تھی جب میں رانیہ سے جدا ہونے والا تھا اور اب یہ بارش پیرس میں برس رہی تھی جب...... جب میرے دل میں آیت اُترنے لگی تھی، ٹھیک اسی طرح جس طرح وہ بوندیں دریائے سین میں اُتر رہی تھیں، ملنے لگی تھیں، جذب ہونے لگی تھیں۔ کیا برائی تھی اس میں؟ کچھ بھی تو نہیں! مگر نہیں...... وہ چاہے مجھے کتنی ہی پسند کیوں نہ آجائے میں اپنی رانیہ کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ بارش جہاں دو دلوں کو جدا کرتی ہے وہاں کئی دلوں کو ملاتی بھی ہے۔ کبھی یہ واقعی بارش محبت لگتی ہے تو کبھی صرف آنسوؤں کی بوچھاڑ۔ کیا انسان ایک وقت میں دو لوگوں سے محبت کرسکتا ہے؟ ہاں! میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ایسا ممکن ہے۔ ایک دل کے بھی چار حصے ہوتے ہیں۔ اُن چار میں سے اگر تین میں رانیہ تھی تو چوتھے حصے میں آیت بھی دھڑکنے لگی تھی۔ مجھے وہ اچھی لگنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

ہم گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کمرے میں جانے کے بعد یہ حتمی فیصلہ کرلیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہوجائے رانیہ کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ آیت اچھی ہے پر رانیہ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ میں نے اس رات امی کو کال کرنے کے بعد رانیہ کو کال ملائی۔ اور اسے پیرس کی ساری کہانی سنادی۔ اس کہانی میں آیت بھی شامل تھی۔ میں رانیہ کو کسی قسم کے اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا اس لیے اسے بتادیا تھا کہ میں آیت کے گھر میں رہتا ہوں۔ وہ ایک نمازی اور خوب صورت

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

لڑکی ہے۔ اس کے والدین اس دنیا میں اب نہیں ہیں۔ پر شاید میں نے یہ سب بتا کر غلط کیا اور اس بات کا احساس مجھے رانیہ کا جواب سننے کے بعد ہوا۔

''اکیلی لڑکی کے گھر میں رہ رہے ہو، اس کے ساتھ گھومنے جارہے ہو، اس کی عزت بچا رہے ہو......تم تو بھول ہی گئے کہ تمہاری ایک عدد منگیتر بھی ہے، جس کا نام رانیہ ہے۔ جاؤ عیش کرو۔'' وہ جانتی بھی تھی کہ مجھے جو کمرہ آفس کی طرف سے ملا تھا وہ کس قسم کا تھا پر وہ میری بات نہ سمجھ سکی۔ اس کی بات میں کچھ غلط بھی نہ تھا۔ ایک اکیلی لڑکی کے ساتھ رہنا ٹھیک نہ تھا۔ لہٰذا میں نے اُسی کال میں رانیہ کو بتا دیا تھا کہ جیسے ہی پہلی تنخواہ ملے گی کرائے کا کمرہ لے لوں گا، رانیہ بھی مان گئی تھی، پر دل سے نہیں۔

☆......☆......☆

وقت بہت تیزی سے گزرتا ہے، پر میرے کیس میں ایسا نہ تھا، اِک اِک پل صدیوں پر بھاری تھا۔ گیارہ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اب میں ایک امیر آدمی بن چکا تھا۔ (پاکستان کے لحاظ سے پیسہ جوا تنا اکٹھا ہوگیا تھا)۔

میں نے پہلی تنخواہ ملتے ہی آیت کا گھر چھوڑ دیا تھا۔ اس سے ملنا بھی برائے نام تھا۔ کبھی راستے میں ملاقات ہوجاتی تھی یا کبھی کسی ریسٹورنٹ میں میری آفیشل میٹنگ ہوتی تو وہ بھی نظر آجاتی۔ آیت اس وقت بہت ناراض ہوئی تھی جب میں اس کا گھر چھوڑ کر جارہا تھا۔ وہ بہت اچھی لڑکی تھی۔

رانیہ کو ہزار بار بتایا بھی تھا کہ میں اب آیت سے نہیں ملتا، اس کے گھر نہیں جاتا پر وہ حامی تو بھرتی پر مطمئن نہ ہوتی۔ پتا نہیں گیارہ ماہ کے عرصے نے مجھے اس سے کتنا دور کردیا تھا۔ دوریاں تو محبت میں نزدیکیوں کی نشاندہی کرتی ہیں پر ہمارے درمیان جو دوریاں آئی تھیں، وہ ہمیں اِک دوسرے کے قریب نہیں بلکہ اِک دوسرے سے بہت دور کرتی جارہی تھیں۔ مگر میں تو اگلے ماہ ریزائن دے کر واپس جانے ہی والا تھا لہٰذا میں کوئی غلط سوچ اپنے دماغ میں نہ لایا۔

☆......☆......☆

بارہویں مہینے کے دوسرے ہفتے آیت نے مجھے ایفل ٹاور ملنے کے لیے بلایا۔ وہ مجھے الوداع کہنا چاہتی تھی۔ میں نے آیت سے صحیح طرح ان بارہ مہینوں میں ملاقات کی ہی نہ تھی۔ جاتے جاتے اُس سے آخری بار ضرور ملنا چاہتا تھا۔ اگر خدانخواستہ رانیہ میری زندگی میں نہ ہوتی تو آیت ہی میرے دل کے چاروں حصوں میں سانسیں لے رہی ہوتی، وہ تھی ہی اتنی اچھی۔

آیت سے ملنے سے تقریباً دو گھنٹے پہلے میں اپنے دفتر سے ریزائن دے کر آیا تھا۔ میرے قلب و مغز پر وہ ایک پورا دن جو میں نے آیت کے ساتھ گزارا تھا۔ فلیش بیک ہوا۔ (اس ایک دن کے بعد میں نے خود ہی فیصلہ کرلیا تھا کہ آیت کے ساتھ کہیں گھومنے بھی نہیں جاؤں گا۔ بس جب تک پہلی تنخواہ نہیں مل جاتی اس کے گھر ایک مہمان بن کر رہوں گا، جس نے بھی اپنی میزبان کی عزت بچائی تھی)۔

آیت کو میں یہ بات بھی بتا چکا تھا کہ میری منگنی ہوچکی ہے اور وہ یہ بات سن کر بہت مسرور ہوئی تھی۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس دن اُس نے مجھے پیرس کے بارے میں بہت سی معلومات دی تھیں پر آج میں اسے یہ موقع نہیں دوں گا۔ ایفل ٹاور کے بارے میں معلومات اکٹھا کرلوں گا۔ ویسے بھی اب پیرس سے میری کافی اچھی واقفیت ہوگئی تھی۔ پر ایفل ٹاور جان بوجھ کر بھی نہ گیا کیونکہ میرے کولیگز نے کہا تھا کہ اگر غلطی سے بھی وہاں چلے گئے تو تمہارے ساتھ بہت برا ہوجائے گا۔ کیا برا ہوجائے گا یہ میں نے پوچھنا ضروری نہ سمجھا۔

ایفل ٹاور کے بارے میں ضروری علمی لیاقت انٹرنیٹ کے ذریعے معلوم کرنے کے بعد میں ریڈی ہوا اور ایفل ٹاور کے لیے روانہ ہوگیا۔ اگلے روز میری کراچی کی فلائٹ بھی تھی۔

☆......☆......☆

سورج غروب ہونے والا تھا اور میں ایفل ٹاور پہنچ چکا تھا۔ وہ ایفل ٹاور کے ساتھ بنے سفید چمکتے فلور کی سیڑھیوں پر سر پر اسکارف کیے بیٹھی تھی۔ میں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس خوبصورت ایفل ٹاور کو دیکھتا آیت کے برابر آ بیٹھا۔ میں جیسے ہی بیٹھا، وہ کہنا شروع ہوگئی۔
''یہ ہے ایفل ٹاور...... یہ تین......'' وہ بولنے ہی لگی تھی کہ میں نے اس کے آگے بولنا شروع کر دیا۔
''تین مرحلوں پر مشتمل تین سو چوبیس میٹر بلند ہے، جس پر بیس ہزار گولڈ لائٹس ہر گھنٹے چمکتی ہیں۔'' وہ بے ساختہ ہنسی جیسے اُس کو بھی وہ دن یاد آ گیا تھا۔ وہ ہنستے ہنستے رُکی اور مجھ سے مخاطب ہوئی۔
''میں تمہیں صرف الوداع کہنے یہاں آئی تھی۔ میری ایک میٹنگ ہے اور میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔ یہ میری طرف سے تمہارے اور رانیہ کے لیے ایک چھوٹا سا تحفہ ہے اسے قبول کرلو۔ اور ہاں! میری عزت بچانے کا بہت شکریہ مصحف! تم بہت یاد آؤ گے۔'' وہ کہتی ہی چلی گئی اور میرے ہاتھ میں ایک ڈبا تھما گئی جو گفٹ پیپر کے اندر محفوظ تھا۔ آیت چلی گئی تھی، میری زندگی کا سب سے حسین خواب، آیت!

☆......☆......☆

جہاز جناح انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر لینڈ کر چکا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ میں CAB لیے اپنے گھر جانے لگا تھا۔ ویسے تو سب جانتے تھے کہ میں ایک سال بعد آ جاؤں گا پر میں نے کسی کو کنفرم ڈیٹ نہیں بتائی تھی۔ بس سب یہی جانتے تھے کہ میں جولائی میں واپس کراچی آ جاؤں گا۔ راستے میں، میں نے رانیہ کو دیکھا تو دہشت زدہ ہو گیا۔ وہ ایک نوجوان کے ساتھ بلوچ آئس کریم پر بیٹھی آئس کریم کھا رہی تھی۔ میں نے CAB وہیں رکنے کو کہا اور اس کے پاس چلا گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر ذرا نہیں چونکی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ خود بولنا شروع ہوگئی۔
''یہ مصطفیٰ ہے، میرا شوہر! یہ ہمارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے مصحف۔'' اس کا لہجہ رفتہ رفتہ سخت ہونے لگا۔
''تم آیت کے پاس اکیلے رہے، نہ جانے تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہو۔ میں نے بہت سوچا اس بارے میں پر ایک اکیلی لڑکی کو تم نے چھوا بھی نہ ہو، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جب تک تم اس کے پاس رہے اُس نے تمہاری پیسوں کی بھوک پوری کی اور تم نے اس کے جسم......'' وہ بولنے ہی والی تھی کہ میرا ہاتھ اُس پر اٹھ گیا۔ پر وہ ہاتھ اُس کے چہرے پر پڑا نہیں تھا۔ اس کا یار، میرا مطلب اس کا شوہر جو وسط میں آ گیا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے۔ میں نے اس سے کہا۔
''تم نے میرا اعتبار نہ کر کے میری محبت کو گالی دی ہے رانیہ، تم بہت بری ہو۔ شادی کر ہی لی تھی تو فون پر ہی بتا دیتیں۔'' وہ مصطفیٰ کا ہاتھ تھامے کہنے لگی۔
''بتانا ضروری نہیں سمجھا۔ مجھے لگا کہ تم کبھی نہیں آؤ گے، وہیں آیت کے ساتھ سیٹل ہو جاؤ گے۔ پر تم تو آ گئے۔ مگر مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مجھے یہ سوچ کر گھن آتی ہے کہ تم کئی دن کئی رات اس کے ساتھ اکیلے اس کے گھر میں رہے۔''
سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ رانیہ اچھی لڑکی ثابت نہ ہو سکی۔ اچھی لڑکیاں تو انتظار کرتی ہیں۔ بھروسا کرتی ہیں پر وہ ایسی ہرگز نہ تھی۔ اپنی اصل اس نے دکھا ہی دی تھی۔

☆......☆......☆

میں گھر آیا اپنی ماں بہن سے ملا اور سفر کی تھکاوٹ کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میرے گھر والوں کو منگنی کے ٹوٹ جانے کا پتا تھا کیونکہ رانیہ نے خود میرے گھر آ کر انگوٹھی واپس کی تھی۔ پر پتا نہیں کیوں یہ بات مجھے میرے گھر والوں نے کیوں نہ بتائی تھی۔ رات کے کھانے پر انہوں نے یہ بات مجھے بتا ہی دی۔
کھانا کھانے کے بعد جب میں کمرے میں آیا تو میری نظر اس ہینڈ کیری پر پڑی جس میں آیت کا گفٹ رکھا تھا۔ اس وقت مجھے آیت بہت یاد آئی تھی۔ جس نے مجھے پروپوز تو کیا، مجھے بھی اس طرح چھوا تک نہ تھا پر رانیہ...... وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی تھی۔
روتے روتے میں نے وہ گفٹ کھولا تو دیکھا کہ وہ ایک 'سکیوڈریا فیراری' پرفیوم کی شیشی ہے اور اس کے ساتھ ایک مڑا ہوا کاغذ رکھا تھا۔ اس کاغذ کو کھول کر دیکھا تو میں اک لمحے کے لیے دم بخود رہ گیا۔
''جو بات میں تم سے ایفل ٹاور پر نہ کہہ سکی وہ میں اِن سرخیوں کے ذریعے تمہیں بتانا چاہتی ہوں۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http: / / www.Paksociety.com for More

تمہاری منگیتر اور تم ہمیشہ خوش رہو یہ میری دعا ہے پر آج میں تمہیں ایک سچائی بتانا چاہتی ہوں۔ مصحف! مجھے ہر کوئی اکیلا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ پہلے میرے ماں باپ، پھر کروز اور اب...... اب تم!

ہاں مصحف! مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔ شاید اُس وقت جب تم نے میری عزت بچائی تھی، شاید اُس وقت جب ہم دریائے سین کے کنارے کھڑے تھے۔ یا شاید اس وقت جب تم نے مجھے لڑکھڑانے سے بچایا تھا۔ اللہ نہ کرے کبھی تم اور رانیہ ایک دوسرے سے جدا ہو پر اگر کبھی ایسا ہوا تو تم مجھے اپنا بنالینا۔ میں تمہارا ساری زندگی بھی انتظار کرنے کے لیے تیار ہوں۔

اور پلیز! یہ کاغذ رانیہ کے ہاتھ نہ لگنے دینا۔''

تمہاری آیت

آیت کا خط پڑھتے ہی میری آنکھیں نم ہوگئیں، پر اس حقیقت کا اندازہ مجھے بھی نہیں ہو پایا تھا کہ وہ آنسو خوشی اور امید کے آنسو ہیں۔

☆......☆......☆

میں نے اسی رات پیرس کا ریٹرن ٹکٹ کٹوایا اور پندرہ دن کے اندر پیرس واپس چلا گیا۔ وہاں آیت سے ملا اور اس سے کہا۔

''تمہیں ہر کوئی اکیلا چھوڑ کر چلا جاتا ہے نہ؟''

'' پر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میرے ساتھ پاکستان چلو۔ میری ماں اپنی ہونے والی بہو کا انتظار کر رہی ہے۔''

میرے جذبات سنتے ہی آیت نے مجھ سے کوئی زبانی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ بس جھٹ سے میرے گلے لگ گئی۔ اس نے مجھ سے اس وقت یہ تک نہ پوچھا کہ میں اس کے پاس اتنی جلدی کیسے آگیا۔ بس محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔ یہ وجوہات کے ساتھ آپ کے دل پر دستک نہیں دیتی، یہ تو بس ایک احساس ہوتا ہے۔ میری آیت سے محبت کرنے کی وجہ رانیہ نہیں تھی، رانیہ کا چھوڑ کر چلے جانا وجہ نہ تھی، مجھے تو اس سے محبت بہت پہلے ہی ہوگئی تھی۔ بے وجہ، بے سبب۔

میری ماں نے آیت کو دل سے قبول کرلیا تھا اور آج وہ 'آیت مصحف' کے نام سے جانی جاتی ہے اور اس حقیقت کا اندازہ مجھے کافی عرصے بعد ہوا تھا کہ آیت کی اصل جگہ تو مصحف (قرآن) ہی ہوتی ہے۔

میری آیت!

☆☆......☆☆

سچی کہانیاں میں شائع ہونے والا لازوال ناول 'تاشون' کتابی شکل میں دستیاب ہے



قدیم علوم کا سائنٹیفک نظریہ
ان کے ذاتی تجربات اور اصل حقائق واثرات
سعادت ونحوست کا حساب، حیرت وتجسس پر مبنی ناول

تاشون

تحریر: شازلی سعید مغل

۳۵۰ صفحات

Postage Rs: 50

برصغیر میں علمِ تسخیر کے بانی حضرت کاش البرنیؒ کی
عاملیت وکاملیت، روحانیت، محبت، تصوف اور دوسری دنیا
کے تجربات ومشاہدات پرُاسراریت کے نت نئے راز کھولتا ایک
سحرانگیز ناول جس کے مرکزی کردار حضرت کاش البرنیؒ ''بنام''
''تاشون'' ہیں

قیمت: ۵۰۰ روپے

ابھی رابطہ کرکے اپنی کاپی بک کراوئیں یا اپنے قریبی بکسٹال پر اپنا آرڈر بک کروائیں۔

Auraq Publishers, Ibrahim market, PIB Colony, Karachi 74800

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More



قرض

مجید احمد جائی

اُس دوشیزہ نے سہیلی کی زندگی کا قرض اس طرح چکایا کہ کوئی جان بھی نا پایا

رات کے ایک بجنے کو تھے ،مگر مجھے نیند نہیں آرہی تھی ۔میرے اندر انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی ۔میں جلد از جلد انتقام لینا چاہتی تھی ۔ ماما، پاپا کو سوتے ہوئے چھوڑ کر میں ٹیرس پر چلی آئی ۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔سارا شہر خاموشی کی چادر اوڑھ چکا تھا ۔کہیں کہیں آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں وقفے وقفے سے سنائی دے رہی تھیں۔

پورا شہر برقی بتیوں سے جگمگا رہا تھا۔میرے گھر کے اردگرد کے گھروں میں مکمل سناٹا تھا اور برقی بتیاں روشن تھیں۔اشرف المخلوقات خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔

میرے خواب تو اُس دن چکنا چور ہو گئے تھے ۔جس دن آنچل میرے بازوؤں میں دم توڑ گئی تھی ۔ہاں ۔میری آنچل !کتنی پیاری ،معصوم تھی ۔آخری ہچکی لیتے ہوئے مجھے بہت بڑے امتحان میں ڈال گئی تھی۔

''صائمہ باجی ،ایک وعدہ کرو۔''

''ہاں ہاں، بولو آنچل۔ بولو۔''میں نے جواب دیا تھا۔

''صائمہ باجی !آپ کو میری قسم ۔اُس......اُس درندے کو سزا ضرور دینا۔جس نے ۔تم سے۔تمھاری دوست چھین لی۔اُسے ضرور دینا۔جس۔نے......''

یہی آخری الفاظ تھے، جو آنچل کے لبوں پر نامکمل رہ گئے تھے اور وہ لڑھک گئی تھی۔ ہاں اُس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی ،اُس کا جسم بے سدھ ہو گیا تھا اور اُس کی مخملی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔شاید ان آنکھوں میں بہت سے سوال تھے،جن کا آنچل کو جواب چاہیے تھا۔

ہاں آنچل اِس بے وفا دُنیا کو الوداع کہہ کر چلی گئی تھی اور اِس دُنیا کے ناسوروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جان چھڑوا گئی تھی۔

''بزدل تھی وہ۔''

میرے دل سے آواز آئی۔

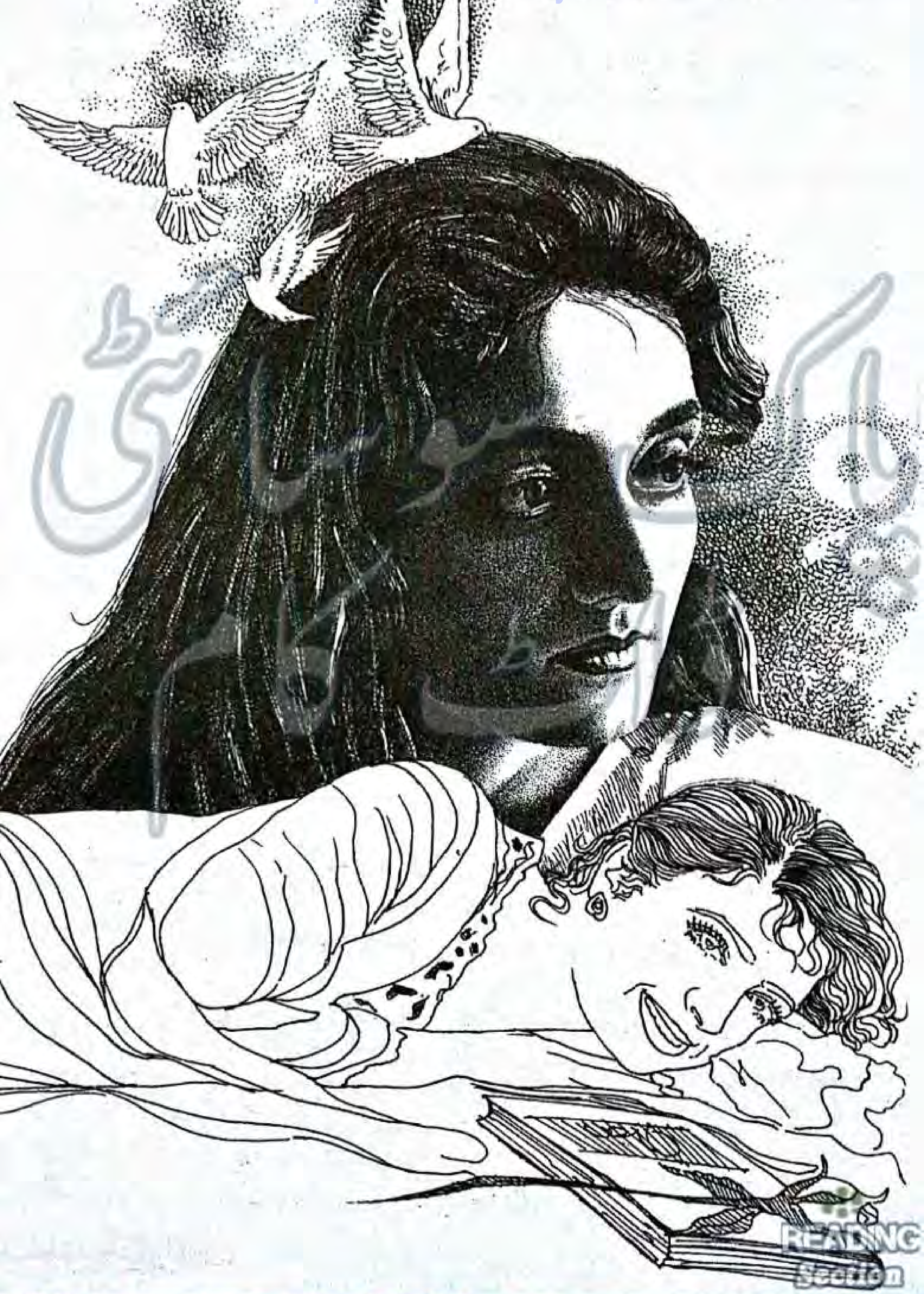
ہاں بزدل تھی ۔ورنہ۔یوں خودکشی نہ کرتی۔

اِنسان ہمت والا ہو تو زمانے سے ٹکرا سکتا ہے ۔اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا سیکھ جاتا ہے۔ناانصافیوں کا بدلہ لے سکتا ہے۔

مگر یہاں تو چپے چپے پر وحشی درندے بستے ہیں۔بڑے بڑے اژدھے پڑے ہیں جو شکار کی تاک میں رہتے ہیں۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More



READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

آنچل معصوم نرم و نازک کلی تھی۔اور پھر لڑکیاں تو پھولوں سے بھی زیادہ نازک اور ملائم ہوتی ہیں۔چھوتے ہی مرجھا جاتی ہیں۔یہ کلیاں تو آنگن میں بھلی لگتی ہیں۔ظالم ہاتھوں میں آتے ہی مرجھا جاتی ہیں۔

لیکن جدید زمانے میں ہر گلی، ہر محلے میں وحشی درندے شکار کی تاک میں مورچے لگائے بیٹھے ہیں۔آتی جاتی لڑکیوں پر جملے کسانا، کبھی دولت کی چال چل کر، کبھی تصویریں ماں باپ کو دکھانے کی دھمکی ،تو کبھی ویڈیو اوپن کرنے کی دھمکیاں، جسم سے کھلواڑ کرنے کے حربے تیار کیے ہوتے ہیں۔

میں سوچوں کے نگر میں بہت دور چلی گئی تھی۔پہلی بار آنچل تب ملی تھی جب میں گھر میں اکیلی بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی۔کوئی دروازہ زور زور سے پیٹے جا رہا تھا۔امی بازار گئی ہوئی تھی۔ابو تو صبح ہی ڈیوٹی پر چلے گئے تھے، علی اور ارسلان اسکول چلے گئے تھے۔دن کے دس بجے تھے۔جب امی بازار سے اشیائے خورد و نوش لینے گئی ہوئی تھی۔جاتے جاتے تاکید کرنا نہیں بھولی تھی۔

''صائمہ بیٹی، دروازے پر کوئی بھی آئے دروازہ مت کھولنا۔آج کل بہت سے لوٹنے والے شہر میں گھس آئے ہیں۔اور سادہ لوح لوگوں کو بے وقوف بنا کر لوٹ جاتے ہیں۔نقدی زیورات کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو نوچتے ہیں۔زمانہ ٹھیک نہیں ہے۔''

''اچھا امی!۔''

میں نے امی کی تاکید پر سر خم کرتے ہوئے کہا۔''امی! آپ بے فکر ہو کر جائیں۔''

امی بازار چلی گئیں۔اب جانے کون دروازے کو بار بار پیٹے جا رہا تھا۔

ہمارا گھر شہر کے مغربی کونے میں مین بازار سے کافی دور تھا۔شہر تھا نہ گاؤں۔گاؤں اور شہر کو ملانے والا ہمارے علاقہ تھا۔ہمیں دیہاتی کہہ سکتے ہیں یا پھر شہری۔دروازہ لکڑی کا تھا اور بیل ڈور کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔لکڑی کے دروازے کو بے دردی سے پیٹا جا رہا تھا۔

شاید تو کوئی دیوانہ ہی تھا جو دروازہ اکھاڑنے پر تلا ہوا تھا۔

میں کپڑے دھونے میں معروف تھی۔صابن سائیڈ پر رکھا، کپڑے غصے سے پھینکے اور دروازے کی طرف لپکی۔

سر پر دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے میں نے آواز دی۔کون ہے؟''

شاید دروازہ پیٹنے والا اپنے کام میں اتنا مگن تھا کہ میری آواز سن ہی نہیں پایا تھا۔میں نے دوبارہ کہا۔''کون ہے؟''

''باجی! دروازہ تو کھولو۔میں۔آنچل ہوں۔آپ کی پڑوسن۔''

میرے پڑوس میں تو کوئی آنچل نام کی لڑکی تھی ہی نہیں۔ہاں ساتھ والا مکان خالی پڑا تھا۔مالک مکان نے کئی بار ابو کو کہا بھی تھا کہ مکان کرائے پر چڑھا دے۔شاید کوئی نئے کرائے دار آئے ہیں۔مغرب کے بعد یہاں شور شرابہ بھی تھا۔سامان اٹھانے، رکھنے کی آوازیں۔اِدھر رکھو۔اُدھر رکھو۔الماری وہاں رکھو۔کوئی سامان رکھنے والے کو گائیڈ کر رہا تھا اور میں کچن میں بیٹھی سن رہی تھی۔میری امی کی طبیعت خراب تھی اور کچن میں نے سنبھالا ہوا تھا۔

مجھے رات والا خیال در آیا۔

نسوانی آواز پر میں نے دروازے کے چھوٹے سے سوراخ سے باہر جھانکا۔معصوم، کومل سی لڑکی بے تاب کھڑی تھی۔ہاتھ میں بالٹی تھی اور ماتھے پر پسینے کے موٹے موٹے قطرے آزادانہ گھوم رہے تھے۔سورج کی روشنی ماتھے پر پڑتی تو لگتا سنہری کرنیں ستارہ بن کر اِدھر اُدھر پھیل رہی ہیں۔

بادل نخواستہ میں نے دروازہ کھول دیا۔وہ لڑکی مجھے معصوم سادگی کا پیکر نظر آئی۔یہ بھلا کیا دھوکہ دے گی۔میں نے دروازہ کھول دیا۔بے تاب، پریشان لڑکی نے بالٹی آگے کرتے ہوئے سلام کیا اور کہنے لگی۔

''باجی! ایک بالٹی پانی چاہیے۔گھر میں نل خراب ہے۔اور بجلی کا کنکشن کاٹا ہوا ہے۔''

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''آنچل! آنچل نام بتایا تھا ناں۔''میں نے تصدیق کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی۔جی۔ساتھ والا مکان ہمارا ہے۔ہم رات ہی شفٹ ہوئے ہیں۔آپ کے نئے پڑوسی۔''

میں اُسے اندر لے گئی۔اور وہ بالٹی میں پانی بھرنے لگی۔اُس دوران ہم نے کافی گپ شپ کر لی تھی۔

آنچل ڈکھیاری لڑکی تھی۔سندھ کے چھوٹے سے گاؤں کی رہنے والی تھی۔بدقسمتی سے وہاں کے ظالم وڈیرے نے ان کے آشیانے کو مسمار کر دیا تھا۔اور اجڑا،برباد،لوٹا ہوا گھرانہ رات کے اندھیرے میں اپنا گاؤں،زمین،ڈھور ڈنگر چھوڑ آئے تھے۔اپنی جان بچ گئی تھی،یہی کافی تھا۔

بوڑھا باپ تھا۔جس کی ہڈیاں آوازیں دیتی تھیں اور اُس کی شریک حیات بوڑھی حلیمہ۔

آنچل کے دو بھائی تھے۔دونوں ہی آنچل سے بڑے تھے۔لیکن ظالم وڈیرے نے بوڑھے باپ کے سامنے قتل کروا دیا تھا۔بوڑھا باپ روتا رہا،معافیاں مانگتا رہا۔فریادیں کرتا رہا۔لیکن ظالم وڈیرے نے کارندوں کو اشارہ کیا اور دونوں بھائیوں کی کلہاڑی کے وار کر کے گردنیں اڑا دی تھی۔

ان کا قصور صرف اتنا تھا۔ان کی بھینسیں جاگیردار کے کھیت میں ڈر کر گھس گئی تھیں۔بے زبان جانور تھے۔دونوں بھائیوں نے اپنے طور پر ہر کوشش کی تھی،مگر ناسمجھ جانور تھیاور پھر فصل کا نقصان زیادہ بھی نہیں ہوا تھا۔

آنچل کے بھائیوں نے معافی بھی مانگی تھی۔اور ان کے بوڑھے باپ نے معافیاں بھی مانگیں،وڈیرے کے پاؤں پکڑے،گڑگڑاتا رہا۔لیکن غرور،تکبر کی چکی میں پسنے والے کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور اُس کے ایک اشارے سے۔اس کے کارندوں نے کلہاڑیوں سے وار کر کے گردنیں اڑا دی تھی۔

کتنا ظالم شخص تھا۔ان کے جانور قبضے میں کر لیتا بے گناہ لڑکوں کا قتل کروانے کا جواز نہیں بنتا تھا۔مگر کون اُس سے پوچھتا۔سارے قانون اُس کے تھے۔اُس کے حکم سے پرندے بھی پر نہیں مارتے تھے۔فرعون سے بڑھ کر غرور تھا اُس کا۔

کرمو چاچا!کیا کرتا۔اُس کی فریاد آسمان سے ٹکرا کر واپس پلٹ آئی تھی۔شاید اوپر والے نے آزمائش میں ڈالا ہوا تھا۔ورنہ وہ اپنے بندوں کو یوں ذلیل و خوار تو نہیں کرتا۔اُس کی فریادیں عرش سے لوٹ آئی تھیں اور یہاں تو ظالم کا راج تھا۔انسان کے رُوپ میں وحشی درندہ تھا۔اپنی مرضی چلاتا تھا اور وقت کا فرعون بنا بیٹھا تھا۔رب تعالیٰ نے بھی رسی ڈھیلی چھوڑی ہوئی تھی۔نافرمانوں کو موقعے پہ موقع فراہم کرتا جا رہا تھا۔

قیامت کا سماں تھا۔کرمو چاچا کی دُنیا لٹ گئی تھی۔ایک طوفان آیا اور اُس بوڑھے کے جینے کا سہارا چھین کر اُسے روتا،آنسو بارتا چھوڑ گیا تھا۔آسمان پھٹا نہ زمین لرزی۔کبھی کبھی اوپر والا بھی کڑے امتحان لیتا ہے۔

کرمو چاچا نے اپنی دُنیا کا ماتم کرتے ہوئے ایک فیصلہ کر لیا۔یہاں سے چلے جانے کا۔اپنی معصوم،کنواری بیٹی کو محفوظ رکھنے کا۔اُس کی عزت بچانے کا۔یہاں اس نگری میں وحشی خون خوار درندے بستے تھے۔وہ مستقبل کو سوچ کر کانپ اٹھا تھا۔یہاں انسان جانوروں سے سستے تھے۔یہاں خون کی ندیاں بہتی تھیں۔محبتیں ناپید اور وحشت و دہشت کا راج تھا۔جاگیردار،دن کے اُجالے میں جانے نہ دیتا۔اسی لیے راتوں رات سانس روکے راہ فرار اختیار کر لی تھی۔تبھی تو آنچل کو بچانے کے لیے رُوپ بدل کر چھپتے،چھپاتے یہاں تک پہنچے تھے۔

☆......☆......☆

آنچل پہلی ہی ملاقات میں دوست بن گئی تھی۔کتنی مظلوم تھی۔کبھی کبھی انسان کتنا بے بس ہو جاتا ہے۔نہ چاہتے ہوئے بھی قربان ہو جاتا ہے۔

آنچل جیسے ہی دن کے کاموں سے فارغ ہوتی میرے پاس آ جاتی۔میں سلائی کڑھائی کرتی تھی،آنچل بھی میرے پاس بیٹھ جاتی اور سلائی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کڑھائی سیکھنے لگی۔ اُس نے اپنے بیتے ماضی کا ایک ایک پل مجھے بتایا تھا۔ اُس کے آنسو آنکھوں کی زمین سے بغاوت کرتے، رخساروں کو چومتے ہوئے دامن گیر ہو جاتے۔ ننھی سی جان نے کتنے ظلم سہے تھے۔ کتنا درد تھا اس کی آواز میں۔ کس کرب سے گزری تھی۔ اپنی آنکھوں کے سامنے دو بھائیوں کے جنازے اٹھتے دیکھے تھے۔

کرمو چاچا اور حلیمہ جو جمع پونجی ساتھ لے آئے تھے ختم ہو چلی تھی۔ فاقوں کی نوبت آنے والی تھی۔ کرمو چاچا نے ہمت کی اور کام ڈھونڈ لیا۔ گھر کا نظام بھی چلانا تھا۔ یوں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کچھ نہیں ہونے والا تھا۔ آخر زندگی کا پہیہ چلانا تو تھا۔ کرمو چاچا اپنے اجڑے خاندان کو زندہ رکھے ہوئے تھا۔

☆......☆......☆

میرے ابو چند دنوں سے بیمار پڑ گئے تھے۔ جاب جاتی رہی تھی۔ گھر میں فاقے پڑنے لگے تھے۔ بھائی چھوٹے تھے اور امی گھریلو خاتون تھی۔ کوئی سہارا نہیں تھا۔ رشتے دار کب کے راہیں بدل چکے تھے۔ پھر میں نے ایک فیصلہ کر لیا۔ ہمت کرنے کا، گھر کا بیڑا اٹھانے کا۔ جاب کرنے کا۔

میں گریجوشن کر چکی تھی اور یہ میرے ابو کی مجھ سے بے پناہ محبت تھی۔ میں نے اپنی سہیلی کے توسط ایک کپڑے بنانے والی فرم میں اپلائی کر دیا۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دو دن بعد مجھے انٹرویو کی کال آ گئی۔ امی ڈر رہی تھی۔ اور ابو کی نظریں شرم سے جھکی ہوئی تھیں۔ جیسے خود سے شرمندہ سے ہوں۔ مگر اس کے علاوہ کوئی حل بھی تو نہیں تھا۔ گھر کا چولہا ٹھنڈا پڑا تھا۔ اور آخر پیٹ کا دوزخ بھرنا تو تھا۔ آج نہیں تو کل مجھے جاب کرنی پڑتی۔ میں نے ابو کے پاس بیٹھ کر پیار سے ان کا ماتھا چوم لیا۔ پاپا جانی۔ مجھ سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ آپ کی یہ بیٹی آپ کا بیٹا بن کر دکھائے گی۔ گھر کا نظام بھی چلانا ہے۔ کسی نہ کسی کو قربانی دینے پڑے گی۔ پھر میں ہی کیوں ناں گھر کا بیڑا اٹھا لوں۔ بھائی چھوٹے ہیں اگر وہ کچھ کرنے کے قابل ہوتے تو میں یہ قدم نہ اُٹھاتی۔" یوں نہ چاہتے ہوئے بھی ابو نے مجھے جاب کی اجازت دے دی۔

☆......☆......☆

انٹرویو بہت اچھا ہوا تھا۔ مجھے نوکری مل گئی۔ تنخواہ بھی اچھی تھی۔ پک اینڈ ڈراپ بھی کمپنی کی ذمہ داری تھی۔ دوپہر کا کھانا بھی کمپنی کی طرف سے ملنا تھا۔ میں رب رحمان کی نعمتوں، رحمتوں کا شکرانہ ادا کرنے لگی۔ اور خوشی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

رب رحمان نے خاص کرم کیا تھا۔ گھر کا گزر بسر اچھا ہونے لگا۔ صبح سویرے جاتی اور شام پانچ بجے گھر لوٹتی۔ تھوڑا استاتی اور پھر گھر کے کاموں میں جت جاتی۔ والدین کی خدمت فرض عین تھی اور میں یہ ذمہ داری احسن طریقے سے نبھانا چاہتی تھی۔

یہ اتوار کا دن تھا۔ فیکٹری سے چھٹی تھی۔ میں نے صبح کا ناشتا تیار کر کے برتن دھونے شروع ہی کیے تھے کہ آنچل آ گئی۔

چہرے پر اُداسی، جیسے کسی پریشانی میں گھری ہوئی ہو۔

"آنچل! کیا ہوا، تیرا سوہنا مکھڑا لٹکا ہوا کیوں ہے؟"

پہلے تو خالی نظروں سے وہ مجھے گھورتی رہی پھر کہنے لگی۔

"صائمہ باجی! کیا بتاؤں۔ رب رحمان نے غریب بنا کر دنیا کے حوالے کر دیا اور خود نظر کرم نہیں کرتا۔ وہ اگر نواز دے تو آس کے خزانے میں کون سی کمی آ جانی تھی۔"

"نہیں۔ آنچل۔ رب تو رحمان ہے۔ وہ کسی کو تکلیف دے کر خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے پیاروں کو آزمائشوں میں ڈال کر امتحان ضرور لیتا ہے اور سرکش لوگوں کو ڈھیل دے کر آزماتا ہے۔ انہیں توبہ کرنے کا موقع دیتا ہے۔ کس لمحے توبہ کر لے۔ میری طرف لوٹ آئے۔ وہ کسی کے ساتھ بُرا نہیں کرتا۔ یہ انسان بے مروت ہو گیا ہے۔"

میں نے لمبا چوڑا لیکچر دے کر پوچھا۔

"ہوا کیا ہے؟ اتنی مایوس کیوں ہو؟"

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

صائمہ باجی! بابا کی فیکٹری سے چھٹی کر دی گئی ہے۔ فیکٹری والے کہتے ہیں، بوڑھا ہے کام ٹھیک نہیں کر سکتا۔ بوڑھے کندھوں میں وزن اُٹھانے کی سکت نہیں ہے۔ ابو رو رو کر ہلکان ہو رہے ہیں۔ اب گھر میں کمانے والا کون ہے؟ کل سے کھانا نہیں کھایا۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔''

''ارے پگلی! میرے پاس چلی آتی۔ کس نے روکا تھا۔ تیری دوست کس لیے ہے۔''

میں نے آنچل کو کھانا دیا۔ میرے کندھے سے لگ کر وہ رو دی تھی۔ میں نے اُسے تسلی دی۔ جب گھر جانے لگی تو کرمو چاچا اور ماسی حلیمہ کے لیے بھی کھانا دیا۔

''میں کام دلواؤں گی۔ تیری دوست کس لیے ہے۔ تو میرے ساتھ چلنا۔ دونوں ایک ساتھ کام کریں گی۔ مگر۔''

''مگر باجی! مجھے تو کچھ کرنا نہیں آتا۔ پگلی! کوئی ماں کے پیٹ سے سیکھ کر تھوڑا آتا ہے۔ پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے پڑتے ہیں، خود جتن کرنے پڑتے ہیں۔ تم صبح بس میرے ساتھ چلنا۔ کرمو چاچا اور آپ کی امی کو میں سمجھا دوں گی۔'' آنچل راضی ہو گئی۔

☆......☆......☆

میں نے اُسے نوکری دلوا دی۔ آنچل بہت خوش تھی۔ اس کے گھر میں اُمید جاگ اٹھی تھی۔ آنچل کے کمانے سے گھر کا ٹھنڈا چولہا جلنے لگا تھا۔ لیکن۔

کاش! میں آنچل کو نہ لے کر جاتی۔ میری آنچل میرے قریب ہوتی۔ مجھ سے ڈھیروں باتیں کرتی۔ آنچل میرے درمیان نہیں تھی۔ میں خود کو آنچل کا قاتل سمجھ رہی تھی۔ میری وجہ سے اُس نے خودکشی جیسا حرام فعل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں سوچوں کی گرداب میں پھنس گئی تھی۔ سوچوں کے نگر آباد ہو گئے تھے۔

اتنے میں امی کی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

''صائمہ بیٹی۔ ارے او صائمہ۔ کہاں ہو۔''

میں اُس وقت آسمان کو تکے جا رہی تھی۔ آسمان خاموش کھڑا خلقت کا پہرہ دے رہا تھا۔ ننھے ننھے ستارے ایک دوسرے کے ساتھ گپیں ہانک رہے تھے۔ چند ایک دوسرے کے ساتھ شرارتیں کر رہے تھے۔

امی کی آواز کانوں میں پڑتے ہی میں سوچوں کے نگر سے واپس آئی اور سیڑھیاں اُترتے ہوئے نیچے کمرے میں گئی۔ وہاں کا منظر دیکھ کر میرے پاؤں سے زمین نکل گئی۔ آسمان گھومتا ہوا نظر آیا۔ پاؤں من من وزنی ہو گئے تھے۔ رات کے اس پہر، جب پورا شہر خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ کس کو مدد کے لیے پکاروں۔ کدھر جاؤں۔ میرا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ اُف میرے اللہ! تو بھی کیسے کیسے امتحان میں ڈال کر آزماتا رہتا ہے۔

امی! ابا کے سر کو دبائے جا رہی تھیں اور ابو لمبی لمبی سانسیں لے رہے تھے۔ آنکھیں بول رہی تھیں۔

ابو! چند سالوں سے بیمار پڑے تھے۔ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا تھے۔ سائنسدان ابھی تک اس کا علاج ڈھونڈ نہیں پائے، جب کہ قرآن مجید واضح بتا رہا ہے کہ موت کے علاوہ ہر بیماری کا علاج موجود ہے۔ نجانے یہ بیماریاں کیوں آتی ہیں۔ لمحہ لمحہ تڑپانے کے لیے، رلانے کے لیے، آزمانے کے لیے۔ بیماریاں شاید جسم کا صدقہ ہوتی ہیں۔

الماری میں پڑی دوائی میں نے ابو کو پلائی اور اُمید دلائی کہ سحر ہوتے ہی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔ اِس وقت تو گاڑی ملتی ہے نہ ڈاکٹر۔ رات کے دو بجے مدد کے لیے بلاتی بھی تو کس کو؟ گھر بھی شہر سے دُور تھا۔ لیکن میں سوچتی رہی اور میرے ابو۔ آنسوؤں کی سوغات دے گئے۔ ہاں، میرے ابو۔ ظالم دُنیا چھوڑ گئے اور مجھے وحشی زمانے میں تنہا کر گئے۔ میرا سائبان لٹ گیا تھا۔

ابو نے امی کی گود میں آخری ہچکی لی اور ان کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسوؤں نکل کر رُخساروں کو چھوتے ہوئے دامن گیر ہو گئے۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

''ابو آپ مجھے کس کے سہارے چھوڑے جا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

رہے ہو۔" میں چلا رہی تھی۔ مگر ابو جانی۔ خاموش تھے۔ ہاں ہمیشہ کے لیے خاموش۔

کاش! انسان کو کبھی موت نہ آتی۔ لیکن اگر موت کا عنصر نہ ہوتا تو انسان زندگی سے بیزار ہو جاتا۔ اور رب رحمان نے اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے اپنے پاس بلانا تو تھا۔ موت کا مزہ تو ہر شے نے چکھنا ہے۔

میرے ابو ہم ماں بیٹی، بیٹوں کو روتا، آنسو بہاتا چھوڑ کر چلے گئے۔ نظام قدرت ہے۔ اپنے ہی پیاروں کو اپنے ہی ہاتھوں منوں مٹی تلے سُلا دیتے ہیں۔ پل بھر میں زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ صبر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اور ہمیں صبر کرنا پڑا۔ رب کی رضا میں راضی ہونا پڑا۔

وقت کا کام ہے گزرنا۔ سو گزرتا چلا گیا۔

کئی دن ماحول سوگوار رہا۔ پھر دھیرے دھیرے سب دُنیا داری میں کھو گئے۔ اس دوران آنچل نے میرا بہت ساتھ دیا۔ ہر پل میرے ساتھ چمٹی رہی۔ مجھے تسلیاں دیتی رہی۔ میرے غم میں برابر شریک ہوئی۔ پاپا کی بڑی عزت کرتی تھی۔ یوں بچھڑنے کا غم اُسے بھی تھا۔

گھر کی ذمہ داریاں میرے نازک کمزور کندھوں پر آن پڑی تھیں اور ایک کمزور صفت نازک لڑکی مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھی۔ بھائیوں کی پڑھائی کا خرچ، امی کی دوائی، گھر کے اخراجات۔ مسائل سانپ کی طرح پھن پھیلائے کھڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا، میری تنخواہ اچھی تھی۔

☆......☆......☆

امی جان! میری چڑھتی جوانی دیکھ کر پریشان ہو جاتی تھیں۔

"آخر تمہیں بھی ایک نہ ایک دن پیا گھر سدھارنا ہے، پھر میرا کون ہوگا۔" میں نے امی کو باہنوں میں جکڑ لیا۔

"میری پیاری امی! میں بیچ راہ چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔" امی جان کو دبے لفظوں میں اِس موضوع پر بات کرنے پر روک دیا۔ لیکن کیسے ہو سکتا تھا۔؟ چڑھتی جوانی ہو اور من میں اپنے آشیانے کے خواب نہ ہوں۔ یہی تو عمر ہوتی خواب دیکھنے کی، گنگنانے کی، میری آنکھیں بھی خواب سجائی رہتی تھیں۔ محبوب کے سپنے ہوتے تھے۔ خوابوں پر کس نے پابندی لگائی ہے۔ ان پر تو کوئی قانون لاگو ہی نہیں ہوتا۔ غریبی، امیری کچھ بھی تو نہیں دیکھتے۔ دولت۔ جائیداد، کاروبار، بزنس، بنک بیلنس کچھ بھی نہیں دیکھتے۔ خوابوں کا کوئی دین، دھرم نہیں ہوتا۔ ان کی دُنیا الگ ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

فیکٹری کی گاڑی صبح سویرے ہمیں اسٹاپ سے لے جاتی اور شام کو واپس اُتار جاتی۔ فیکٹری میں میل اور فی میل ایک ساتھ کام کرتے تھے۔ پک اینڈ ڈراپ کی سہولت میں دونوں اکٹھے سفر کرتے تھے۔ بظاہر فیکٹری کے قانون سخت تھے۔ موبائل پر پابندی تھی اور ابھی موبائل اتنے متعارف بھی نہیں ہوئے تھے۔ پھر بھی عشق نامراد کو کون روک پایا ہے۔ اس پر کس کا زور چلا ہے۔ اس کا جادو تو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ انسان اندھا ہو جاتا ہے۔ اور بس۔

ماہ و سال گزرتے چلے گئے۔ اِس دوران آنچل کا باپ (کرمو چاچا) بھی بے وفا دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ آنچل کی کُل کائنات لٹ گئی تھی۔ لڑکی کے لیے اللہ تعالیٰ کے بعد محافظ باپ ہی ہوتا ہے۔ جب یہ سائبان بھی اٹھ جائے تو دُنیا تاریک جنگل کا روپ دھار لیتی ہے۔ جس میں خار دار کانٹے ہی کانٹے ہوتے ہیں۔ زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ اپنے سانپ بن کر ڈسنے لگتے ہیں۔ خیر۔ آنچل کے اپنے تو تھے ہی نہیں۔ بوڑھی ماں تھی۔ ہم کام پہ جاتی تھیں تو ماسی حلیمہ میرے گھر آ جاتی اور میری امی کے ساتھ سارا دن گزارتی تھی۔ سارے دن اکٹھے زندگی کی ڈوریاں سلجھاتی رہتی۔ بس یہی کل کائنات تھی ہماری۔

☆......☆......☆

پھر وہ ہو گیا جس کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ آنچل اُبالی عمر میں محبت کر بیٹھی تھی۔ اپنے من

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

Click on http://www.Paksociety.com for More

مندر میں شہزادے کے خواب سجا بیٹھی۔ زندگی کو آسان ہوتا دیکھ رہی تھی لیکن اُس نامراد عشق نے زندگی ہی اُجاڑ دی۔ محبت نے اُسے تباہ کر دیا۔

آنچل ابھی کچی عمر میں تھی کہ عشق کے ہتھے چڑھ گئی۔ اور پھر زندگی ہی ویران کر لی۔ عورت تو ایک ہی بار محبت کرتی ہے اور ٹوٹ کر کرتی ہے۔ وہی محبت دھوکہ دے جائے تو عورت ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتی ہے۔

وہ اتوار کا دن تھا۔ آنچل صبح سویرے ہی میرے پاس آگئی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے کہیں کھو سی جاتی۔ باتوں باتوں میں سوچوں میں کھو سی جاتی۔ جب دو لڑکیاں مل بیٹھیں تو من کے شہزادوں کا ذکر کا چھڑ جانا ضروری امر ہے۔ آنچل نے اپنے سپنوں کے راج کمار کے بارے بتایا تو میرے ہوش اڑ گئے۔

''یہ کب ہوا؟ کیسے ہوا؟ بڑی چھپی رستم نکلی ہو یار۔'' بتایا تک نہیں۔ کب سے موصوفہ عشق کی پتنگیں اڑا رہی ہے۔

آنچل پر میں جان وارتی تھی۔ پھر بھلا یہ راز اپنے سینے میں کیسے چھپائے رکھتی۔ آخر راز فاش ہو ہی گیا۔

''صائمہ باجی! یہ اُس دن کی بات ہے۔ جب آپ کو بخار تھا اور میں اکیلی کام پر گئی تھی۔''

''کب؟ میں نے ذہن پر زور دیا تو مجھے یاد آیا پچھلے سال میں نے چار، پانچ چھٹیاں کی تھیں۔ بخار نے مجھے ادھ موا کر دیا تھا۔ تب آنچل اکیلی کام پر جاتی رہی تھی۔

''او۔ تو۔ میری غیر موجودگی میں شہزادہ ڈھونڈ لیا۔''

''ڈھونڈ کہاں لیا۔ وہ تو میرے گلے پڑ گیا ہے۔'' صبح میں گاڑی میں سوار ہوتی تو وہ پہلے سے موجود ہوتا اور کسی نہ کسی طرح میرے سامنے والی سیٹ پر آن بیٹھتا ہوتا۔ واپسی پر بھی ایسا ہی ہوتا۔ اُس کی نظریں میری جاسوسی کرتی رہتیں۔ مجھے دیکھ کر مسکراتا رہتا۔ کبھی آنکھوں سے عجیب و غریب اشارے کرتا۔ مجھے یہ سب ناگوار گزرتا۔ کئی بار سوچا کہ انتظامیہ کو مطلع کر دوں۔ یا پھر تمہیں۔ مگر وہی نسوانی مجبوریاں۔ وہی رسوائی کا ڈر، وہی بدنامی کا طوق۔ بات کا بتنگڑ نہ بن جائے، سوچ کر خاموش ہو جاتی۔

جلتی پہ تیل کا کام اُس دن کی ہمدردی سے ہوا۔ جس دن گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے میرے آگے ایک آوارہ لڑکا آن کھڑا ہوا۔ وہ بدکلامی کرنے لگا۔ میں ڈر گئی مگر کیا کر سکتی تھی۔ میری آنکھوں نے ساون بھادوں کی طرح برسات شروع کر دی اگر عدنان اُس وقت نہ آتا تو۔ جانے کیا ہوتا۔ عدنان اُس لڑکے کے ساتھ لڑنے لگا، بھلا ہو چوکیدار کا، اگر وہ بروقت وہاں نہ آتا، دونوں ایک دوسرے کو مار مار کر لہولہان کر دیتے اور میں بدنام ہو جاتی۔ میری نوکری بھی جا سکتی تھی۔ جاب جاتی تو فاقے ہوتے۔ پھر امی کی دوائیاں کہاں سے آتیں۔ گھر کا چولہا ٹھنڈا پڑ جاتا۔''

آنچل مایوس ہونے لگی۔ میں نے اُسے تسلی دی۔

''نہیں آنچل! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ جس طرح جاب کرنے کے لیے قوائد وضوابط سے گزرنا پڑتا ہے اسی طرح جاب چھوڑنے، چھڑوانے کے قانون ہوتے ہیں۔ جن کو پورا کرنا پڑتا ہے۔''

میں نے آنچل سے کہا اور آنچل سر جھکا کر پھر کہنے لگی۔

''خیر...... اُس دن بات آئی گئی ہوگئی اور دوسری صبح آپ بھی کام پر جانے لگی تو عدنان کو موقع نہ مل سکا۔ اُس کی نظریں میرا طواف ضرور کرتی تھیں اور پھر میں بھی چور نظروں سے اُسے دیکھ لیتی تھی۔ شاید میرے دل میں بھی محبت کی چنگاری بھڑک اُٹھی تھی۔ محبت کی چنگاری کو صاعقہ کے ہاتھوں آنے والی چٹھی نے ہوا دی۔ جس میں محبت کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس چٹھی میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر دو دن میں جواب مثبت نہ ملا تو فیکٹری کے گیٹ کے پاس تمہارے سامنے خود کو اڑا دوں گا۔ چٹھی کیا تھی۔ ایٹم بم تھا۔ کھلی دھمکی اور میری رسوائی بھی۔ میں ڈر گئی اور دل کے نہاں خانوں میں اُس نے جگہ بنالی تھی۔ یہ دل

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہی تو ہے جو اندھا اعتبار کر لیتا ہے۔ ہزار بار ٹوٹتا ہے پھر بھی عقل نہیں آتی۔ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی اور محبت کا اقرار کر دیا۔

محبت کا پودا شجر بننے لگا۔ جس دن آپ چھٹی پہ ہوتیں، ہماری عید ہوتی، ہماری ملاقات ہو جاتی۔ ہم دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پارک میں گھومتے پھرتے، ہوٹل میں لنچ ہوتے۔ محبت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ اور میں اس کے سحر میں ڈوب چکی تھی۔ عدنان کی باتیں مسرور کرتی تھیں، وہ بہت ہنس مکھ، خوش اخلاق تھا، مجھے زمانے کے لڑکوں سے الگ لگا اور میں نے اُسے من کے اندر چھپا لیا۔ عہد و پیمان ہونے لگے، قسمیں وعدے ہونے لگے۔

مجھے سہارا چاہیے تھا۔ امی اور آپ کے سوا میرا تھا ہی کون۔ پھر آپ بھی ایک نہ ایک دن دلہن بن کر اپنے پیا گھر چلی جاتی۔ میں تنہا رہ جاتیں۔ مرد کے بغیر زمانہ جینے بھی تو نہیں دیتا۔ مجھے عدنان کے رُوپ میں سہارا مل گیا تھا اور میں اُسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اُسے اپنا لیا، اُسے پوجنے لگی، اُسی کے سپنوں میں جینے لگی۔ وہ مجھے گفٹ دیتا تو مجھے خوشی ہوتی۔ کبھی پرفیوم، کبھی کپڑے اور بہت کچھ۔ لیکن......''

☆......☆......☆

شام ہو چکی تھی، میں نے کھانا بنانا تھا۔ خوابوں کے تانے بانے بُنتے بناتے آنچل رُخصت ہوئی اور میں بھی کچن میں مصروف ہو گئی۔ اُس دن کے بعد مصروفیات نے ایسا گھیرا کہ پھر ایسی محفل نہ جم سکی۔ وقت گھوڑے پر سوار ڈورتا رہا۔ کبھی کبھار آنچل کو چھیڑ لیتی اور اُس کے عدنان کو دیکھنے کی فرمائش کرتی رہتی۔ مگر آنچل نے یہ راز دل ہی چھپائے رکھا۔ کہتی تھی۔

''صائمہ باجی! کسی دن ملاقات کریں گے تو آپ کو ساتھ لے جاؤں گی، پھر دیکھ لینا۔ میرے عدنان کو، یوں سب کے سامنے نہیں۔ اور پھر وہ روز ہمارے آس پاس ہی تو ہوتا ہے۔''

آنچل کا عدنان ہمارے درمیان ہوتا تھا اور میں پہچان نہیں سکی تھی۔

وقت بے لگام گھوڑے کی طرح سرپٹتا چلا گیا اور ایک روز جب ہم کام سے واپس لوٹی تو آنچل کی دُنیا لٹ چکی تھی۔ اُس کا باپ یہ دُنیا چھوڑ گیا تھا۔ آنچل میری طرح باپ کے سائبان سے خالی ہو گئی تھی۔ میرے تو بھائی تھے۔ آج چھوٹے کل بڑے، آج نہیں کل میرا ساتھ دیتے، میرا سہارا بن جاتے مگر آنچل کا کوئی نہیں تھا۔ بھائی قتل ہو گئے، باپ بھی زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ بوڑھی ماں کب تک ساتھ نبھاتی۔ اُس دوران اُسے عدنان کی ضرورت تھی۔ عدنان نے اُسے تنہا نہ ہونے دیا۔

اُس دوران قیامت آئی اور سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔ مجھے ضروری کام تھا اور میں فیکٹری نہیں جا رہی تھی۔ میں نے آنچل کو اکیلا بھیج دیا۔ اُسے چھیڑا بھی۔

''آج تو اپنے شہزادے سے مل لوگی ناں۔''

اُس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ لیکن کیا خبر تھی، ایک طوفان آئے گا اور سب کچھ بکھر جائے گا۔ یہی میری غلطی تھی۔ کاش اُس دن میں اُس کے ساتھ چلی جاتی۔

☆......☆......☆

چھٹی کے بعد آنچل عدنان کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھانے چلی گئی۔ ہوٹل کا روم بک کروایا گیا۔ باتوں باتوں میں عدنان آنچل کے قریب سے قریب تر ہوتا گیا۔ اور وہ سب ہو گیا جو شادی سے پہلے کسی لڑکی کے لیے باعث شرمندگی ہوتا ہے۔ جذبات کی لہروں نے انہیں ایسا قید کیا کہ آنچل کو خبر بھی نہیں ہوئی اور اپنا سب کچھ عدنان پر قربان کر دیا۔ ہوش تب آیا جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ محبت کا نشہ، زہر بھر چکا تھا۔ عدنان سر جھکائے شرمندہ سا بیٹھا تھا۔ آنچل آنسو بہا رہی تھی۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت، کے مصداق، آنچل لٹ چکی تھی۔ اب ندامت کے آنسو بہانے سے کیا ہونا تھا۔

عدنان نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''میری جان تم ہی تو میری دلہن ہو۔ ایک نہ ایک دن میرے آنگن میں آ ہی جاؤ گی۔ ہمیں کوئی جدا نہیں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہی تو ہے جو اندھا اعتبار کر لیتا ہے۔ ہزار بار ٹوٹتا ہے پھر بھی عقل نہیں آتی۔ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی اور محبت کا اقرار کر دیا۔

محبت کا پودا شجر بننے لگا۔ جس دن آپ چھٹی پہ ہوتیں، ہماری عید ہوتی، ہماری ملاقات ہو جاتی۔ ہم دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پارک میں گھومتے پھرتے، ہوٹل میں لنچ ہوتے۔ محبت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ اور میں اس کے سحر میں ڈوب چکی تھی۔ عدنان کی باتیں مسرور کرتی تھیں، وہ بہت ہنس مکھ، خوش اخلاق تھا، مجھے زمانے کے لڑکوں سے الگ لگا اور میں نے اُسے من کے اندر چھپا لیا۔ عہد و پیمان ہونے لگے، قسمیں وعدے ہونے لگے۔

مجھے سہارا چاہیے تھا۔ امی اور آپ کے سوا میرا تھا ہی کون۔ پھر آپ بھی ایک نہ ایک دن دلہن بن کر اپنے پیا گھر چلی جاتی۔ میں تنہا رہ جاتیں۔ مرد کے بغیر زمانہ جینے بھی تو نہیں دیتا۔ مجھے عدنان کے رُوپ میں سہارا مل گیا تھا اور میں اُسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اُسے اپنا لیا، اُسے پوجنے لگی، اُسی کے سپنوں میں جینے لگی۔ وہ مجھے گفٹ دیتا تو مجھے خوشی ہوتی کبھی پرفیوم، کبھی کپڑے اور بہت کچھ۔ لیکن......"

☆......☆......☆

شام ہو چکی تھی، میں نے کھانا بنانا تھا۔ خوابوں کے تانے بانے بُنتے بناتے آنچل رُخصت ہوئی اور میں بھی کچن میں مصروف ہو گئی۔ اُس دن کے بعد مصروفیات نے ایسا گھیرا کہ پھر ایسی محفل نہ جم سکی۔ وقت گھوڑے پر سوار ڈورتا رہا۔ کبھی کبھار آنچل کو چھیڑ لیتی اور اُس کے عدنان کو دیکھنے کی فرمائش کرتی رہتی۔ مگر آنچل نے یہ راز دل ہی چھپائے رکھا۔ کہتی تھی۔

"صائمہ باجی! کسی دن ملاقات کریں گے تو آپ کو ساتھ لے جاؤں گی، پھر دیکھ لینا۔ میرے عدنان کو، یوں سب کے سامنے نہیں۔ اور پھر وہ روز ہمارے آس پاس ہی تو ہوتا ہے۔"

آنچل کا عدنان ہمارے درمیان ہوتا تھا اور میں پہچان نہیں سکی تھی۔

وقت بے لگام گھوڑے کی طرح سر پٹ بھاگتا چلا گیا اور ایک روز جب ہم کام سے واپس لوٹی تو آنچل کی دُنیا لٹ چکی تھی۔ اُس کا باپ یہ دُنیا چھوڑ گیا تھا۔ آنچل میری طرح باپ کے سائبان سے خالی ہو گئی تھی۔ میرے تو بھائی تھے۔ آج چھوٹے کل بڑے، آج نہیں کل میرا ساتھ دیتے، میرا سہارا بن جاتے مگر آنچل کا کوئی نہیں تھا۔ بھائی قتل ہو گئے، باپ بھی زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ بوڑھی ماں کب تک ساتھ نبھاتی۔ اُس دوران اُسے عدنان کی ضرورت تھی۔ عدنان نے اُسے تنہا نہ ہونے دیا۔

اُس دوران قیامت آئی اور سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔ مجھے ضروری کام تھا اور میں فیکٹری نہیں جا رہی تھی۔ میں نے آنچل کو اکیلا بھیج دیا۔ اُسے چھیڑا بھی۔

"آج تو اپنے شہزادے سے مل لو گی ناں۔"

اُس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ لیکن کیا خبر تھی، ایک طوفان آئے گا اور سب کچھ بکھر جائے گا۔ یہی میری غلطی تھی۔ کاش اُس دن میں اُس کے ساتھ چلی جاتی۔

☆......☆......☆

چھٹی کے بعد آنچل عدنان کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھانے چلی گئی۔ ہوٹل کا روم بک کروایا گیا۔ باتوں باتوں میں عدنان آنچل کے قریب سے قریب تر ہوتا گیا۔ اور وہ سب ہو گیا جو شادی سے پہلے کسی لڑکی کے لیے باعث شرمندگی ہوتا ہے۔ جذبات کی لہروں نے انہیں ایسا قید کیا کہ آنچل کو خبر بھی نہیں ہوئی اور اپنا سب کچھ عدنان پر قربان کر دیا۔ ہوش تب آیا جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ محبت کا نشہ، زہر بھر چکا تھا۔ عدنان سر جھکائے شرمندہ سا بیٹھا تھا۔ آنچل آنسو بہا رہی تھی۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت، کے مصداق، آنچل لٹ چکی تھی۔ اب ندامت کے آنسو بہانے سے کیا ہونا تھا۔

عدنان نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"میری جان تم ہی تو میری دلہن ہو۔ ایک نہ ایک دن میرے آنگن میں آ ہی جاؤ گی۔ ہمیں کوئی جدا نہیں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کرسکتا۔ آنچل ان شیریں باتوں کی زنجیروں میں قید ہوتی چلی گئی۔ پھر جیسے ہی موقع ملتا یہ سلسلہ گا ہے بگاہے چلتا رہتا اور آنچل نے مجھے خبر تک نہ ہونے دی۔

وہی ہوا جس کا ڈر تھا، آنچل حاملہ ہوگئی۔ جب جسامت میں تبدیلی آنے لگی تو میرے پاس آئی۔ گم صم سی، بجھی بجھی سی۔ مجھے بہت شاک لگا۔

آنچل یہ تُو نے کیا کرلیا۔ پگلی! مجھے تو بتایا ہوتا۔'' وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''صائمہ باجی! ، میں شرمندہ ہوں۔ مجھے خبر نہ ہوئی اور انجانے ڈر سے سب کچھ چھپاتی رہی۔ اب کچھ کرو۔ باجی تمہارے سوا میرا کون ہے؟ اس مسئلے کا حل تلاش کروں۔ ورنہ......''

''ورنہ۔کیا۔''

''میں مرجاؤں گی۔'' وہ گھبرا رہی تھی۔

''پگلی! مایوس نہ ہو۔ ہمت سے کام لے اور تم نے عدنان سے بات کی ہے؟'' میں نے پوچھا!

''جی صائمہ باجی۔ میں نے کئی بار شادی کرنے کا کہا لیکن وہ ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں عدنان......''

''نہیں آنچل، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔''

''اگر اُس نے انکار کردیا تو میں مرجاؤں گی۔''

آنچل رونے لگی اور میں اُسے تسلی دیتی رہ گئی۔

''گھبراؤ نہیں۔ حوصلہ رکھو۔ کسی لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں۔''

دوسرے دن میں اُسے لے کر لیڈی ڈاکٹر کے پاس چلی گئی۔ لیکن معاملہ بگڑ چکا تھا۔ اب کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

لیڈی ڈاکٹر نے جواب دے دیا۔ ہم مایوس واپس لوٹ آئیں۔ اب ایک ہی حل تھا، کہ عدنان جلد از جلد آنچل سے شادی کرلے۔

''آنچل تم ایسا کرو۔ عدنان پر زور دو۔ اُسے معاملے کی صورتِ حال سے آگاہ کرو، ممکن ہو تو میری ملاقات کراؤ، میں اسے سمجھاؤں گی۔ ہوسکتا ہے وہ سمجھ جائے اور معاملہ حل ہوجائے۔ اگر تم سے محبت کرتا ہے تو میرا نہیں خیال کہ اُسے انکار کرنا چاہیے۔''

آنچل نے حامی بھرلی۔ اسی پریشانی میں دن گزر گیا اور آنچل اپنے گھر چلی گئی۔ میں بہت پریشان تھی۔ موبائل ابھی کم کم متعارف ہوئے تھے رابطوں میں آسانی نہیں تھی۔ کئی دن گزر گئے۔

آنچل نے عدنان سے ملاقات کی اور ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ عدنان کے تو تیور بدل گئے اور اُس نے آنچل کو بدچلن، آوارہ، گناہوں کی دلدل جیسے القابات سے نواز دیا۔

''میں تم جیسی غریب لاوارث لڑکی کے ساتھ شادی کیسے کرسکتا ہوں۔؟ تم نے تو اپنی تسکین کے لیے اپنا سب کچھ میرے حوالے کیا تھا۔ تم جیسی ہزاروں روز میرے آگے پیچھے ہوتی ہیں۔ تم لڑکیاں ہوتی بھی اس لیے ہو۔ وقت گزاری کے لیے۔ ہم تو آزاد شکاری ہیں، جہاں سے شکار مل جائے۔ کرلیا۔ تم جیسی آوارہ لڑکی سے کوئی بھی شادی نہیں کرے گا، جو شادی سے پہلے اپنی عزت نیلام کردے۔''

عدنان کے الفاظ، آنچل پر انگاروں کی برسات کر رہے تھے۔ اُسے زمین گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ لاوارث یتیم لڑکی تھی۔ کہاں جاتی۔ کس سے انصاف مانگتی، کس کا در کھٹکھٹاتی۔ یہاں تو ہر گلی میں نوچنے والے بیٹھے ہیں۔ کوئی اُس کی فریاد سننے والا نہیں تھا۔

اُس رات مجھے بتاتے ہوئے آنسو بہاتی رہی۔ میں خود پریشان تھی۔ وہ خود کو ختم کرنا چاہتی تھی۔

''ایسی بے رونق زندگی کا کیا کروں گی باجی!''
اندر تک وہ ٹوٹ چکی تھی۔
ایسے میں جینے کا تصور کون کرسکتا ہے؟
میں اُسے جھوٹی تسلی دیتی رہ گئی۔
آنچل مایوسی گناہ ہے۔

''رب تعالٰی سے معافی مانگو اور اسی کے آگے سر کو جھکا دو۔ وہی کارساز ہے۔ وہی کوئی نہ کوئی سبب پیدا کردے گا۔''

رات کا اندھیرا گہرا ہونے لگا تو آنچل روتی، بلکتی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

اپنے گھر چلی گئی اور میں اس کے بارے سوچتے سوچتے سوگئی۔

☆......☆......☆

مؤذن اذان دے رہا تھا جب ہمارا بیرونی دروازہ کسی نے زور زور سے کھٹکھٹایا۔ یا اللہ خیر۔ میرے لبوں پر یہی کلمات تھے اور میں چارپائی چھوڑ کر وضو کرنے جارہی تھی۔ صبح صبح کون ہوسکتا ہے؟ ابھی تو رات کا اندھیرا ٹھیک طرح سے گیا نہیں ہے۔ سحر پھوٹنے والی تھی۔ چڑیاں حمد و ثنا کی تیاری میں لگی تھیں۔

''کون؟''

میں نے چلتے ہوئے آواز دی۔

بوڑھی عورت روتے ہوئے دروازہ پیٹ رہی تھی اور میں یہ آواز لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ آنچل کی ماں دروازے پر تھی۔ مجھے حیرت کا شاک سا لگا۔ ہو نہ ہو، کہیں آنچل۔

ایک خدشہ سا اُبھرا۔

''کیا ہوا خالہ؟''

میں نے دروازے کے پٹ کھولتے ہوئے پوچھا۔

''وہ۔و۔ہ۔وہ۔ آنچل۔''

ماں جی کے الفاظ حلق میں پھنس رہے تھے۔

''آنچل کو کچھ ہوگیا ہے۔'' خالہ حلیمہ نے بمشکل کہا۔ میں ڈر گئی۔ امی کو مطلع کرتی، آنچل کی طرف دوڑی۔

آنچل بان کی چارپائی پر پڑی تھی۔ منہ سے صابن کی جھاگ طرح سفید غبارے نما بلبلے نکل رہے تھے۔

''آنچل۔'' میں چیخی۔

''ارے آنچل آنکھیں کھولو۔'' اُس کی آنکھوں میں خماری تھی۔

آنچل! دیکھو میں ہوں۔ صائمہ باجی!

اُس نے آنکھوں کو جنبش سی دی، پپوٹے حرکت میں آئے اور بڑی غور سے میرے چہرے کو تکنے لگی۔ دائیں ہاتھ کی مٹھی بند تھی۔ اُس نے ہاتھ میرے طرف کر کے مٹھی کھول دی۔ سفید کاغذ تہہ کیا ہوا تھا۔ لیٹر تھا۔ لیٹر میں نے لے لیا تھا کہ آنچل نے ہچکی لی۔ اُس کے لب گردش میں تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات تھی۔ آنکھوں میں چھپے الفاظ مجھ سے وعدہ لے رہے تھے۔

''صائمہ باجی!''

تم نے اُسے ضرور کیفر کردار تک پہنچانا ہے۔ جس نے میری زندگی اُجاڑ دی۔ تم بھی اُس کی زندگی میں زہر گھول دو۔ تمہیں میری قسم۔ میری قسم۔''

آنچل کی گردن ایک طرف کو لڑھک گئی، اور یوں آنچل مجھ سے ہمیشہ کے لیے بہت دور چلی گئی۔

اُس نے کہیں سے زہریلی گولیاں لے لی تھیں۔ جانے کتنی گولیاں حلق سے نیچے اتار لی تھیں۔ زہر اُس کی رگوں میں پھیل گیا تھا۔ پل بھر میں موت نے اُسے اپنی گود میں میٹھی نیند سُلا دیا تھا اور وہ بے وفا دُنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

آنچل کو منوں مٹی تلے دفن کر دیا گیا اور زندگی معمول پر آگئی۔ لیکن میری زندگی کے شب و روز کرب میں گزر رہے تھے۔ آنچل روز میرے خوابوں میں چلی آتی تھی۔ مجھے پل بھر بھی چین نہیں تھا۔

آنچل کا لکھا ہوا آخری خط میرے پاس رہتا تھا۔ اسی لیٹر میں اُس نے عدنان کی تصویر بھی دی تھی۔ اُس کے بارے میں کافی معلومات لکھ دی گئی تھیں۔

میں آسانی سے اُس تک رسائی حاصل کر سکتی تھی۔ میرے اندر انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ راتوں کی نیندیں، دن کا چین اُڑ گیا تھا۔ روح بے چین تھی۔ آنچل کا معصوم چہرہ میرے نظروں سے اوجھل ہی نہیں ہوتا تھا۔

انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے میں نے اپنے پلان کو حتمی شکل دی، جال بنا شروع کر دیا۔ اسی جال میں، میں عدنان کو جکڑ کر انتقام لینا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

وقت محو پرواز رہا اور میں فیکٹری جانے لگی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تھی۔اب بھی وہی گاڑی ہمیں لے جاتی اور واپس چھوڑ جاتی تھی۔عدنان۔سامنے والی سیٹ پر بیٹھا مجھے گھورے جا رہا تھا۔ میں بھی اسی انتظار میں تھی۔اُس نے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا تو میں مسکرا دی۔اور میں نے قاتلانہ اداؤں سے اپنا جال اُس پر پھینک دیا۔

مرد تو ایک اشارے کے محتاج ہوتے ہیں۔بھنورے کی طرح لڑکیوں کے اردگرد منڈلانے لگتے ہیں۔

مجھے عدنان کو زیر کرنے میں دیر نہیں لگی،عدنان میری زلفوں کا اسیر ہو گیا۔اُسے شاید خبر ہی نہیں تھی کہ میں آنچل کی دوست ہوں۔آنچل نے بھی کبھی اُس سے میرا ذکر نہیں کیا تھا۔اِس طرح مجھے اپنے شکار میں آسانی رہی۔شکاری چالاک ہو تو شکار آسان ہو جاتا ہے۔جو میں چاہتی تھی،وہی ہو رہا تھا،شکار خود چل کر شکاری کے پاس آ رہا تھا۔

عدنان مجھے موقع دیتا تو میں اور بھی قریب ہو جاتی،میں اُسے یہی تو محسوس کروانا چاہتی تھی کہ میں اُس پہ مرمٹی ہوں،وہ جہاں سے چاہے مجھے حاصل کر لے،میں جان بوجھ کر بے ہودہ لباس زیب تن کر کے اُس کے سامنے جاتی،زلفیں کھلی رکھتی،اور دعوتِ عشق دیتی مسکراہٹ تو ہر وقت سجی رہتی۔باتوں باتوں میں ہماری گفتگو ایسی ہو جاتی جو میاں،بیوی بھی کرتے ہوئے شرماتے ہوں۔

میری ادائیں،مہربانیاں اتنی بڑھیں کہ عدنان میرا دیوانہ ہو گیا۔مجھے جان ہی نہیں پایا وہ تو طوطا چشم تھا،کچا پھل کھانے کا عادی تھا۔میں اُسے جلا رہی تھی،عدنان کو تڑپانا چاہتی تھی۔وہ مجھ پر قربان ہو چکا تھا،جس طرح لوہار کی بھٹی میں لوہا سرخ لال ہوتا ہے،اُسے چوٹ لگا کر کسی بھی حالت میں ڈھالا جا سکتا ہے۔عدنان بھی سُرخ لال پھل کی طرح مجھے نوچنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔بس ایک اشارہ کرنے کی ضرورت تھی۔ابھی تک میں اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھی۔عدنان میری قریب ہوتا چلا گیا۔وہ اپنی ہوس پوری کرنا چاہتا تھا،مجھے نوچنے کے لیے بے تاب تھا،اب تک جانے کتنی معصوم کلیاں اس بھیڑیے کے ہتھے چڑھ چکی تھیں۔کتنی زندگیاں وہ برباد کر چکا تھا۔انسانی روپ میں درندہ تھا۔شاید بھی مرد ایسے ہی ہوتے ہیں

☆......☆......☆

عید کی چھٹیاں ہونے والی تھیں۔آج فیکٹری میں آخری دن تھا اور میں تیار تھی۔مجھے شام کو عدنان کے پاس جانا تھا۔کسی ہوٹل میں نہیں،اُس کے گھر میں۔ہاں۔مکمل آزادی۔یہی تو عدنان چاہتا تھا اور میں بھی۔عدنان بھی چاہتا تھا کہ میں اکیلی آؤں اور میرا پلان بھی یہی تھا کہ اُس کے پاس اکیلی ہی جاؤں۔درمیان میں تیسرا کوئی نہ ہو۔بہترین موقع ہاتھ آیا تھا۔عدنان نے ڈیرے پر دعوت دی تھی اور میں نے بھی حامی بھر لی تھی۔

☆......☆......☆

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور میں عدنان کے پاس جانے کے لیے تیار تھی۔اس دوران عدنان کی کئی کالیں آ چکی تھیں۔ہاں۔میں نے موبائل رکھا ہوا تھا اور میرے پاس جو موبائل تھا،عدنان نے گفٹ کیا تھا۔

کال ریسو کر کے میں نے عدنان سے کہا۔

''ہاں۔میری جان۔میں گھر سے چل پڑی ہوں۔بے صبرے کیوں ہو رہے ہو،بس تھوڑی دیر میں تمہاری بانہوں میں ہوں گی۔''میں نے اُس کے ارمانوں پر،اس کے جذبوں پر جلتی پر تیل والا کام کیا تھا۔میں نے اُسے اسٹاپ پر سے لے جانے کا کہہ کر کال ڈراپ کر دی۔

''اوکے۔اوکے۔''

عدنان نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''میں،امی سے سفید جھوٹ بول کر آئی تھی کہ سہیلی کے گھر جا رہی ہوں،جلدی آ جاؤں گی،پریشان نہ ہونا۔''

''پھر بھی۔بیٹا۔جلدی آنا۔زمانہ بہت خراب ہے۔''

''امی فکر نہ کریں۔''میں نے امی کو تسلی دی۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

میں اپنی ماں کا بیٹا ہی تو تھی۔

''آپ کی صائمہ اب بچی نہیں رہی۔ اچھا بُرا سب سمجھتی ہے اور اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔''

''جا بیٹی، اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے۔''

میں ماں جی کی دعاؤں کے نذرانے وصول کرتے گھر کی چوکھٹ پار کرگئی۔

میری منزل عدنان تھا۔ میں اندھیرا چھانے سے پہلے واپس گھر بھی آنا چاہتی تھی۔

میں نے مارکیٹ سے قیمتی تحفے خریدے۔ پرفیوم لیا اور اُس میں بے ہوشی کا محلول ملا دیا۔ اچھی طرح مکس کر کے، اپنا رومال اُس میں بھگو دیا۔ پرفیوم میں بھی محلول تھا، اور میرا ارادہ تھا کہ سب سے پہلے پرفیوم عدنان کو دوں گی اور وہ میری خوشی کے لیے پرفیوم ضرور لگائے گا۔ اس کے استعمال کرنے سے، چند لمحوں میں غنودگی چھانے لگتی۔ بے ہوشی والا محلول میری سہیلی نے مجھے لا کر دیا تھا۔ اس کے بعد سموسے لیے، کیونکہ عدنان سموسے بڑے شوق سے کھاتا تھا۔ ہم جب بھی ملاقات کرتے، سب سے پہلے سموسے ہماری ٹیبل کی زینت بنتے۔ پھر باتوں باتوں میں سموسے ختم ہو جاتے اور ملاقات بھی ہو جاتی۔

عدنان کو میری پسند اور غیر پسند کی جانکاری تھی۔ میں بھی عدنان کی پسند اور غیر پسند جان چکی تھی۔ عدنان، مجھ پہ فدا ہوا۔ جسم حاصل کرنے کا نشہ ہی ایسا ہوتا ہے۔ خماری، بے قراری زبردست تھی۔ میں اپنے پلان کے مطابق، عدنان کے گھر کی طرف رواں دواں تھی۔

ٹھیک دس منٹ کے بعد میں عدنان کے بتائے ہوئے اسٹاپ پہ کھڑی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے پنک کلر کی شرٹ اور جینز کی پینٹ زیب تن کر رکھی تھی۔ اُس کی بناوٹ ایسی تھی کہ جسم کا انگ انگ جھلکتا تھا۔ کالی چادر کا برقع اوڑھ رکھا تھا۔ شریر لڑکے مجھے گھور رہے تھے۔ برقع معاشرے کے لیے، زمانے کے لیے اور پینٹ شرٹ عدنان کو زیر کرنے کے لیے زیب تن کی ہوئی تھی۔ میں اسٹاپ پر کھڑی اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی کہ عدنان کی بائیک آ کر رکی۔

عدنان آچکا تھا اور میں پل بھر میں اُس کی بائیک پر بیٹھ گئی تھی۔ اُس کے لبوں پر وحشی مسکراہٹ پھیل گئی اور بائیک منزل کی طرف چل پڑی۔ گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس روشن ہو گئی تھیں اور اندھیرے نے چاروں طرف کالی چادر کی بُکل ماری تھی۔ میں نے برقع اُتار دیا۔

''اُف اللہ! آج تو جان لے کر ہی چھوڑ دگی۔''

''بس ارادے تو کچھ ایسے ہی ہیں۔'' میں نے عدنان کو جواب دیا، پھر دونوں کی شیطانی مسکراہٹ فضا میں سرایت کر گئی۔

''میری جان یہ سب کچھ تیرے لیے ہی تو ہے۔'' عدنان اور کھل اُٹھا۔ ہماری بائیک کھیتوں سے ہوتی ہوئے ڈیرے پر جا رکی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ڈیرے پر دوسرا کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ دور، دور برقی بتیاں روشن تھیں جو ستاروں جیسا منظر پیش کر رہی تھیں۔

عدنان نے بائیک سائیڈ پر کھڑی کرتے ہوئے، مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے عدنان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ لے لیا اور اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے اندر کی طرف چلے گئے۔

بڑا سا کمرہ تھا، بیڈ روم صاف ستھرا، ایک کونے میں ڈیک، ایل سی ڈی پڑا تھا۔ کمرے کی دیواریں حوا کی بیٹیاں لٹنے کی صدائیں سنا رہی تھی۔ مجھے یہ دیواریں آنچل کے لٹنے کی صدائیں سناتی محسوس ہوتی تھیں، اُس کی چیخیں میری سماعتوں کے پردے پھاڑ رہی تھیں۔ مجھے یوں لگا کہ یہی وہ جگہ تھی، جہاں آنچل اپنی عصمت گنوا کر گئی تھی۔

آنچل کا خیال آتے ہی میرا خون جوش مارنے لگا۔ انتقام کی آگ نے زور پکڑ لیا۔ میں صبر کا دامن تھامے ہوئے تھی۔ میری ذرا سی غفلت سے سارا پلان خاک میں مل جاتا اور میں دوسروں کی طرح ایک بھیڑیے کے ہاتھوں لٹ جاتی۔ مگر میں تو ایسا نہیں چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

عدنان اور میں بیڈ پر بیٹھ چکے تھے۔

"عدنان ۔لو سموسے میرے ہاتھوں سے کھاؤ۔خاص تمہارے لیے لائی ہوں۔" میں نے سموسے کا نوالہ اُس کے منہ میں دیتے ہوئے کہا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے زہر آلودہ سموسے اُس کے معدے میں اپنی سرگرمیاں دکھانے لگے تھے۔ میں نے کولڈ ڈرنک بھی پلا دی۔ سموسوں میں نشہ آور گولیاں ملا کر آئی تھی اور میں نے ایک نوالہ بھی نہیں لیا تھا۔ عدنان بارہا کہتا رہا مگر میں نے بہانہ بناتے ہوئے کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اُس کا دل رکھنے کے لیے کولڈ ڈرنک پی لی تھی۔ عدنان کہتا ہی رہ گیا۔

"جان تم بھی لو ناں سموسہ۔"

"یار میرا معدہ خراب ہے۔ سموسے گڑبڑ کریں گے۔ بس کولڈ ڈرنک بہت ہے۔" میں نے کہا

"اچھا میں کچھ اور منگواتا ہوں۔" عدنان بیڈ سے اترنے لگا۔

"نہیں ۔نہیں۔"

میں نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ پیٹ پر ہاتھ رکھنا صرف اور صرف بہانہ تھا۔ تا کہ عدنان کو کسی قسم کا شک نہ ہو۔ اتنے میں ۔پرس سے پرفیوم نکال چکی تھی۔

"میری جان۔ یہ خاص تمہارے لیے۔" میں نے پرفیوم اُس کی طرف کی۔

"تم اُسے چیک کرو میری پسند کیسی ہے۔" عدنان نے پرفیوم لیتے ہوئے بوتل کا ڈھکن کھولا ہی تھا کہ میں نے پیٹ میں درد ہونے کی ڈرامائی انداز اپنایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا؟" عدنان بے چین ہونے لگا۔

"واش روم۔ اُدھر۔"

"اچھا! میں آتی ہوں۔ تم پرفیوم چیک کرو۔ کیسی ہے؟ باقی پھر۔"

میں نے فقرہ اُدھورا چھوڑ دیا تھا تا کہ عدنان سمجھیں کہ آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی ہے۔

میں واش روم میں گھس گئی اور شاور کھول دیا۔ پرفیوم لگانے کی آواز میں نے بآسانی سن لی

مشہور مصنفین کے مقبول ترین ناول

جادو	ایم اے راحت	800/-
تیری یادوں کے گلاب	شازیہ اعجاز شازی	300/-
کانچ کے پھول	غزالہ جلیل راؤ	500/-
دیا اور جگنو	غزالہ جلیل راؤ	500/-
اناہیل	غزالہ جلیل راؤ	500/-
جیون جھیل میں چاند کرنیں	فصیحہ آصف خان	500/-
عشق کا کوئی انت نہیں	فصیحہ آصف خان	500/-
سلگتی دھوپ کے صحرا	عطیہ زاہرہ	500/-
یہ دیا بجھنے نہ پائے	محمد سلیم اختر	300/-
وش کنیا	ایم اے راحت	400/-
درندہ	ایم اے راحت	300/-
تتلی	ایم اے راحت	200/-
بھرم	ایم اے راحت	200/-
چیون	خاقان ساجد	400/-
دھواں	فاروق انجم	300/-
دھڑکن	فاروق انجم	300/-
درخشاں	انوار صدیقی	700/-
آشیانہ	اعجاز احمد نواب	400/-
جزیرہ	اعجاز احمد نواب	500/-
ناگن	اعجاز احمد نواب	999/-

نواب سنز پبلی کیشنز

1/92، کوچہ میاں حیات بخش، اقبال روڈ

کمیٹی چوک راولپنڈی Ph: 051-5555275

لکھاری بہنیں اپنا ناول شائع کروانے کے لیے رابطہ کریں

0333-5202706

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تھی:

عدنان نے پرفیوم اپنے کپڑوں اور بغلوں میں لگائی تھی۔ میں واش روم میں کھڑی ٹائم گزارنے لگی۔ کافی دیر کے بعد میں باہر آئی۔ عدنان۔ بیڈ پر بیٹھا ڈرنک گلاسوں میں انڈیل رہا تھا۔

''آؤ، آؤ ڈارلنگ ڈرنک پیو۔ اس سے پیٹ کی خرابی ٹھیک ہو جائے گی۔''

''یہ کون سی ڈرنک ہے۔''میں نے اُس سے اٹھنے والی بدبو سے بیزار ہو کر پوچھا۔

''یار خاص اسپیشل منگوائی ہے۔ اس کو شراب کہتے ہیں۔ کیا نشہ ہے اِس کا۔ محفلوں میں رنگ بھر دیتی ہے۔''

'نشہ! نشہ تو میں نے تمہیں دے دیا ہے۔' میرے دل میں چھپے انسان نے جواب دیا۔

عدنان نے شراب سے بھرا گلاس میری طرف بڑھایا ہی تھا کہ جھٹکے سے بیڈ پر لیٹ گیا۔ میں ہنسنے لگی۔

''یار ابھی تو پی نہیں اور نشہ پہلے ہی چڑھ گیا۔''عدنان کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے بیڈ سے اُٹھنے کی کوشش کی مگر میں نے اُسے لٹا دیا اور اپنی شرٹ کے بٹن کھول دیے۔

عدنان بے قابو ہو گیا اور میرے قریب ہوتا گیا، اُس کی سانسوں کی آواز میں سن رہی تھی۔ عدنان نے میرے سینے کی طرف ہاتھ بڑھائے ہی تھے کہ جھٹکے سے ہاتھ لڑھک گئے۔

زہر نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ عدنان میری بانہوں میں جھول گیا۔

کتنی آسانی سے۔ میں کامیاب ہو گئی تھی۔ درندوں کی اِس طرح موت نہیں ہونی چاہیے۔ انھیں تو چوراہوں پر لٹکا کر پتھر مار مار کر ہلاک کرنا چاہیے۔ ایسی عبرت ناک سزا ہونی چاہیے کہ بعد میں کوئی بھی ایسی غلطی نہ کرے۔

میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتی تھی۔ عورت ذات تھی اور اپنی بدنامی سے ڈرتی تھی۔ میں نے یہی طریقہ ڈھونڈا تھا۔

''عدنان، عدنان......''میں نے اس کے بازوؤں پکڑ کر حرکت دینی چاہی۔ اُس کا جسم بے جان تھا، آنکھیں کھلی تھی جیسے ابھی باہر کو اُبل پڑیں گی۔ پھر دیکھتے دیکھتے عدنان نے آخری دو لمبی لمبی ہچکیاں بھری اور بے سدھ ہو گیا۔

عدنان مر گیا۔ میں نے اُس کے کانوں میں کہا۔ 'اتنی جلدی مر گئے۔ درندے کی یہی سزا ہونی چاہیے۔ کم از کم آج کے بعد کوئی حوا کی بیٹی تیری ہوس کا نشانہ تو نہیں بنے گی۔'

میرے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے نفرت سے گھورتے ہوئے۔ حقارت سے عدنان کے مردہ جسم کو پرے کیا اور بیڈ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جاتے ہوئے شراب کی بوتل اُس کے ہاتھ میں تھما دی، تاکہ شراب نوشی کی کثرت سے موت واقع ہونے کا سندیسہ مل سکے۔

میں نے اپنا پرس اٹھایا اور دروازہ کراس کر گئی۔

آدھے گھنٹے کی مسافت کے بعد میں اپنے گھر موجود تھی۔ رات کا اندھیرا ہر سو پھیل چکا تھا اور میں پُرسکون تھی۔ میری روح کو چین مل گیا۔ اور آنچل بھی خوش ہو رہی تھی۔ میں نے کھلے آسمان پر سفید بادلوں میں آنچل کو ہاتھ ہلاتے، مسکراتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے دوستی کا قرض اُتار دیا تھا۔

دوسرے روز میں فیکٹری گئی۔ اخبار میرے آفس میں پڑا تھا۔ سرسری جائزہ لینے کے لیے اٹھایا تو نظریں ایک کونے میں لگی انسانی تصویر پر ٹک گئیں۔

عبارت یوں تھی، زہریلی شراب نے ایک اور نوجوان کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

اور میری فیکٹری میں اظہار افسوس کے لیے کام روک دیا گیا۔ عدنان ہماری فیکٹری کا ورکر تھا۔ سبھی کے لبوں پر عدنان کے لیے تعریفی کلمات تھے مگر اصلیت سے ہر کوئی عاری تھا۔ پاک دھرتی سے ایک کمینہ، انسان کے روپ میں شیطانی درندہ کم ہو گیا تھا، اور میں واحد تھی جو اس کی موت پر خوشیاں منا رہی تھی۔

☆☆......☆☆

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہم شکل

Downloaded From
Paksociety.com

ایم اے راحت

سچی کہانیاں میں پہلی بار، برصغیر کے نامور قلم کار، ایم اے راحت کے قلم کا جادو

قسط نمبر: 14

خلاصہ

شاہ زیب کا تعلق روایت پسند گھرانے سے تھا۔ مشترکہ خاندان پر مبنی اس خاندان میں شاہ زیب سب سے چھوٹا اور لاڈلا فرد ہے۔ خاندان کی بزرگ دادی اماں بڑی اہمیت کی حامل شخصیت ہیں۔ اُن کے قصوں اور ٹوٹکوں سے ہر فرد مستفید ہوتا ہے۔ ایک دن قصوں کے درمیان دادی اماں نے کہا کہ دنیا میں اللہ نے ہر انسان کے سات ''ہم شکل'' بنائے ہیں۔

ایک دن شاہ زیب کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی۔ ہسپتال لے جانے کے بعد ڈاکٹر شاہ زیب کو برین ٹیومر ہونے کی اطلاع دیتا ہے۔ شاہ زیب زندگی کے باقی ماندہ دنوں کو ہسپتال کی نذر کرنے کے بجائے اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کو ترجیح دیتا ہے اور یوں وہ گھر والوں کو اطلاع دیے بغیر شہر سے دور سفر پر نکل جاتا ہے۔

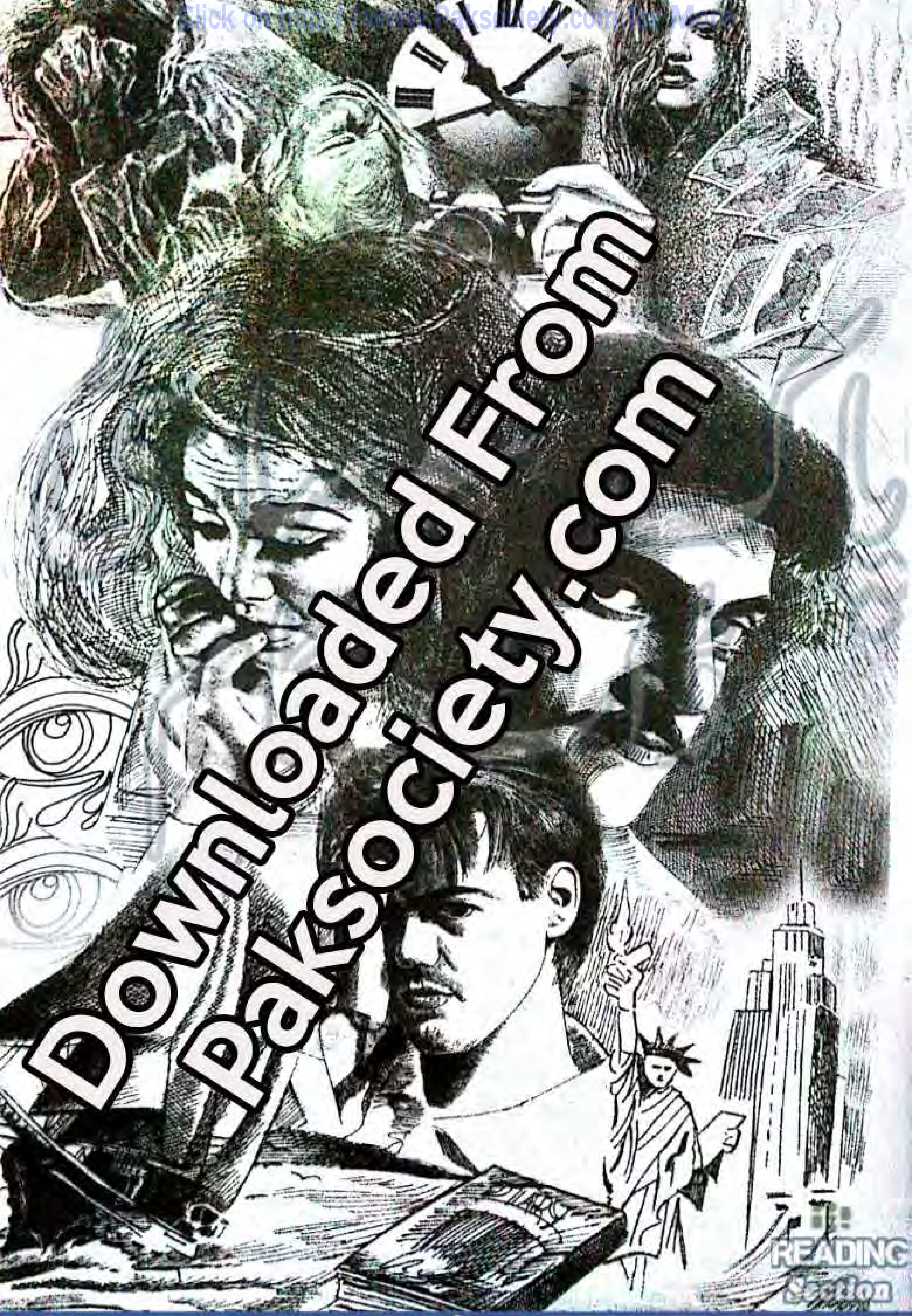
دلاور ایک عادی مجرم ہے اور اس کی شکل شاہ زیب سے مشابہ ہے۔ دلاور کے دھوکے میں پولیس شاہ زیب کو گرفتار کر لیتی ہے۔ دلاور ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر شاہ زیب کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ جیل سے فرار ہونے کے بعد دلاور شاہ زیب کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

طویل سفر کرنے کے بعد ریل اسٹیشن پر رُکتی ہے تو ایک مجمع اُسے نظر آتا ہے۔ ایک لڑکی شاہ زیب کو ''عالی'' کہہ کر مخاطب کرتی ہے۔ مجمع میں موجود ایک بزرگ اُسے زبردستی اپنے ساتھ گھر لے جانے پر مجبور کرتا ہے۔ شاہ زیب کو اپنی دادی کی بات یاد آتی ہے سات ہم شکل والی یعنی کہ ایک اور ''ہم شکل'' اس نئی صورت حال سے نمٹنے کے لیے ذہنی کوفت کا شکار ہو جاتا ہے۔

گھر پہنچنے کے بعد شاہ زیب کو معلوم پڑتا ہے کہ ''عالی'' جو اس گھر کا بیٹا ہے وہ شاہ زیب کا ہم شکل ہے اسٹیشن والی لڑکی جس کا نام نشاط ہے وہ عالی کی بیوی ہے عالی نشاط سے غلط فہمی کا شکار ہوتے ہوئے گھر سے چلا گیا تھا۔ اب شاہ زیب کو عالی سمجھ کر سب گھر والے اور نشاط سمجھانے کی اور غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاہ زیب نے بڑی مشکل سے ان کو یہ بات باور کرائی کہ وہ عالی نہیں شاہ زیب ہے جس کی شکل عالی سے مشابہ ہے۔ بہرکیف عالی کے خاندان والوں کو جب شاہ زیب کی حقیقت معلوم ہوئی تو وہ اس

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More



Downloaded From Paksociety.com

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کے احسان مند ہو گئے اور شکریہ ادا کرتے اس سے اس کے بارے میں معلوم کرنے لگے۔شاہ زیب نے بتایا کہ اس کی دادی ماں نے ایک بار کہا کہ ہر انسان کے سات ہم شکل ہوتے ہیں بس میرا دل چاہا کہ اپنی زندگی میں اپنے ہم شکلوں کو تلاش کروں اور یقین کریں کہ مجھے میرے دو ہم شکل مل گئے ایک دلاور اور آپ کا عالی اور تیسرا میں اور اب چوتھے ہم شکل کی تلاش ہے۔

عالی کے گھر والے اس کو خاصی رقم دے کر رخصت کرتے ہیں۔شاہ زیب اپنے تیسرے ہم شکل عالی کے بعد وہاں سے نکل کر ایک فور اسٹار ہوٹل میں جاتا ہے۔اب شاہ زیب کی زندگی میں سیزارو آ جاتا ہے۔وہ برطانیہ کے ایک خفیہ گینگ سے منسلک ہے۔جس نے سیزارو کو ہائی جیک کیا ہوا ہے۔ابھی شاہ زیب سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ اُسے کوروتی ٹکرا جاتی ہے۔کچھ بندے اُسے زبردستی اُس جگہ پہنچا دیتے ہیں جہاں پر ڈینیل نے کوروتی کو رکھا ہوا ہے۔

Downloaded From Paksociety.com

اب آگے ملاحظہ کیجیے

سونارا نے اپنا ہاتھ شاہ زیب کے ہاتھ میں رہنے دیا اور وہ اس کی کیفیات کا جائزہ لیتا رہا، اس وقت شاہ زیب کے ذہن میں کوئی شیطانی تصور نہیں ابھرا تھا۔ یہی سونارا کی اس حرکت سے میں نے کسی اور کیفیت کا احساس کیا تھا، بس رحم کا ایک جذبہ غالباً انسیت میں بدلتا جا رہا تھا۔

''ہم دونوں دوست ہیں اور میں آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں ڈیئر سونارا۔''

شاہ زیب کافی دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اور وہ سنتی رہی، اس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں، لیکن ہاتھ شاہ زیب کے ہاتھ سے نہیں ہٹایا تھا، غالباً یہ اس بات کا اظہار تھا کہ اسے نیند آ رہی ہے، شاہ زیب نے خود ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی، معصوم لڑکی تھی اس کی اس حرکت پر مجھے بے حد پیار آیا تھا، دیر تک شاہ زیب اسے دیکھتا رہا، اس نے کروٹ بدل لی تھی اور پھر نیند کی دیوی نے شاہ زیب کو بھی اپنی آغوش میں لے لیا، پھر اس وقت آنکھ کھلی جب صبح ہو چکی تھی۔

رات کے مناظر یاد کر کے شاہ زیب نے دوسری جگہ نگاہ دوڑائی، لیکن سونارا اب وہاں موجود نہیں تھی، ایرا کی مصیبت سر پر نازل ہو چکی تھی۔

دوسرے دن کے سفر میں بھی شاہ زیب نے جان بوجھ کر ایرا سے اجتناب برتا۔ جب وہ ایک گاڑی میں داخل ہوئی تو شاہ زیب فوراً ہی دوسری گاڑی میں جا بیٹھا اور یقیناً یہ صرف اتفاق تھا کہ اس گاڑی میں مسٹر گرج اور سونارا کے علاوہ دوسرے چند افراد بھی تھے، شاہ زیب کو سونارا کے قریب جگہ ملی اور اس نے بڑی اپنائیت سے تھوڑا سا کھسک کر اسے آرام سے بیٹھنے کی سہولت فراہم کی تھی، شاہ زیب شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا، مسٹر گرج نے شاہ زیب سے ایسی کوئی خاص بات نہیں کی تھی بس رسمی سی چند باتیں ہوتی رہی تھیں اور سفر جاری رہا۔

یہ رات بھی عارضی قیام کی رات تھی اور اس کے بعد دوسرے دن سفر اور تیسری رات عارضی قیام، ہم لوگ بہت زیادہ فاصلہ طے نہیں کر پائے تھے کیونکہ دشوار گزار راستوں سے ٹرکوں اور گاڑیوں کا گزرنا آسان کام نہیں تھا۔

چوتھی رات ایک خوبصورت علاقہ نظر آیا جہاں پانی وغیرہ بھی تھا اور پھر یہاں قیام کر لیا گیا۔

جنگل وسیع نہیں تھا، بہت چھوٹے سے ٹکڑے میں درخت اگ آئے تھے۔ باقی اطراف میں گہری گہری کھائیاں اور خشک و بے آب و گیاہ چٹانیں نظر آ رہی تھیں۔ یہاں سے ان لوگوں کو آگے کا فاصلہ طے کرنے کے لیے ان کھائیوں میں سے کسی ایک کھائی میں اترنا تھا، اسٹون برادرز سے اتنی قربت نہیں تھی کہ شاہ زیب ان سے ان کے سفر کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا دوسرے لوگوں کو بھی کوئی تفصیل معلوم نہیں تھی۔ اس رات مسٹر گرج اور اسٹون برادرز کسی خاص میٹنگ میں مصروف رہے اور سونارا شاہ زیب کے پاس آ گئی۔

ایرا کے بارے میں کچھ ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ اس دن ہالک کے واقعے کے بعد وہ کچھ ڈری سی گئی تھی، پتا نہیں کیا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

خیالات تھے اس کے، لیکن کافی سکون محسوس ہوا تھا، محبوبہ تو پالی جا سکتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اگر رقیب بھی حصے میں آ جائے تو بات خطرناک ہو جاتی ہے، ویسے سونارا کی آمد سے شاہ زیب کو خوشی ہوئی تھی کیونکہ یہاں یہ مسئلہ نہیں تھا، وہ شاہ زیب کے نزدیک بیٹھ گئی، اس کے ہاتھ میں ایک قلم تراش تھا اور وہ لکڑی کے ایک ٹکڑے کو اس سے آہستہ آہستہ چھیل رہی تھی۔

''مجھے افسوس ہے مس سونارا کہ آپ مجھ سے بھی کوئی گفتگو نہیں کرتیں۔'' وہ ہاتھ روک کر شاہ زیب کو دیکھنے لگی، اس کی آنکھیں واقعی بے حد شفاف تھیں اور ان میں ایک انوکھی جاذبیت نظر آتی تھی، یوں لگا جیسے اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں شاہ زیب سے کچھ کہا ہو۔ لیکن اب اتنا زیرک نہیں تھا کہ اس کہے کو باآسانی سمجھ لیتا وہ چند لمحات خاموشی سے شاہ زیب کو دیکھتی رہی اور اس کے بعد پھر لکڑی کے کنارے کو چھیلنے لگی۔

''آپ کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ جس نے آپ کو متاثر کیا ہو اور جو آپ کی اس خاموشی کا سبب بنا ہو؟''

اس نے ایک بار پھر شاہ زیب کو دیکھا اور نفی میں گردن ہلا دی، شاہ زیب کو خوشی ہوئی کہ کم از کم اس نے اس کی بات کو سمجھا تو تھا۔

''نہ بولنے والے مجھے دو افراد ملے ہیں، میں نے دوسرے کے لیے بھی کوشش نہیں کی لیکن وہ بھی آپ کی ہی مانند تھی۔''

شاہ زیب کو یوں لگا جیسے سونارا کے ہونٹوں پر لفظ کون آتے آتے رک گیا ہو، اس کی سوالیہ نگاہیں ایک لمحے کے لیے شاہ زیب کی طرف اٹھی تھیں اور اسی وقت شاہ زیب کے دل میں ایک عجیب سا خیال پیدا ہوا۔ ہو سکتا ہے سونارا خود ہی نہ بولنا چاہتی ہو۔

یہ بے اختیارانہ انداز اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ وہ اچانک ہی بولنا چاہتی تھی، لیکن اس نے اپنی زبان بند رکھی تھی، اس کی وجہ اُس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی، ہو سکتا ہے یہ سب مسٹر گرج کی کارروائی ہو اور انہوں نے خود ہی اپنی بیٹی کو بولنے سے منع کر دیا ہو۔ ہو سکتا ہے اس سلسلے میں انہوں نے یہ احتیاطی کارروائی اسٹون برادرز کے لیے کی ہو۔ بہرطور شاہ زیب اب اتنی زیادہ دلچسپی بھی نہیں لے رہا تھا ان معاملات میں کہ سونارا کے بولنے کے لیے کوئی خاص طریقہ کار اختیار کرنے کی کوشش کرتا۔

یہ لوگ دیر تک اس جگہ بیٹھے رہے۔ شاہ زیب نے سونارا سے بہت سی باتیں کیں لیکن جواب میں مکمل خاموشی چھائی رہی، اس کے بعد یہ لوگ اپنے خیموں میں واپس آ گئے۔

آج موسیقی کی محفل نہیں جمی تھی کیونکہ کئی دن کے سفر سے لوگ تھکے ہوئے تھے۔ رات کو چاند نکل آیا اور پراسرار پہاڑیاں چاندنی میں عجیب سا منظر پیش کرنے لگیں۔ شاہ زیب اپنی آرام گاہ میں لیٹا اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ دفعتاً ہی چیخ و پکار کی کچھ آوازیں بلند ہوئیں اور ساتھ ہی عجیب افراتفری مچ گئی۔ چند ہی لمحات کے بعد اس افراتفری میں فائرنگ کا شور بھی شامل ہو گیا اور شاہ زیب بوکھلا کر اپنی جگہ سٹ گیا، کوئی بھی گولی اُس کی طرف رخ کر سکتی تھی، رات کے اندھیرے میں نشانے تو نہیں لگائے جا سکتے، لیکن یہ اچانک ہنگامہ کیا نوعیت رکھتا ہے۔ پھر اچانک ہی اُسے وہ لڑکی یاد آ گئی۔ کیا اس نے حملہ کیا ہے، اسٹون برادرز اس سے خوفزدہ تھے، ایک پورا گروہ اور ایک لڑکی، لیکن وہ ایک لڑکی بھی پورا گروہ تھی، اس نے ان لوگوں کو نچا کر رکھ دیا تھا۔ باہر فائرنگ مسلسل ہو رہی تھی۔ مسامات پسینہ چھوڑ رہے تھے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ خود باہر نکلنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا، رات کی تاریکی میں نجانے کس طرف سے کوئی گولی بھٹکتی ہوئی اُسے تلاش کر لے، چیخ و پکار کی ان آوازوں میں کئی بار اُسے اسٹون برادرز کی آوازیں بھی سنائی دی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ ہنگامہ ختم ہوا اور جب اُس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ دوسرے لوگ آزادانہ باہر نکل آئے ہیں تو پھر میں بھی اپنے خیمے سے باہر نکل آیا۔ تقریباً تمام ہی لوگ خیموں سے باہر کھڑے طرح طرح کی باتیں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کر رہے تھے، تیز روشنیاں تیار کی جا رہی تھیں۔ پھر مسلح افراد ایک سمت چل پڑے اور اُس نے بھی اس آخری وقت میں اپنی بہادری دکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔

زیادہ فاصلہ طے نہیں کرنا پڑا تھا، تھوڑی ہی دیر بعد انہیں تیز روشنی میں انسانی بدن اوندھے سیدھے پڑے نظر آئے۔ روشنیاں ان پر مرکوز کر دی گئیں اور ان کے جسموں کو ٹٹول کر دیکھا جانے لگا، لوگ اس سلسلے میں گفتگو بھی کر رہے تھے، شاہ زیب کی نگاہ مسٹر گرج پر پڑی اور وہ ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ مسٹر گرج نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا، چند لمحات کے بعد وہ بولے۔

''اس کا مطلب ہے وہ سیاہ فام افریقی نہیں ہیں۔''

''کچھ سمجھ میں آیا مسٹر گرج، یہ سارا واقعہ کیا ہے؟''

''اوہ اچانک ہی ان میں سے چند افراد نے خیموں میں گھس کر حملہ کر دیا تھا۔ کسی نے دیکھ لیا اور اس کے بعد ان پر گولیوں کی بارش کر دی گئی۔ وہ خیموں سے نکل بھاگے۔ غالباً نہتے تھے، پہلے تو ہم نے یہی سمجھا تھا کہ ان کا تعلق افریقہ کے کسی وحشی قبیلے سے ہے اور یہی سوچ کر ان پر بے دریغ گولیاں چلائی گئیں، لیکن کچھ غلطی ہوگئی ان میں سے تو ایک بھی افریقی نہیں ہے۔''

شاہ زیب نے ایک لاش کی جانب دیکھا اس کے بدن پر چیتھڑے جھول رہے تھے، ننگے پاؤں تھا، ایک شدید زخمی تھا اور یہ زخم گولیوں کے نہیں تھے، غالباً درختوں اور جھاڑیوں کی خراشیں تھیں جن سے خون نکل نکل کر جم گیا تھا، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون لوگ ہیں، روشنیوں میں ان کے چہرے بھی دیکھے گئے اور وہ کسی سفید نسل کے باشندے معلوم ہوتے تھے۔ اسٹون برادرز بھی اب متاثر نظر آ رہے تھے۔ اسٹون برادرز میں سے ایک نے کہا۔

''آہ شاید غلط فہمی ہوگئی، یہ کسی قسم کے مصیبت زدگان میں سے ہیں اور کسی سفید نسل ہی سے ان کا تعلق ہے۔''

تلاشی لینے والے چاروں طرف انہیں تلاش کرتے پھر رہے تھے، بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں، ظاہر ہے یہ اسٹون برادرز گروپ کی گولیوں کا شکار ہوئے تھے۔ پھر ایسے دو افراد ملے جو زندہ تھے اور زخمی بھی نہیں تھے، لیکن بے ہوش تھے۔

اسٹون برادراز کے ایماء پر انہیں ایک خیمے میں پہنچا کر فوری طور پر ان کی نگہداشت کی جانے لگی، بھلا اتنا بڑا پروگرام ہو اور ڈاکٹر موجود نہ ہو، کئی ڈاکٹر ان کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ باقی لوگوں کی حفاظت کے لیے بندوبست کر دیا گیا تھا، لیکن اب اسٹون برادرز نے یہ ہدایت نشر کر دی تھی کہ ان میں سے اور کوئی نظر آ جائے۔ تو اسے قتل نہ کیا جائے اور اگر وہ وحشت خیزی کریں تو انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے زیادہ سے زیادہ ہلکا پھلکا زخمی کر دیا جائے۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

یہ غالباً نسلی احساس تھا، میں خود بھی ان کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا پایا تھا، لیکن بہر حال ان سارے معاملات سے واقف رہا تھا، ڈاکٹر نے بتایا کہ وہ لوگ شدید فاقہ کشی کا شکار تھے اور یہ بے ہوشی بھی فاقہ کشی کے نتیجے میں ہی ہے۔ اسٹون برادرز نے بہت افسوس کا اظہار کیا تھا اور اب صورت حال بہت حد تک واضح ہوگئی تھی، یقینی طور پر سیاحوں کا کوئی گروہ تھا جو بدترین حالات کا شکار ہو گیا تھا۔ بھوک اور صعوبتوں نے انہیں وحشی بنا دیا تھا اور لازمی طور پر خوراک کی تلاش میں یہ لوگ خیموں پر حملہ آور ہوئے تھے، لیکن ان کی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے رات کے اس لمحے کا انتخاب کیا اور اس انداز میں کیا اور اسٹون برادرز نے انہیں خطرناک سمجھ کر گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔

تمام لاشوں کو دن کی روشنی میں جمع کر لیا گیا تھا، کل تیرہ لاشیں تھیں اور صرف یہ دو افراد زندہ بچے تھے، ان میں زیادہ تر جوان لوگ تھے، دو تین عمر رسیدہ بوڑھے بھی نظر آئے تھے۔ دور دور تک اسٹون برادرز کے ساتھیوں کی ٹولیاں پھیل گئی تھیں اور ان لوگوں کے ساز و سامان کو تلاش کیا جانے لگا تا کہ ان کے بارے میں اندازہ ہو سکے، بدن کے جھولتے چیتھڑوں سے کچھ کاغذات بھی برآمد ہوئے تھے، لیکن ان کی تفصیلات عام لوگوں کو نہیں معلوم

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہوسکیں، اسٹون برادرز نے ان کاغذات کو اپنے پاس محفوظ کرلیا تھا۔
شام کو فضا کچھ غمگین سی ہوگئی، اسٹون برادرز کو ان لوگوں کی اس طرح موت کا بہت دکھ تھا اور وہ بار بار تاسف کا اظہار کررہے تھے، آج بھی رقص وموسیقی کا پروگرام نہیں بنایا گیا تھا اور ہر جگہ اسی موضوع پر بات ہوتی رہی، ان دونوں کو ہوش میں لے آیا گیا تھا اور انہیں اس طرح خوراک دی گئی تھی کہ اتنے عرصے کے بعد ملنے والی خوراک ان کے بدن کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، ابھی تک ان کے بارے میں کوئی تفصیلات نہیں معلوم ہوسکی تھیں اور نہ ہی ان لوگوں سے کوئی سوال کیا گیا تھا۔ اس سوال کے پیش نگاہ کہ کہیں ان پر دیوانگی نہ طاری ہو انہیں باندھ کر بھی رکھا گیا تھا، تاکہ وہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ ان دونوں کی زبردست تیمارداری کی جارہی تھی۔
رات کو گیارہ بجے تک یہ لوگ ان کے بارے میں گفتگو میں مصروف رہے۔ ایرا دو تین بار نظر آئی تھی، لیکن خدا نے اسے عقل دے دی تھی۔ وہ شاہ زیب سے ناراض تھی، بہرطور شاہ زیب کی جان بخشی کردی تھی اس نے اور وہ بہت پرسکون تھا۔ اس دوران شاہ زیب کو ہالک بھی نظر آیا تھا یہ شخص ہمیشہ ہی عجیب سا لگتا تھا جیسے وہ صحیح الدماغ نہ ہو۔
رات گزر گئی، دوسرے دن ان لوگوں کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوگئیں، بلاشبہ وہی کہانی تھی جو ہم سب نے سوچی تھی، یعنی وہ سیاح تھے اور اپنا راستہ بھٹک کر طویل عرصے سے صحرائے اعظم میں چکرا رہے تھے۔ خوراک کا ذخیرہ ختم ہوگیا تھا، اسلحہ وغیرہ بھی ان کے پاس نہیں تھا جس سے شکار کرتے۔
ان کے ساتھیوں کی تعداد بیس تھی جن میں سے پندرہ مختلف حادثات کا شکار ہوگئے تھے اور باقیوں کا جو غول تھا وہ اسٹون برادرز کے آدمیوں کی گولیوں کا شکار ہوگیا تھا۔ انہوں نے خوراک کے حصول کے لیے ہی یہ کارروائی کی تھی، لیکن چونکہ سوچنے سمجھنے کی قوتیں کھو بیٹھے تھے اس لیے کارروائی کا انداز وحشیانہ تھا، دونوں کے نام بھی معلوم ہوگئے تھے، ان میں سے ایک اینڈی اور دوسرا مارٹن تھا دونوں ہی برٹش تھے اور مہم جوئی کے لیے نکلے تھے۔ بہرطور اسٹون برادرز کو اپنی اس کارروائی پر تاسف تھا، لیکن اب کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا البتہ ان دونوں کو ہر طرح کی سہولتیں اور مراعات فراہم کی گئی تھیں۔

☆......☆......☆

پانچ دن گزر گئے تھے اور اسٹون برادرز کی طرف سے ابھی تک آگے بڑھنے کا حکم نہیں ملا تھا، پھر اس شام جب شاہ زیب اپنے خیمے میں بیٹھا تھا اور باہر نکلنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک شخص اس کے پاس آیا اور بولا۔
''مسٹر شاہ زیب، باس آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''
شاہ زیب بھونچکے انداز میں کھڑا ہوگیا، باس یقیناً اسٹون برادرز ہی کو کہا جارہا تھا، پھر اس کے ساتھ ہی شاہ زیب اسٹون برادرز کے خیمے کی طرف چل پڑا تھا، اپنے خیمے میں صرف وہ دونوں ہی تھے، دونوں نے پرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے اُس کا خیرمقدم کیا، پھر ان میں سے ایک بولا۔
''مسٹر شاہ زیب، ہم نے آپ کو بھی بتایا تھا کہ ہمارے مشن کی تکمیل سے ہر شخص کا فائدہ ہے اور جب آپ کو ہم نے اپنے درمیان قبول کرلیا تو پھر اس فائدے میں آپ بھی شریک ہوگئے، لیکن مسٹر شاہ زیب ایک بات خاص طور سے آپ کو ذہن نشین کرانا ضروری ہے کہ اچھے لوگ بہت اچھے ہوتے ہیں اور وہ اپنی ذات سے کسی کو کوئی نقصان پہنچانا پسند نہیں کرتے، لیکن اگر کسی کی ذات سے انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پھر یہ حق انہیں بھی حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنا انتقام لیں اور ہماری عادت بھی یہی ہے۔ ہم سب لوگ اچھے دوستوں کی مانند یہ مہم سر کررہے ہیں اور ہمارے ساتھ جو کوئی بھی ہے ہم اس سے محبت اور اس دلچسپی کی توقع رکھتے ہیں ان سب میں آپ بھی شامل ہیں۔''
''اگر آپ لوگ کوئی ذمہ داری میرے سپرد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے یہ زبانی کہہ دینا کافی ہوگا کہ جو ذمے داری آپ میرے سپرد کریں گے اس میں کسی قسم کی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں ہوگا۔'' اسٹون برادرز نے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ایک دوسرے کی صورت دیکھی اور پھر دونوں نے بیک وقت گردن ہلائی پھر ان میں سے ایک نے کہا۔
''جس وقت آپ ہمارے درمیان آئے تھے تو ہمارے ذہن میں قطعی یہ خیال نہیں تھا کہ اچانک ہی آپ ہمارے لیے اہم ترین بن جائیں گے، آپ بس ہماری نگاہوں میں ایک انسان تھے اور صرف انسانی بنیادوں پر ہم نے آپ کی خدمت کی۔''
''اعلیٰ نسل کے لوگوں سے اعلیٰ ظرفی کی توقع کی جاسکتی ہے معزز استون برادرز۔'' نے کہا کیونکہ اُسے اندازہ ہو چکا تھا کہ استون برادرز کس بات سے خوش ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے شاہی خون کی پبلسٹی کا خاص طور سے شوق تھا اور یہ بات بار بار اُس کے سامنے آچکی تھی، اس وقت بھی اُس نے اسی کا سہارا لیا تھا اور حسب توقع ان کے چہروں پر فخر کے تاثرات پائے تھے، ان کا لہجہ مزید نرم ہو گیا۔
''اور اب آپ کو ہمارے لیے ایک اہم کام کرنے کا موقع ملا ہے۔''
''اگر میں اپنی شکر گزاری کا اظہار کر سکتا تو مجھے خوشی ہوگی۔'' شاہ زیب نے کہا۔
''تو مسٹر شاہ زیب، بدنصیب ٹولی کے دونوں افراد اب نارمل ہو چکے ہیں اور انہوں نے ہماری ضرورت کا ایک انکشاف کیا ہے۔''
''کیا؟'' شاہ زیب نے سوال کیا۔
''وہ لڑکی اب بھی ہمارے آس پاس بھٹک رہی ہے۔''
''اوہ! وہ وحشی لڑکی۔''
''ہاں ظاہر ہے وہ ہم سے دور نہیں جاسکتی، جس طرح ہمیں اس کے پاس موجود آدھے نقشے کی تلاش ہے اسی طرح وہ بھی ہمارے پاس موجود باقی آدھے نقشے کی خواہش مند ہے۔ ہر چند کہ باقی آدھے نقشے کا حصول اس کے لیے ممکن نہیں ہے لیکن ہم بھی اس باقی آدھے نقشے کے بغیر اپنے مشن میں ادھورے ہیں اور اب اس باقی آدھے نقشے کے حصول کے لیے ہمیں آپ کی مدد درکار ہے اور اس کے عوض آپ کو خزانے کے مزید دو حصے ملیں گے، کیونکہ یہ کام اہم ترین نوعیت کا حامل ہے۔''
''آپ مجھے بتائیے۔'' شاہ زیب نے کہا۔
''آپ یہاں سے فرار ہو جائیں گے اور اس کے لیے باقاعدہ ڈرامہ کیا جائے گا، اس خیال کے پیش نگاہ کہ وہ آس پاس موجود ہے اور ممکن ہے ہم پر نگاہ رکھ رہی ہو، پھر آپ اسے تلاش کریں گے، وہ چونکہ آپ سے متاثر ہے اور آپ پہلے فرد ہیں جسے اس نے اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی ہے، اس لیے اس ڈرامے کے بعد وہ دوبارہ آپ تک پہنچنے کی کوشش کرے گی۔ آپ اس کے ساتھ شامل ہو جائیں اور اس کا اعتماد حاصل کرلیں۔''
''فرض کیجیے اگر ایسا ہو جائے تو؟'' شاہ زیب نے کہا۔
''باقی نقشے کا حصول آپ کی ذمے داری ہوگی۔''
''کیا یہ اتنا آسان ہوگا؟''
''آپ موقع پا کر اسے ہلاک کردیں۔''
''ہلاک؟'' شاہ زیب نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔
''ہاں یہ ضروری ہے۔'' استون برادرز نے شاہ زیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
شاہ زیب نے چند لمحات خاموشی اختیار کیے رکھی پھر کسی قدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
''دراصل استون برادرز اپنے بارے میں میں نے ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں کہا تھا آپ سے، میں صرف آوارہ گرد ہوں اور میرے ذہن کے کسی گوشے میں کوئی خزانہ نہیں ہے اور نہ ہی میں صحرائے اعظم میں اتنی دور تک آنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ تو صرف اتفاقات تھے جنہوں نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا، مگر اب ایک لڑکی کا قتل....''

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''اس پوائنٹ کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے مسٹر شاہ زیب اور اس سے آپ کی نیک نیتی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ یہ بات صاف صاف کہہ دی، آپ اسے قتل نہیں کریں گے۔''

''باقی میں سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

''وہی باقی سب کچھ آپ کی ذمے داری ہے، ہم آپ کو ٹرانسمیٹر دیں گے جس پر آپ ہم سے رابطہ کر کے اپنی سمت سے آگاہ رکھیں گے اور پھر کوئی مناسب موقع پا کر آپ اسے بے ہوش کر دیں گے، ہمارے اور آپ کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہوگا باقی کام ہمارا ہوگا۔''

''بہتر ہے، میں تیار ہوں۔'' شاہ زیب نے حتمی لہجے میں کہا اور اسٹون برادرز نے اس طرح گہری سانسیں لیں جیسے اس گفتگو سے مطمئن ہوں۔ اس کے بعد شاہ زیب کو جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

شاہ زیب سوچنے لگا کہ یہ تو فطری بات تھی کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی تھا۔ وہ کوئی عام آدمی تو نہیں ہے، چلو خزانہ جائے بھاڑ میں، کم از کم ان لوگوں کے ساتھ صحرائے اعظم افریقہ سے آسانی سے نکلنا تو نصیب ہو سکتا تھا، یا کسی اور پریشانی کے بغیر زندگی تو گزر رہی تھی، لیکن تقدیر کو یہ سکون بھی پسند نہیں آیا تھا۔

☆......☆......☆

رات کو تمام معمولات سے فارغ ہو کر وہ اپنے خیمے میں واپس آ گیا اور پھر وہی ماضی کی یادیں، وہی یادوں کے کھلے دریچے... جانے کون کون ان دریچوں سے اندر آ گیا۔ لیکن مسٹر گرج کسی دریچے سے نہیں بلکہ پہلے کی مانند خیمے کے بیچ سے آئے تھے۔

''اوہ... تم جاگ رہے ہو؟''

''ہاں مسٹر گرج۔''

''کیا تمہیں یہ خیال تھا کہ میں آؤں گا۔'' مسٹر گرج نے کہا اور شاہ زیب چونک کر انہیں دیکھنے لگا، پھر اسے غصہ آ گیا تھا اس سفید ریچھ کو یہ غلط فہمی کیسے ہوگئی یہ کسی محبوبہ دلنواز کا روپ رکھتا ہے کہ شاہ زیب اس کا انتظار کرے۔ بہرحال شاہ زیب خاموش رہا تھا، مسٹر گرج نے پھر کہنا شروع کیا۔

''میں کبھی ان کی طرف سے غافل نہیں رہتا، چنانچہ میں نے ان کے اور تمہارے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سن لی ہے اور تمہاری آمادگی پر مجھے خوشی ہوئی۔ تم نے نہایت ذہانت سے انہیں کسی طرح شک کا موقع دیے بغیر ان کی پیشکش قبول کر لی، مجھے اندازہ ہو گیا تھا مسٹر شاہ زیب کہ تم ایک ذہین نوجوان ہو۔''

''آہ کاش مجھے بھی اس کا اندازہ ہوتا۔'' شاہ زیب نے کراہتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہاری کسر نفسی ہے۔''

''کیا آپ کو یقین ہے مسٹر گرج کہ جس طرح آپ نے ان لوگوں کی گفتگو سن لی تھی اسی طرح وہ میری اور آپ کی گفتگو سننے کی کوشش نہیں کریں گے۔''

''ہرگز نہیں، میں ان کی یہ کمزوری جانتا ہوں۔''

''کمزوری۔''

''خود پر نازاں ہو جانے والے زندگی میں کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے، وقت کہتا ہے جس قدر طاقت حاصل کرتے ہو محتاط ہوتے جاؤ کیونکہ تمہارا دشمن تمہاری طاقت کا اندازہ لگانے کے بعد ہی تم پر وار کرتا ہے۔''

''عمدہ بات ہے۔''

''اور اب تم اس ڈرامے سے پورا فائدہ اٹھا لو۔''

''وہ کس طرح؟''

''وہ نہایت آسان ہے، اس طرح تو انہوں نے ہماری وہ مشکل حل کر دی ہے جس کا حل بہت کوشش کے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

باوجود میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔"

"مجھے بھی کچھ سمجھا دیں مسٹر گرج۔"

"اوہ ڈیئر شاہ زیب، یہ لوگ تمہیں تمام تیاریوں کے ساتھ فرار کا موقع دیں گے اور تم یہاں سے چلے جاؤ گے، ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ تم اسے تلاش کرو، میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم اسے تلاش کرو اور پھر اسے اس کی منزل تک لے جاؤ۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے، لیکن کیا مسٹر گرج....."

"ہاں میں تمہیں وہاں تک کا پورا نقشہ ذہن نشین کرا سکتا ہوں اور اسے اپنے تحفظ میں اس قبیلے شکال تک لے جاؤ اور وہاں میرا انتظار کرو۔"

"قبیلے شکال۔"

"ہاں شکال میں، میں ان لوگوں کو لے کر وہاں آرہا ہوں، اس وقت تک میں ان کا قیدی ہوں جب تک یہ شکال تک نہیں پہنچ جاتے اور اس کے بعد یہ ہمارے قیدی ہوں گے۔"

شاہ زیب حیرت سے مسٹر گرج کو دیکھ رہا تھا۔ برفانی بوڑھا پہلے بھی پراسرار نظر آتا تھا، لیکن اس گفتگو کے بعد وہ اور بھی پراسرار ہو گیا تھا، بہرحال اس کی تجویز بھی بری نہیں تھی۔ شاہ زیب نے اس پر بھی آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔ مسٹر گرج شاہ زیب کو شکال تک کا راستہ سمجھانے لگا اور شاہ زیب اس کے بتائے ہوئے نقشے کو ذہن نشین کرنے لگا، پھر شاہ زیب نے کہا۔

"قبیلہ شکال میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"

"اس قبیلے کے لوگ غیر مہذب نہیں ہیں، کم از کم ان میں وحشت خیزی نہیں ہے۔ وہ اگر بہت زیادہ کریں گے تو تمہیں قید کر لیں گے، لیکن میں بہت مختصر وقت میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"کیا وہ لوگ اپنے قبیلے کی لڑکی کو پہچان سکیں گے؟" شاہ زیب نے سوال کیا۔

"یہ ہرگز نہیں کرنا، شوراک اگر خود وہاں ایسی کوئی کوشش کرے تو دوسری بات ہے، تم اپنے طور پر اس کی کوشش مت کرنا۔ طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ حالات کیسے ہیں، ہمیں اس کا جائزہ لینا ہوگا اور پھر آسانی سے شوراک کو ان کے حوالے نہیں کریں گے۔ اسی کے نام پر تو ہم ان سے سودے بازی کریں گے۔"

"سودے بازی۔"

"ہاں خزانے کے سلسلے میں۔ میرے دوست اسٹون برادرز اس خزانے کے حصول کے لیے چل تو پڑے ہیں لیکن انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ شکال پہنچ جانا ہی سب کچھ نہیں ہے۔" مسٹر گرج نے پراسرار انداز میں کہا۔

"اور اگر شوراک خود اپنا تعارف کرا دے تو"

"تب بھی تم محفوظ رہو گے، کیونکہ تم اس کے ساتھی ہو گے۔"

"ٹھیک ہے مسٹر گرج، سب کچھ آپ کی خواہش کے مطابق ہوگا۔"

"تم ساری صورت حال سمجھ گئے ہو، اب میں جاؤں۔"

"مکمل اطمینان کے ساتھ۔" میں نے جواب دیا۔

"ہوسکتا ہے دوبارہ تم میری تم سے ملاقات نہ ہو سکے، اس لیے شکال میں ملاقات تک کے لیے خدا حافظ۔"

"اوکے مسٹر گرج۔" شاہ زیب نے کہا اور گرج اسی طرح باہر چلا گیا، شاہ زیب اب اس کے بارے میں اور کچھ نہیں سوچنا چاہتا تھا، جتنا سوچتا ذہن الجھنے لگتا تھا، اس لیے صرف شکال تک کا سفر ذہن میں دہرانے لگا اور اسے دہراتے دہراتے سو گیا۔

☆......☆......☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

اسٹون برادرز نے اس بارے میں کوئی تعین نہیں کیا تھا کہ شاہ زیب کو کب روانہ ہونا ہے۔ دوسرے دن بھی یہاں سفر کے آثار نظر نہیں آرہے تھے، جس کا مطلب تھا کہ آج بھی یہیں قیام ہوگا۔ شاہ زیب بھی سست روی سے اپنے کاموں میں مصروف رہا تھا۔

پورا دن گزر گیا، شام کو محفل طرب جم گئی، درمیانی جگہ کو میزوں سے سجا دیا گیا اور پھر مدہم موسیقی ابھرنے لگی، شاہ زیب بھی تیاریاں کرنے لگا، لیکن پھر اچانک ہی دو افراد خیمے میں داخل ہو گئے۔

''مسٹر شاہ زیب، اسٹون برادرز آپ کو طلب کرتے ہیں۔''

اس کا دل دھک سے رہ گیا، تاہم شاہ زیب نے کہا ''میں ابھی آتا ہوں۔''

''معاف کیجیے! آپ جس حالت میں ہیں ہمارے ساتھ چل پڑیں۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''اچھا چلو۔'' شاہ زیب نے کہا اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ روانگی کا وقت آ گیا ہے، بہر حال اگر ایسی بات ہے تو پریشان نہیں ہونا چاہیے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ چنانچہ شاہ زیب ان کے ساتھ چل پڑا۔

دونوں جڑواں بھائیوں نے شاہ زیب کا خیر مقدم کیا تھا، ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی، پھر ان میں سے ایک نے کہا ''آپ کی روانگی کا وقت آ گیا ہے مسٹر شاہ زیب۔''

''میں تیار ہوں اسٹون برادرز۔'' شاہ زیب نے پرسکون انداز میں کہا، ظاہر ہے جو کرنا تھا اس کا فیصلہ تو ہو ہی چکا تھا، اب کسی تردد کا کیا سوال؟

''ہم آپ پر مکمل اعتماد کر رہے ہیں مسٹر شاہ زیب، اور یہ جانتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتماد کبھی مجروح نہیں ہوگا۔ آپ ہمارے لیے جو کچھ کر رہے ہیں ہم بھی کوشش کریں گے کہ آپ کو اس کا بھرپور صلہ دیں۔''

''یہ گفتگو ختم ہو چکی ہے مسٹر اسٹون برادرز۔'' شاہ زیب نے کہا۔

''ہاں بالکل، اب اس سلسلے میں کوئی گفتگو بے معنی ہے، ہم آپ کو آپ کے سفر کے بارے میں تفصیلات بتا دیں۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔'' شاہ زیب نے جواب دیا۔

''یہ انگوٹھی آپ اپنی انگلی میں پہن لیجیے اس میں خواب آور سفوف ہے جو کسی بھی شخص کو کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش کر سکتا ہے، اس سلسلے میں آپ سے باقی گفتگو تو ہو چکی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اسے کب اور کس موقع پر استعمال کیا جائے گا۔''

''یقیناً.....''

''تو پھر آئیے، آپ کو وہ جیپ دکھا دی جائے جو آپ کو لے کر یہاں سے روانہ ہوگی۔ ہم نے اس سلسلے میں جو پروگرام ترتیب دیا ہے اس کے لیے ہمارے آدمی تیار ہیں اور جیپ میں آپ کے لیے مکمل انتظامات کر دیے گئے ہیں، درحقیقت اس وقت کا انتخاب خصوصی طور پر کیا گیا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ زیادہ لوگ اس ہنگامے میں ملوث ہوں، انہیں اپنے کام میں مصروف رہنا چاہیے اور اس کے لیے ہم نے یہ وقت منتخب کیا ہے۔''

شاہ زیب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، اسٹون برادرز شاہ زیب کو ساتھ لیے باہر نکل آئے اور پھر تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کر کے ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں تین جیپیں کھڑی تھیں اور انہی میں سے ایک جیپ شاہ زیب کے لیے تیار کی گئی تھی۔ اسٹون برادرز نے شاہ زیب کو اس جیپ کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔

''دیکھیے، اس میں تین بیرل پیٹرول سے بھرے ہوئے ہیں، جیپ کی ٹینکی فل ہے، بیرل گولیوں کا نشانہ نہیں بن سکتے، ان کے تحفظ کا بندوبست کر دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ ہدایت بھی جاری کر دی گئی ہیں کہ کوئی بھی گولی جیپ کی طرف نہ چلائی جائے۔''

''گولی...'' شاہ زیب نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''ہاں آپ کو ابھی اس سلسلے میں تمام حقیقتیں بتا دی جائیں گی، جیپ کا اندر سے جائزہ لے لیجیے۔ ویسے بہترین حالت میں ہے اور اس کا انجن کہیں بھی آپ کو دھوکہ نہیں دے گا، اب اس کے اندرونی سامان کی سمت آ جایئے، کھانے پینے کی یہ اشیاء پیکٹوں کی شکل میں محفوظ کر دی گئی ہیں، یہ پانی ہے، یہ کوئی کا تھرماس اور ایسی ہی چیزیں جو آپ کے کام آ سکتی ہیں، درحقیقت ان تمام چیزوں کا بندوبست اس کے لیے کیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے شوراک کی تلاش میں آپ کو کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے اور اس میں وقت لگ جائے، اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ وہ آپ کو ہمارا آدمی سمجھ کر پوشیدہ رہنے کی کوشش کرے، یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ ابتداء میں وہ آپ پر کرشک کرے، حالانکہ اس کے امکانات ذرا کم ہیں کیونکہ بہرطور آپ کو اس کے ساتھ ہی دیکھا گیا تھا اور اسی وقت آپ قیدی بنے تھے۔ آپ اسے اپنے بارے میں تفصیلات بتا سکتے ہیں۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا مسٹر شاہ زیب کہ صورت حال کیا ہے، ہمیں دونوں سمتوں کا خیال رکھنا ہے، اس کی توجہ اور اس کا شک دونوں ہی سامنے آ سکتے ہیں، اب یہ آپ کی ذہانت ہے کہ آپ اسے کیسے مطمئن کر سکیں گے۔''

''ٹھیک ہے، یہ آپ میری ذہانت پر چھوڑ دیجیے۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے، یہ پستول اور یہ ننھا سا ٹرانسمیٹر۔''

اسٹون برادرز نے شاہ زیب کو تقریباً ڈیڑھ انچ کے سائز کا ایک پتلا اور چپٹا سا چوکور بکس دے دیا اور پھر وہ اس کے آپریٹ کرنے کا طریقہ بتانے لگے، شاہ زیب نے تمام چیزیں ذہن نشین کر لی تھیں۔ شاہ زیب اس وقت بالکل پرسکون تھا، کیفیت وہی تھی کہ آ پھنسے ہیں تو مجبوری ہے، ضرورت نہ ہوتی تو اس سارے پروگرام پر تھوکتے بھی نہیں، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا، اس کے بعد اسٹون برادرز نے آخری پروگرام بتایا اور شاہ زیب ایک لمحے کے لیے ٹپٹا گیا۔

''جیپوں میں چھ افراد ہوں گے۔ ایک جیپ ڈرائیو کرے گا اور باقی اس سلسلے کی دوسری کارروائی، لیکن وہ سب بہترین تربیت یافتہ ہیں آپ بالکل مطمئن رہیں۔''

شاہ زیب نے ٹھنڈی سانس لے کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی، نہ کرتا تو کیا کرتا، کوئی ترکیب بھی تو نہیں تھی۔ آخری کام مکمل ہو گیا اور اس کے بعد شاہ زیب نے اس جیپ کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا جسے لے کر اسے فرار ہونا تھا، اب مسئلہ یہ بھی تھا کہ جیپ کو صحیح طور پر ڈرائیو بھی کیا جا سکتا ہے یا نہیں، ظاہر ہے فرار ہونا بھی کوئی معمولی بات نہیں ہوتی، اور فرار بھی اس طرح کہ عقب سے گولیاں چلائی جا رہی ہوں۔

شوراک اگر احمق نہیں ہے تو اسے اندازہ بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ آس پاس موجود ہو۔

بہرصورت اس ڈرامے کا آغاز ہو گیا۔ جب شاہ زیب جیپ لے کر تقریباً ایک فرلانگ دور تک نکل گیا تو عقب سے جیپیں اسٹارٹ ہوئیں اور اس کے بعد ہنگامہ شروع ہو گیا، گولیاں چلانے کے لیے اتنا فاصلہ طے کر لیا گیا تھا کہ رقص و موسیقی میں مشغول لوگوں کی آوازیں سنائی دے سکیں، اس کے دانت بھچے ہوئے تھے گولیوں کے سلسلے میں تو اسے مطمئن کر دیا گیا تھا، لیکن صحرائے اعظم کے اس ہولناک علاقے میں جیپ چلانا کوئی معمولی بات نہیں تھی اور اسے دوڑانا تو اور بھی خطرناک تھا، لیکن بہرطور ابھی شاہ زیب ان کی رینج میں تھا اور انہی کی پسند کے مطابق اداکاری کرنی تھی۔

جیپیں اس کا تعاقب کرتی رہیں اور واقعی تھوڑی دیر کے بعد مزہ آنے لگا، اتفاق سے بھاگنے کا راستہ بھی کچھ زیادہ ہی عمدہ تھا، سیدھا اور سپاٹ، چنانچہ جیپ دوڑانے میں بھی کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی، البتہ یہ احساس ضرور کیا جا سکتا تھا کہ دیکھنے والا اس سے مشکوک بھی ہوسکتا ہے، بشرطیکہ وہ بالکل ہی احمق نہ ہو۔ بہرطور یہ بھاگ دوڑ جاری رہی، پتا نہیں ان لوگوں کو کتنا وقت دیا گیا تھا۔ گہری تاریکی میں اب روشنیاں جلانی پڑی تھیں اور ذرا احتیاط ہونا پڑا تھا تاکہ کہیں جیپ کسی چھوٹی سی چیز پر چڑھ کر الٹ نہ جائے۔ یوں یہ ہنگامہ خیزی تقریباً دو یا ڈھائی گھنٹے تک جاری رہی اور اس کے بعد پچھلی جیپیں زیادہ فاصلہ پیدا کرنے لگیں، گویا اب وہ اپنی کوششیں ترک کر دینا چاہتے تھے۔

شاہ زیب نے بھی اپنی رفتار سست کر دی، لیکن اسے چلتے رہنا تھا، ایک خوف بھی دامن گیر تھا، ان علاقوں کے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

بارے میں شاہ زیب کچھ نہیں جانتا تھا، دن کی روشنی ہوتی تو کم از کم سمتوں کا تعین کرنے کی کوشش کی جاتی، رات میں بھٹک کر کہیں سے کہیں جا نکلا تو کیا ہوگا۔ ضروری تو نہیں ہے کہ شوراک سے فوراً ہی ملاقات ہو جائے۔ بہت سے مسئلے تھے۔ بہت سی الجھنیں۔ اپنے ہم شکل تلاش کرنے نکلا تھا اور دنیا کا سفر کرتا ہوا یہاں آ پھنسا تھا، کسی سمت سے کوئی وحشی جانور چھلانگ لگا دے تو قصہ پاک ہو جائے۔

دفعتاً ہی پورے بدن میں سنسنی کا احساس ہوا تھا، واقعی اگر ایسا ہو گیا تو کیا ہوگا، اکیلے آدمی کو پا کر کوئی بھی شیر ہو سکتا ہے، خواہ وہ شیر ہو یا نہ ہو، شاہ زیب کو اپنے چاروں طرف شیروں کی دھاڑیں محسوس ہونے لگیں، جیپ بھی کھلی ہوئی تھی، یہ نہیں کہ دروازہ بند کر کے بیٹھ جاؤ دوسرے لمحے ایک عجیب سی وحشت کا احساس ہوا کہیں یہ شاہ زیب کے خلاف کوئی سازش تو نہیں ہے۔ کہیں اسٹون برادرز اس طرح شاہ زیب سے نجات تو نہیں حاصل کرنا چاہتے تھے۔

☆......☆......☆

تاحد نگاہ ہولناک تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور شاہ زیب کا بدن پسینہ اگل رہا تھا، بڑے بڑے خوفناک واقعات پیش آئے تھے، مگر ایسی صورت حال کبھی نہ ہوئی تھی، تعاقب کرنے والی جیپوں کا کہیں نشان نہیں تھا، اپنا فرض پورا کر کے وہ لوگ واپس جا چکے تھے۔ خوف کی وجہ سے بدن میں بھی کچھ اینٹھن سی ہونے لگی تھی، بھلا اس عالم میں جیپ بھی آگے کس طرح بڑھائی جا سکتی تھی اور کوئی منزل تو نہیں تھی، جہاں پہنچ کر سکون حاصل ہو۔ بہر حال ڈرائیونگ سیٹ پر ہی دراز ہو گیا، پھر کسی خیال کے تحت سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر دیکھا، سیٹ فولڈنگ تھی، شاہ زیب نے اس کا ہک ہٹایا اور سیٹ پیچھے جھک گئی لیکن ساتھ ہی آواز سنائی دی، آواز کی نوعیت تو وہ سمجھ نہ پایا تھا، لیکن بس وہ آواز تھی، شاہ زیب کے حلق سے دھاڑ نکل گئی تھی اور وہ بری طرح خوفزدہ ہو گیا تھا، دوسری آواز بھی مسلسل ابھر رہی تھی اور میں شاہ زیب کی چیخیں بھی شامل تھیں، مگر یہ آواز......

پہلی بات اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ کیسی آواز ہے، تب اس نے خاموش ہو کر غور کیا اور یہ انسانی آواز محسوس ہوئی کوئی کہہ رہا تھا،

''اوہ سنتے کیوں نہیں ہو تم، سیٹ سیدھی کرو، میرے شانے ٹوٹے جا رہے ہیں''

''انسانی آواز۔'' شاہ زیب نے کہا۔

دفعتاً شاہ زیب کی کمر میں چٹکی بھری گئی اور شاہ زیب پھر چیخ پڑا ساتھ ہی وہ آواز پھر ابھری۔

''خدا کے لیے سیٹ سیدھی کرو میں مری جا رہی ہوں۔''

اس بار آواز زیادہ نمایاں ہو گئی تھی اور الفاظ سمجھ میں آنے لگے تھے، شاہ زیب نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا، الفاظ پر غور کرتے ہوئے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ کون سی سیٹ کے بارے میں بات ہو رہی ہے اور آواز کس کی ہے، پھر اسے خیال آیا کہ ابھی ایک لمحے قبل اس نے اپنی سیٹ پیچھے کی ہے، ایک بار پھر شاہ زیب پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی، اس نے جلدی سے کھلی ہوئی سیٹ کا ہک اس کی جگہ سے نکال دیا اور پچھلے حصے نے شاہ زیب کو زور کا دھکا مار کر آگے دھکیل دیا، شاہ زیب سامنے کے حصے سے ٹکرایا تھا اور اسی وقت عقب سے آہٹیں ابھریں اور شاہ زیب کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی پچھلی سیٹ پر اٹھ کر بیٹھا ہو، شاہ زیب نے دہشت بھرے انداز میں گردن گھمائی رات کی تاریکی کی وجہ سے ایک لمحے میں تو خدوخال نمایاں ہوئے تھے، لیکن دوسرے لمحے شاہ زیب کو یہ احساس ہوا کہ وہ کوئی لڑکی ہے، آواز بھی نسوانی ہی تھی۔

''خدا تمہیں غارت کرے، میرے شانے توڑ کر رکھ دیے۔''

''کک..کون کون؟'' شاہ زیب نے وحشت بھرے انداز میں کہا۔

''درندہ ہوں، شیرنی ہوں، کھا جاؤں گی تمہیں۔'' غصے اور جھلاہٹ بھری آواز تھی اور اس بار اس آواز میں شناسائی بھی محسوس ہوئی، شاہ زیب نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں وہ ایرا تھی، سو فیصدی ایرا جو اپنے شانے کو

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

دبائے جا رہی تھی، شاہ زیب نے حیرت سے اسے دیکھا۔
''اے...اے اے تم...'' شاہ زیب کے منہ سے پورا جملہ نہ نکل سکا۔
ایرا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔
''لعنت ہے تم پر، خوف سے مرے جا رہے ہو۔''
شاہ زیب پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا، ناقابل یقین بات تھی، ایرا اور یہاں، لیکن دوسرے لمحے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، کسی بھی طرح سہی ایک ذی روح اس ہولناک ویرانے میں اس کے ساتھ ہے، اگر واقعی کوئی جنگلی درندہ حملہ آور ہو جائے تو کم از کم اسے ڈھال تو بنا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے درندہ ایک ہی پر اکتفا کرے اور شاہ زیب کی جان بچ جائے، ایرا نے دو تین گہری گہری سانسیں لیں اور پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
''مجھے تم نے سیٹ کے نیچے دبا ہی دیا تھا۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔
''ایرا کیا واقعی یہ تم ہی ہو؟''
''نہیں میری روح ہے جوان ویرانوں میں بھٹک رہی ہے۔''
''رر...روح روح....'' شاہ زیب نے کہا۔
''اوہ شاہ زیب تم مذاق کیے جا رہے ہو۔ یقین کرو میرے شانے میں بہت چوٹ لگی ہے۔ میں تمہاری سیٹ کے نیچے چھپی ہوئی تھی اور تم نے میرے شانے پر پورا وزن ڈال دیا۔''
''چھپی ہوئی تھیں مگر کیسے؟''
''بس...ہٹو مجھے راستہ دو۔'' اس نے کہا اور شاہ زیب ایک طرف جھک گیا۔ ایرا سیٹ پھلانگ کر شاہ زیب کے برابر والی سیٹ پر آ گئی تھی اور پھر اس نے بٹن کھول کر اپنا شانہ شاہ زیب کے سامنے کر دیا۔
''ذرا دیکھو اس پر زخم آیا ہے۔'' اس نے کہا اور شاہ زیب بادل نخواستہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا اور واقعی اس کے شانے پر ایک سیاہ لکیر موجود تھی جو یقیناً سرخ ہو گئی تھی۔ شاہ زیب نے آہستہ سے اس لکیر پر ہاتھ رکھا تو خون کی چپچپاہٹ محسوس ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ایرا کی سسکی نکل گئی۔
''زخم ہے نا۔''
''سوری ایرا، لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ تم۔''
''زیادہ زخم ہے لو اس رومال سے صاف کر دو۔''

Downloaded From
Paksociety.com

شاہ زیب نے ہمدردانہ انداز میں اس کے زخم کو صاف کیا اور پھر وہی رومال اس کے زخم پر رکھ دیا۔ ایرا نے اپنا لباس برابر کر لیا تھا اور پھر دفعتاً ہی اس کے حلق سے قہقہہ آزاد ہو گیا، یہ قہقہہ بھی اس ہولناک ویرانے میں بڑا خوفناک لگ رہا تھا، لیکن شاہ زیب نے اس کا اظہار نہ کیا۔ ایرا ہنستی رہی پھر بولی۔
''میری آواز سن کر تو تمہاری حالت بری ہو گئی تھی۔''
شاہ زیب جھینپے ہوئے انداز میں مسکرانے لگا پھر اس نے کہا۔
''ظاہر ہے میں تمہارے یہاں ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، کیا واقعی یہ کسی روح کا کارنامہ تو نہیں معلوم ہوتا؟''
ایرا نے سیاہ چمکدار آنکھوں سے شاہ زیب کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''روح کا کارنامہ ہی سمجھ لیں۔ یہ روحوں کے رشتے ہی ہوتے ہیں جو زندگی کا خطرہ مول لینے پر مجبور کر دیتے ہیں۔''
شاہ زیب ان الفاظ کی گہرائی پر غور کرتا رہا، وہ مسلسل شاہ زیب کو دیکھے جا رہی تھی۔ پھر بولی۔
''تمہارا کیا خیال تھا میں نے تمہیں چھوڑ دیا؟'' شاہ زیب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، کچھ دیر تک وہ شاہ زیب کو دیکھتی رہی پھر بولی۔
''مالک مجھے اپنی ملکیت سمجھتا تھا، نفرت ہو گئی تھی مجھے اس سے۔ بہتر ہوا کہ تم وہاں سے چل پڑے، ورنہ وہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

میرے ہاتھوں قتل ہو جاتا۔ میں موقع کی تلاش میں تھی۔"
"مگر تم، ایرا تم۔"
"ہاں مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ تم یہاں سے روانہ ہو رہے ہو۔"
"کیسے معلوم ہو گیا؟"
"ولیم کی زبانی۔"
"ولیم کون ہے؟"
"دوسرا گدھا جو مجھ سے عشق کرتا ہے۔"
"کیا کہا اس نے؟"
"تفصیل تو اسے بھی نہیں معلوم، بس اس نے بتایا کہ تمہیں یہاں سے فرار کرایا جا رہا ہے۔ وہ ان لوگوں میں شامل تھا جو تم پر گولیاں برسا رہے تھے۔"
"تمہیں اس پر حیرت نہیں ہوئی ایرا؟"
"کس پر؟"
"اسی پروگرام پر، ایک طرف تو مجھے وہاں سے نکالا جا رہا تھا اور دوسری طرف مجھ پر گولیاں بھی برسائی جا رہی تھیں۔"
"میں الجھنوں سے سخت اکتا گئی ہوں، انہیں اپنے ذہن میں جگہ نہیں دیتی۔ جانتی ہوں کہ اسٹون برادرز کسی خزانے کے چکر میں یہاں آئے ہیں، مگر سچ بات ہے کہ مجھے خزانوں سے اتنی دلچسپی بھی نہیں ہے۔ میں تو زندگی کو سکون سے گزارنے کی خواہش مند ہوں۔ بس اتنا مال متاع ہونا چاہیے کہ ضرورتیں پوری ہو جائیں۔"
"تو پھر اسٹون برادرز کے ساتھ کیوں چلی آئیں؟"
"میں ان کی کمپنی کی مستقل ملازم ہوں، انہوں نے حکم دیا اور مجھے آنا پڑا۔ پھر اس فلم میں بھی میرا کافی رول ہے جو وہ صحرائے اعظم میں تیار کر رہے ہیں۔"
"مگر ایرا تم اس طرح کیوں آ گئیں؟"
"صرف تمہارے لیے۔"
"اسٹون برادرز اس کے لیے تمہیں معاف کر دیں گے۔"
"اب ان کے پاس جائے گا کون۔ میں نے خزانے اور اسٹون برادرز دونوں پر لعنت بھیج دی ہے۔ ہم لوگ یہاں سے واپس چلیں گے اور پھر کسی پرسکون گوشے کو ہمیشہ کے لیے اپنا لیں گے۔"
"ہم لوگ۔" شاہ زیب نے گھبرا کر کہا۔
"ہاں میں اور تم۔" اس نے بدستور اطمینان سے کہا پھر چونک کر بولی۔ "کیوں کیا تم میرا ساتھ نہ دو گے۔"
"یہ بات نہیں ہے۔ کیا تمہیں صحرائے اعظم سے نکلنے کے راستے معلوم ہیں؟"
"راستے تلاش کر لیں گے۔"
"اور اگر نہ ملے تو؟"
"کیسے نہ ملیں گے، ہم تلاش کریں گے، پہلے کسی بستی کی تلاش کی جائے گی اور وہاں سے ہم کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیں گے۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ اسٹون برادرز نے مجھے وہاں سے کیوں نکالا ہے؟"
"شہزادوں نے کوئی سازش بھی کی ہوگی، مگر ہمیں کیا ضرورت ہے۔ اب ہمیں یہاں سے نکلنے کے راستے معلوم کرنے ہوں گے اور اس کے بعد کچھ نہیں، یہ لوگ تو جانے کب تک بھٹکتے رہیں گے، جب تک وہ لوگ ہماری

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

تلاش کے لیے نکلیں گے ہم ان سے بہت دور جا چکے ہوں گے۔"

شاہ زیب نے سوچا کہ درحقیقت اسے بھی خزانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، نہ ہی شوراک سے ملاقات ضروری تھی۔ ایرا کو بھی ایک حد تک برداشت کیا جا سکتا تھا، اگر واقعی نکلنے کا راستہ مل جائے تو مزہ آ جائے گا۔ ویسے ایرا بیوقوف تھی اور اس کی حماقتیں مصیبت بھی نازل کر سکتی تھیں، یہ احمقانہ خود اعتمادی نہیں تھی تو کیا تھا کہ وہ بس یہ جان کر وہاں سے چل پڑی تھی کہ شاہ زیب کہیں جا رہا ہے۔ کیا ضروری تھا کہ وہ اسے قبول کر لیتا اور پھر یہ سوچتا کہ جو کچھ وہ کہے گی وہ اسے مان لے گا۔ وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کے اس طرح آ جانے سے خوشی بھی ہوئی تھی کہ تنہائی دور ہو گئی تھی اور اب اتنا زیادہ خوف نہیں تھا، لیکن یہ احساس بھی تھا کہ اب کیا ہوگا، صحرائے اعظم سے نکلنے کا تصور اس کے لیے دل خوش کن تھا، لیکن اس کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ یہ اتنا آسان نہیں تھا اور پھر جیسا کہ اسٹون برادرز نے کہا تھا کہ وہ شاہ زیب سے زیادہ دور نہ ہوں گے۔ یقیناً اس کے لیے بھی بندوبست کر لیا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ کسی طور برداشت نہیں کیا جائے گا کہ ایرا شاہ زیب کے ساتھ ہو، اس کا اس طرح وہاں سے نکل آنا اسٹون برادرز کے غصے کو بھڑکا سکتا ہے اور اس طرح وہ ان کے عتاب کا شکار ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ تھی کہ شاہ زیب کے پاس ٹرانسمیٹر موجود تھا اور اصول کے مطابق شاہ زیب کو فوراً اس کے بارے میں اطلاع دینی چاہیے۔ اطلاع نہ دیتا تو شاہ زیب پر بھی شک کیا جا سکتا تھا۔ وہ آ تو گئی ہے لیکن شاہ زیب تو اس کا ذمے دار نہیں ہے، اس سے باز پرس ہوئی تو وہ صاف کہہ دے گا کہ اس کے ذمے دار وہ خود ہیں۔

''کیا سوچنے لگے ڈیئر شاہ زیب؟'' ایرا کی آواز ابھری۔

''کوئی خاص بات نہیں۔''

''پھر بھی۔''

''رات کس طرح گزاری جائے گی؟'' شاہ زیب نے سوال کیا۔

''اس خوبصورت، خاموش اور پرسکون ماحول میں۔ آہ میں تو اس تصور سے ہی مسرور ہوں۔ ہاں وہاں تو کمبخت ہالک کی طرف سے دھڑکا ہی لگا رہتا تھا۔'' اس نے جواب دیا اور شاہ زیب اس عجیب و غریب لڑکی کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا، مخبوط الحواس معلوم ہوتی تھی، شاہ زیب کی جان نکلی جا رہی تھی اور اسے یہ ہولناک رات خوبصورت خاموش اور پرسکون محسوس ہو رہی تھی۔ شاہ زیب نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

''اور اگر اس خوبصورت خاموش اور پرسکون رات میں کوئی وحشی درندہ جیپ پر چھلانگ لگا کر ہم دونوں کو دبوچ لے تو.....''

''درندہ۔'' ایرا کی آواز میں خوف جھلکنے لگا۔

''جی ہاں...درندہ کیا خیال ہے ڈیئر کیا درندے ہمیں دیکھ کر روپوش ہو جائیں گے''

''اوہ نہیں نہیں۔ تم مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو، یہاں درندے تو نہیں معلوم ہوتے''

''یہاں نہیں ہیں، لیکن آ گئے تو ہو سکتے ہیں۔''

''تت...تو پھر؟''

''کچھ نہیں..انتظار فرمائیے کہ کس وقت کسی گوشے سے شیر کی دھاڑ سنائی دیتی ہے اور اس کے بعد وہ ہماری بو سونگھتا ہوا ہم تک پہنچ جاتا ہے۔''

''اوہ...'' ایرا اب واقعی خوفزدہ نظر آنے لگی تھی ''اب کیا کروں۔''

''کچھ نہیں...بس انتظار فرمائیے گا۔''

''کوئی ہے، مجھے کچھ خوشبو سی محسوس ہوئی ہے؟''

''ہاں تھرماس میں ہے۔'' شاہ زیب نے کہا اور ایرا کوفی تلاش کرنے لگی، اس کے بعد وہ دونوں دیر تک کوفی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کی چسکیاں لیتے رہے۔

یہ خاموش اور پرسکون رات تو ایرا کے لیے ہولناک بن گئی تھی، کم از کم یہی فائدہ ہوا تھا کہ وہ خوفزدہ ہوگئی تھی اور اب اس کی جولانیاں ختم ہوگئی تھیں۔ کئی بار ہواؤں کی ہلکی ہلکی سرسراہٹیں سنائی دیں اور وہ وحشت زدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی، پھر اس نے کہا۔

''مجھے تو نیند آرہی ہے شاہ زیب۔ اگر تم اجازت دو تو میں پچھلی سیٹوں کے درمیان سو جاؤں''

''ہاں وہ محفوظ جگہ ہے اور بہتر ہے تم سو جاؤ، میں جاگ رہا ہوں۔'' شاہ زیب نے جواب دیا اور وہ پچھلی سیٹوں کے درمیان گھس کر لیٹ گئی۔

رات دبے پاؤں آگے بڑھ رہی تھی۔ ہوائیں سرد ہوگئی تھیں لیکن خنکی پیدا نہیں ہوسکی تھی، یہ گرم ترین علاقہ معلوم ہوتا تھا۔

دیر تک ایرا کی آواز نہ سنائی دی، شاہ زیب نے پلٹ کر دیکھا تو وہ گہری نیند سو چکی تھی۔ عجیب مصیبت تھی اب وہ سیٹ کھول کر لیٹ بھی نہیں سکتا تھا، کیا کرے اور کیا نہ کرے، کیا اسی طرح بیٹھے بیٹھے رات گزار دے۔ سخت بیزاری کے عالم میں تھا، وہ جاگ رہی تھی تو عجیب سے احساسات کا شکار ہوگیا تھا اور اب وہ سوگئی تھی تب بھی بوریت ہو رہی تھی۔ اگر اس عالم میں شوراک مل جائے تو کیا ہوگا؟ کیا ایرا کی موجودگی میں بھی وہ سب کچھ ہوسکے گا جس کے لیے اسے روانہ کیا گیا تھا۔

شاہ زیب نے سیٹ سے پشت لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ دماغ تھک کر چور ہوگیا تھا اور یہ فارمولا بے حد کارآمد رہا، نجانے کب پلکیں جھک گئیں اور صبح ہوگئی، ایرا ہی نے اسے جگایا تھا وہ خوشی کے عالم میں کہہ رہی تھی۔

''اوہ ڈیئر شاہ زیب بڑے زبردست انتظامات کیے ہیں اسٹون برادرز نے تمہارے لیے۔ دیکھو ہر طرح کی خوراک کے ڈبے موجود ہیں کوفی بھی ہے اور پنیر وغیرہ بھی، چلو ہاتھ منہ دھولو، میں ناشتا تیار کر رہی ہوں۔''

شاہ زیب کو ہنسی آگئی تھی اس نے سوچا کہ ایرا کی موجودگی غنیمت ہے، اگر وہ نہ ہوتی تو اس وقت عالم ہی دوسرا ہوتا، اسی وقت شاہ زیب نے فیصلہ کیا کہ آنے والے وقت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کیا ہو اس لیے اس کے بارے میں اسٹون برادرز کو اطلاع نہیں دی جاسکتی۔ اولیت اسی بات کو دی جائے کہ یہاں سے کسی طرح نکل جانے کی کوشش کرے بشرطیکہ اس کا موقع مل جائے، نہ نکل سکا تو اس بات کا اظہار کردوں گا کہ شوراک کو تلاش کر رہا تھا، ایرا کا مسئلہ وہ خود حل کریں گے۔ یہ فیصلہ کرکے وہ مطمئن ہوگیا تھا۔

ایرا نے ناشتا تیار کرلیا تھا، دونوں نے نہایت خوشگوار فضا میں ناشتا کیا تھا اور اس کے بعد شاہ زیب نے جیپ کی دیکھ بھال کی پھر اسے اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دیا، اس وقت اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔

☆......☆......☆

صحرائے اعظم کا ایک وسیع و عریض علاقہ آج بھی پراسرار کہانیوں کا حامل ہے، لیکن زیادہ تر علاقہ اب جدیدیت کی طرف مائل بہ پرواز ہے اور وہاں کی زندگی بالکل مختلف ہوگئی ہے۔ تو جناب شاہ زیب صاحب ان دنوں وحشت خیز صحراؤں میں سفر کر رہے ہیں جوان قصے کہانیوں میں بار بار استعمال کیا گیا ہے۔ آنکھیں جھٹک جھٹک کر بدن میں چٹکیاں لے لے کر یہ سوچا جاتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ عالم خواب ہی نہ ہو، لیکن پھر گوں نا گوں مصائب اور اطراف میں بکھرے ہوئے کردار ہوش دلاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جناب عالی! آپ کسی کہانی کا سفر نہیں کر رہے ذرا بھی چوکے تو کسی درندے کے پیٹ میں پہنچ جائیں گے اس لیے ہوش و حواس کی دنیا میں رہیں اور اپنے آپ کو کسی کہانی کا ہیرو نہ سمجھیں۔ سمجھنا چاہیں تو سمجھ بھی نہیں سکتے کیونکہ آپ کے ساتھ کسی نہ کسی کردار کا نزول رہا ہے اور اس وقت شاہ زیب کی شریک سفر مس ایرا تھیں جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر پیا دیس آگئی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ خود ان کے پیا کا کوئی دیس نہیں تھا، وہ خود بیچارے دیس بدیس بھٹک رہے تھے۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ایرانے شاہ زیب کی صحت کی ذمہ داری سنبھال لی تھی اور وہ چھوٹی سی جیپ میں بہت خوش تھی جسے اس نے اپنا ہوم سوئیٹ ہوم سمجھ لیا تھا۔ اس کے اور شاہ زیب کے درمیان ہر طرح کی گفتگو ہوتی تھی، ایرانے کہا تھا کہ اسے اس بات سے غرض نہیں تھی کہ دنیا میں کہیں بھی رہا جائے لیکن صحرائے اعظم سے جلد از جلد نکل جایا جائے۔ لیکن شاہ زیب اسٹون برادرز کی ہدایت کے مطابق شوراک کو تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھتا رہا اور اس تلاش میں اب ایرا اس کے ساتھ تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ شاہ زیب نے اسے اب تک اپنے دل کی بات نہیں بتائی تھی۔ ایک صورت تھی کہ صحرائے اعظم سے باہر نکلنے کا راستہ مل جاتا، دوسری صورت یہ تھی کہ شوراک مل جاتی اور اسٹون برادرز کا کام ہو جاتا۔ تیسری صورت یہ تھی کہ مسٹر گرج کے پروگرام کے مطابق شوراک کو اس کے قبیلے تک لے جایا جائے۔ شاہ زیب اس وقت مثلث بن کر رہ گیا تھا۔

رات ہوئی تو پھر ایک جگہ قیام کر لیا گیا، اس رات موسم ذرا خنک تھا اور فضا میں کہر کی کیفیت چھائی ہوئی تھی، رات گزارنے کے لیے جیپ کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نظر نہیں آیا، ویسے بھی یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا کہ کوئی اور ذریعہ تلاش کیا جائے۔ ایرانے اس رات اپنی تمام شخصیت شاہ زیب پر نچھاور کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن وہ دونوں اس فیصلے سے مستفید نہ ہو سکے جس کی وجہ سے ایرا بددلی کا شکار ہو گئی تھی اور دوسری صبح جب ان لوگوں نے سفر کا آغاز کیا تو ایرا کا موڈ زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔

دوسرا دن بھی بغیر کسی دقت کے گزر گیا اور کوئی ایسا قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا، لیکن ایرا کا موڈ دن بھر خراب رہا تھا اور جب یہ رات بھی بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئی تو ایرا بددل ہو گئی اور دوران سفر اس نے شاہ زیب سے اس بات کی شکایت بھی کی۔

''میں محسوس کرتی ہوں کہ تمہیں میری ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور شاید تم میرے اس طرح نازل ہو جانے سے اخلاقاً تو خاموش ہو گئے، لیکن ذہنی طور پر کچھ الجھے ہوئے سے ہو۔''

''نہیں ڈیئر، تمہارا خیال غلط ہے تم خود سوچو، ہم جس ہولناک ماحول میں سفر کر رہے ہیں۔ کیا اس میں رنگینوں کی کوئی گنجائش ہے۔ تمہاری وجہ سے مجھے یہ مسرت ہوئی کہ میں تنہا نہیں رہا، لیکن زندگی کے بیشتر مراحل سکون سے تعلق رکھتے ہیں اور بے سکونی کبھی لطیف جذبات کو جنم نہیں دے سکتی۔''

شاید ایرانے یہ منطق قبول کر لی تھی کیونکہ اس کے بعد اس نے شاہ زیب سے مکمل تعاون شروع کر دیا، یہ لوگ ابھی تک ادھر سے ادھر بھٹک رہے تھے، اسٹون برادرز سے بھی کوئی رابطہ نہیں قائم ہو سکا تھا، ظاہر ہے کوشش کرتے تو ایسا ممکن تھا ورنہ ان لوگوں کو بھی اس کی ضرورت نہ پیش آئی ہو گی، بہر حال ان سے دوری ہی اچھی تھی اور پھر کچھ ہو بھی تو نہیں سکا تھا، جس کی انہیں اطلاع دی جاتی۔ ایرا کے بارے میں بھی انہیں بتانا مناسب نہیں تھا، چنانچہ یہ سفر جاری رہا، صحرائے اعظم کے مناظر بدلتے رہے اور پھر یہ لوگ ایک ایسے علاقے میں جا نکلے جسے اب تک کے سفر کا سب سے دہشت ناک علاقہ کہا جا سکتا تھا۔

یہاں روئیدگی کا نام و نشان تک نہیں تھا، زمین کا رنگ سیاہ تھا اور دور دور تک سیاہ رنگ کی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ علاقہ کیسا ہے۔

رات کو انہی چٹانوں کے درمیان قیام کیا گیا۔ فضا میں ایک عجیب سا حبس طاری تھا، آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ماحول پر ایک گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی، ایرا بھی خاموش تھی، ویسے بھی شاہ زیب نے محسوس کیا تھا کہ وہ ان باتوں کے بعد کسی قسم کے اظہار سے تو باز رہی تھی لیکن اس کی کیفیت میں ایک پژمردگی سی پیدا ہو گئی تھی اور شاہ زیب اسے دور کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی گئی اور پھر اس وقت یہ لوگ تقریباً نیند کی آغوش میں پہنچ گئے تھے کہ فضا میں ایک سنسناہٹ سنائی دینے لگی۔ ایک عجیب سی گونج ان چٹانوں سے بلند ہو رہی تھی، شاہ زیب چونک کر اٹھ بیٹھا اور اس

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

نے دیکھا کہ ایرا کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ یہ دونوں پریشانی سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ دفعتاً یہ سنسناہٹ ایک خوفناک گڑگڑاہٹ میں تبدیل ہوگئی، جیپ کو شدید جھٹکے لگے تھے، ایرا کے حلق سے ایک تیز چیخ نکل گئی اور وہ شاہ زیب سے لپٹ گئی۔

''یہ..... یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''زلزلہ...شاید زلزلہ ہے۔'' شاہ زیب نے سہمے ہوئے انداز میں کہا، پھر اچانک ہی شاہ زیب نے دور فضا میں پھلجھڑیاں سی چھوٹتی ہوئی دیکھیں، یہ فاصلہ چار پانچ فرلانگ سے کم نہیں ہوگا، بس یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا انار جل رہا ہو۔ دھماکوں کے ساتھ ساتھ زمین بھی لرز رہی تھی، شاہ زیب نے ذہن پر زور دیا اور یہ اندازہ ہوگیا کہ شاید کوئی آتش فشاں پھٹا ہے۔

فضا میں آتش بازی چل رہی تھی سرخ پگھلے ہوئے پتھر گیس کے دباؤ کے ساتھ آتشیں لکیریں بناتے ہوئے آسمان کی جانب جا رہے تھے، پھر ایک سماعت شکن دھماکہ ہوا اور آسمان پر سیاہ دھوئیں کے مرغولوں اور چمکتے ہوئے آتشیں پتھر بلند سے بلند تر ہوگئے، زمین اور زور سے ہلنے لگی اور یہ خدشہ ہوگیا کہ جیپ الٹ جائے گی، ایرا کی چیخیں اب مسلسل بلند ہو رہی تھیں اور اس نے مضبوطی سے شاہ زیب کو جکڑ رکھا تھا۔ شاہ زیب ایرا کے ساتھ جیپ سے نیچے اتر آیا، لیکن زمین پر قدم رکھا ہی تھا کہ بڑی زور سے گرے۔ ہلتی ہوئی زمین پر قدم جمانے کی کوشش احمقانہ ہی تھی، ایرا شاہ زیب سے چمٹی ہوئی چیخ رہی تھی اور اس میں دوبارہ کھڑے ہونے کی ہمت نہیں رہی تھی، پتھروں کے فضا میں بلند ہو کر گرنے کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں، گڑگڑاہٹ سے کان پھٹے جا رہے تھے، درجہ حرارت ایک دم بڑھ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ جیپ کے پاس سے ہٹ کر جاتے بھی تو کہاں جاتے، پناہ کے لیے کونسی جگہ تھی، بہرطور وہ دونوں کسی ایسی پناہ کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگے جس کے پاس پہنچ کر اوپر سے برسنے والے پتھروں سے نجات مل جائے، ورنہ کوئی بھی پتھر کسی بھی وقت ان کی قبر بنا سکتا تھا۔

تھوڑے ہی فاصلے پر ایک چٹان نظر آئی اور شاہ زیب ایرا کو ساتھ گھسیٹتا ہوا اس چٹان کی آڑ میں پہنچ گیا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں پہنچ کر انہیں برستے ہوئے پتھروں سے نجات مل گئی تھی۔

تاریک رات، بھیانک ماحول، جس میں صرف پتھروں سے بلند ہونے والی چنگاریاں روشنی پیدا کر رہی تھیں، ورنہ گہری تاریکی چاروں طرف مسلط تھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو چکی تھیں، گرم ماحول سے زبان خشک ہو کر تالو سے چپک گئی۔ پھر ایک اور تبدیلی رونما ہوئی۔ کافی فاصلے پر عظیم الشان چٹانوں کے سلسلے کے دوسری جانب سے سرخ روشنی بلند ہو کر پورے ماحول پر مسلط ہوتی جا رہی تھی، ابتداء میں تو یہ لوگ اسے بھی آتش فشاں سے بلند ہونے والے لاوے کی روشنی سمجھتے رہے، لیکن فضا میں دم بہ دم بڑھتے ہوئے شعلوں کی لپک یہ احساس دلا رہی تھی کہ کچھ اور ہوا ہے۔ حدت تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی، پھر دفعتاً ہی صورت حال منکشف ہوگئی۔

غالباً اس طرف کوئی گھنا جنگل تھا جس کے درختوں نے آگ پکڑ لی تھی، یہ لوگ خوف و دہشت سے آنکھیں پھاڑے اس ہولناک منظر کو دیکھتے رہے، جنگل میں آگ لگتے ہی ایک اور مصیبت کا آغاز ہوگیا تھا۔ وہ یہ کہ جنگلی جانوروں نے آگ سے گھبرا کر میدانوں کی طرف دوڑ لگا دی تھی، ان کے چیخنے چلانے کی آوازوں نے فضا کو اور بھی دہشت ناک بنا دیا تھا۔

قیامت کی اس رات میں شاہ زیب اور ایرا اپنے اعمالوں کو یاد کر رہے تھے، نجانے کس کا دل دکھانے کے نتیجے میں یہ سزا ملی تھی، زمین مسلسل کروٹیں بدل رہی تھی، کبھی ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا جاتی اور پھر دھماکوں کا مسلسل طوفان شروع ہو جاتا، نجانے کیا ہونے والا تھا۔

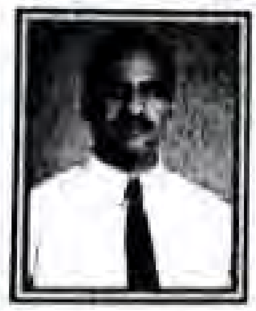
(زندگی کے پیچیدہ راستوں میں اپنے ہم شکلوں کی کھوج میں نکلے شاہ زیب کی اگلی منزل کیا ہوگی......؟ جاننے کے لیے اگلی قسط کا انتظار کیجیے)

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

محبت اور نفرت کی دھیمی دھیمی آنچ میں لو دیتی ہوئی، شعلہ ساماں تحریریں

کمپنی...



اعجاز احمد نواب

دیارِ غیر میں انصاف کا پرچار کرنے والوں کے منہ پر ایک طمانچہ/ لاہور سے ایک عبرت ساماں کہانی

یہ ایک ایسی کمپنی کی کہانی ہے جس میں پانچ ہزار ملازم تھے۔ جو کئی ملکوں سے تعلق رکھتے تھے۔ چوبیس ملکوں کے چوبیس ڈرائیور جو کہ چوبیس زبانیں بولتے تھے۔ لیکن مشترکہ طور پر سب عربی زبان بولتے تھے۔ سب آوارہ ذہن جیسا ہوادار مزاج رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں لڑکیاں تھیں جو کہ کارٹن اٹھانے اور پیکنگ پر معمور تھیں۔ زیادہ تر لڑکیوں کا تعلق فلپائن انڈونیشیا، بھارت اور چند ایک کا افریقن ممالک سے تھا۔ سب آفتاب کے ماتحت کر دیے گئے۔ سب نے اس کے ناک میں ایسے دم کر رکھا تھا جیسے کسی ریسی اونٹ کو نکیل ڈالی جاتی ہے۔ جس کو دائیں بھیجتا وہ بائیں چلا جاتا۔ جس کو رات کو کام کرنے کے لیے کہتا وہ جواب دیتا صبح کروں گا۔ جس کو دن کو کام کرنے کے لیے کہتا وہ بھی الٹا ہی جواب دیتا۔ یعنی اگر کسی کو بھینس کے نیچے چھوڑتا تو وہ بچھڑے کے نیچے پہنچ جاتا۔ کام ہی ایسا تھا کہ موت اور گاہک کی طرح کسی بھی وقت فیکس پر آرڈر آ جاتا جس کی تعمیل کرنا پڑتی کہ فلاں مال کو فلاں جگہ پہنچا دیں۔ کیونکہ اسٹوروں پر مال کو دن کو پہنچانا ہوتا تھا اور بعض اسٹوروں پر مال بازار تنگ ہونے کی وجہ سے رات کو۔ تاکہ ٹریفک میں خلل نہ پڑے۔ ایسی صورتِ حال میں کئی بار اسے خود بھی گدھوں کی طرح مال آف، آن لوڈ کرنا پڑتا۔ کئی بار ملازمین ضدی بن کر تو تکرار پر اتر آتے اور لڑ پڑتے اور ایک دوسرے کے گریبان پکڑ لیتے۔ لڑکیوں کی لڑائی زبان درازی تک ہی محدود رہتی یا لڑکوں کی طرف سے جنسی طور پر حراسان کرنے پر۔ لیکن وہ خدا کا شکر ادا کرتا کہ ان سب میں لیزا انتورو شامل نہیں۔ اس طرف سے وہ مطمئن تھا۔

لیزا انتورو کا تعلق کینیا سے تھا۔ وہ کمپنی ملازمین کی فیملی ویزا انچارج اور سینئر مکینیکل انجینئر تھی۔ انتہا درجے کی بگڑی ہوئی چھ فٹ کی عورت تھی۔ گھبن بھینسوں جیسا جسم تھا اس کا۔ بہت ہی تند و تیز شیطانی مزاج رکھتی تھی۔ اپنے سامنے کسی کو کھانسنے پر بھی ڈانٹ پلا دیتی تھی۔ وہ خود کو ملازم کم اور مالک زیادہ سمجھتی تھی۔ کیونکہ فیملی ویزا جاری کرنا اس کے اختیار میں تھا اور یہ اتنے بڑے اعزاز کی بات تھی جیسے کسی عام شخص کو فنانس منسٹر کی طرح بجٹ خرچ کرنے کے کلی اختیار حاصل ہو جائیں۔ لہٰذا رومانویت کے ستائے ہوئے مزدور اپنی بیویوں کے ویزے حاصل کرنے کے لیے اس کی چاپلوسی کرتے رہتے یا ایک دوسرے کو سیکسی لطیفے سنا کر جنسی تسکین حاصل کرتے رہتے۔ اول تو آفتاب کو اس کی شکل سے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہی خوف آتا تھا۔ یہ موٹے موٹے کالے ہونٹ، بینگن اور اس کے رنگ جیسی شکل تھی۔ بغیر ضرورت کے بڑھا ہوا پیٹ۔ بطخ جیسی پیٹھ۔ گنجلدار دار گھنگھریالے بال، ناک اس قدر چوڑا کہ ہونٹوں تک پھیلا ہوا۔ ٹھوڑی کے نیچے بھی گوشت کی بھرمار۔ بقیہ جسم بھی بے حد بے ڈھنگا اور عادات بھی بے انتہا گندی۔ رات بارہ بجے گھوم پھر کر آتی تھی۔ آتے ہی برآمدے، کمرے، کچن کی لائٹیں جلا دیتی تھی۔ اونچی آواز میں میوزک لگا دیتی، ساتھ کچن میں کھانا بنانا شروع کر دیتی۔ سناٹے میں دن بھر کے تھکے ہوئے مزدور اس کی خودسر حرکات کی وجہ سے بے آرام ہو جاتے اور تو تکرار شروع ہو جاتی۔ آخر ان کو بھی آرام کی ضرورت تھی۔ مگر وہ کسی کے اعتراض پر کان دھرنے والی نہ تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر کبھی کبھی وہ شراب پیتی اور دن بارہ بجے تک شراب پی کر نشے میں دُھت سوئی رہتی۔ اس کے بعد وہ ڈیوٹی پر پہنچ کر گاڑیوں کی دیکھ بھال کرتی۔ اس کی تنخواہ بھی اچھی خاصی تھی۔ کمپنی اس کی قدردان تھی۔ وہ گاڑیوں کی نبض شناس تھی۔ اسٹارٹ گاڑیوں پر ہاتھ رکھ کر یا ان کی آواز سن کر نقص بتا دیتی تھی۔ اس کی ٹھیک کی ہوئی گاڑیاں حیرت انگیز حد تک بہت کم خراب ہوتی تھیں اور بہت کم پٹرول خرچ کرتی تھیں۔ کیونکہ اس کو کام سے جنون کی حد تک عشق تھا اور گاڑیوں کی ٹیکنالوجی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ لیکن ملازمین اس سے تنگ ہی رہتے تھے۔ کیونکہ وہ آسانی سے فیملی ویزا جاری نہیں کرتی تھی۔ دس سالوں میں ایک بار بھی پر چھٹی نہیں گئی تھی۔ کئی مزدور اس چہیتی کی حرکتوں کی وجہ سے تنگ آ کر اپنا نقصان کروا کر کمپنی چھوڑ کر واپس اپنے ملکوں میں جا چکے تھے۔ کیونکہ کسی افسر سے لڑنے کی صورت میں کمپنی مزدور کو نکال دیتی تھی اور واجبات بھی ضبط کر لیے جاتے تھے۔

آفتاب جب جونیئر ملازمین سے زیادہ تنگ ہوتا تو ان کو ڈراتا کہ ”تم کمپنی کے فلاں رول کی خلاف ورزی کر رہے ہو، کمپنی تم کو نکال دے گی۔“

وہ انتہائی تلخی سے جواب دیتے، ”کوئی ایک رول تو بتاؤ جو مزدوروں کے حق میں جاتا ہو یا کمپنی نکالتی ہے تو



READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

نکال دے، رزق من جانب اللہ۔ ایک فٹ جگہ پر کھڑے ہیں، کرہ ارض بہت بڑا ہے، کہیں اور کام کرنے چلے جائیں گے۔"

بڑی ہنگامی قسم کی ڈیوٹی تھی جس نے سب کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ آفتاب کا ان سب سے زیادہ برا حال تھا۔ شیڈول سیٹ ہوتا ہی نہیں تھا۔ ہیڈ آفس والے احتجاج کرنے والوں کو نشان عبرت بنا دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے مزدور غربت اور بے روزگاری سے بچنے کے لیے سر جھکا کر کام کرنے کو ہی ترجیح دیتے رہتے تھے۔ اگر آفتاب سے کوئی شکایت کرتا تو وہ جواب دیتا۔

"ہیڈ آفس والوں سے شیڈول مرتب کرنے کے لیے کہا ہوا ہے۔ ذرا صبر کرو۔" لیکن کتنا صبر کیا جائے، آخر صبر کرنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ صبر اور انتظار ہی تو مزدور کی غربت ختم نہیں ہونے دیتے۔ ان سب کے لیے آفتاب کے دل میں ہمدردانہ سوچ تھی۔ لیکن وہ بے بس تھا۔ بعض اوقات اس کے دل میں خیال پیدا ہوتا، ملکوں، خاندانوں اور بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے ان سے دور رہ کر اور جنسی طور پر استحصال سے ذہنی مریض بن گئے ہیں۔ بعض اوقات وہ ان سے اس قدر عاجز آ جاتا کہ اپنی بے بسی کو دیکھ تنہائی میں بیٹھ کر روتا۔ لہٰذا، اس نے زندہ رہتے ہوئے انسانوں سے اپنی زندگی سے توبہ کر لی۔ کیونکہ کبھی کبھی ان کو ٹھیک کرنے کے لیے اس کی سوچیں بھی بے انتہا قبیح، انتقامی اور غلیظ ہو جاتی تھیں۔ آخر دل کو تسلی دیتا کہ ان سے میٹھا بن کر کام لینا ہی مناسب ہے۔ کیونکہ وہ بھی اپنے ملک میں غربت کی وجہ سے قرض اور سود کے نیچے پھنسا ہوا تھا۔

وہ ہیڈ آفس کسی کی شکایتی رپورٹ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسے تنخواہ ہی اس بات کی دی جاتی تھی کہ ملازمین سے احسن طریقے سے زیادہ سے زیادہ کام لے کر کمپنی کی پرافٹ شیٹ میں اضافہ کرے اور ان کے لیے اس قدر کام پیدا کرے کہ ان کو دائیں بائیں ہر طرف دن رات کام ہی کام نظر آتا رہے اور ان کو آرام کرنے کا ہوش نہ آنے دے۔

کمپنی نے ان سب پر نظر رکھنے کے لیے اسے ایک عدد گاڑی بھی دی ہوئی تھی۔ وہ ان سب کو کنٹرول کرنے کے لیے ٹل فائٹر کی طرح دائیں بائیں بھاگتا رہتا تھا۔ کوئی اس کے قابو میں نہیں آتا تھا۔ سب اس کے خلاف شکایتیں لکھ کر ہیڈ آفس بھیجتے رہتے تھے کہ نہ وہ رہائش کی صفائی کرواتا ہے۔ نہ اوور ٹائم دیتا ہے۔ نہ بیماری کی چھٹی دیتا ہے۔ نہ آبائی ملک جانے کے لیے چھٹی منظور کرتا ہے۔ نہ صحیح علاج کرواتا ہے نہ گاڑیوں کی ٹھیک طرح سے دیکھ بھال کرتا ہے، وغیرہ۔ بلکہ جب جی چاہتا ہے، ڈیوٹی پر بلا لیتا ہے۔ پٹرول، بجلی ضائع کرتا ہے۔ ڈیوٹی زیادہ لیتا ہے۔ بدتمیزی کرتا ہے، وغیرہ۔ اس بات کا کوئی ذکر نہیں کرتا تھا کہ اُن کے آرام کا خیال رکھتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ دولت کی فراوانی کی بناء پر مقامی لوگوں کے آرام پرست ہونے کی وجہ سے ان ہنر مندوں کو ان کے ملکوں سے کم مزدوری پر بلایا ہی اس لیے جاتا ہے۔ تاکہ ان سے صرف اور صرف گدھوں کی طرح کام لیا جائے۔ باقی سب کچھ بھول جائیں۔ فرق صرت اتنا ہے ان کے ملکوں میں کام نہیں ہوتا اور یہاں کام کی فراوانی ہے۔ ہیڈ آفس کا عملہ اُن کی شکایتوں پر کوئی توجہ نہیں دیتا تھا بلکہ کام بڑھانے کے نئے نئے طریقے دریافت کرتا رہتا تھا۔

مسائل تھے کہ ہر ایک کا گھیراؤ کیے ہوئے تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ کمپنی میں کوئی میس نہیں تھی۔ ہر ایک کو کھانا خود ہی بنانا پڑتا تھا اور بچا ہوا کھانا سنبھالنے کے لیے فریج نہیں تھے بلکہ ضائع ہو جاتا تھا اور تنخواہ وقت پر نہیں ملتی تھی۔ جس کی وجہ سے ملازمین اسٹوروں سے واپس آئی ہوئی ایکسپائری ڈیٹ اشیاء جن میں اکثر کیڑے اور سنڈیاں پڑی ہوتی تھیں اور بے انتہا باسی ہوتی تھیں، کھا کر گزارہ کرتے رہتے تھے۔ جو کہ ان کی صحت کے لیے مہلک تھیں اور ان کے کھانے سے اکثر کے پیٹ خراب رہتے تھے۔

ان سب ڈرائیوروں میں ایک بات مشترک تھی۔ ہر ایک کی گاڑی میں، ان کے بستروں کے پاس، تیل، گریس اور زنگ آلودہ بوؤں سے اٹی ہوئی پہلے چند اور آخری صفحوں سے پھٹی ہوئی مختلف ملکوں کی ماڈل گرلز کی تصویروں کی کتابیں پڑی رہتی تھیں اور وہ تصویروں کو دیکھ کر دل بہلاتے اور آپس میں فحش کلام کرتے ہوئے نظر آتے رہتے تھے۔ وہ کتابوں کا تبادلہ بھی کرتے رہتے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تھے۔ شاید ایسا اس لیے تھا وہ نفسانی خواہشات مٹانے کے لیے خواتین کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

ان خودسر مزدوروں کو کنٹرول کرتے کرتے چند مہینوں میں ہی اس کا چوالیس پاؤنڈ وزن کم ہوگیا تھا اور آئینہ رخسار چہرہ چوہے کی کھال جیسا۔ ہونٹ کالے، بال میلوں سے مشکی، پپوٹے سوجے ہوئے، آنکھیں ویلڈروں کی طرح سرخ اور چہرے کا رنگ بگڑ کر پرانے لوہے جیسی شکل اختیار کرگیا تھا۔ ہاتھوں پر چنڈیاں پڑگئی تھیں اور پاؤں بھاگتے بھاگتے، ڈانس کرنے والی ناگنہ کی طرح پھیل گئے تھے۔ جسم سے زنگ آلود پسینوں کی بوئیں چھوٹتی رہتی تھیں اور ذہن میں ہمیشہ ایسی خانہ جنگی جاری رہتی جیسے کوئی غریب آدمی دوسری شادی کروا کے دوزخی چڑیلوں کے درمیان پھنس جاتا ہے۔

اسی دوران زیادہ مشقت کی وجہ سے وہ ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوگیا جو ڈاکٹروں کی سمجھ سے بھی باہر تھی۔ کبھی اوپر کا آدھا دھڑ سو جاتا کبھی نیچے کا۔ کبھی دائیں ٹانگ سے سر تک اور کبھی سر سے بائیں ٹانگ تک۔

☆......☆......☆

ایک دن ایک آفیسر سٹیفن اس کے پاس آیا اور اس کی میز پر چابی پھینک کر کہنے لگا، ''جاؤ میری گاڑی سے بریف کیس اٹھا کر لاؤ۔''

آفتاب نے جواباً پیشانی پر ناگواری کے بل نمودار کر کے کہا۔

''یہ میری ڈیوٹی میں شامل نہیں۔ آپ خود جاؤ اور اپنا سامان اٹھا کر لاؤ۔ میں تمہارا ذاتی ملازم نہیں۔''

اس نے آفتاب کو خوب ڈانٹا اور جی بھر کر گالیاں بھی دے دیں۔ اس کی کسی سینئر آفیسر نے سرزنش کی تھی۔ اس نے بھڑاس آفتاب پر نکال دی۔ آفتاب نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جواب میں ایک افسر کی بے عزتی کر کے اس کی شخصیت تہس نہس کر دی کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ مداری کے ساتھ رہنے والے ریچھ کی طرح وہ مار بھی کھائے اور ہر وقت کھانا کھائے بندر یا یعنی وہ بگڑے ہوئے اسٹاف کو بھی سنبھالے اور افسروں کے ذاتی کام بھی کرے۔ آفتاب کو پورا یقین تھا کہ اب اس کی جان چھوٹ جائے گی اور کمپنی اس کا حساب بے باق کر کے اسے گھر تک کا ٹکٹ دے کر سفر کرا دے گی۔ مگر حساب الٹا ہوگیا۔

ایک گھنٹے بعد سٹیفن نے اُسے سب کے سامنے معاف کر کے اسے شرمندہ کر دیا۔ آفتاب پانی پانی ہو کر شام کو ایک ٹریلر کے سائے میں جا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا سٹیفن نے اسے معاف نہیں کیا بلکہ کسی ٹیکنیکل طریقے سے بدلہ لے گا اور آج سے اس کے عذاب کی دوسری قسط شروع ہو رہی ہے۔

سٹیفن آفتاب کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کا مغموم چہرہ اور آبدیدہ آنکھیں دیکھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''غلطی میری تھی میں نے تمہیں خواہ مخواہ کام کہا، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

آفتاب نے جواباً کہا، ''سٹیفن بھائی آپ بڑے آدمی ہیں۔ آپ کا دل بھی بڑا ہے۔ مجھے آپ کے ساتھ غلط رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''یار عجب مصیبت ہے، یہاں ہم دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے مزدور اپنے مسئلے کی کسی سے شکایت بھی نہیں کر سکتے۔ اگر شکایت کرنے جائیں تو نوکری سے فارغ۔ زندہ رہنے کے لیے پیسے ختم، اور عدالتوں میں کیس لڑنے کے لیے پیسے کہاں سے لائیں۔'' سٹیفن نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

بعدازاں، سٹیفن اسے ریسٹورنٹ سے کھانا کھلا کر اپنے گھر لے گیا۔ اس نے اپنے کمرے میں مرد اور عورتوں کے عجیب سے رومانوی انداز میں کارٹون بنائے ہوئے تھے۔ کمرے میں ایک شیلف کتابوں کی بھی تھی۔ شیلف میں کلیری وائن، دوستوفسکی، ایڈم سمتھ، میکاؤلی گبریل گارشیا، جیری جیمز اور کئی دوسرے مشہور مصنفین کی کتابیں بھی پڑی تھیں۔

''اس شہر میں میں نے کوئی کتابوں کی دوکان نہیں دیکھی، ہاں! چند دوکانوں پر یونانی رسائل مل جاتے ہیں۔ آپ نے یہ کتابیں کہاں سے حاصل کی ہیں۔'' آفتاب نے کتابوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کتابیں میں نے انگلینڈ سے منگوائی ہیں۔ یہاں کہاں ملتی ہیں۔ مجھے بیوی بچوں سے زیادہ محبت کتابوں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

سے ہے۔ میں بیوی بچوں سے تو دور رہ سکتا ہوں کتابوں سے نہیں۔ ان ہی کی وجہ سے میں نے دنیا میں عزت پائی ہے۔ تم چاہو تو پڑھنے کے لیے کتابیں لے سکتے ہو۔ کتاب پڑھ کر آگے پڑھنے والے کے سپرد کر دینی چاہیے۔ تاکہ علم پھیلتا جائے۔" سٹیفن نے بڑا مدبرانہ جواب دیا۔

سٹیفن نے آفتاب کو پڑھنے کے لیے کتابیں لینے کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی اس نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا، "یار میں نے لیزا انتورو سے کئی بار فیملی ویزا کے لیے درخواست کی ہے مگر اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ کوئی ایسا طریقہ نکالو کہ وہ مجھے فیملی ویزا جاری کر دے۔ میں اکیلا رہ کر تنگ آ گیا ہوں، وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مجھے بیوی کی ضرورت ہے۔"

آفتاب تھوڑا سا ٹھٹکا کہ سٹیفن میرے ساتھ لیزا انتورو سے فیملی ویزا حاصل کرنے کا ذکر کیوں کر رہا ہے۔ آفتاب نے ہمت کر کے کہا۔

"سٹیفن بھائی میں تو خود اس سے بہت دور رہتا ہوں۔ بڑی خبطی عورت ہے۔ مالک کی بیٹی بنی ہوئی ہے۔ آپ اس کام کے لیے کوئی اور بندہ تلاش کریں۔" اتنا کہہ کر آفتاب اپنی رہائش گاہ میں واپس آ گیا۔

☆......☆......☆

اس کی بیوقوفی کی خبر ہیڈ آفس پہنچ چکی تھی کہ سپر وائزر نے ڈپٹی مینیجر کے ساتھ بدتمیزی کی ہے۔ ہیڈ آفس کے اسٹاف کا اگر بس چلتا تو وہ اسے زہر کا ٹیکہ لگا دیتے۔ کیونکہ مالک کو ملازمین کے مسائل سے چڑ تھی۔ اس کی نظر میں اس طرح کے کاموں سے خواہ مخواہ کمپنی کے وقت اور پیسہ کا زیاں تھا۔ بہرحال غلطی کی کچھ سزا تو اسے ملنا ہی تھی۔ چند دن بعد اس کے ساتھ والا کمرہ خالی ہو رہا تھا۔ مزدور سامان اٹھا کر کسی دوسری جگہ شفٹ ہو رہے تھے۔ آفتاب نے ایک سے پوچھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔ دوسرے سے پوچھا تو اس نے بھی بھرپور قہقہہ لگایا۔ پھر سب نے اس کا تمسخر اڑانے والے قہقہے لگاتے ہوئے مل کر کہا، "آپ کو نہیں پتا۔"

آفتاب نے انجان بن کر جواب دیا، "مجھے نہیں معلوم۔"

ایک نے حیرانی سے پوچھا، "واقعی۔"

آفتاب نے یقین کے ساتھ جواب دیا، "ہاں واقعی میں نہیں جانتا یہ کمرہ کیوں خالی ہو رہا ہے۔"

پھر دوسرے نے مسکرا کر کہا، "لیزا انتورو اس کمرے میں آ رہی ہے، آپ کا بوریا بستر گول کرنے۔"

یکدم اس کا سر چکرا گیا، وہ گرنے کے قریب تھا اور چہرے کا رنگ ایسے اڑ گیا جیسے دھماکے کی آواز سے کمزور دل سہم جاتے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اُسے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے چٹان سے دھکا دیا ہو۔ اس کی آمد کے خوف سے آہستہ آہستہ اس کا جسم ایسے ہو گیا جیسے نیم سلگتا ہوا کوئلہ۔

وہ پریشانی کی کیفیت میں آنے والے حالات میں الجھا ہوا برآمدے سے نکل کر کھجور کے درخت کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا۔ شام کے سائے پھیلتے جا رہے تھے۔ تھکاوٹ سے چور چور دن سورج کے آگے سجدہ ریز ہو رہا تھا۔ زمین گھومتی جا رہی تھی اور اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ آخر سرخی مائل سورج خدا حافظ کہہ کر ریت کے ٹیلوں کے پیچھے چھپ گیا اور چاروں طرف سناٹے کی حکمرانی پیدا ہو گئی۔ وہ بھاری قدموں کے ساتھ واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹا اور کنڈی لگا کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر گھمبیر خیالات اور انجانے وسوسوں نے اسے سونے نہ دیا۔ لیزا کی بدمزاجی کی وجہ سے آفتاب کا اس کے ساتھ جھگڑا یقینی تھا یا لیزا نے اُس کے اوپر کوئی بیہودہ الزام لگا دینا تھا۔ وہ تو پہلے ہی مسائل میں پھنسے ہوئے چوبیس جنگلی بیلوں سے نالاں تھا۔ جنھوں نے اس کا جینا دوبھر کیا ہوا تھا۔

اچانک سناٹے میں اس کے کمرے کا دروازہ زور زور سے بجایا گیا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اُس کے لیے یہ غیر متوقع بات تھی۔ وہ گھبرا کر اٹھا، دروازہ کھولا تو سامنے لیزا انتورو کھڑی تھی۔ اس نے انتہائی کھردری آواز میں بڑے رعب دارانہ انداز میں آفتاب کو حکم دیا۔

"باہر گاڑی کھڑی ہے، میرے ساتھ اس میں سے سامان اٹھا کر لاؤ۔"

آفتاب کے لیے اس کے حکم کا انکار کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ آفتاب نے اس کے ساتھ سامان اٹھانا شروع

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کر دیا۔ چند بھاری بیگ، واشنگ مشین، برتن، بستر اور چارپائی۔ آفتاب سامان اس کے کمرے میں رکھ کر واپس اپنی رہائش گاہ میں آ گیا اور وہ گاڑی میں بیٹھ کر کیمپ میں کہیں اور اپنے کینیڈین دوستوں کے پاس چلی گئی۔

رات بارہ بجے اس نے واپس آ کر ویسا ہی رویہ اختیار کیا جو اس کی عادت تھی۔ اس نے کپڑے تبدیل کر کے عبایا پہن لیا۔ سر پر سکارف باندھا اور ایڑی والا جوتا پہن کر برآمدے میں ٹپ ٹپ کی آواز پیدا کرتی ہوئی اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ اس کے صرف دانت اور آنکھوں کی سفیدی نمایاں تھی۔ باقی جلد کالی تھی۔ وہ بہت پریشان ہوا اور ساری رات جاگتا رہا۔ کیونکہ سوتے ہوئے اسے روشنی اور وال کلاک کی ٹک ٹک سے بھی شدید نفرت تھی اور مکمل سکون کا طلبگار رہتا تھا۔ وہ شدید اضطرابی کیفیت میں پھنس چکا تھا۔

صبح دبے پاؤں اٹھ کر ناشتا کیا اور تیار ہو کر آفس پہنچ گیا۔ دوپہر بارہ ایک بجے کے قریب لیزا بھی ورکشاپ میں داخل ہوئی اور سیدھی آفتاب کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے لیے وقت کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ یہ رعایت اس کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں تھی۔

آفتاب نے اس سے التجائی انداز میں کہا، ''لیزا تم رات بارہ بجے آئیں، تمام لائٹیں آن کر دیں، کھانا بنانا شروع کر دیا، ساتھ میوزک بھی لگا دیا، رات بھر شور کی وجہ سے میں ٹھیک طرح سے سو نہیں سکا۔ لہٰذا بے آرامی کی وجہ سے اب مجھ سے ٹھیک طرح سے کام نہیں ہو رہا۔''

''اس کا مطلب ہے تم فارغ بیٹھے رہتے ہو، کام نہیں کرتے۔'' لیزا نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

''میں کام نہیں کرتا تو اس پروجیکٹ کو کون چلا رہا ہے۔'' آگے سے آفتاب نے ہنس کر جواب دیا۔

''جس نے کام کیا ہوتا ہے وہ تھکا ہوتا ہے۔ اس کو کانٹوں پر بھی نیند آ جاتی ہے۔ سب سوئے ہوئے تھے، صرف تمہیں تکلیف ہوئی۔ نوکر بن کر آئے ہو نوکر بن کر رہو، مالک بننے کی کوشش نہ کرو۔'' لیزا نے بے دید بن کر برجستہ جواب دیا۔

''کیا مضحکہ خیز باتیں کر رہی ہو، کام تو میں ہی سب سے زیادہ کرتا ہوں۔ یہاں بھی ٹرالروں سے مال اترواتا ہوں اور دن رات شہر کے اسٹوروں میں بھی پہنچواتا ہوں۔ ایکسپائری ڈیٹ مال کو بھی ٹھکانے لگانا ہوتا ہے۔ ملازمین کے مسائل بھی حل کرتا ہوں اور کیا کروں۔ لیکن کام کرنا ہے تو مکمل آرام بھی ضروری ہے۔'' آفتاب نے خوشامدانہ لہجے میں جواب دیا۔

''کوئی بات نہیں، اب تم کام کرو، باتیں کر کے کمپنی کا وقت ضائع نہ کرو، میں احتیاط کروں گی۔'' اس نے جھجکتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔ جس سے اس کے سفید دانتوں کی بتیسی نظر آنے لگی۔ آفتاب پھر غلامی کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

دوسری رات پھر اس نے پہلی رات والی حرکتیں کیں۔ آج اس نے نہانا بھی شروع کر دیا۔ گھنٹہ ڈیڑھ نہاتی رہی۔ جسم سے اترنے والی میلوں کی بوئیں آفتاب کے بیڈ تک پہنچ رہی تھیں۔ نہانے کے بعد بال کھلے چھوڑ کر برآمدے میں ٹہلتے ہوئے کنگھا کرنے لگی۔ آدھے سے زیادہ چہرے پر ماتھے نے جگہ بنائی ہوئی تھی۔ شاید طویل مدت بعد نہائی تھی۔ اس کا کالا جسم ایسے چمکنے لگا جیسے طویل مدت بعد جوتا پالش کیا گیا ہو۔ بہر کیف! وہ سب کچھ نظر انداز کر کے سونے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ آنے والے دنوں میں بھی وہ ایسا ہی کرتی رہی اور آفتاب مسلسل پریشان رہا۔ ہیڈ آفس شکایت بھی کی مگر کسی نے کان نہ دھرے۔

ایک رات آفتاب نے سوچا یہ عورت باز آنے والی نہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ کوئی زیادتی کرے اور عزت برباد ہو۔ بہتر یہی ہے یہ ملک چھوڑ دینا چاہیے۔ لہٰذا، وہ پچاس ہزار روپے کے ٹکٹ کا ایک کڑوا گھونٹ پینے سے بھر کر واپس اپنے ملک جانے کے لیے تیار ہو گیا کہ اگر کچھ خرچہ کر کے جان چھوٹتی ہے تو کیا حرج ہے۔ ابھی وہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ لیزا آ گئی۔ آج اس نے واشنگ مشین چلا کر اس میں کام کے سارے کپڑے ڈال دیے۔ ساتھ کینیا کے کسی فوک گلوکار کی بلند آواز میں موسیقی بھی لگا دی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے اس کی خرابیاں دور کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس وقت گاڑی اور موسیقی کا شور سناٹے میں پورے عروج پر تھا۔ آفتاب مطالعہ کرتے ہوئے وقت گزارنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک وہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''کب سے آوازیں دے رہی ہوں، تم باہر کیوں نہیں آ رہے؟''

جواب میں آفتاب نے اپنی ایک لکھی ہوئی کتاب اس کی طرف بڑھا دی۔

کتاب دیکھ کر وہ حیرت سے پوچھنے لگی: ''یہ کیا ہے؟''

''مس لیزا میں ایک مزدور ہونے کے ساتھ ساتھ لکھاری بھی ہوں اور یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ کب سونا چاہیے اور کب لکھنا چاہیے۔ تم کیسی عورت ہو جو دوسروں کو پریشان کرتی رہتی ہو۔'' آفتاب نے اسے قائل کرنے والا لہجہ اختیار کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اب میں سمجھی تم ڈسٹرب کیوں ہوتے ہو۔ تم لکھتے اور سوچتے رہتے ہو۔ اس لیے تم کو نیند نہیں آتی اور اسی وجہ سے سارا پروجیکٹ متاثر ہو رہا ہے اور تمام عملہ بھی تم سے تنگ ہے۔ اسی لیے سب ہیڈ آفس تمہاری شکائتیں کرتے رہتے ہیں۔ تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے بلکہ کسی لائبریری میں ہونا چاہیے۔ جہاں خاموشی ہو۔ میں ہیڈ آفس تمہاری شکایت کرتی ہوں اور تم کو فارغ کراتی ہوں۔'' اس نے ایک طنزیہ جواب دے کر آفتاب کو شرمندہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو، میں نے تو یہ کتاب تمہیں صرف اس لیے دکھائی ہے۔ تا کہ تمہارے دل میں دوسروں کے آرام کا خیال رکھنے کے لیے ہمدردی پیدا ہو۔ آگے سے تم خود مطلب نکال رہی ہو؟'' آفتاب نے اسے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں ٹھیک کرتی ہوں، اب اس کمپنی میں میں رہوں گی یا تم۔'' وہ دھاڑ رہی تھی، آفتاب کو ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس پر پتھراؤ کر رہی ہو۔ اتنا کہہ کر اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گاڑی کا پانا اس کے سر پر غصے سے دے مارا۔ آفتاب کے سر سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ وہ اس کے بہتے ہوئے خون کی پرواہ نہ کرتے ہوئے چلتی واشنگ مشین چھوڑ کر گاڑی میں بیٹھ کر کہیں چلی گئی۔

آفتاب کو اس سے اچانک حملے کی توقع نہیں تھی۔ اس وقت اُس نے کسی کو دوا دارو کے لیے بلانا بھی مناسب نہ سمجھا۔ وہ ڈرتے ہوئے سوچنے لگا، پتا نہیں اب کیا ہوگا؟ وہ ابھی دوبارہ مالک کے ساتھ واپس آئے گی اور ایک اور ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا یا لیزا انتو رواس وقت کسی مصیبت میں پھنس جائے۔ کافی رات بیت چکی ہے۔ کیونکہ عورت اپنے حسن سے مرد کو اسیر تو کر سکتی ہے مگر اپنی حفاظت نہیں کر سکتی۔

سر درد کی تکلیف کی وجہ سے صبح وہ آفس بھی نہ گیا بلکہ عملے کا ایک شخص اسے لینے آ گیا۔ اس کا پھٹا ہوا سر دیکھ کر آنے والے شخص نے پوچھا: ''یہ کیا ہوا؟''

آفتاب نے اس کو رات والا قصہ کہہ سنایا۔

آنے والے شخص نے کہا: ''تم نے اس سے جھگڑ کر اچھا نہیں کیا۔ اب تمہارا بچنا کسی صورت بھی ممکن نہیں۔ کئی مصیبتوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

آفتاب نے جواباً ایسے کہا جیسے معمولی بات ہو: ''صرف ایک مصیبت ہے کمپنی ٹکٹ دے کر نکال دے گی، میں گھر واپس چلا جاؤں گا اور اس کام کے لیے میں تیار ہوں۔ اپنے بچوں میں رہ کر دو کی بجائے ایک روٹی کھا لیا کروں گا۔''

آنے والے شخص نے کہا: ''مگر لیزا کا ابھی تک کوئی پتا نہیں۔ وہ کہیں نظر نہیں آ رہی۔ اگر وہ کیمپ میں ہوتی تو اب تک تم دونوں کے جھگڑے کی خبر پھیل چکی ہوتی۔''

آفتاب نے کہا: ''ابھی واپس آ جائے گی، اس نے کہاں جانا ہے، اس کیمپ کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانہ ہے ہی نہیں۔''

بہر حال بات نکل چکی تھی۔ شام کے وقت دونوں کے جھگڑے اور لیزا کی غیر موجودگی کی بناء پر پولیس نے آ کر آفتاب کو گرفتار کر لیا اور تفتیش شروع کر دی۔ آنے والے کئی دنوں بعد بھی اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ کڑی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تفتیش سے آفتاب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور پولیس کی مار سے کئی جگہ سے کھال ادھڑ چکی تھی۔ اس کا قصور اتنا تھا لیزا کی آخری ملاقات آفتاب سے ہوئی تھی، دونوں کا جھگڑا بھی ہوا تھا، آفتاب کے کپڑے بھی خون سے رنگے ہوئے تھے اور بانا بھی اس سے برآمد ہوا تھا۔ آفتاب سے کڑی تفتیش کے ذریعے اگلوانے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ وہ کہاں ہے، مگر......

تمام شواہد اس کے خلاف جا رہے تھے۔ اس کے پاس پولیس کے تمام سوالوں کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ۔ ''اس نے صرف میرا سر پھاڑا ہے اور چلی گئی۔ اس کے علاوہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئی ہے''۔ مگر اس کے کسی بیان کو سچ نہیں مانا جا رہا تھا۔ تمام چیخ و پکار بے اثر رہی۔ موت اس کے آس پاس منڈلانے لگی۔ اس کے جسم کا خون دن بدن خشک ہوتا چلا گیا۔ اسے تختہ دار پر پہنچانے کے انتظامات کیے جا رہے تھے۔ وہ موت سے چند سانسوں کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ نیند تو اس کی اڑ چکی تھی۔ خیالوں میں اسے اپنا سر قلم ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

کچھ دن بعد لیزا کی لاش کئی ٹکڑوں کی صورت میں ملی۔ ملکی قانون کے مطابق اب اس کا سر قلم ہونا یقینی ہو چکا تھا۔ کیونکہ لیزا کی آخری ملاقات آفتاب سے ہوئی تھی۔ کمپنی اسے تختہ دار پر پہنچانے کے لیے بھرپور طریقے سے کیس کی پیروی کر رہی تھی۔ تاکہ چھوٹے ملازمین پر قانون کی حکمرانی اور افسران بالا کا خوف قائم رہے۔

ہوا یوں کہ کسی نے اس کے ساتھ جنسی زیادتی کرنے کے بعد لاش کے کئی ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں پھینک دیے۔

ایک دن دوپہر کے قریب بلدیہ کا ٹرک کچرا اٹھانے پہنچا تو سویپر نے رسہ سے ڈسٹ بن کو آن لوڈ کرنا شروع کیا۔ کچرا بلدیہ کے ٹرک میں داخل ہونے لگا۔ سویپر کچرے کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ شاید کوئی قیمتی چیز ہاتھ لگ جائے۔

کچرے کو مشین آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور بوئے خون اٹھ رہی تھی۔ اچانک سویپر کو کچرے میں ایک انسانی ہاتھ نظر آیا۔ سویپر نے ڈرائیور کو مشین روکنے کا اشارہ کیا اور پاس بلا کر انسانی ہاتھ کی نشاندہی کی۔ ڈرائیور نے چھڑی سے ہاتھ کو ہلایا تو دونوں ششدر رہ گئے۔

سویپر نے کہا، ''چند دن قبل کی واردات لگتی ہے۔''

''ہاں! یہ تازہ کام نہیں لگتا، ہو سکتا ہے ڈسٹ بن میں پوری لاش موجود ہو۔ تم رکو میں ابھی پولیس کو بلاتا ہوں۔ تاکہ کارروائی آگے بڑھے۔'' ڈرائیور نے ہاتھ دیکھنے کے بعد جواب دیا۔

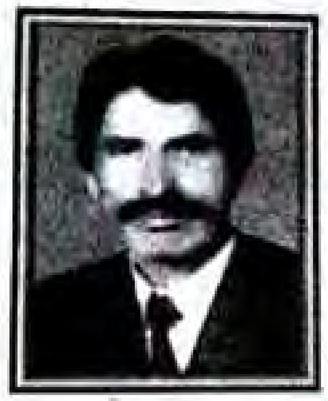
چند منٹوں میں پولیس کی گاڑیاں، ایمبولینس، لیڈیز پولیس جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔ ڈرائیور اور سویپر پولیس انسپکٹر کو ڈسٹ بن کے پاس لے گئے۔ سویپر نے کٹا ہوا ہاتھ ڈسٹ بن سے پکڑ کر سڑک پر رکھ دیا۔ پھر دونوں نے کچرے کو ٹٹولتے ہوئے آہستہ آہستہ لاش کے دیگر حصے برآمد کر کے ایک عورت کی مکمل برہنہ لاش بنا دی۔ لاش کے کئی ٹکڑوں کو سٹریچر پر ڈال کر ایمبولینس میں رکھا گیا۔ لاش کو لنڈا اسٹور تک میں جمع ہو گئی۔ پولیس نے از سر نو تفتیش کا آغاز کیا۔ آفتاب صفائی پیش کرتا رہا مگر کسی نے یقین نہ کیا اور ایک دن قانون کے مطابق قتل کا بدلہ قتل کے جرم کے تحت آفتاب کا سر قلم کرنے کے انتظامات مکمل کر لیے گئے اور اسے چند سانسوں کے فاصلے پر قاضی کے سامنے تختہ دار پر لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ جلاد نے اپنا ایک ہی وار کر کے اس کا سر تن سے جدا کر کے اس کی زندگی کا سانسوں کے ساتھ رشتے کا خاتمہ کر دیا۔

کچھ دن بعد چند مزدور ایک جگہ عمارت کی تعمیر کے لیے کھدائی کر رہے تھے کہ انھیں ایک خون آلود کپڑوں کا شاپر ملا۔ شاپر کو جب کھولا گیا تو اس میں زنانہ سوٹ کے ایک بازو پر ایک گاڑی کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ انھوں نے وہ شاپر پولیس اسٹیشن میں جمع کروا دیا۔ پولیس نے اس نمبر کی تفتیش کی تو وہ نمبر سٹیفن کی گاڑی کا تھا۔ سٹیفن ملک چھوڑ کر جا چکا تھا۔ مگر اب ...... قتل کا بدلہ قتل والا فیصلہ، اپنی موت آپ ہی مر چکا تھا۔ بے حس لوگوں کی کمپنی نے 'آفتاب' کو ہمیشہ کے لیے غروب کر کے انصاف کا بول بالا اور انسانیت کو زوال سے دوچار کر دیا تھا۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More



دھندا

ملک عاشق حسین ساجد

غربت کی کوکھ سے نکلی انسانیت کو روندتی ایک حقیقت

اس دنیا میں غریب ہونا ایک جرم ہے۔ اللہ کسی کو بھی غریب پیدا نہ کرے۔ غربت سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی مصیبت نہیں ہے۔ جو اس دنیا میں غریب پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس جرم کی سزا ساری زندگی بھگتتا ہے۔

آہ! غربت انسان کو ایسی بیماری دے جاتی ہے۔ جو نا قابلِ علاج ہوتی ہے۔

ہم دونوں بھی ایسی ہی بیماری میں مبتلا تھے۔ ہر طرف غربت اور مایوسی کے مہیب سائے تھے۔ کبھی ایک وقت کی روٹی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ اور کبھی فاقہ...... کبھی گھر کا چولہا نہیں جلتا تھا، تو کبھی کسی بیماری کے لیے دوا نہ تھی۔ کبھی نمک مرچ سے روٹی کھائی جاتی تھی۔ اور کبھی دو دن فاقے...... کس قدر مفلسی اور بے چارگی تھی ہمارے گھر میں۔ ہم دونوں ہی زندگی کے عجیب دوراہے پر کھڑے تھے۔

جہاں سے راستے الگ الگ منزلوں کو جاتے تھے۔ ہم دونوں اپنے آئندہ سفر کے عذابوں سے آگاہ تھے۔ اور شاید خوف زدہ بھی، یہی وجہ تھی کہ رت جگے میں نے کاٹے تھے۔ تو کروٹیں وہ بھی بدلتا تھا۔ فیصلے کی دشواری ہماری راہ میں حائل تھی۔ نہ اسے کچھ سوجھتا اور نہ میں کچھ کر سکتی۔ بچے...... بچے...... بچے

مگر یہ سارے دکھ یہ سارے عذاب میں کہاں تک برداشت کروں؟ بچوں کے پیٹ کی آگ نہ اس کی محبت سے بجھ سکتی ہے۔ نہ میرے پیار سے۔

بچوں کو تو دودھ چاہیے، روٹی چاہیے تن ڈھانپنے کو کپڑا چاہیے۔ میں تو جیسے تیسے گزارہ بھی کر لیتی مگر اب تو مسائل بڑھتے ہی چلے جا رہے تھے۔ چھوٹے بچے کے پاؤں میں جوتا نہیں ہے اور بڑے کو فیس ادا نہ کر سکنے کے باعث اسکول سے اٹھا لیا گیا۔

گھرداری کا معاملہ تو کبھی نمٹتا ہی نہیں۔ کبھی دال نہیں ہوتی تو کبھی آٹے کا ٹین بجنے لگتا ہے۔ گلی کی نکڑ پر جو پرچون والا ہے اس نے بھی اُدھار دینا بند کر دیا۔

گلہ کس سے کروں؟ شکایت لبوں تک آئے بھی تو کیا ہوگا۔ اس کے پاس کچھ ہوتا تو مجھے بھی دیتا۔ اپنے بچوں کی خواہش پوری کرنے کو کس کا جی نہیں چاہتا۔ سجی سجائی دکانوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے میرے بچوں نے بھی ہاتھ پھیلا پھیلا کر ضدیں کی ہیں۔

مگر ہم دونوں ہی مجبور ہیں۔ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ زبان سے کچھ نہیں کہتے۔ کہنے کو رکھا بھی کیا ہے ہمارے پاس؟

READING SECTION
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس روز صبح ہی صبح بشیر نے جیرو کو تیار کرنے کو کہا۔ تو میں جل کر بولی۔

''کیا سوٹ بوٹ لائے ہو اس کے لیے کہ اس کو تیار کروں؟''

''نہیں ناہید! آج جیرو میرے ساتھ جائے گا، نئے دھندے پر جانا ہے۔''

''اچھا تو یوں کہو کہ مستری نے چھٹی کرا دی۔ ہائے کتنی مشکل سے یہ کام ملا تھا۔ وہ بھی دیہاڑی ملنے سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ اب کون سا ایسا دھندہ ہے جس کے لیے تمہیں جیرو کی مدد درکار ہے۔'' میرے لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا۔

''ناہید بند کرو یہ بکواس۔'' بشیر نے جیرو کو بازو سے پکڑ کر گلی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔

''جا دیکھ نلکا آ رہا ہے تو ہاتھ منہ دھو آ۔'' جیرو حیرت سے باپ کا منہ دیکھنے لگا۔ جو چند لمحے قبل اسے پیار سے چمکار رہا تھا۔

''جا دھو آ منہ...... دیکھتا کیا ہے، کالک اُتر جائے گی تیری اس سے۔'' میں نے بھی کہا تو جیرو باہر چلا گیا اور بشیر منہ پھیلائے بیٹھا رہا۔

میں گلی کے نلکے سے چائے والی دیگچی مانجھ کر اندر آئی تو بشیر جیرو کے بال سنوار رہا تھا۔

''یار! تُو تو میرے جتنا ہو گیا۔ ہاتھ بٹایا کر باپ کا۔ جوان آدمی ہے۔ دیکھ آج ہم نئے دھندے پر جائیں گے۔ جیسے میں کہوں تم ویسا ہی کرنا۔''

جیرو خوش تھا۔ بہت خوش، سارا دن گولیاں کھیلتے کھیلتے جیرو کا جی بھی بھر گیا تھا۔ بشیر نے پیار سے اس کے گال تھپ تھپائے تو وہ بولا۔

''ابا آئس کریم کھلائے گا نا؟''

''چل تو سہی۔'' بشیر نے جیرو کی انگلی پکڑی اور چلا گیا۔

سارا دن میرے دل میں ہول اٹھتے رہے، بار بار یہی خیال آتا کہ بھوک اور پریشانی سے تنگ آ گیا ہو گا، بشیر بھی تو بچے کو لے کر چل دیا۔ نہ چائے پی نہ کچھ کھایا جیرو کو بیچ ہی نہ دے کم بخت...... میرا جیرو بہت ہی چھوٹا ہے، بھوکا پیاسا بچہ دن بھر کہاں مارا مارا پھرے گا۔ یہ سوچ کر میری آنکھیں نم ہو جاتیں۔ میں



READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

دل ہی دل میں سوچتی اور اپنی ماں سے سوال کرتی کہ آخر کیا جلدی پڑی تھی۔
تجھے میرے بیاہ کی، جو یوں آگے دیکھا نہ پیچھے، اور بشیر سے بیاہ دیا۔ پھر خیال آتا کہ وہ چھ لڑکیوں کا کیا اچار مربہ ڈالتیں۔ جب بشیر کی بہن اماں سے میرا رشتہ لینے آئی تھی تو یہی بتایا تھا کہ گاؤں میں ان کا گھر اور زمین ہے۔
مگر بشیر گاؤں میں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے زمین بیچ کر بھینسیں خریدی ہیں، اللہ رکھے دودھ کا کاروبار چل رہا ہے۔ تمہاری لڑکی عیش کرے گی۔ قسمت اچھی ہو بس دعا کرنا۔'' اور میری ماں دعائیں مانگتی رہ گئی۔ مگر قسمت میں جو لکھا تھا وہ میری ماں کی دعائیں بھی نہ بدل سکیں۔
بشیر سے شادی ہوئی تو میں دسویں کلاس میں پڑھتی تھی۔ اسکول سے گھر آئی تو شام کو لال جوڑا پہنا کر سسرال بھیج دی گئی۔ نہ سکھیوں، سہیلیوں کو پتا چلا۔ نہ ڈھولک کی تھاپ پر گیت گائے گئے۔ بس یوں ہی بشیر اپنی بہن کے ہمراہ آیا، میں نے چائے بنائی، اماں روتی رہیں۔ بشیر کی بہن نے گھٹیا سا سرخ ساٹن کا سوٹ اماں کو دیا کہ مجھے پہنا دیں۔ پھر میرا نکاح پڑھوا دیا گیا، اس رات بشیر نے مجھے بتایا کہ پورے تین سو کا بنا ہے میرا سوٹ۔'' اور میں لرز گئی۔
''اتنا بڑا خرچہ......'' زبان دانتوں میں دبائے میں اس گھر میں اُجالے بکھیرنے کی کوشش کرتی رہی۔ دودھ تو ہر روز ہی بکتا تھا مگر اس کی چاندنی کبھی بھی ہمارے گھر نہ چمکی۔ بشیر کی دوستیاں یاریاں اتنی گہری تھیں کہ سب کچھ ان میں ہی جا ڈوبتا تھا۔

☆......☆......☆

جب میرا جیرو پیدا ہوا تو گھر میں اناج کا ایک دانہ بھی نہیں تھا۔ بشیر نے بھینس بیچ دی۔ کچھ پچھلا قرضہ اُترا۔ کچھ رسموں رواجوں کی بھینٹ چڑھا۔ چند دن بشیر کے چہرے پر رونق رہی۔ وہ رات بھر دوستوں کے ساتھ گپ شپ کرتا۔
مگر یہ کون سی شکایت کی بات تھی۔ نہ وہ جوا کھیلتا نہ چرس پیتا۔ نہ اسے حرام خوری کی عادت تھی۔ اب میں لڑتی بھی تو کس بات پر۔
بس یہ زہر تو میرے اندر ہی اندر پھیلتا رہا۔ پھر ایک سال ہی گزرا ہوگا۔ کہ شیرو نے دنیا میں آکر ہمارے گھر میں ایک اور ناخوشگوار اضافہ کر دیا۔ پہلے قرضے ابھی باقی تھے کہ خدا نے ایک اور چیختا چلاتا وجود بھیج دیا۔
بشیر گھر سے دور ہوتا گیا۔ گھر سنبھالنا اس کے بس میں نہ تھا۔ شیرو کا تو بس نام شیر تھا۔ پھٹے چیتھڑوں میں کلکاریاں مارتا رہتا۔
میں بشیر کو احساس دلاتی کہ اب وہ گھر بار والا ہے۔ شادی کے بعد کی اضافی ذمہ داریاں نبھانا اب اس کا فرض ہے۔ مگر یہ سب یاد دلانے پر میں بشیر کی صورت دیکھنے کو بھی ترسنے لگی۔ اس کی بہن سے کہا کہ بشیر اب گھر میں دلچسپی ختم کر بیٹھا ہے۔ تو اس نے بھی مورد الزام میرے مقدر کو ہی ٹھہرایا۔
''ہاں بھائی! یہ بات نہ تمہارے سوچنے کی ہے نہ میرے...... دیکھو ناہید! روزی تو تمہارے مقدر کی ہے۔ اور بچے...... بچے اپنا مقدر ساتھ لاتے ہیں۔''
''باجی! کیا یہ بشیر کے بچے نہیں ہیں۔ بشیر کو ان کا خیال کرنا چاہیے۔''
''اولاد تو مرد کی قسمت ہوتی ہے۔ اب اللہ نے بھائی کے مقدر میں لڑکے دیے ہیں۔ تو روزی رساں بھی اللہ ہے۔ تم فکر کیوں کرتی ہو۔''
اے لو...... بات ہی ختم کر دی باجی نے۔ میں فکر نہ کروں۔ میں جو ماں ہوں۔ میرے بچے بھوکے سوئیں۔ ان کے جسموں پر چیتھڑے جھولیں۔ میں ان کو تعلیم بھی نہ دلا سکوں۔ ان کے پاؤں ننگے ہوں اور مجھے فکر نہ ہو؟
''اللہ میرے...... کرم فرما...... رحم فرما۔'' میں سسک پڑی۔
باجی کی ناگہانی موت نے میری کمر ہی توڑ دی تھی۔ بشیر کو اطلاع پہنچائی تو وہ گھر آیا۔ اونے پونے دوسری بھینس بھی بیچ دی۔ باجی کا کفن دفن ہوا۔ باجی کیا گئی۔ سب کچھ ہی لے گئی اور مجھے سوچنا پڑا۔ واقعی یہ اب تک باجی کا مقدر تھا۔ جو دال روٹی مل رہی تھی۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

بشیر تو باجی کے غم میں چپ ہی ہو کر رہ گیا تھا۔ غم غلط کرنے کو گھر سے نکلتا تو کئی کئی دن بعد گھر واپس لوٹتا۔ رفتہ رفتہ غم غلط کرنے کے یہ دورے طویل ہوتے گئے۔ میں جو پہلے استھان پر بندھی بھینس دیکھ کر اپنی ڈھارس بندھائی رہتی تھی۔ اب استھان خالی دیکھ کر ٹوٹ ٹوٹ جاتی۔ بشیر کا اور ہمارا تعلق بس اتنا ہی رہ گیا تھا کہ بچے اپنے باپ کا نام جانتے۔ محلّہ میں میں بشیر کی بیوی سمجھی جاتی تھی۔ مگر بشیر ہمارے لیے تسکین اور تحفظ کی ضمانت کبھی نہ بنا۔

☆......☆......☆

ایک دن بشیر اچانک گھر آیا اور کہنے لگا۔ ''ناہیدن!'' سامنے والے فلیٹوں پر مزدوری مل گئی ہے۔ پچاس روپے دیہاڑی ملے گی۔ اینٹیں ڈھونے کا کام ہے دیکھو۔ ناں روزی کا مالک اللہ ہے۔ مقدر ہی کی بات ہے۔''

میں سجدے میں گر پڑی۔ اللہ نے ہماری دعائیں سن لی تھیں۔ بے شک اس کے گھر دیر ہے، اندھیر نہیں۔ میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ خوشی کے آنسو...... مگر دو دن بعد ہی بشیر کا چہرہ لٹک گیا۔ بے زاری اس کے ہر عضو سے ٹپکتی پڑتی تھی۔

اس نے اعلان کر دیا کہ وہ اینٹیں ڈھونے کا کام نہیں کر سکتا۔ یہ اس کے بس کا کام نہیں ہے۔ اور پھر وہی بے کاری...... وہی بھوک، وہی فاقے اور تنگدستی۔

بشیر کی لاپروائی اور غیر ذمہ داری دیکھ کر اس کے ایک مطلب پرست دوست نے ایک دن اس کی غیر حاضری میں آ کر میرے حسن کی تعریفیں کیں اور پھر دعوتِ گناہ بھی دے ڈالی کہ میں اس کی بھوک مٹا دوں تو وہ میری اور میرے بچوں کی بھوک مٹا دے گا۔''

اس کے الفاظ میرا سینہ چھلنی کر گئے۔ میں بھوکی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی اور اسے گھر سے بے عزت کر کے نکال دیا۔

اس روز میں بہت روئی تھی۔ بلک بلک کر...... تڑپ تڑپ کر کہ غربت اور شوہر کی بے پروائی نے آج یہ دن بھی دکھا دیا ہے۔ میں باوجود کوشش کے بھی بشیر کو نہ بتا سکی کہ اس کا دوست ہماری بھوک مٹانے آیا تھا۔ تمہاری غیرت کا سودا کرنے آیا تھا۔

اور آج بشیر جیرو کو ساتھ لے گیا تھا۔ معلوم نہیں وہ کون سا کام تھا۔ جس پر میرا جیرو......

اس کے آگے میری سوچ جواب دے جاتی۔

شام ڈھلے جب بشیر گھر آیا تو اس نے جیرو کو کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔

''کیا ہوا میرے بچے کو؟'' میرے حلق سے پھنسی پھنسی چیخ نما آواز نکلی۔ بشیر نے جیرو کو چارپائی پر ڈال دیا۔ جیرو کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں تھیں جو میرا دل چیرے جا رہی تھیں۔

''ہائے میرا بچہ...... میرا لعل۔'' میں نے جیرو کی بلائیں لے ڈالیں۔

''کہاں لے کر گیا تھا تو میرے بچے کو؟ کچھ کھلایا بھی تھا اسے یا سارا دن پیدل اور بھوکا پیاسا پھراتا رہا۔'' بشیر چڑ گیا اور بولا۔

''ہاں سارا دن پیدل ہی پھرایا ہے میں نے...... بھوکا رکھا ہے اسے...... دشمن ہوں ناں میں اس کا...... بس ایک تو ہی سگی ہے ناں اس کی۔ پتا نہیں کیا مقدر ہے میرا۔''

بشیر بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ اب وہ رات بھر واپس نہیں آئے گا۔ اسے نہ میری عزت کا اور نہ گھر کا خیال تھا۔ میں نے جیرو سے پوچھا۔

''کیوں رے! کہاں کہاں گھوما تو اپنے ابا کے ساتھ؟''

''ابا تو بس سارا دن بازار میں ہی پھرتا رہا۔ نہ کچھ بولا۔ نہ میری کسی بات کا جواب دیا اور نہ ہی کسی سے کوئی بات کی۔ بس لوگوں کو ہی دیکھتا رہا۔''

''تجھے آئس کریم بھی نہیں کھلائی؟'' میں نے جیرو کو یاد دلایا۔

''نہیں اماں...... ابا کے پاس پیسے جو نہیں تھے۔ اور میں نے بالکل بھی ضد نہیں کی تھی۔ ابا نے پانی پلایا تھا ایک گلی کے نلکے سے۔ اماں ویسے مجھے بہت بھوک لگی تھی۔ مگر میں نے ابا کو نہیں بتایا۔''

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

"ہونہہ...... ابا کو بتایا نہیں۔" میں اٹھی اور روکھی سوکھی روٹی اسے چائے کے پیالے کے ساتھ دیتے ہوئے کہا۔

"ارے! پھر تجھے تو بہت بھوک لگی ہوگی۔ لے چل یہ کھالے۔"

"ابا بھی تو صبح کا بھوکا ہی ہے...... کہتا تھا جیرو! کل تجھے اور تیری اماں کو بھی سیر کراؤں گا۔ تُو چلے گی نا...... اماں ہمارے ساتھ؟"

جیرو نے بھولے پن میں جانے مجھے کیا کہہ دیا تھا۔ مگر میں سوچوں میں گم تھی۔

☆......☆......☆

بشیر اگلی صبح کو آیا تو جیرو بولا۔

"ابا آج اماں بھی چلے گی نا، ہمارے ساتھ۔"

بشیر نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور بولا۔

"چل ناہیدن!"

بہت کچھ اس 'چل ناہیدن' میں تھا......

کیا واقعی؟" میں نے جلدی سے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ بشیر واقعی سچ کہہ رہا تھا۔

"ہاں ناہیدن! اس بدنصیب کا بوجھ مل کر اٹھانا پڑے گا۔"

میں نے جلدی جلدی برقع اوڑھ لیا۔ شیرو کو بغل میں دبایا اور جیرو باپ کی انگلی پکڑے آگے آگے چل پڑا۔ لاری اڈہ کے قریب پہنچے تو جیرو تھک گیا۔

"ابا میں تھوڑی دیر یہاں بیٹھ جاؤں؟"

"ہاں بیٹا! بیٹھ جاؤ۔" بشیر نے کہا۔ جیرو بیٹھ گیا تو میں نے شیرو کو بھی اس کے پاس بٹھا دیا۔ شیرو نے زمین پر بیٹھتے ہی مٹی کھرچ کر کھانی شروع کردی تو مجھے یاد آیا کہ آج تو ہم چاروں ہی صبح سے بھوکے ہیں۔

میں نے اپنے بچوں پر حسرت بھری اور بیچارگی سے نظر ڈالی اور شیرو کے ہاتھ جھاڑنے لگی جو مٹی سے بھر گئے تھے۔ بشیر نے ہماری تھکن اور بے چارگی کا اندازہ کرلیا۔

وہ ہم سے نظریں چراتا ہوا سامنے سڑک پار کر کے ایک سگریٹ کے کھوکھے پر جا بیٹھا۔ اور اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کردیا۔ مجھے بچوں کی بھوک کے خیال نے پریشان کررکھا تھا۔ جیرو نے بڑی حسرت سے پکوڑوں اور روٹی والی ریڑھی کی طرف دیکھا۔

"امی! پکوڑے آلو والے بھی ہوتے ہیں ناں؟" میں نے جیرو کی آنکھوں میں بھوک کی تڑپ اور حسرت کی پرچھائیاں دیکھیں تو میرے منہ سے بے اختیار ہوکر ایک دلدوز آہ نکل گئی۔

اُسی لمحے ایک کالج کی بس وہاں آکر رُکی اور اس میں سے لڑکیاں اُترنی شروع ہوگئیں۔ جب وہ اکٹھی ہوکر میرے قریب سے گزریں تو بے اختیار ہوکر میرے دونوں ہاتھ پھیل گئے۔ بھوک نے مجھے بھکارن بنادیا اور پھر میرے ہونٹ بھی الفاظ اُگلنے لگے۔

"اللہ کے نام پر کچھ دے جاؤ بیبیو! میرے معصوم بچے کل سے بھوکے ہیں۔ ان پر رحم کھاؤ۔ اللہ تمہیں پاس وکامیاب کرے گا۔"

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے...... میرے سامنے سکے گرنے لگے۔ دس اور بیس روپے کے نوٹ بھی تھے جو دوسرے لوگوں نے دیے تھے۔

مگر اُن کی نگاہیں میرے بچوں کی طرف نہیں تھیں۔ بلکہ مجھ پر تھیں۔ کچھ آوارہ قسم کے لوگوں نے مجھ پر فقرے بھی کسے تھے۔ نہایت ہی بے ہودہ سے لیکن میں ہر چیز سے بے نیاز ہوکر بھیک مانگتی رہی۔

سڑک کے پاس بشیر بیٹھا بے غیرتی سے ہماری طرف دیکھتا رہا اور جب میں نے اپنے بچوں کو پکوڑے اور کچھ روٹیاں لے کردیں تو اس کے لیے بھی لے لیں کہ وہ بھی تو کل سے بھوکا تھا۔

اب ہمیں ایک نیا دھندا مل گیا تھا۔ اس رات عرصے بعد ہم نے پیٹ بھر کر روٹی کھائی تھی۔

اگلی صبح ناشتا کرنے کے بعد میں دھندے پر جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔ بشیر کے چہرے سے بھی خوشی پھوٹ رہی تھی۔

اس نئے دھندے نے ہمارے مردہ جسموں کو نئی زندگی دے دی تھی۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کرب

عمارہ خان

اب چولہا پھٹنے سے ہی حوا کی بیٹی نہیں ماری جا رہی بلکہ رویوں سے سنگسار کی جا رہی ہے

نجانے لوگ یہ کیوں کہتے ہیں کہ ماں بننا دنیا کا سب سے پیارا یا انوکھا کام ہے۔ اپنے بچے کی شکل دیکھ کے ماں اپنا سب درد بھول جاتی ہے جو اس نے بچہ جنتے ہوئے جھیلا ہوتا ہے۔ مجھے تو آج تک وہ ٹائم نہیں بھولا شاید اسی لیے میں ابھی تک اپنے بیٹے سے وہ محبت نہیں کر پائی ہوں یا شاید اسی لیے تبھی کہ اس



READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

نے میرا دودھ ہی نہیں پیا۔ اگر پیا ہوتا تو لازمی میرے قریب ہوتا۔ میں اس کے ننھے ننھے ہاتھوں سے کھیلتی وہ مجھے اپنی معصومیت بھری آنکھوں سے پٹ پٹ کر کے دیکھتا تو شاید میرے سینے میں دفن ممتا کے سوئے سوتے پھوٹتے لیکن صرف 4 دن بعد ہی میرے بیٹے نے اپنا حق چھوڑ دیا اور مجھے ایک بار پھر تکلیف کے سپرد کر دیا۔ قدرت تو باضد رہی کہ بچہ اپنی خوراک لے لیکن میری قسمت میں ہی تکلیف لکھی تھی۔ جب تک میرے بیٹے کے لیے قدرت نے اس کی غذا سکھا نہیں دی میں ایک شدید اذیت میں رہی اور اس تکلیف کا کھاتا بھی میں نے اپنے بیٹے کے سر کر دیا۔

پھر اچانک ایک دن میرے بیٹے نے صبح آنکھ نہیں کھولی۔ فاروق بھاگم بھاگ اسپتال لے گئے تو معلوم ہوا۔ رات کسی وقت اس کا دم گھٹنے سے انتقال ہو گیا ہے۔

6 ماہ کے بچے کا دم کیسے گھٹ سکتا ہے آخر ...... بے یقینی سی بے یقینی تھی چاروں طرف، لیکن میرا بچہ مجھ سے شکوہ کیے بغیر جا چکا تھا۔

اچھا رکیں آپ کو میری باتیں ایسے سمجھ نہیں آئیں گی میں شروع سے بتانے کی کوشش کرتی ہوں۔ گو کہ یہ ذرا مشکل ہے لیکن آپ لوگوں کو مجھے ایک جھکی عورت سمجھ کر درگزر سے کام لینا ہوگا۔

کہنے کو تو میں ایک فیملی میں رہتی ہوں لیکن جب میرے شوہر کو ہی مجھ سے بات کرنے کی توفیق نہیں تو باقی لوگوں کو میں کیوں نظر آؤں گی۔

اوہو ...... ایک منٹ میں بتاتی ہوں، کیوں میرے میاں کو میں نظر نہیں آتی۔

میرے سسر نے فاروق سے پوچھے بنا ان سے میری شادی طے کر دی تھی۔ یہ میرا ایسا گناہ تھا جس کی مجھے خبر نہ تھی۔ کیونکہ برادری کی بات تھی اسی لیے میری ساس اور شوہر مجبور تھے اس شادی کو کرنے کے لیے۔ لیکن اس کا تاوان میں نے پوری زندگی بھرا۔ زندگی ہی کیا میری شادی بھی ایک طرح کی سزا تھی۔ میری ساس نے صاف منع کر دیا تھا بارات ولیمہ کے سوٹ کے، خود اپنا بندوبست کرو۔" یہ پہلی قسط تھی میرے تاوان کی۔

جیسے تیسے کر کے میرے ماں باپ نے شادی تو کر ہی دی۔ لیکن آگے کا سفر بھی آسان نہ تھا۔ دوسری قسط میں نے اپنی گنی چنی منہ دکھائی سے اپنے باتھ روم کے لیے بالٹی لا کے پوری کی۔ جس میں مجھے اپنے اور فاروق کے کپڑے دھونے ہوتے تھے۔ اس کے بعد اس اقساط کا نہ رکنے والا سلسلہ چل دوڑا۔

شادی کے ابتدائی دنوں میں تو فاروق اچھے رہے لیکن بس وہ چند دن میرے لیے آب حیات نہ بن سکے۔

☆......☆......☆

میری شادی کے فوراً بعد میرے دیور کی شادی تھی۔ کیا میں نے بتایا تھا کہ میرا ایک دیور بھی ہے، نہیں بتایا شاید۔ بس عادت نہیں رہی مجھے بات کرنے کی تو میں سلیقہ ہی بھول گئی۔ بات کرنے یا بتانے کا۔ خیر میرے دیور کی شادی میں مجھے معلوم ہوا شادی کس طرح ہوتی ہے۔

ایک ہفتے تک تو صرف بارات کے سوٹ کا کلر فائنل ہوتا رہا۔ پھر ولیمہ اور مایوں مہندی کی باری آئی۔ سارا کام ظاہر ہے میرے سپرد تھا۔

اور ان ہی دنوں مجھے الٹیاں لگی ہوئی تھی۔ سمجھ گئے ہوں گے آپ لوگ کہ میں ماں بننے والی تھی۔ پہلے تو معلوم نہیں ہوا کہ آخر یہ الٹیاں کیونکر لگ گئیں۔ وہ تو اللہ بھلا کرے میری ان پڑوسن کا جو شادی میں ساس کی ہیلپ کے لیے آتی جاتی تھیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ ہوسکتا ہے کوئی خوشخبری ہو۔"

اب یہ بات میں کس طرح بولوں اور کس سے بولوں۔ شرم سے زبان کٹے جا رہی تھی پر میں بے حال ہو چکی تھی الٹیاں کر کر کے۔

شادی کا گھر تھا 100 کام تھے۔ جس میں سر فہرست کھانا ہی تھا۔ کیا آپ اس اذیت اور اکیلے پن کا احساس کر سکتے ہیں کہ ایک 18 سال کی لڑکی جو کہ پہلی بار ماں بننے کے عمل سے گزر رہی ہو اور منہ پہ دوپٹہ رکھ کے کھانا بھون رہی ہو کیونکہ سالن کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

خوشبو سے ہی متلا رہا تھا۔ اس پہ اس کی ساس یہ بولے کھا کھا کے ہیضہ ہو جائے گا، کم کھاؤ۔ بھوکے خاندان کی ہو نہ، زیادہ دیکھ کے رہا نہیں جاتا تبھی تو الٹیاں لگی ہیں۔''

اور سب سے بڑھ کے تکلیف یہ کہ کوئی ایسا نہیں جس سے بات کر سکے۔ آہ کیا اکلاپا تھا۔ خوشی تو ایک طرف نری جھنجلاہٹ ہی جھنجلاہٹ تھی۔

ایک دن جب دیور کے سسرال والے آئے ہوئے تھے میں کچن میں بے ہوش ہوگئی۔ ان ہی مہمانوں میں کوئی ڈاکٹر تھا جس نے سب کو یہ خوشخبری دی کہ اس گھر میں ایک ننھا مہمان آنے والا ہے۔''

لیکن یہ خبر میرے لیے مزید اذیت کا باعث بن چکی تھی۔ ساس کے طعنے مزید بڑھ گے اور کھانا پکانا تو ایک طرف کھانے کا سوچ کر بھی دل متلا جاتا تھا۔

فاروق سے بولا تو جواب ملا۔'' آدمیوں کو کیا معلوم بھئی امی سے معلوم کرو۔ چلی جاؤ ان کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس۔ آخر انہوں نے بھی تو 2 بچے پیدا کیے ہیں۔'' امی سے مدد مانگنی چاہی تو جواب ملا۔

''میں کوئی ڈاکٹر ہوں، ڈاکٹر سے پوچھو۔ جاؤ اپنے میاں کے ساتھ۔ شادی والا گھر ہے کدھر تم کو لے لے کے پھروں گی۔''

تو میں بھی چپ کر گئی۔ واقعی شادی ہو جائے پھر ڈاکٹر کے جاؤں گی۔

اب نیا سلسلہ چل پڑا۔ آٹا گوندھوں بھاگ کے الٹی کر آؤں۔ پیڑا بناؤں پھر بھاگوں، بس اسی آوت جاوت میں شادی بھی ہوگی۔

قسمت سے دیورانی اچھی تھی یا مجھ پہ ترس آگیا تھا۔ ساتھ والے اسپتال لے جاکے نام لکھوا آئی۔ اس پہ مجھے نام ملا بے شرم، بے حیا، خود جا کے نام لکھوا آئی۔ یہ الگ بات ہے ادھر موجود ڈاکٹر نے مجھے لفظوں سے مارنے کی جو کمی تھی پوری کر دی تھی کہ 4 مہینے میں پہلی بار اسپتال کیوں آئی۔

اب میں کیسے بتاتی میرا میاں بس رات کو شوہر ہوتا ہے دن میں میری طرف دیکھتا بھی نہیں اور یہ عورتوں والے ٹاپک ڈسکس کرنا پسند نہیں کرتا۔

ساس اپنے بیٹے کی شادی میں معروف، میرے پاس صرف منہ دکھائی کے پیسے تھے جو میں باتھ روم کی بالٹی اور ایسی ہی چھوٹی موٹی چیزوں پہ لگا چکی تھی۔ کس طرح آتی اسپتال۔

خیر جیسے تیسے کر کے وہ ٹائم نکل گیا۔ شاید عورتیں ایک ایک بات محسوس کرتی ہوں، انجوائے کرتی ہوں، میرے ساتھ یہ سب ایک ڈراؤنا خواب سا رہا۔ فاروق کا موڈ خراب سے خراب ہوتا گیا۔ میں اب ان کے کام جوگی جو نہیں رہی تھی فی الحال، دل متلانا، عجیب عجیب قسم کی بو آنا، چکرآنا، یہ تو معمول کی باتیں تھیں۔ جب بچے کی حرکت شروع ہوئی تو کچھ الگ سا محسوس ہوا۔ دل چاہا کہ کسی سے اپنے احساسات شیئر کروں۔ مگر کس سے، میں نے اللہ سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔

مجھے معلوم تھا صرف وہ ہے جو کچھ بولے بغیر میری سن لیتا ہے اور میرا خیال بھی کرتا ہے۔ اب مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ میں جب دل کرتا اللہ سے اپنا آپ شیئر کرتی اپنا دکھ اپنی فیلنگ اپنی خوشی سب کچھ اور سکون پاتی۔ ان ہی دنوں میری دیورانی بھی امید سے ہوگئی۔ اور ایک اور خوداذیتی کا سفر چل پڑا۔ جب ہر ہفتے وہ ڈاکٹر کے جاتی۔ ساس خود اپنے ہاتھوں سے روز دودھ کا گلاس دیتیں اور تو اور فاروق تک نے بھائی کو مبارک دی باپ بننے کی اور اپنی بیوی کا خیال رکھنے کو بولا۔ وہ شاید خود بھول گئے کی وہ بھی باپ ہی بن رہے ہیں۔ اور ان کی بھی ایک بیوی ہے جو انسان بھی ہے۔

ایک دن میرا دیور بہت زیادہ شاپنگ کر کے آیا۔ معلوم ہوا اپنے ہونے والے بچے کے کپڑے لایا ہے۔ مجھے خیال آیا میرا بچہ جو 10، 15 دن میں دنیا میں آنا متوقع ہے۔ وہ کیا پہنے گا۔ ایک شکوہ آمیز نگاہ سے فاروق کو دیکھا۔ شاید ان کو بھی کچھ احساس ہوا ہوگا۔ اگلے دن پورے 5 ہزار نکال کے دیے۔

'' جاؤ امی کے ساتھ کچھ کپڑے لے آؤ۔ یہ مردوں کا کام نہیں، عورتیں خود خیال رکھتی ہیں۔''

جواب میں میرے پاس بہت باتیں تھی بولنے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کو۔مگر میں نے فاروق کا موڈ خراب کرنا مناسب نہ جانا۔اور ساس کے پاس آکے بتایا۔جواب کیا ملا۔آہ ایک اور تیر جگر کے پار ہوا۔

"دیدوں کا پانی ہی سوکھ گیا کیا۔بے شرم کیسے اپنے منہ سے بول رہی ہے بچے کے کپڑے لینے ہیں۔اللہ کی مار آج کل کی بے حیا لڑکیوں پہ۔"

میں کٹ کے رہ گئی اور سر جھکا کر واپس اپنے کمرے میں اپنے اللہ سے شکوے شکایتیں کرنے لگی۔ اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر آنے والی لڑکی ایک جوا کھیلتی ہے۔شادی کے نام پہ اور جس لڑکی کی شادی میں ساس یا شوہر کی رضامندی ہی شامل نہ ہو وہ تو شادی سے پہلے ہی ہار جاتی ہے جیسے یہ جوا میں ہار گئی لیکن مجھے صبر نہیں آتا تھا اس پہ آخر کیوں۔میری کیا غلطی اس پورے قصے میں۔

خیر قصہ مختصر مجھے وہ جان لیوا درد شروع ہو گئے جس کا انعام اللہ نے پاؤں کے نیچے جنت رکھی ہے۔

اُف!!ایسا لگ رہا تھا۔کوئی خنجر سے کمر سے پیٹ تک چیرے جا رہا ہے۔یااللہ شاید میرا آخری ٹائم آ گیا۔برداشت جب ختم ہو گئی تو میں نے فاروق کو جگایا۔وہ میرا پسینہ پسینہ چہرہ دیکھ کے خود ہی کچھ سمجھ گئے۔اور مجھے لے کر امی کے کمرے کی طرف چل پڑے۔وہ 5 قدم یا اللہ وہ تلوار کی نوک پہ چلنا جیسا تھا۔میرا پیٹ جیسے کوئی اندر سے چھریاں چلا رہا تھا۔

ساس کا بگڑا منہ دیکھتے ہی میری چیخ منہ کے اندر ہی کہیں دب گئی۔

اسی شور شرابے میں دیورانی بھی اٹھ گئی اور فوراً فاروق سے بولی۔

"کیا کر رہے ہیں بھائی جلدی جائیں۔بھابی کی حالت تو دیکھیں۔"میں اس وقت تک دیوار کا سہارا لے کر نیچے بیٹھ گئی تھی۔فاروق نے مجھے اٹھایا اور امی کی طرف دیکھا۔منہ بسور کے میری ساس بھی چل پڑیں۔ان کے ڈر سے میری چیخیں میرے اندر ہی ایک اور طوفان مچاتی رہیں۔

☆......☆......☆

فاروق کو باہر ویٹنگ روم میں ہی روک دیا

ستارے

انگلستان کے مشہورِ زمانہ سراغ رساں شرلاک ہومز اپنے معاون اور دوست ڈاکٹر واٹسن کے ساتھ بستر پر محوِ استراحت تھے کہ اچانک اُٹھے، اور ڈاکٹر واٹسن سے کہا "ڈاکٹر! تم جانتے ہو کہ آسمان میں کتنے ستارے ہیں؟"

واٹسن نے آسمان کی طرف بہ غور دیکھا، اور کہا کہ آسمان میں کھربوں ستارے ہیں، اور لاتعداد کہکشائیں ہیں......"

ہومز نے بات کاٹی "بے وقوف......!" اور ٹھنڈی سانس بھر کے کہا،"کوئی ہمارا خیمہ چوری کر کے لے گیا ہے۔"

مرسلہ: ریاض حسین تبسم چوہان۔فیصل آباد

اسپتال کے اسٹاف نے اندر میرے ساتھ میری ساس گئیں۔میں رو رو کے بولتی رہی میری ماں کو بلا دو۔لیکن، کیونکہ میں چیخیں نہیں مار رہی تھی تو میری ساس ماننے پہ تیار نہیں تھیں کہ ڈلیوری ہونے والی ہے۔

کوئی مجھ سے پوچھتا میں کیسے وہ کرب کا سفر طے کر رہی تھی۔ہر پل مرنا ہر پل جینا جیسا تھا۔اللہ اللہ کر کے جب ڈاکٹر نے مہر لگا دی کہ ابھی 2 یا 3 گھنٹے باقی ہیں۔تو میری ساس چپ ہوئیں۔اس وقت مجھے شدید سہارے کی ضرورت تھی۔

میرے اللہ نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔لیکن مجھے کسی انسانی دلاسے،انسانی لمس کی ضرورت تھی جو بدقسمتی سے مجھے میسر نہیں تھی۔شاید میری ماں ہوتی میرے پاس تو یہ تنہائی اور محرومی اتنی محسوس نہ ہوتی۔

میرے کرب کا یہ سفر رات 12 بجے سے صبح 5 بجے تک جاری رہا اور میں ایک خوبصورت بیٹے کی ماں بن گئی۔لیکن کاش یہ کرب کا سفر ادھر ختم ہو جاتا۔

جب مجھے ہوش آیا اور میں نے فاروق سے ملنا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

چاہا تو معلوم ہوا میری ساس نے ان کو ناشتا کرنے گھر بھیجا ہے کہ رات بھر کے جاگے تھک گئے تھے وہ، دوپہر تک میری امی آ گئیں تو کچھ جینے کے اسباب ہوئے۔ بیٹا نرسری میں تھا اور میرا دل بھی نہیں کر رہا تھا اس کو دیکھوں۔ رہ رہ کر اپنی اس ایک سالہ زندگی کا موازنہ کیے جا رہی تھی۔ جس کا نتیجہ میرا بیٹا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے دن مجھے گھر آنے کی اجازت ملی تو امی ادھر سے ہی اپنے گھر چلی گئیں۔ میری ساس کا رویہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ گھر میں وہی معمول تھا۔ فاروق مجھے کمرے تک پہنچانے کے گناگار ہوئے بس۔ پھر وہی میں تھی اور اکیلا کمرہ۔

میں نے ایک بار پھر اسی خالی کمرے کو اللہ سے آباد کر لیا۔ اپنی ساری فیلنگز اس سے شیئر کی۔ اور بیٹے کے ساتھ ٹائم گزارنے لگی۔

سوا مہینہ کیا پورے 6 مہینے ایسے ہی گزرے۔ چھ مہینوں بعد میرا بیٹا بھی مجھ سے منہ موڑ کر، مجھے اس دنیا میں اکیلا چھوڑ چلا۔ بلکہ دیورانی بھی اپنے میکے جا چکی تھی۔ ڈلیوری کے بعد آئی۔ دیور آفس سے ادھر ہی جا تا تھا رات گئے آتا۔

فاروق آج کل باہر جانے کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے۔ ساس سسر اپنے کمرے میں اور میں، میں پورا دن پتا نہیں کیا کرتی رہتی تھی۔

آخر فاروق کامیاب ہو گئے اور کسی کمپنی سے 5 سالہ معاہدہ کر کے باہر چلے گے۔

دیورانی کے جڑواں بچے ہوئے اس کے ماں باپ نے اس کو اپنے گھر کی انیکسی دے دی رہنے کے لیے، کہ جب تک بچے کچھ بڑے نہ ہو جائیں ادھر ہی رہے۔ نہ ساس سسر کو کوئی شکایت نہ دیور کو، معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ گیا۔

☆......☆......☆

فاروق 5 سال بعد بھی نہیں آئے۔ جس کی مجھے پوری امید تھی۔ اور ایک دن ساس جب کسی سے فون پہ باتیں کر رہی تھیں تو معلوم ہوا۔ فاروق نے ادھر دوسری شادی کر لی۔ گرین کارڈ کے چکر میں اور میں

مزید اکیلی ہو گئی یا یوں کہیے کہ میں مزید اللہ سے باتیں کرنے لگی۔

ایک دن میری آنکھ کھلی تو میں اپنے کمرے کی جگہ کسی کلینک میں تھی۔ معلوم نہیں میرے سسرال والے مجھے ادھر کیوں لے آئے۔ اور فاروق کو فون کر کر کے بلاتے رہے۔ ویسے مجھے کوئی خاص تکلیف تو نہیں تھی ادھر مگر یہ لوگ میرے پاؤں کو زنجیر سے باندھ کے رکھنے لگے تھے۔ خیر مجھے کیا اچھا ہے میری جان چھوٹی۔ تھک گئی تھی کام کر کر کے، اب میں تھی اور میرا اللہ میں جتنی مرضی باتیں کرتی اس سے۔

لیکن آج کل میں بہت سونے لگی تھی۔ پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے میرے ساتھ۔

کل مجھے میرا بیٹا نظر آیا وہ مجھے بلا رہا تھا۔ میرا بیٹا ...... آہ ...... میرے جگر کا ٹکڑا ...... اب احساس ہوتا ہے اپنے نقصان کا مجھے۔

میں نے کتنی بڑی نعمت کھو دی۔ وہ ہوتا تو خالص میرا ہوتا۔ مارتا ان لوگوں کو جو مجھ سے بات نہیں کرتے۔ حساب لیتا ان لوگوں سے بھی جو مجھے کڑوی کڑوی دوائی دیتے ہیں۔ لیکن میں تو اکیلی ہی ہوں۔

جب میرا بیٹا تھا تو اس کی شکل دیکھ دیکھ کر مجھے غصہ آتا تھا کہ اسی کی وجہ سے میں اتنی تکلیف میں تھی اور اکیلی بھی۔ اسی لیے تو میں اس کے منہ پہ اپنا تکیہ رکھ دیتی تھی۔ وہ دیکھو آ گیا میرا بیٹا پھر بلا رہا ہے مجھے ...... اب میں تھک بھی گئی ہوں اکیلے رہ رہ کے ...... بہت لمبا سونا چاہتی ہوں، اپنے بیٹے سے لپٹ کے۔"

"سر سر ......" فاروق نے آواز پر پلٹ کے دیکھا تھا۔

"جی؟ ......"

"سر یہ ڈائری ...... آپ یہ بھول کر جا رہے تھے۔ میں نے دیکھا تھا آپ کو پڑھتے ہوئے۔ آپ پیشنٹ نمبر 19 کے شوہر ہیں نا۔" کوئی باتونی نرس تھی شاید اور فاروق ہلکے سے سر ہلاتا ہوا پاگل خانے سے وہ ڈائری لے کر شکستہ قدموں باہر نکل گیا تھا۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More



شو بزنس

یادگار کرداروں کی ملکہ، ایک بے مثال اداکارہ

صنم بلوچ!

زیشان فراز

وہ آئی، اُس نے دیکھا اور فتح کرلیا، ناظرین کے دلوں میں آج بھی راج سنگھاسن پر بیٹھی وہ اپنا فسوں پھونک رہی ہے

صنم بلوچ کو دیکھ کر مجھے پھر سے منی اسکرین کا چارم اپنی جانب کھینچتا محسوس ہوتا ہے۔ معصوم درِشہوار کا کردار ہو یا داستان کی بانو...... یا جڑواں کردار ادا کرتی معصوم لڑکی اور طرار لڑکی...... مارننگ شو ہوسٹ کرتی صنم بلوچ آج بھی روزِ اول ہی کی طرح مقبولیت میں سرفہرست ہیں۔ صنم کی شادی سے پہلے کی ایک یادگار ملاقات میں اپنے قارئین کے روبرو پیش کرنا چاہوں گا۔ پڑھیے اور ضرور بتائیں کہ آپ کو یہ ملاقات کیسی لگی۔

سبرین ہسبانی کا انٹرویو میں نے اس وقت کیا جب ان کا تعارف شو بزنس کی دنیا سے جڑنے کی ابتدا ہوئی تھی۔ اقبال انصاری نے ARY سے سبرین کو اداکاری کی ایک مختلف مگر مشکل دنیا دکھائی اور ان کی آنکھوں میں اتار دیئے، سمیتا پاٹل اور شبانہ اعظمی جیسے سپنے...... لیکن سبرین سے گفتگو کرکے معلوم ہوا کہ وہ کرنا تو سب کچھ چاہتی ہے مگر اس کے پاس وقت بڑا محدود ہوتا ہے اور اس کی وجہ ہے، اس کی پی آئی اے کی ملازمت، جہاں وہ ایئر ہوسٹس تھیں اور پی آئی اے والوں سے یہ بات چھپا کے رکھنے کی



بڑی اشد ضرورت تھی لہٰذا اس وقت مجھے بڑی دردناک حیرانی ہوئی جب سبرین سے بہت اچھی دوستی ہوجانے کے بعد بھی ان کی تصویروں کا حصول کسی صورت ممکن نہ ہوا۔ وہ آنا کانی کرتی رہی، پرجوش اور خواہش مند تو تھی مگر کچھ ایسا تھا کہ جس کی وجہ سے خوف دامن گیر تھا۔ اس میں یہ ایک درخواست بھی شامل تھی کہ یہ انٹرویو سندھ یعنی (اندرونِ سندھ) میں تو نہیں پڑھا جائے گا؟ لیکن اس کی تفصیل میں جانے سے گریزاں سبرین نے بعد میں اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی مگر بہت سی ایسی باتیں جو صنم بلوچ اپنی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

معصومیت میں کہہ نہیں پائیں' وہ سبرین کہہ بھی دیتی ہیں جیسے یہ کہ آخر سبرین' آپ کو شوبزنس میں آنے کی راہ گزر ملی کیسے؟ یہ تو بڑے بھاری پتھروں سے ڈھانپ دی جاتی ہے۔ نئے لوگوں کے لیے پاؤں لہولہان ہوتے ہیں صرف اسے ڈھونڈ نکالنے میں۔

''اماں کو گانے کا شوق تھا مگر وہ صرف گھر میں گاتی تھیں' محفلوں میں نہیں۔ تو اماں کی کوششوں اور حوصلہ افزائی سے ہمیں اس شعبے میں آنے کی راہ ملی۔ ویسے اماں جب موڈ میں ہوتی ہیں تو ہم سب بہن بھائیوں کو گانا سناتی ہیں۔''

◄ اتنی اچھی آواز ہے ان کی یا انہیں ماں ہونے کی

یہ سبرین ہسبانی سے ہوئی گفتگو کی چند سطریں تھیں۔ صنم بلوچ' سبرین کی بہن ہیں اور اپنے چھ بہن بھائیوں میں وہ پانچویں نمبر پر ہیں۔ صنم کو سبرین کو دیکھ کر ہی شوق ہوا اس فیلڈ میں آنے کا' خصوصاً ایکٹنگ کا۔

◄ آغاز تو آپ نے بھی سندھی چینل سے ہی کیا تھا؟

☆ جی ہاں' میں کے ٹی این سے کافی عرصے تک شوز کی میزبانی کرتی رہی اور سندھ میں تو شاید میری شہرت سبرین سے بھی زیادہ ہوئی ہے کیونکہ میں نے کے ٹی این پر زیادہ کام کیا ہے۔

◄ آپ دونوں سگی بہنیں ہیں؟

☆ بالکل' 100 فیصد' آپ کو شک کیوں ہے؟

جب میں نے سبرین کو ایکٹنگ کرتے دیکھا تو مجھے لگا' وہ زیادہ اچھی طرح لوگوں میں اپنی شناخت بھی بنا رہی تھیں اور ایک اداکارہ' ایک میزبانی کرنے والی سے زیادہ ذمہ دار اور زیادہ بہتر طور پر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرسکتی ہے' اداکاری میں گنجائش زیادہ ہے۔ سبرین نے میری حوصلہ افزائی کی اور مجھے ایک ڈرامے ''کالک'' سے کافی شہرت ملی جو میرا پہلا ڈراما تھا

وجہ سے رعایت مل جاتی ہے؟

☆ (ہنستے ہوئے) آپ بھی نا' بال کی کھال نکالتے ہیں۔ آواز واقعی بہت اچھی ہے۔

◄ کسی سے سیکھا؟

☆ ''ارے کہاں' وہ ہاؤس سنگر ہیں۔ بس گھر ہی گھر میں گاتی ہیں۔ شاید ہم ان کی ناتمام خواہشوں کو پورا کررہے ہیں۔

◄ مگر آپ دونوں بہنوں میں سے گاتا تو کوئی بھی نہیں؟

☆ ہاں' ممکن ہے' کبھی ایسا ہو' گانے بھی لگیں' فی الحال تو یہ ہے نا کہ اماں کی فن سے وابستگی کا خواب ادھورا رہا تو اسے ہم پورا کررہے ہیں۔

◄ آپ بلوچ ہیں وہ ہسبانی؟

☆ بھئی' ہم ہسبانی بلوچ ہیں۔ سبرین کا پورا نام سبرین ہسبانی بلوچ ہے اور میرا بھی صنم ہسبانی بلوچ ہے تو میں نے بلوچ لگالیا' انہوں نے ہسبانی لگالیا' بس اتنی سی بات ہے۔

◄ آپ کو ڈر نہیں لگتا؟

☆ ڈر تو بہت لگتا ہے مگر آپ کس ڈر کی بات کررہے ہیں؟

◄ بلوچی میں کوئی فلم بھی نہیں آئی اور اب تک کوئی قابل ذکر ہیروئن بلوچ نہیں ہے شوبزنس کی تاریخ میں۔

☆ ہاں مگر اب کچھ سوچوں میں تبدیلی کا عمل شروع تو ہوا ہے۔ بلوچی چینل آگیا ہے' بلوچی فلمیں ڈی وی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ڈی پر تو بن رہی ہیں۔ لڑکیوں پر کچھ پابندیاں نہیں مگر میرے لیے سب نے اچھے جذبات کا مظاہرہ کیا۔

✪ کے ٹی این سے آپ اچانک غائب ہوگئی تھیں اور جب واپسی ہوئی تو اداکاری میں ہوئی' ایسا کیوں؟

☆ اصل میں ہمیں گھر کے ماحول سے بھی یہ بات بہت اچھی طرح سمجھائی گئی تھی کہ پہلے پڑھائی مکمل کرو پھر کچھ کرنا، تو میں اس وقت انٹر میں تھی اور ڈر رہی تھی کہ پڑھائی کہیں ادھوری نہ رہ جائے۔ مصروفیات کے بڑھنے سے یہ ممکن بھی تھا، تو میں نے پہلے پڑھائی ختم کی پھر میں واپس آ گئی۔

✪ کہاں تک پڑھ لیا؟

☆ جی' میں نے بی اے کیا ہے۔

✪ اداکاری کا سلسلہ کیسے اور کہاں سے شروع ہوا؟ سوال اب پرانا ہو چکا ہے مگر ہمارے قارئین کے لیے نیا ہے؟

☆ جی' ہوا یوں کہ جب کرتے دیکھا تو مجھے لگا' وہ زیادہ اچھی طرح لوگوں میں اپنی شناخت بھی بنا رہی تھیں اور ایک اداکارہ 'ایک میزبانی کرنے والی سے زیادہ ذمہ دار اور زیادہ بہتر طور پر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرسکتی ہے' اداکاری میں گنجائش زیادہ ہے۔ سبرین نے میری حوصلہ افزائی کی اور مجھے ایک ڈرامے ''کالک'' سے کافی شہرت ملی جو میرا پہلا ڈراما تھا۔

✪ جس میں آپ کو گنجا ہونا پڑا تھا بقول اس ڈرامے کے ڈائریکٹر عاطف حسین کہ آپ سچ مچ گنجی ہوگئی تھیں۔ آپ نے اداکاری کے لیے پہلے ہی مرحلے میں بڑی غضب کی قربانی دی؟

☆ ہنستے ہوئے، نہیں' یہ صحیح نہیں ہے' میں ڈرامے میں گنجی نظر ضرور آئی تھی مگر وہ سب میک اپ کا کمال تھا' اتنی جلدی میں اتنی بڑی قربانی دینے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی لیکن مجھے اس ڈرامے سے بہت حوصلہ ملا' لوگوں نے میری ایکٹنگ کو بہت سراہا تو میں باقاعدہ ایکٹنگ کی طرف آ گئی۔

''اماں کو گانے کا شوق تھا مگر وہ صرف گھر میں گاتی تھیں' محفلوں میں نہیں۔ تو اماں کی کوششوں اور حوصلہ افزائی سے ہمیں اس شعبے میں آنے کی راہ ملی۔ ویسے اماں جب موڈ میں ہوتی ہیں تو ہم سب بہن بھائیوں کو گانا سناتی ہیں۔''

✪ مگر آپ کی ڈراما سیریل تو غالباً پہلا چاند تھی؟

☆ جی' اصل میں یہی میرا پہلا ڈراما ہے' یہ آفر اور کردار دونوں مجھے پسند آئے تھے مگر سنگل ڈراما کالک ہی تھا جو آن ایئر بھی پہلے گیا۔ سیریل بننے میں تو ٹائم زیادہ لگتا ہے تو کالک میں زیادہ وقت نہیں لگا اور یوں میرا پہلا ڈراما سیریل انجم شہزاد صاحب کا 'پہلا چاند' تھا جو مجھے اداکاری سے جوڑ گیا۔ میرا لیڈنگ رول تھا' میرے ساتھ طوبیٰ بھی تھی۔ ہم دونوں کے مرکزی رولز تھے۔

✪ آپ کی معصومیت کا اکثر ذکر ہوتا ہے تو کوئی ایسا رول بھی کبھی ملا جس میں معصومیت کو سامنے آنے کی زیادہ گنجائش رہی ہو؟

☆ جی ہاں' یہ بہت مشکل رول بھی تھا۔ سب سے پہلے تو میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میں جس وقت کے ٹی این پر آئی تو صرف 16 برس کی تھی ایک شاید یہ وجہ بھی رہی ہو مگر مجھے شاید ایسے ہی رولز زیادہ ملے ہیں جن میں معصومیت سے کام لیا گیا، خصوصاً ہلکے پھلکے مزاحیہ رولز، جن میں چہرے کی ساخت بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ پھر بھی مجھے ایک ڈری سہمی اور مصیبت زدہ لڑکی کا رول ملا تھا جو بہت مشکل اور واقعی ایکٹنگ کی پنہاں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

صلاحیتوں کا امتحان تھا۔

❖اور یہ بھی کہ آپ کے مدمقابل ایک خاتون تھیں، وہ بھی بلوچ تھیں یعنی ماہ نور بلوچ؟ ڈرامے کا زیادہ لوڈ ان کے کاندھوں پر نہیں تھا؟

☆وہ...... اصل میں وہ ٹائٹل رول کر رہی تھیں مگر مجھے لگتا ہے کہ کردار میرا زیادہ مشکل تھا۔

❖''داستان'' ایک ایسا سیریل تھا جہاں آپ کو ہندوستان کی تقسیم سے قبل کا کردار ملا اور رضیہ بٹ کے ناول ''بانو'' کی ڈرامائی داستان میں آپ ہی بانو بنیں؟

☆جی ہاں، مجھے اس رول پر بہت محنت کرنا پڑی۔ میں ویسے بھی محنت سے نہیں بھاگتی اور شکر ہے کہ میری محنت وصول ہوئی، میری ایکٹنگ کو کافی پسندیدگی سے نوازا گیا۔

❖کسی بھی کردار میں اس کا میزازم بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ آپ نے کسی بھی کردار کے اندر باہر کو سمجھنے میں کبھی مدد لی؟

☆جی ہاں، ایک اداکارہ اگر اپنے کردار کو پوری طرح تاثرات کے ساتھ ادا کرنا چاہتی ہے تو اسے مدد لینی ہی پڑتی ہے۔ داستان زیادہ تر لاہور میں شوٹ ہوا تو وہاں اس لیے زیادہ مدد ملی کہ اس طرح کے لوگ بھی کافی تھے پھر ڈائریکٹر نے اسے بڑی گہرائی اور گیرائی سے اسٹڈی کیا ہوا تھا یقیناً یہ ایک مشکل سبجیکٹ تھا۔

❖اور یہ بھی



Downloaded From Paksociety.com

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

عجیب بات تھی کہ مشرقی پنجاب اور ہندوستان کی اس کہانی میں دونوں مرکزی اداکاراؤں کا تعلق سندھ سے تھا یعنی صبا قمر اور آپ؟

☆ایک اداکار کہیں سے بھی تعلق رکھے' اس نے کردار کس طرح اور کیسا نبھایا' اصل بات یہ ہے' اسی سے فیصلہ ہوتا ہے۔

♦مگر آج کل تو یہ خرابیاں بہت ہیں کہ کردار کچھ ہوتا ہے اور لب و لہجہ کچھ' اس امر کا دھیان کچھ زیادہ نہیں رہا اب؟

☆نہیں رہا' یہ میں مانتی ہوں' ڈرامے بن بھی بہت رہے ہیں شاید اس لیے ایسا ہوتا ہے مگر میں سمجھتی ہوں' ایسا ہونا نہیں چاہیے' دھیان رکھنا چاہیے' یہی کسی اچھے ڈرامے کی خوبی بھی ہوتی ہے اور خرابی بھی۔

♦آپ اپنے کرداروں کو مطلوبہ محنت اور توجہ دیتی ہیں؟

☆پوری کوشش کرتی ہوں اسی لیے پہلے میں ایک وقت میں ایک ہی رول کرتی تھی' اب ایسا نہیں رہا مگر میں نے اب بھی بہت خیال رکھا ہوا ہے۔

♦یعنی آپ نے یہ صلاحیت حاصل کرلی کہ ایک کردار میں گھسو اور دوسرے میں سے نکل جاؤ حالانکہ پہلے وقتوں کے لوگ ایک کردار سے باہر آنے میں کافی وقت لیتے تھے؟

☆مجبوری ہے' پہلے کام کم تھا' اب بہت بڑھ گیا ہے۔ پہلے قسط وار کہانی کی اٹھان کے مطابق کردار ادا کیا جاتا تھا یعنی ایک قسط ریکارڈ ہوگئی پوری، پھر دوسری ہورہی ہے' اب صورت حال فلموں جیسی بن گئی ہے کہ ایک سیٹ ہے اور اس پر پہلا۔ دسواں اور بیسواں سین ہے تو سیٹ اور وقت اور بجٹ کنٹرول میں رکھنے سے کردار کے الگ الگ موڈز کو ایک ہی وقت میں شوٹ کیا جاتا ہے۔ ایک اداکار کے لیے زیادہ مشکل حالات ہیں، اس لیے شاید سب اچھی طرح نہیں نمٹ پاتے۔

♦اور اس سے یہ ایک بات بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ ایک اداکار کے بسااوقات چار چار ڈراما سیریلز ایک ساتھ چل رہے ہوتے ہیں۔ ناظرین بے چارے سخت مشکل میں ہیں کہ یہی لڑکی ابھی رو رہی تھی' ابھی ہنس رہی ہے؟ ان کا ذہن زیادہ دیر تک کسی کردار کے ساتھ رہ ہی نہیں پاتا۔ اشتہارات تو چونکہ بار بار دکھائے جاتے ہیں تو ناظرین میں ڈرامے سے زیادہ اشتہارات مشہور ہوجاتے ہیں؟

☆میرا خیال ہے' پوری طرح ایسا نہیں ہے۔ اگر اداکار نے اس مشکل صورتِ حال سے مقابلہ کیا ہے، تو ناظرین کی بھی ایسی تربیت ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی اداکار کو ایک ہی دن یا ایک ہی وقت میں روتا اور ہنستا ہوا دیکھیں اور دونوں پچویشنز کو انجوائے کریں مگر اس معاملے کو ابھی بہرحال کسی نہ کسی صورت میں طے ہونا ہے۔ مجھے بھی یہ آئیڈیل نہیں لگتا اور زیادہ گہرے اطمینان کے لیے سوچ وبچار جاری رہنا چاہیے۔

♦آپ کو ملک سے باہر شوٹ ہونے والے ڈراما سیریلز میں غالباً سب سے کم دیکھا گیا ہے بلکہ مجھے تو یاد ہی نہیں کہ میں نے آپ کا ایسا کوئی ڈراما دیکھا ہو' اس کی وجہ، آپ جانا نہیں چاہتیں؟

☆میں تو جانے کو ہر وقت تیار ہوں' اصل

> پاکستان میں نہ ماحول ایسا ہے نہ ہی لوگوں میں اتنی برداشت ہے۔ وہ فوراً بات کا بتنگڑ نا صرف بنا لیتے ہیں بلکہ ایک مدت تک اس انسان کو جو صفائی دے بھی چکا ہو' اسی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو یہاں سب بہت احتیاط کرتے ہیں۔ ہر معاشرے کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

میں پچھلے کچھ دنوں سے اس رجحان میں کمی آئی ہے، ورنہ مجھے تو باہر جانے کا بہت شوق ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ کوئی باہر کا ڈراما سیریل بھی کروں۔

٭ ہمایوں سعید کو بیرونی ملکوں میں ڈرامے کرنے



کا بڑا شوق ہے مگر جب انہوں نے آپ کے ساتھ ڈراما بنایا 'کیمسٹری' تو وہ پاکستان میں ہی رہے؟

☆ پتا نہیں مگر میرا خیال ہے' یہ معاملہ کردار پر انحصار کرتا ہے۔ جس کردار کا بیرونی ممالک میں کسی لوکیشنز پر کام ہی نہ ہو تو اسے کیوں لے جایا جائے؟ ایسا تو فلموں میں ہوتا ہے کہ رہتے جھونپڑی میں ہوں مگر خواب میں گانا سوئٹزرلینڈ میں فلما لیا تو ڈرامے میں فلموں جیسی سہولتیں ذرا کم ہی ہوتی ہیں۔

٭ رولز کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟ رول از خود جاندار ہوتا ہے یا ایکٹنگ اسے جاندار بنا دیتی ہے؟



☆ بہت مشکل سوال ہے پھر بھی پہلا جواب تو میں یہی دوں گی کہ ایکٹنگ کسی معمولی رول کو بھی اتنا یادگار بنا سکتی ہے کہ لوگ اسے کسی بہت اہم یعنی مشکل رول پر فوقیت دے دیں پھر بھی میں اندھی لڑکی کا' گونگی' بہری اور رینگ ٹو اولڈ کیریکٹر کرنے کی خواہش رکھتی ہوں۔

٭ یعنی ملکہ، جذبات، اماں وغیرہ ے رولز؟

☆ (ہنستے ہوئے کہا۔) ٹی وی ڈرامے میں ملکہ، جذبات وغیرہ کہاں ہوتی ہیں؟ مگر زندگی میں کوئی بھی ایسا کردار، جو آپ کے دائرہ کار سے یکسر باہر ہو' وہ کر کے میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ اس میں میرے اندر کی اداکارہ کیا کچھ کر پاتی ہے؟

٭ ان دنوں شادیاں بڑی سرعت سے ہو جاتی ہیں اور ان عمروں میں، جس سے آپ گزر رہی ہیں' خواب بھی دشمن کی فوج کی طرح گھسے چلے آتے ہیں'



آپ بھی گزر رہی ہیں اس کیفیت سے؟

☆ ویسے تو میں ابھی بہت کام کرنا چاہتی ہوں مگر جو قسمت میں ہوا تو ہو بھی سکتی ہے۔ میں نصیب پر بہت یقین کرتی ہوں اور اسی لیے اس مرحلے پر میں یہ بھی کہنے اور بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں کہ یہ شادی ارینج ہوگی یا لو میرج؟

٭ یعنی آپ کو کسی سے محبت نہیں؟

☆ پتا نہیں' محبتیں بھی اختیار سے باہر کی چیز ہوتی ہیں' مجھے تو فی الحال ایسی کیفیتوں کا سامنا نہیں ہے۔

٭ اور وہ جو اسکینڈل بنتے ہیں' سنا ہے' آپ نے اداکارہ نور کا پتا صاف کر دیا؟

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

☆ خدا نہ کرے کہ میں کسی کا بھی پتا صاف کروں۔ بڑی فلمی زبان میں کیا آپ نے یہ سوال؟

◄ (بات کاٹ کر۔) اداکارہ فلمی تھی مقابل آپ کے اس لیے نور فلمی اداکارہ کی شہرت سے مالا مال ہیں؟

☆ اس کا جواب میں دے چکی ہوں' میں اس معاملے سے کوسوں دور ہوں۔ رہی کسی کا پتا صاف کرنے والی بات تو میں فاروق مینگل سے ملی لیکن اس طرح جیسے کوئی بہن اپنے بھائی سے ملتی ہو' مجھے امید ہے کہ اس موضوع پر اب مجھ سے بھی کوئی سوال نہیں کرے گا۔

◄ شوبزنس میں اسکینڈلز تو اس پروفیشن کا حصہ ہیں' یہ تو بڑے نصیب کی بات ہے کہ پاکستان میں بہت کچھ منظر عام پر نہیں آتا ورنہ انڈیا میں تو سب کی خبر سب کو پتا ہوتی ہے؟

☆ آپ صحیح کہتے ہیں مگر پاکستان میں نہ ماحول ایسا ہے نہ ہی لوگوں میں اتنی برداشت ہے۔ وہ فوراً بات کا بتنگڑ نا صرف بنا لیتے ہیں بلکہ ایک مدت تک اس انسان کو جو صفائی دے بھی چکا ہو' اسی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو یہاں سب بہت احتیاط کرتے ہیں۔ ہر معاشرے کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔

◄ فلم میں جانا سب ہی ٹی وی اداکاروں کا خواب ہوتا ہے' آپ دیکھتی ہیں ایسے خواب؟

☆ پاکستان میں معیاری فلمیں نہ ہونے کے برابر ہیں جیسے شعیب منصور کی فلمیں۔ انڈیا میں فلمیں زیادہ بنتی ہیں مگر وہاں ولگریٹی کے بغیر فلم مکمل ہی نہیں ہوتی اور میں کوئی ولگر کردار تو کیا' ولگر فلم بھی نہیں کر سکتی۔ میں چاہتی ہوں' کوئی ایسی فلم ہو جسے نہ صرف لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکتے ہوں بلکہ وہ پوری طرح صاف ستھری ہو جیسے ''خدا کے لیے''۔

◄ کام زیادہ آپ کرتی ہیں مگر ایکٹنگ میں اب بھی لوگ سبرین کو زیادہ اچھی اداکارہ مانتے ہیں۔ آپ کو کیسا لگتا ہے یہ سن کر؟

☆ بہت اچھا' سبرین بہت ہی محنتی اداکارہ ہے' ان میں خداداد غیر معمولی حساسیت ہے' میں خود بھی سبرین سے بہت کچھ سیکھتی ہوں۔ وہ واقعی بڑی کمال اداکارہ ہے' سنجیدہ کرداروں میں تو اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ وہ بہت دیکھ بھال کے رول منتخب کرتی ہے' اس لیے اس کا کام کم نظر آتا ہے۔

زندگی اترتے چڑھتے دریاؤں کی سی کہانی ہے۔ آج بہت اوپر' کل بہت نیچے۔ کیا کوئی بھی فنکار اپنے عروج میں زوال کو سوچ کر اپنا موڈ خراب کرنے کی صلاحیت رکھ سکتا ہے؟ پوچھو تو جواب روایتی ہی ملے گا کہ جی ہاں' ہم سمجھتے ہیں' وقت ایک سا نہیں رہتا۔ حالانکہ وقت نے کہاں جانا ہے؟ صدیوں سے وہیں کھڑا ہے' اگر بدلتا ہے تو انسان اور انسان بے شک خسارے میں ہے' کیوں؟ یہ سوچنے کی فرصت کسے ہے؟ بس یہیں سے شروع ہوتا ہے خسارہ۔ جو منافع کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتے ہیں' وہ یہ اکثر بھول جاتے ہیں کہ زندگی سب کو ایک مرتبہ پل کے بیچ میں کھڑا ضرور کرتی ہے اور یہ موقع دیتی ہے کہ اسے کہاں سے اترنا ہے؟

صنم بلوچ ابھی رعنائیوں میں پرواز کرتی ہیں' عمر ہی ایسی ہے' تقاضوں کو نبھانا ہی پڑتا ہے۔ ہنستی بولتی معصوم سی صنم بلوچ جو 14 جولائی کو نواب شاہ میں پیدا ہوئیں' ان کا اسٹار کینسر ہے اور ان کا قد پانچ فٹ ساڑھے پانچ انچ ہے۔ وہ گھر میں ''صنو'' کے نک نیم سے پکاری جاتی ہیں۔ گھر کو بھی اپنی جائے پناہ وسکون و عافیت سے تعبیر کرتی ہیں۔ بقول صنم' گھر آ کر بڑے غضب کا سکون ملتا ہے پھر بھی دنیا کا بھیڑ بھڑکا انہیں برا نہیں لگتا۔ اچھی اچھی تقریبات میں جانے کا شوق ہے اور خوش گپیاں کرنے میں مزا آتا ہے۔ اب یہ عجب معاملہ ہے' بندہ ایک جیسے ماحول میں تو کبھی ہمیشہ کے لیے نہیں رہ سکتا۔ قید تو ایسی بھی ہوتی ہے کہ ہجوم ہو اور آپ اس میں زور زبردستی گھرے بیٹھے ہوں۔ من سے کرنے کو ملتے سب کام' تو انسان روز آسمانوں اور نامعلوم جزیروں کی سیر کرتا صورتیں کتنا بھی دھوکا دیں' ان پر اعتبار کرنا ہی پڑتا ہے اور صنم تو کافی سے زیادہ لائق اعتبار ہیں۔ بڑی پیاری سی انسان ہیں' بس لوگوں کی نظریں میل سے بھری نہ ہوں تو زندگی جینے کی چیز ہے۔ صنم بے خبری سے جی تو رہی ہیں' یہ بھی رمز ہے زندگی کا۔

☆☆......☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

توشۂ خاص، خوان ہفت رنگ حکایتیں

مختصر مختصر، خوش بیاں، فرحت ساماں، زہر کار، عبرت اثر حکایتیں

کراچی سے پہلی حکایت

دوسری بیوی

کنول عمران خان

شاید سحرش سے دیوانگی کی حد تک پیار کرنا ہی میرا گناہ بن گیا تھا جو وہ......

کہتے ہیں کہ عورت گھر بناتی بھی ہے اور گھر بگاڑتی بھی ہے۔ یہ جملہ ہم نے زندگی میں کافی دفعہ سنا مگر کبھی غور نہ کیا اور آج میری زندگی اسی جملے کی عکاسی کرتی ہے۔ جی ہاں آج میں بھی یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میرا گھر بگاڑنے والی ایک عورت تھی۔ اور وہ کوئی غیر نہیں میری اپنی بیوی، میری جان، میری محبوبہ اور میرا پہلا پیار تھی۔ آپ کو حیرت ہو رہی ہوگی کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے مگر میرے ساتھ ہوا۔ ہر بار مرد ہی ظالم اور پتھر دل نہیں ہوتے بعض عورتیں بھی کبھی کبھی ایسا کام کر جاتی ہیں کہ مرد جسے کافی بہادر سمجھا جاتا ہے، مضبوط اعصاب کا مالک اس کو بھی رونے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ چلیں میں آپ کو شروع سے بتاتا ہوں۔

سحرش میرا پہلا پیار تھی ہمارا پیار ایسے ہی ہوا جیسے ساری دنیا کو ہو جاتا ہے۔ مگر ایک دوسرے کو سمجھنے اور جاننے میں اور پھر شادی تک آٹھ سال کا عرصہ بیت گیا، یعنی ہمارا افیئر آٹھ سال چلا اور ان 8 سالوں میں ہم ایک جان دو قالب ہو گئے۔ ایک دوسرے کے بغیر رہنے کا تصور محال تھا۔ اور پھر بغیر کسی ظالم سماج کے ہماری شادی بھی آسانی سے ہوگئی۔ کیونکہ ہم سات بھائی اور ایک بہن تھے۔ والد وفات پا چکے تھے۔ تمام بھائی اور بہن شادی شدہ اور خوشگوار زندگی گزار رہے تھے۔ ہماری والدہ بہت سادہ اور نیک طبیعت کی مالک تھیں۔ انہوں نے ہر بیٹے کی شادی اس کی پسند سے کی کیونکہ بیٹے خوش تو ماں خوش، اس لیے تمام بیٹے اور بہویں بھی ماں پر جان چھڑکتے تھے۔ میرا نمبر آخری تھا اس لیے سحرش میری زندگی میں آسانی سے آگئی۔

سحرش کو پا کر میں خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین آدمی سمجھنے لگا۔ جس نے محبت کو پالیا ہمیں پیار کے جھولے میں جھولتے نہ جانے کیسے چودہ سال گزر گئے۔ اور اس دوران ہماری ایک ہی بیٹی ہوئی جو کہ ہمارے دل کا سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔ سحرش جاب کرتی تھی ٹیچنگ کی جو کہ اس نے شادی کے بعد بھی جاری رکھی۔ اور ساتھ ہی وہ ہول سیل ریٹ پر کپڑے اٹھاتی اور اردگرد کی بلڈنگز اور جاننے والوں میں سیل کرتی تو اُس کا یہ کام بھی اچھا چل پڑا۔

میں بھی ایک نجی ہاسٹل میں کام کرتا تھا، ہماری گزر بسر اچھی ہو رہی تھی۔ گھر بھی ہمارا اپنا تھا۔ یوں سمجھیں کہ راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ مگر کہتے ہیں نا کہ خوشیاں بھی قسمت والوں کو راس آتی ہیں تو میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ مجھے پتا بھی نہ چلا اور میرا خوشیوں بھرا آشیانہ پل بھر میں ختم ہو گیا۔

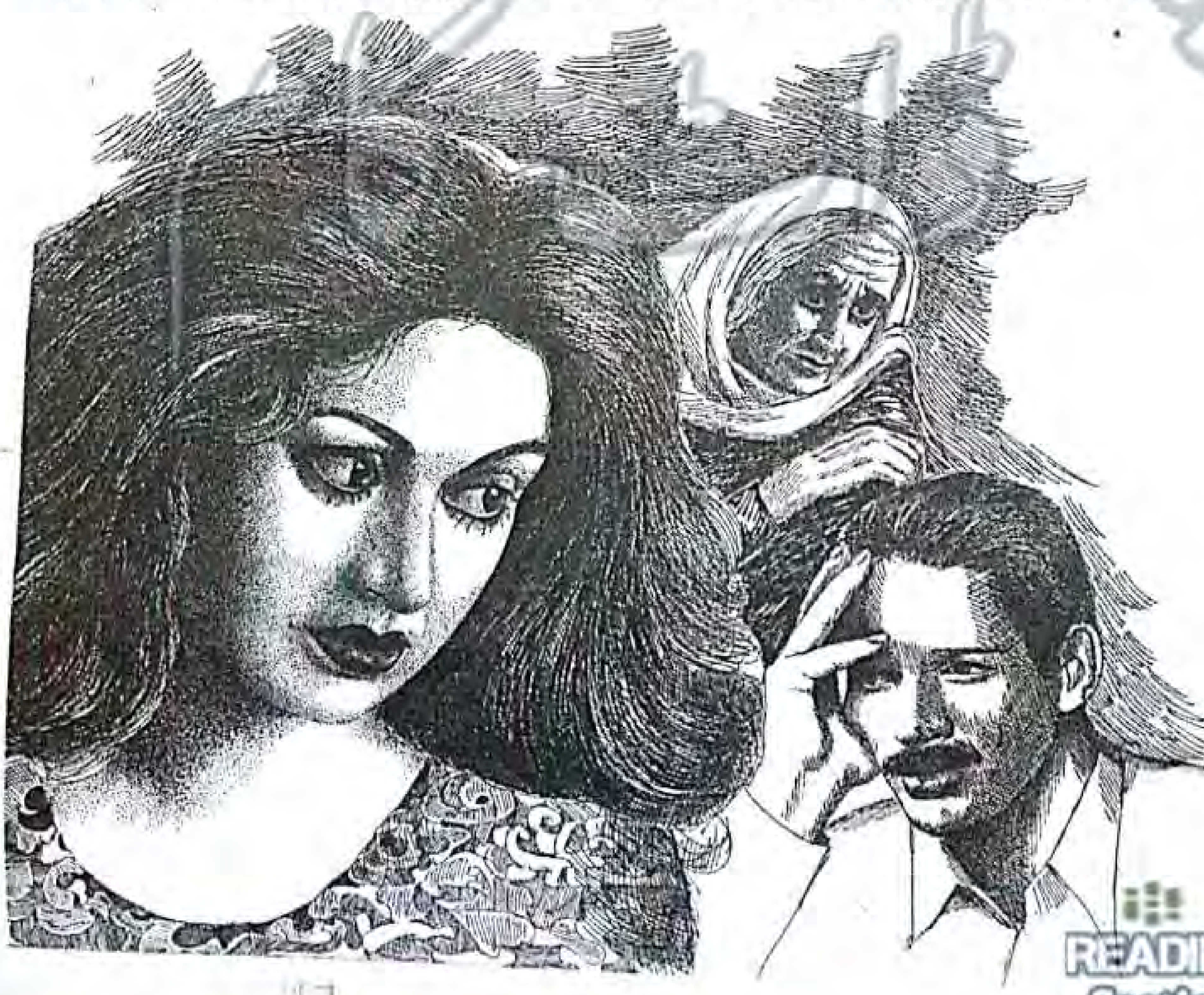
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہوا کچھ یوں کہ کچھ وقت سے سحرش کی طبیعت چڑچڑی سی رہنے لگی۔ وہ اب اکثر مجھ سے ذرا ذرا سی بات پر اُلجھ جاتی۔ میں کافی پریشان ہوتا اور یہ سوچ کر کہ کام کی پریشانی ہوگی نظر انداز کردیتا۔ مگر آئے دن یہی حال رہنے لگا اور ایسا لگنے لگا کہ جیسے اُس کے دل میں میری محبت ختم ہوگئی ہے۔ نہ وہ مجھ سے زیادہ بات کرتی اور نہ گھر پر توجہ دیتی۔ اور اگر میں کوئی سوال کرتا تو کام کی زیادتی یا پھر کوئی اور بہانہ بنا کر وہ جلدی ختم کردیتی مگر میرے دل کو سکون نہ ملتا۔ اور دل میں دعا کرتا کہ کاش ایسا ہی ہو اور سب ٹھیک ہوجائے۔ مگر اب سب ٹھیک ہونے والا نہ تھا۔

ایک دن جب میں گھر آیا تو سحرش اور انمول (ہماری بیٹی) دونوں گھر پر نہ تھیں، میں سمجھا سحرش کسی کام سے گئی ہوگی آجائے گی۔ مگر حیرت کا جھٹکا مجھے تب لگا جب میں اندر بیڈروم میں لیٹنے کی غرض سے گیا۔ کمرے کی حالت ابتر تھی۔ الماریوں کے دروازے کھلے تھے اور کپڑے باہر کو اُبل رہے تھے۔ کچھ بھی ہو سحرش کم از کم اپنی الماریوں کو اس طرح نہیں رکھتی تھی۔ میں کپڑے الماری میں رکھنے لگا مجھے لگا۔ شاید جلدی میں گئی ہوگی تو ایسے ہی چھوڑ گئی ہوگی۔ بہر حال میں نے جیسے ہی کپڑے الماری میں رکھے تو وہاں سے ایک لفافہ نیچے گر پڑا۔ میں نے حیرت سے اُسے دیکھا اٹھایا اور وہ کھلا ہوا تھا۔ مارے تجسس کے اُسے کھول کر پڑھا تو میری تو دنیا ہی اندھیر ہوگئی۔ وہ ایک عدالتی نوٹس تھا۔ بلکہ ایک بم تھا جو کہ پھٹا اور میرا سب کچھ ختم ہوگیا۔

وہ ایک عدالتی خلع نامہ تھا۔ میرا تو دماغ گھوم گیا یہ سب کیا ہے؟ سر تھام کر وہیں بیٹھ گیا۔ آخر یہ سب کیا تھا؟ کچھ سمجھ نہ آئی تو جیسے تیسے گھر کو لاک کر کے اپنی امی کی طرف بھاگا۔ وہاں جا کر بہن کو فون کیا تو وہ بھی آگئی۔ مجھے تو ہوش ہی نہ تھا بلکہ میں تو ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔ بہن نے نوٹس سے نمبر دیکھ کر فون کیا تو پتا چلا کہ سحرش نے عدالت میں خلع کا نوٹس دے رکھا تھا۔ اور الٹا سیدھا



READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

بول کر خود کو مظلوم بنا کر پیش کیا تو عدالت نے اُن کے خاوند کو پیشی پر بلوایا مگر اُن کی طرف سے کوئی جواب نہ آنے پر عدالت نے سحرش کو آخر خلع دے دی۔

یہ سب سُن کر تو ہمارے پیروں سے زمین نکل گئی کہ اتنا سب اتنی جلدی کیسے ہوگیا۔ مگر نہیں یہ سب اتنی جلدی نہیں ہوسکتا۔ میرا دل نہیں مان رہا تھا۔ سحرش کو میں نے تمام شدتوں سے چاہا تھا۔ وہ میرے ساتھ ایسا کرے گی کیوں؟"

میں غم و غصے میں کانپنے لگا پھر مجھے اُس کی بے پروائی یاد آئی کہ کافی ٹائم سے وہ مجھ سے اُلجھی اُلجھی رہنے لگی تھی۔ سمجھ نہیں آرہی تھی کیا کروں۔ کہاں جا کر اُسے ڈھونڈوں اور پوچھوں کے اے ظالم عورت! آخر تم نے ایسا کیوں کیا؟ کیا قصور تھا میرا؟"

مجھے ایک دم سے بیٹی کی یاد آگئی تو میں بے اختیار رونے لگا۔ اُس وقت میری بہن نے ہمت سے کام لیا اور بولی۔

"اٹھو یہ وقت رونے کا نہیں۔ ہمیں تمہارے گھر جانا ہے۔ وہاں جا کر دیکھیں شاید کوئی سرا مل جائے اُس قیامت کا۔"

میں گرفتہ دل اٹھا امی اور بہن کے ساتھ واپس اپنے گھر آ گیا۔ گھر ویسا ہی ویران پڑا تھا۔ میں تو جا کر صوفے پر گر سا گیا۔ مگر بہن نے ہمت کی اور تمام الماریاں اور درازیں چیک کیں کیونکہ اُن کا کہنا تھا کہ سحرش کچھ نہ کچھ ایسا ضرور چھوڑ گئی ہوگی۔ کوئی خط وغیرہ پھر زیور والی دراز کھولی تو سب خالی تھا۔ تمام پیسہ اور زیور کچھ بھی وہاں نہیں تھا۔ سحرش کا کافی زیور تھا۔ اور پھر میری نظر ٹی وی پر پڑی وہاں ایک صفحہ پڑا تھا۔

میں فوراً وہ پڑھنے لگا جیسے جیسے خط پڑھتا گیا میری آنکھوں میں آنسوؤں کی چادر تن گئی اور آخری سطر پڑھتے ہی خط میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور ساتھ ہی میں بھی گر کر بیہوش ہوگیا۔ امی اور آپا نے مجھے بڑی مشکل سے اُٹھا کر بستر پر ڈالا۔ آپا نے تمام بھائیوں کو فون کر کے بلالیا کیونکہ یہاں تو قیامت آ کر گزر گئی تھی۔ اور حالات اب امی اور آپا کے بس سے باہر تھے۔ بھائی مجھے ہوش میں لانے لگے۔ میرے دماغ کو گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ آپا نے فوراً خط اٹھایا اور پڑھنے لگی۔ خط کیا تھا پروانہ تھا میری موت کا لکھا تھا۔

"تمہیں پا کر مجھے لگا کہ شاید میں نے سب پالیا۔ مگر شاید وہ میری غلطی تھی۔ کیونکہ جب میں نے اُسے دیکھا تو لگا کہ اصل منزل تو یہ ہے ہاں یہ سچ ہے کہ میں نے تم کو پیار کیا تھا مگر اُسے تو مجھے دیکھتے ہی عشق ہوگیا۔ نہ جانے کیا بات تھی اُس میں کہ اُس کے آگے تمہارا پیار اور سب کچھ بے معنی لگنے لگا۔ اور میں بے اختیار اُس کی طرف کھنچنے لگی۔ میں نے کافی مرتبہ چاہا کہ تمہیں بتا کر تمہاری زندگی سے علیحدہ ہو جاؤں مگر تمہاری محبت دیکھ کر ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔ مگر یہ سچ ہے کہ اب میں تمہارے ساتھ اور نہیں رہ سکتی اس لیے میں نے عدالت میں خلع کا مقدمہ دائر کر دیا کیونکہ مجھے اُس سے شادی کرنی تھی اور اس کے لیے طلاق یا خلع چاہیے تھا۔ عدالت کی طرف سے تمہارے نام جو بھی نوٹس آیا پیشی کا وہ میں پھاڑ کر پھینک دیتی تھی کیونکہ میں جانتی تھی تم کسی بھی قیمت پر مجھے چھوڑو گے نہیں۔ اور اس طرح تمہاری طرف سے کوئی پیش رفت نہ ہونے کی بنا پر عدالت نے فیصلہ میرے حق میں دے دیا۔ اور ہاں یہ گھر بھی میں نے بیچ دیا ہے۔ کیونکہ تمہیں یاد ہوگا کہ تم نے یہ میرے نام کروایا تھا۔ اور سب پیپرز بھی میرے پاس تھے۔ ایک ماہ بعد اس کے اصل مالک آ کر قبضہ لے لیں گے۔ کیونکہ آگے زندگی گزارنے کے لیے مجھے پیسے چاہئیں۔ انسان پیار میں خود غرض ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں بھی ہوگئی اور زیور سب میری بیٹی کا ہے اور مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ جب تم یہ خط پڑھ رہے ہوگے میں اس ملک سے دور جا چکی ہوں گی۔ اور ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔"

خط سن کر سب ہکا بکا رہ گئے۔ میرا دل پھٹ رہا تھا۔ زیور پیسہ مجھے کسی چیز کی فکر نہ تھی مجھے اپنی بیٹی یاد آنے لگی اور میں رونے لگا۔ سب مجھے سنبھالنے لگے مگر وہ تسلی بھی کیا دیتے کہ یہ غم بھی کوئی کم نہ تھا۔ سب اُسے برا بھلا بول رہے تھے کہ اُس نے تمہاری قدر نہ کی۔ مگر میں کیا کروں۔ یہ سب جاننے کے بعد بھی نہ جانے کیوں دل میں اُس کے لیے نفرت نہ تھی پتا نہیں کیوں۔ شاید یہ میرے پیار کی انتہا تھی۔

امی اور آپا سب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

الماری سے گھر کے سیل کے پیپرز بھی مل گئے۔ میں گھر کو دیکھنے لگا۔ جہاں آج سے پہلے خوشیوں کی بازگشت سنائی دیتی تھی آج وہی دیواریں میری بربادی کا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ امی مجھے اپنے گھر لے آئیں کہ تم میرے ساتھ رہو۔''

ویسے بھی امی اکیلی تھیں اور تمام بھائی الگ الگ تھے مگر قریب ہی کے گھروں میں رہتے تھے اور ہر روز آتے جاتے تھے۔

☆......☆......☆

میں اب امی کے ساتھ رہنے لگا۔ مگر میں یکسر بدل گیا۔ ہر وقت اُداس چپ چاپ گھنٹوں بیٹھا یہ سوچتا رہتا کہ کہاں مجھ سے کوئی غلط ہوئی۔ کہاں کوئی کمی رہ گئی میرے پیار میں۔ یا اللہ! مجھے کس بات کی سزا دی۔ شاید سحرش کو بے دریغ پیار کرنا ہی میرا جرم بن گیا۔ سحرش نے مجھے میری بیٹی سے دور کر دیا۔ اُس شخص نے ایسا کیا جادو کر دیا کہ تم 15 سالہ رفاقت کو چھوڑ چھاڑ کر چلتی بنیں۔''

امی مجھے دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتیں اور روتے ہوئے سحرش کو بددعائیں دیتیں کہ اُس نے میرے بیٹے کو کنگال کر دیا۔ اِس کا گھر برباد کر دیا۔''

امی کی طبیعت آئے دن خراب رہنے لگی۔ تمام بھائی آتے میری دل جوئی کرتے مگر میرا دل نہیں لگتا تھا۔ بھائیوں کو اُن کے بچوں اور بیویوں کے ساتھ خوش دیکھتا۔ سحرش اور انمول شدت سے یاد آتے۔ بیٹی کو یاد کر کے پوری پوری رات روتا رہتا۔ پتا نہیں کیسی ہوگی میری بیٹی۔ کس حال میں ہوگی؟ میں نے اپنے تعلقات چلا کر کافی پتا لگایا مگر دونوں کا کوئی پتا نہیں چلا کہ انہیں آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔

☆......☆......☆

وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ روتے دھوتے ایک سال گزر گیا۔ میں بھی معمول کی زندگی میں آ گیا۔ جاب پر جاتا تھا۔ کام میں لگا رہتا تھا مگر دل میں جو آتش فشاں پھٹا تھا اس کا لاوا ابھی بھی اپنی تپش سے مجھے جلاتا تھا مگر امی کے سامنے خود کو نارمل رکھتا۔ اب امی مجھے دوسری شادی کا کہتی رہتی تھیں۔

''بیٹا میری زندگی کا کیا بھروسا ہے۔ تم اپنا گھر بسا لو۔ جب تک اکیلے رہو گے یادیں پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔ میری بوڑھی آنکھوں میں اب اور دکھ دیکھنے کی ہمت نہیں۔''

مگر میرا دل نہ مانتا تھا۔ جسے میں نے دل کی گہرائیوں سے چاہا وہی میری نہ بن سکی تو پھر؟ بس یہ ہی بات بار بار سوچتا تو وہ سمجھاتیں۔

''بیٹا پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔''

مگر پھر بھی میرا دل نہ مانتا۔ اسی طرح امی کو ٹالتے ٹالتے ایک سال اور گزر گیا۔

اب امی بالکل بستر پر پڑ گئی تھیں۔ انہیں میرا ہی غم کھا رہا تھا، اندر ہی اندر۔ اولاد کا غم بھی بہت عجیب ہے اولاد ماں کی وجہ سے اپنا غم دل میں چھپا کے رکھتی ہے مگر ماں اپنی اولاد کے غم میں ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اب امی بار بار یہی کہتی رہتی تھیں کہ شادی کر لو بیٹا۔''

امی کھانا بھی نہیں بنا سکتی تھیں کمزوری کی وجہ سے تو بھابیاں بنا کر بھیجتی تھیں۔

''بیٹا بہو گھر آ جائے تو کھانے پینے کی محتاجی بھی ختم ہو جائے گی۔''

بس امی کی وجہ سے میں نے ہاں کر دی اور میری ہاں نے گویا امی کے مردہ بدن میں جیسے جان ڈال دی ہو۔

☆......☆......☆

بہن کی کوشش اور امی کی دعاؤں سے مجھے ایک اچھی لڑکی مل گئی۔ بہت سادگی سے نکاح کی رسم ہوئی۔ اُسے سب کچھ پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ کیونکہ میں اس رشتے کی بنیاد جھوٹ پر نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

وہ بہت سمجھدار اور سگھڑ لڑکی تھی۔ اُس نے مجھ سے اس بارے میں کوئی سوال جواب نہ کیا اور آتے ہی گھر کو سنبھال لیا۔

میری دوسری بیوی سعدیہ جتنی خوبصورت ہے۔ اُس سے کہیں زیادہ نیک سیرت ہے۔ اُسے پا کر میں سحرش کو بھول گیا۔ مگر بیٹی تو آج بھی یاد آتی ہے کیونکہ وہ میرا خون تھی تو آنکھیں بھر جاتی ہیں۔ سعدیہ نے آ کر میری بکھری زندگی کو سمیٹ لیا۔

بس اب اللہ سے یہ ہی دعا ہے کہ میری بیٹی جہاں ہو ہمیشہ خوش آباد رہے اور اللہ میرے اس آشیانے کو آندھیوں سے محفوظ رکھنا (آمین)۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

اسلام آباد سے دوسری حکایت

میشا

رئیسہ خالد

جوتشی کی بات سچ ثابت ہوئی اور میشا......

اونچی نیچی گل پوش پہاڑیوں کے دامن میں پھیلے ہوئے طویل وعریض میدان میں یہ عمارت اک وقار سے ایستادہ تھی۔ چاروں طرف قدرت نے حسین انمول خزانے لٹائے ہوئے تھے۔ پہاڑ کے دامن میں اس رہائشی عمارت کی تعمیر کسی حسن پسند ہی کا انتخاب ہو سکتی تھی۔ چاروں طرف حسن ہی حسن تھا۔ یہ خطۂ زمین، قدرت کی خوبصورتی کا ایک حسین نمونہ تھی۔ آس پاس دور دور تک کوئی دوسری عمارت نہ تھی۔ اس پہاڑ کا نام ٹیگور ہل تھا۔ کیونکہ اس پہاڑ پر رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنا ایک بنگلہ بنوایا تھا اور ایک مندر بھی، جو کچھ اونچائی پر تھا۔ سبزے کا مخملیں فرش رنگ برنگے پھول، لہلہلاتی بیلیں، جھومتے درخت ہر طرف رعنائی ہی رعنائی تھی۔ عمارت کے چاروں طرف بہت زمین تھی۔ بلکہ اسے فارم ہاؤس کہنا بجا ہوگا۔ طرح طرح کے پیڑ پودوں سے ڈھکی زمین پر ہر طرح کے پھل دار درخت تھے۔ موسم کا ہر پھل گھر سے مل جاتا تھا۔ کمپاؤنڈ کے اندر ایک بڑا تالاب بھی تھا۔ جہاں سے مچھلیاں نکالی جاتیں۔

اکبر صاحب اس عمارت کے مالک تھے۔ گاؤں میں بھی اُن کی بہت زمینیں تھیں۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ انہیں وفات پائے ہوئے کئی سال گزر چکے تھے۔ لیکن ان کی بیوہ رضیہ بانو ابھی حیات تھیں۔ ان کی عمر تقریباً 70 سے تجاوز کر چکی تھی۔ سرخ سفید چہرے اور سفید بالوں نے ان کے دبدبے اور وقار میں اضافہ کر دیا تھا۔ اکبر صاحب اور ان کی بیگم دونوں ہی پرانی روایات کے حامل تھے۔ زمانہ بدل چکا تھا، ڈھنگ بدل چکے تھے، ذہن بدل چکے تھے لیکن ان کے سوچنے کے ڈھنگ اب تک وہی پرانے تھے۔ ان کے تین بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔

رضیہ بیگم کی پھلواری بہت شاداب تھی۔ سب کی شادیوں سے فارغ ہو چکی تھیں۔ پھولوں اور کھلتی کلیوں اور پھوٹتے شگوفوں کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی رہتیں۔ بچوں کی اولادیں انہیں جان سے پیاری تھیں۔ لیکن بڑی بیٹی جو زیادہ دور نہیں رہتی تھی۔ ان کے بچے انہیں بہت زیادہ عزیز تھے۔ ان کے بچے بھی اسکول جانے کی عمر سے پہلے زیادہ تر انہی کے پاس ہوتے تھے۔ اس لیے بھی انہیں زیادہ عزیز تھے۔ اس ماحول میں ہر دن عید اور ہر رات شب برأت تھی۔ ہر طرف پھول ہی پھول بکھرے ہوئے تھے۔ چاروں طرف حسن ہی حسن تھا۔ اس ماحول میں جہاں خوشیوں کے جھرنے ٹھاٹھیں مارتے تھے۔ جہاں قہقہے طوفانوں کی صورت میں اٹھتے تھے۔ جہاں خوشیوں کے سوا کوئی تلخی سایہ فگن نہ تھی۔ آج اسی گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ رشتہ دار شہر سے اور دوسرے شہروں میں سے آ رہے تھے۔ ہر تھوڑی دیر بعد ایک سواری اترتی۔ گھر

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

میں پیر رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ ہر طرف سے رونے اور آہ و بکا کی آواز آ رہی تھی۔ لوگ دو ماہ قبل کی خوشیوں کو یاد کر کے رو رہے تھے۔ کون جانتا تھا کہ جہاں دو ماہ پہلے اتنی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ آج وہ گھر ماتم کدہ بن جائے گا۔ وہ بچی جو دو ماہ قبل یہاں سے رخصت ہو کر امریکہ گئی تھی۔ اتنی جلد وہ میت کی شکل میں واپس آ جائے گی۔

یہ تین بھائیوں کے بیچ اکلوتی بہن سب کی آنکھ کا تارا 'یشا' تھی۔ یہ اکبر صاحب کی سب سے بڑی بیٹی کی اولاد تھی۔ بڑی بڑی غلافی آنکھیں گلابی رنگت اور چمکدار کالے بالوں والی چنچل اور معصوم یشا گھر بھر کی آنکھ کا تارا تھی۔ ابھی دو ماہ پہلے وہ یہاں سے رخصت ہو کر گئی تھی اس دن بھی ایسی چہل پہل اس گھر میں تھی۔ اور اسے خوشی خوشی رخصت کیا گیا تھا۔

وہ امریکہ کو خوابوں کا شہر کہتی تھی۔ وہاں دو ماہ بھی رہنے نہ پائی۔ اور حادثے کا شکار ہو گئی۔ جب وہ اور اس کا شوہر ہنی مون منانے نکلے۔ تھوڑی دور جاتے ہی ایک ٹرالر سے ان کی گاڑی کی ٹکر ہو گئی اور وہیں اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کا شوہر بھی زخمی ہوا لیکن اس کی جان بچ گئی۔

بڑی بیٹی کے چاروں بچے ہی بہت ذہین اور پڑھاکو تھے۔ یشا ایک بھائی سے چھوٹی اور دو بھائیوں سے بڑی تھی۔

یوں تو اس کے سب بھائی بھی بہت ذہین تھے۔ لیکن یشا سب سے زیادہ پڑھنے لکھنے کی شوقین تھی۔ کھیل میں بھی وہ ہمیشہ اول آتی۔ جس کھیل میں حصہ لیتی پہلا انعام اس کا منتظر ہوتا۔ اس نے بہت جلد اپنی تعلیم مکمل کر لی تھی۔

اس کی ایک سہیلی جو ہندو تھی۔ اسے بہت عزیز تھی۔ دونوں ساتھ کالج اور یونیورسٹی جاتی تھیں۔ اس کا نام 'میرا' تھا۔ وہ اس کی کالج کی سہیلی تھی۔ دونوں میں بہت پیار تھا۔

ایک دن یونیورسٹی سے واپسی پر میرا نے خواہش ظاہر کی کہ کیوں نہ آج اپنا ہاتھ جوتشی کو دکھایا جائے۔''

وہ جانا نہیں چاہ رہی تھی لیکن میرا کی خاطر اسے جانا پڑا۔ جوتشی کا ٹھکانہ یونیورسٹی کے راستے پر ہی تھا۔

میرا نے پہلے اپنا ہاتھ دکھایا۔ جوتشی نے اس کا ہاتھ دیکھ کر کہا کہ تم بہت ترقی کرو گی اور بہت بڑی آدمی بنو گی۔ جب یشا کی باری آئی تو اس کا ہاتھ دیکھتے ہی وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔

''اس بچی کے پاس تو سمے (وقت) ہی نہیں۔'' وہ یہ سُن کر کچھ پریشان ہوئی تو میرا نے کہا۔'' جوتشی سچ کہہ رہا ہے۔ تم ایک مسلمان لڑکی ہو۔ جیسے ہی تمہاری تعلیم مکمل ہوگی گھر والے تمہاری شادی کر دیں گے۔ پھر تمہارے پاس وقت کہاں ہوگا۔ تم تو اپنے پیا گھر سدھار جاؤ گی۔''

جوتشی کا کہنا صحیح ثابت ہوا۔ تعلیم مکمل ہوتے ہی اس کی شادی کے بارے میں سوچا جانے لگا۔ لڑکا ڈاکٹر تھا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ جانے والا تھا۔ اس کے والدین بھی امریکہ میں تھے۔ یہ دونوں کی پسند کی شادی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو یونیورسٹی سے جانتے تھے اور پسند کرتے تھے۔ یشا کے والدین کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔ کیونکہ دونوں کے والدین بھی ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ احمر خود بھی لمبا لڑنگا وجیہہ، خوبصورت اور بہت ہی پُرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ وہ جتنا خوبصورت تھا، اتنا ہی خوب سیرت بھی تھا۔ وہ جس سے بھی ملتا اس کو اپنا گرویدہ کر لیتا۔ اس کی شخصیت میں بڑی کشش تھی۔

ڈاکٹر کے گھر والے اس شادی سے خوش نہ تھے۔ اس کی وجہ کچھ اور نہیں بلکہ 'تلک' کی وہ رسم تھی جو ہندوستان میں



READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

رائج تھی یہ رسم مسلمانوں نے ہندوؤں سے اختیار کی تھی۔ یہ رقم لڑکے کی تعلیم، جاب اور حیثیت دیکھ کر دی جاتی ہے، لڑکا جتنا تعلیم یافتہ ہوگا یہ رقم اسی طرح بڑھتی جائے گی۔ وہاں ڈاکٹر انجینئر کے لیے تو لاکھوں کی ڈیمانڈ کی جاتی تھی۔ لیکن ڈاکٹر اس کا مخالف تھا اور اس چیز کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ اس کے والدین اس لیے اُس سے سخت ناراض تھے۔ لاکھوں کی رقم چھوڑنا ان کے لیے ناممکن تھا۔ اس لیے انہوں نے شادی میں شرکت بھی نہیں کی۔

شادی کے کچھ دن بعد وہ امریکہ چلے گئے۔ وہاں وہ بہت خوش تھے۔ یشا امریکہ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر محبت میں سرشار زندگی گزار رہی تھی۔ اس کا جب بھی فون آتا وہ یہی ظاہر کرتی کہ وہ بہت خوش ہے۔ احمر کے والدین اس سے بہت خوش ہیں۔'' لیکن یہ سچ نہیں تھا۔ وہ کبھی اس سے خوش نہیں رہے۔

ابھی اُسے گئے دو ہی ماہ ہوئے تھے کہ احمر نے ہنی مون کا پروگرام بنایا۔ یشا نے اس کی اطلاع بھی اپنے والدین دے دی۔ ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ وہ لوگ By Car ہی جا رہے تھے۔ ڈرائیو احمر خود کر رہا تھا۔ شاید ایک گھنٹے کی مسافت طے ہونے والی تھی کہ اچانک سامنے سے ایک ٹرالر آ گیا۔ شاید ڈرائیور نشے میں تھا۔ اس نے اسی طرف ہٹ کیا جدھر یشا تھی۔ حادثہ اتنا شدید تھا کہ یشا نے اسی جگہ دم توڑ دیا۔ احمر کو بھی شدید چوٹیں آئی لیکن وہ بچ گیا۔

احمر اسے بہت چاہتا تھا۔ اسے کبھی کوئی ایسی بات نہ کہتا جس سے اس کی دل آزاری ہو۔ وہ چاہتا تھا کہ دنیا جہاں کی خوشیاں یشا کی جھولی میں ڈال دے۔ وہ بھی بہت خوش تھی اور اپنے احمر کی دیوانی تھی۔ لیکن یہ خوشی اس کے لیے صرف دو ماہ تک محیط تھی۔ امریکہ اس کے لیے خوابوں کا شہر تھا۔ کسی کو کیا پتا تھا کہ وہ اس قدر جلد اپنے دیس واپس آ جائے گی۔ شاید جوتشی نے سچ کہا تھا کہ اس کے پاس تو وقت نہیں ہے۔ یہ 1984ء کی بات ہے۔ جب یہ حادثہ ہوا۔ اُس کی میت کے ساتھ احمر کے علاوہ اس کے ساس سسر بھی آئے۔ وہ اس کے سامان کے ساتھ اس کا جو کچھ بھی تھا۔ یہاں تک کہ ایکسیڈنٹ کے بعد کا خون سے بھرا لباس تک لے آئے۔ انہوں نے وہاں اُس کی کوئی بھی چیز نہ رہنے دی

تا کہ احمر اسے جلد سے جلد بھول جائے۔ لیکن اس کی محبت لازوال تھی۔ اس نے دوسری شادی نہیں کی۔ سوائے یادوں کے اس کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔

یہ کیسی بات ہے کہ جس سے ہم بے پناہ محبت کرتے ہیں جسے ایک پل نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ بے رحم وقت اسے ہمیشہ کے لیے چھین کر لے جاتا ہے اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ یشا کی موت نے ہمیں ہی نہیں بلکہ احمر کو بھی توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ تو سکون کے ساتھ اس دنیا چلی گئی۔ خدا نے بس اسے اتنے ہی دنوں کے لیے احمر کا ہم سفر بنایا تھا۔ اس کی موت کے بعد وہ بکھر کر رہ گیا تھا۔ کچھ بھی تو نہیں تھا اس کے پاس۔

ہم جیسے انسانوں کی زندگی کے اثاثے ہی کیا ہوتے ہیں اور جو ہوتے ہیں وہ اس طرح چھین لیے جاتے ہیں۔ اب تو اسے لیکن کسی کام میں اس اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ ہم سب بھی اور اس کے گھر والے بھی اسے سمجھایا کرتے لیکن یشا کو بھلانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کی محبت لازوال تھی۔ اس نے دوسری شادی نہیں کی۔ جب بھی وہ ہندوستان آتا یشا کے والدین کے پاس ہی ٹھہرتا۔ وہ لوگ بھی بہت اصرار کرتے کہ بیٹا تم شادی کر لو۔ ہم اسے یشا کی طرح ہی پیار دیں گے۔''

''لیکن وہ ہر بار یہی جواب دیتا کہ ایک بار شادی کر لی۔ اب دوسری شادی نہیں کرنا۔''

وہ گھنٹوں یشا کی قبر پر بیٹھتا رہتا اور روتا رہتا۔ وہ امریکہ میں ایک بڑا سرجن تھا۔ بہت سے گھرانے اور خود اس کے والدین شادی کے لیے اصرار کرتے لیکن وہ ہمیشہ انکار ہی کرتا رہا۔ لیکن دکھ کی بات یہ تھی کہ پچیس سال بعد اس کے ساتھ بھی ویسا ہی حادثہ پیش آیا، جیسا یشا کا ہوا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کا حادثہ بھی تقریباً اسی روڈ پر اور اسی طرح ہوا۔ اور اُس حادثے میں اس کی جان بھی چلی گئی۔ واقعی ان دونوں میں بہت سچا پیار تھا۔

اس کی دوست 'میرا' آج بھی اس کے والدین سے ملتی ہے اور انہیں والدین کا درجہ دیتی ہے۔ جوتشی نے اس کے بارے میں جو کہا تھا۔ وہ سچ ہوا آج وہ گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدے فائز ہوتے ہوئے بھی وہ یشا کے گھر والوں سے اُسی طرح پیار کرتی ہے۔ یشا اور احمر مر کر بھی سب کے دلوں میں زندہ ہیں۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رزیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

Click on http://www.Paksociety.com for More

کراچی سے تیسری حکایت

دیر ہے اندھیر نہیں

اُم عادل

خدا جب دینے پر آتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے

آپریشن تھیٹر کے سامنے امجد علی آنکھیں بند کیے خضوع خشوع کے ساتھ اپنے پروردگار سے مدتوں بعد اپنے گھر آنے والی خوشی اور اپنی شریک حیات کی صحت و زندگی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا اور آیا نے آواز لگائی۔



READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

"آصفہ کے ساتھ کون ہے؟" امجد علی جلدی سے آگے بڑھا۔ آپا نے خوشگوار موڈ میں پوچھا۔

"تم آصفہ کے شوہر ہو؟"

"جی......" امجد نے مختصر جواب دیا۔ وہ آپا سے کسی اچھی خبر سننے کو بے قرار تھا۔ آپا نے چہکتے ہوئے کہا۔

"تمہارے لیے بہت اچھی خبر ہے، مبارک ہو اللہ نے تمہیں......" اتنا کہہ کر آپا جان بوجھ کر رُک گئی۔

"اللہ نے؟" امجد علی نے بے قراری سے آپا کا ادھورا جملہ دہرایا۔

"آگے بتاؤ۔"

"ہوں بتاتی ہوں پہلے ہرے رنگ کا پاپا دو پھر بتاتی ہوں۔" آپا اُس کی کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

"اوفو بھئی ہرا پاپا بھی لے لینا پہلے بتاؤ سب خیریت ہے نا۔" امجد علی نے اُلجھ کر پوچھا۔

"ہاں ہاں بہت ہی خیریت ہے اپنا وعدہ یاد رکھنا۔ میں تم سے ہرا پاپا ہی لوں گی۔ تو تمہارے لیے اچھی خبر یہ ہے کہ تمہیں اللہ نے ایک ساتھ چار چار بچوں سے نوازا ہے۔

وہ بھی دو لڑکے اور دو لڑکیاں۔ اب لاؤ جلدی سے بچوں کے کپڑے دے دو۔ کہیں ڈاکٹر صاحبہ ناراض ہی نہ ہو جائیں۔"

امجد نے جلدی سے ٹوکری سے بچوں کے کپڑے نکال کر دیے۔ اُسے آپا کی بات اور اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ اُس کی بیوی آصفہ کی ڈاکٹر صاحبہ جو مذہبی خیالات کی حامل تھیں۔

وہ اپنے زیرِ علاج مریضہ کا الٹرا ساؤنڈ کرنا اُس وقت تک ضروری خیال نہیں کرتی تھیں جب تک کوئی پیچیدہ صورتِ حال نہ ہو۔ اُن کا خیال تھا کہ وقت سے پہلے الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے بچوں کی تعداد اور جنس معلوم کرنا خدا کے کاموں میں مداخلت کرنے کے مترادف ہے۔

اس لیے اگر کیس نارمل ہوتا اور کوئی پیچیدگی نہ ہوتی تو وہ ہرگز اپنی مریضہ کا الٹرا ساؤنڈ نہ کرواتیں۔ آصفہ کے کیس میں بھی کوئی پیچیدگی نہ ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحبہ نے الٹرا ساؤنڈ کروانا مناسب نہ سمجھا تھا۔

مگر اپنے تجربے کی روشنی میں خیال ظاہر کیا تھا کہ بے بی ایک سے زیادہ شاید دو یا پھر تین بھی ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کے اسی خیال کے تحت آصفہ نے بچے کے چار جوڑے کپڑے ٹوکری میں رکھ لیے تھے۔

آپا کی زبانی چار بچوں کی پیدائش کا سن کر امجد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اب وہ جلد از جلد اپنے بچوں اور آصفہ کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ اور سوچ رہا تھا بلکہ اپنے اللہ سے ہم کلام تھا۔

"واہ خدا تیری بھی شان نرالی ہے، تو بے نیاز ہے اور جس کام کا تو نے جو وقت مقرر کر رکھا ہے، وہ اُسی وقت انجام پا سکتا ہے۔ اُس سے قبل ہرگز نہیں۔ انسان تو ویسے ہی ازل سے جلد باز واقع ہوا ہے۔ ہر بات میں جلدی کرتا ہے۔ مگر یہ کالق کائنات ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنے بندے کی کوئی ضرورت پوری کرنے کا کب بہتر وقت ہے۔ کہاں تو پچھلے دس سالوں سے وہ اُس کی بیوی اور اُس کی مرحومہ ماں اپنے سُونے گھر میں بچوں کی آواز اور ہنسی کو ترس رہے تھے۔

اُس کی والدہ نعیمہ بیگم اپنے اکلوتے بیٹے کے بچوں کو گود میں کھلانے کی آرزو کرتے کرتے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔ مرنے سے کچھ عرصہ قبل انہوں نے دبے الفاظ سے اپنے بیٹے امجد علی کو دوسری شادی کے بارے میں کہنا شروع کر دیا تھا۔ مگر امجد علی کے لیے یہ مرحلہ انتہائی کٹھن تھا۔

آصفہ امجد کی چچا زاد بھی اور سب سے بڑھ کر اُس کی محبت بھی اور اولاد نہ ہونے کے باوجود دس سال بعد بھی امجد علی کے دل میں آصفہ کی محبت برقرار تھی۔ وہ نہایت ادب سے اپنی والدہ کو سمجھاتا۔

"اماں جان ذرا سوچیں جس طرح میں آپ کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ اسی طرح آصفہ بھی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے اور پھر اب آصفہ کا ہمارے علاوہ دنیا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

میں اور کون ہے چچا چچی تو اُسے ہمارے حوالے کر کے کب کی ابدی نیند سو چکے ہیں۔"

"ہاں بیٹا میں یہ سب جانتی ہوں۔ بیٹا میں نے تمہیں آصفہ کو چھوڑ دینے کو کب کہا ہے۔ مجھے بھی آصفہ عزیز ہے۔

مگر بیٹا انتظار کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ تمہاری شادی کو نو سال ہو چلے ہیں۔ مجھے تو یہ فکر ہے کہ تمہاری نسل آگے کیسے چلے گی۔" نعیمہ بیگم فکر مندی سے جواب دیتیں۔

"ارے اماں جان نسل چلے گی انشاء اللہ ضرور چلے گی۔ مجھے اپنے رب سے پوری پوری امید ہے کہ وہ ہمارے گلشن میں پھول ضرور کھلائے گا۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق ہم دونوں فٹ ہیں۔

دونوں میں کوئی جسمانی نقص نہیں۔ پھر یہ تو ضرور قدرت کی آزمائش ہے۔ جس سے بہرحال ہمیں گزرنا ہے۔"

"مگر کب بیٹا! نو سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میں تمہارے بچوں کو کھلانے کی حسرت لیے ہی قبر میں اتر جاؤں گی۔"

"نہیں اماں جان ایسا نہ سوچیں۔ آپ ہمیں بھی حوصلہ دیں، اللہ سے دعا کریں اور مایوس نہ ہوں۔" یہ کہہ کر امجد علی تھکتے قدموں سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

وہ ماں کو اور زیادہ اداس نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کچن میں مصروف آصفہ ماں بیٹے کے درمیان ہونے والی گفتگو اکثر چپ چاپ سنتی رہتی مگر آج اُس کی سوچیں بھی اماں جان کی بات سے متفق ہو رہی تھیں اور کمرے میں آ کر اُس نے اپنے محبوب شوہر کو اماں جان کی بات مان لینے پر جب راضی کرنے کی کوشش کی تو امجد نے اٹل لہجے میں جواب دیا۔

"ایسا ناممکن ہے! اولاد کی خاطر میں دو کشتیوں میں سوار ہو کر گھر کے پُرسکون ماحول کو جہنم نہیں بنا سکتا۔

میں اپنے خدا سے ناامید ہرگز نہیں تم بھی اچھی طرح جان لو اگر اولاد میرے نصیب میں ہے تو وہ تم سے ہی ملے گی، صرف تم سے۔ کیا تم نے سُنا نہیں خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں اُس ذات پاک نے ہر کام کے لیے وقت مقرر رکھا ہے۔ انسان ہی اپنی جلد باز فطرت کی وجہ سے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارنے لگتا ہے ہمیں اگر بڑھاپے تک کی عمر کو پہنچنے تک اولاد نہ ملی تو یہ ہمارا نصیب ہوگا۔ اور خدا کے بنائے نصیب میں انسان ردو بدل کر سکے یہ اُس کی مجال نہیں اور ویسے بھی ہمارے علاوہ دنیا میں بے شمار جوڑے بے اولاد ہیں۔ اور اپنے رب کی رضا میں راضی اور شاکر رہیں۔"

امجد علی نے تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور بستر پر لیٹ گیا۔

"مگر علی نو سال کافی وقت ہوتا ہے۔ آپ اماں جان کی بات مان لیں۔ میری فکر نہ کریں، میری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔ میں آپ کو صاحب اولاد دیکھنا چاہتی ہوں اس کے لیے میں دوسری عورت کو بھی ہنس کر برداشت کرلوں گی۔ میں کسی بھی وقت یہ قربانی دینے کو تیار ہوں۔" اتنا کہہ کر آصفہ امجد کا جواب سُنے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ کیونکہ عورت کتنی ہی بہادر، وفا پرست، ایثار کرنے والی کیوں نہ ہو۔ اپنی جنت میں شراکت برداشت کرنا اُس کی زندگی کا سب سے کٹھن موڑ ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

کچھ ہی عرصے بعد وہی ہوا جس کا نعیمہ بیگم کو دھڑکا بلکہ یقین تھا۔ پچھلے سال وہ ایک رات ایسی سوئیں کہ صبح اٹھنا نصیب نہ ہوا۔

آصفہ اور امجد ماں کے یوں اچانک دنیا سے چلے جانے سے بہت پریشان ہوئے مگر خدا جہاں دکھ دیتا ہے ساتھ ہی خوشی سے بھی نواز دیتا ہے نعیمہ بیگم کی وفات کے چار ماہ بعد ہی آصفہ کی طبیعت خراب ہوئی۔ اُس کی ڈاکٹر کو شبہ ہوا اور ٹیسٹ رپورٹ آنے پر تصدیق ہوگئی کہ آخر شادی کے دسویں سال خدا نے اُن پر مہربانی کر کے انہیں والدین بننے کی نوید دے ہی دی۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

پھلکی

افضل حسین پٹھان

اُس امیر لڑکی نے ثواب کمانے کے لیے اُسے چُنا جو پہلے ہی......

مائرہ کلاس کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ سرخ سفید، دبلی پتلی، طرح دار، لوگ مڑ مڑ کر دیکھتے اور میں کلاس کا شاید سب سے بدصورت لڑکا۔ شکل ٹھیک تھی لیکن غربت نے میری مت ماردی تھی۔ رات دن کی لوڈ شیڈنگ میری آنکھوں کے نیچے حلقے لے آئی تھی۔ ابو کے ساتھ کبھی کبھار کے ٹھیلے لگانے نے ہاتھ پیر کھردرے کر دیے۔

منہ پر دانے جو بارہ تیرہ سال کی عمر میں نکلنے شروع ہوئے تھے اب چوبیس سال کا ہونے والا ہوں تب بھی ختم نہیں ہوئے۔ دائیں گال پر تو بدنما گڑھا بن چکا ہے۔ رہی سہی کسر جوانی میں ہی بالوں میں اترتی سفیدی نے پوری کردی۔ وہ ایئر کنڈیشنڈ گاڑی میں سفر کرنے والی اور میں چنگ چی رکشوں اور رنگ برنگی بسوں میں دھکے کھانے والا۔ بھلا ہم دونوں کا کیا جوڑ......

لیکن اس محبت کا کیا کرتا جو اس کے لیے میرے دل میں پنپ رہی تھی۔ مٹائے نہیں مٹتی تھی۔ بار بار میں نے اپنے آپ کو اپنی حیثیت باور کروائی، لیکن دل ہے کہ سمجھتا ہی نہیں، لال، گلابی، پیلا، نیلا، آسمانی، نارنگی، بنفشی، بھورا مجھے تو اتنے رنگوں کے نام نہیں آتے جتنے رنگوں کے اس کے پاس کپڑے تھے۔ اور میں ایک سیاہ پینٹ اور ایک بدرنگی گھسی ہوئی جینز کا مالک، پچھلے چھ مہینوں سے کوشش کررہا ہوں کہ کچھ پیسے پس انداز کر کے ایک خوشنما سی جینز ہی خریدلوں لیکن پیسے تھے کہ جمع ہی نہیں ہورہے تھے۔ یونیورسٹی کے چار سال تو جیسے تیسے گزر گئے لیکن اب میں چاہتا تھا الوداعی تقریب پر تو کچھ اچھا سا پہن کر جاؤں۔

کلاس کے آخری دن چل رہے تھے۔ کلاس میں ایک دوسرے سے بچھڑنے کی باتیں زبانِ زد عام تھیں۔

بہت اچھے دن گزرے، اب تو شاید زندگی میں بعض ساتھیوں سے کبھی نہ مل سکیں۔ ایسی باتیں ہر وقت ہوتی رہتیں۔ فوٹنگ کے قصے ہنس ہنس کر دہرائے جاتے۔ نہ ہنسنے والی باتوں پر خواہ مخواہ ہنسا جاتا۔ اور پھر ایک دن وہ پری وش ایک نفیس سی ڈائری لیے میری بینچ کے سامنے کھڑی تھی۔

"عدیل تم کلاس کے سب سے ریزرو رہنے والے لڑکے ہو۔ یہ ڈائری میری ہے، ان چار سالوں میں تم نے میرے بارے میں کیا محسوس کیا، مجھے کیسا پایا، سچ سچ لکھنا اور اچھا لکھنا، دیکھو سب سے پہلے تم

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

سے ہی لکھوا رہی ہوں۔"

میں گم صم سا مائرہ کو دیکھتا رہا اور وہ مجھے ڈائری تھما کر چلی گئی۔

"کیا لکھوں؟" میں نے ڈائری کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ ڈائری اس قدر نفیس تھی کہ مجھے لگنے لگا کہ میرے کھردرے ہاتھ ڈائری کی نفاست کو بگاڑ ہی نہ دیں۔

ڈائری لیے میں نسبتاً پُرسکون گوشے میں آیا اور سوچنے لگا کیا لکھوں، کیا لکھوں، دل تو بس ایک ہی بات کہہ رہا تھا۔ اس کی تو بس ایک ہی رٹ تھی کہ لکھ دوں۔

"مائرہ میں تم سے محبت کرتا ہوں کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟ چاہے غریب سہی لیکن میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں خوش رکھوں گا۔"

کتنی دیر میں سوچتا رہا ذہن و دل میں اور کوئی بات آتی ہی نہ تھی۔ لیکن دل و دماغ پر قابو پا کر میں نے لکھنا شروع کیا۔

"مائرہ کلاس کی سب سے خوبصورت لڑکی ہے۔ شگفتہ انداز میں بولتی ہے۔

میری طرف سے مائرہ کے لیے مستقبل کی اچھی دعائیں۔"

لکھنے کے بعد میں نے اپنا نام لکھا اور تاریخ لکھ دی۔ مائرہ اپنی ایک دوست کے ساتھ لان میں بیٹھی شاید کچھ کھا رہی تھی۔ ان دونوں کی میری طرف پشت تھی اسی لیے انہیں نہ پتا چلا کہ میں اُن کی طرف آ رہا ہوں۔

"یار! عدیل سے ڈائری میں کمنٹس لکھوانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیسا مفلوک الحال لڑکا ہے۔ پہننے کو کپڑے بھی نہیں۔ اسے کیا پتا ڈائری میں کسی کو کس طرح وشز لکھ کر دیتے ہیں۔" میرے قدم دھیمے پڑ گئے۔

"غریب لڑکا ہے، اسی لیے تو لکھوا رہی ہوں۔



READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

دیکھو کلاس میں کبھی کسی لڑکے تک نے اُسے لفٹ نہیں کروائی۔ میں نے ڈائری اُسے کمنٹس لکھنے کے لیے دی، اس کا دل بڑھا۔ ساتھ اپنی اہمیت کا احساس بھی ہوا ہوگا کہ میں سب سے پہلے اس سے ڈائری لکھوا رہی ہوں۔ یہ بھی ثواب کا کام ہے۔''

میں نے ایک نظر ثواب کے کام کرنے والی خوبصورت امیر لڑکی کو دیکھا اور واپس مڑ گیا۔ راستے میں نظر آنے والی ایک کلاس فیلو کو ڈائری پکڑائی کہ مائرہ کو دے دینا۔

☆......☆......☆

رات کو ابو نے مجھ سے پوچھا۔

''تمہاری یونیورسٹی کی الوداعی تقریب کب ہے؟''

''جی کل۔''

''ام م......ٹھیک، میرے پاس تمہیں دینے کو ایک تحفہ ہے۔ صبح دوں گا۔'' ابو کروٹ بدل کر سو گئے۔

اور صبح نماز کے بعد انہوں نے ایک خوشنما جینز بمعہ شرٹ ایک خوبصورت سے شاپر میں مجھے پکڑائی۔

''یہ لو عدیل بیٹا، غریب باپ کی طرف سے چھوٹا سا تحفہ، الوداعی تقریب میں نیا سوٹ پہن کر جانا۔''

''شکریہ ابو، یہ سوٹ بہت خوبصورت ہے لیکن میں الوداعی تقریب میں نہیں جا رہا۔''

''کیوں؟'' ابو کے ساتھ امی بھی حیران ہو رہی تھیں۔

''میرا پیٹ کل رات سے ٹھیک نہیں اب تو کافی درد بھی ہو رہا ہے۔''

''اوہ تو رات کو بتانا تھا، پیٹ درد کی پھکی پڑی ہے گھر میں۔''

''ابھی کھا لیتا ہوں، پہلے بیت الخلاء سے ہو لوں۔''

بیت الخلاء جانے کے بعد میں نے دروازہ بند کیا کچھ دیر دیوار سے لگا کھڑا رہا۔ آنکھیں نم ہوئیں تو رگڑ ڈالیں۔ باہر آ کر ہاتھ دھوئے۔ اماں کو دکھانے کے لیے طاق سے پھکی اٹھائی۔ کچھ دیر دوسری طرف منہ کیے یہ تاثر دیتا رہا کہ پھکی کھا رہا ہوں۔ ڈبیا رکھ کر پلٹا تو ابو پیچھے ہی کھڑے تھے۔

''کھالی پھکی۔'' ابو کا لہجہ بے تاثر تھا۔ بھرم رکھنے کے لیے بے تاثر رہنا ابو کی پرانی عادت تھی۔

''جی کھالی، بڑی پُر اثر ہے جب کبھی یہ پھکی کھائی ہے شام تک ٹھیک ہو جاتا ہوں۔''

☆☆......☆☆



رضوانہ پرنس کا نیا شاہکار ناول

اک نئے موڑ پر شائع ہو گیا ہے

محبت کے خوبصورت احساس میں جب شک اور بدگمانی کی آگ بھڑک اٹھے تو سب کچھ جل کر بھسم ہو جاتا ہے۔

ایسے ہی ٹوٹتے بکھرتے رشتوں کی یہ کہانی آپ کو اپنے سحر میں جکڑ لے گی

اور اس کا اینڈ آپ کو ششدر کر دے گا۔

قیمت صرف 350 روپے

ناول ملنے کے پتے: (ویلکم بک پورٹ' مین اردو بازار کراچی) (فرید پبلشرز' مین اردو بازار کراچی)

(اشرف بک ایجنسی' اقبال روڈ، کمیٹی چوک' راولپنڈی) (خزینہ علم و ادب' الکریم مارکیٹ اردو بازار' لاہور)

(علم و عرفان پبلشرز' الحمد مارکیٹ' اردو بازار' لاہور) (علی میاں پبلیکیشنز' عزیز مارکیٹ اردو بازار' لاہور)

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

راولپنڈی سے پانچویں حکایت

مفاد

جویریہ ملک

اُسے ہر شخص مفاد پرست ملا تھا لیکن وہ لڑکی......

طارق نہ صرف میرا کلاس فیلو تھا۔ بلکہ لنگوٹیا بھی تھا۔ وہ اپنے دل کی ہر بات مجھ سے کر لیتا تھا۔ لائق اور محنتی تھا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بڑا بننے کا جذبہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ذہانت، خوش مزاجی اور انکساری کی بنا پر ہر شخص اس کا گرویدہ تھا۔ اُس کا شمار اُس کے خاندان کے ذہین اور حسین لڑکوں میں ہوتا تھا۔

نسرین اس کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ قدرت نے نسرین کو بلا کا حُسن دیا تھا۔ حُسن کے ساتھ ساتھ وہ نہایت ہی امیر کبیر خاندان سے تعلق رکھتی



READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تھی۔ شاید اسی لیے نسرین خاندان والوں کے لیے شجرِ ممنوعہ سے کم نہ تھی۔ اسی دولت کی کمی نے طارق کو نسرین کے گھرانے سے اس کی ساری رشتہ داریاں دھندلی اور کر کری کر دی تھیں۔ یہی وہ احساس تھا جس نے اسے نسرین سے بہت دور کر دیا تھا۔ اس کے باوجود نسرین اس کے دل میں بسی تھی۔

یہ نہیں کہ طارق سے کسی نے محبت نہیں کی تھی۔ کئی لڑکیاں اس کی محبت کا دم بھر چکی تھیں، لیکن ہر لڑکی اسے میلی قمیض سمجھ کر اُسے اپنے گلے سے اُتار چکی تھی۔ یہ تو لڑکیوں کا شیوہ ہے کہ فیشن کے جنون میں بعض اوقات اُجلی چیزیں بھی انہیں میلی نظر آنے لگتی ہیں اور نئی طرز کے جن اُجالوں سے وہ دل لگاتی ہیں۔ اُن کی مفاد پرستی اور موقع پرستی شاید انہیں اس بات کی خبر ہی نہیں ہونے دیتی کہ ان اُجالوں کی روح کے پچھواڑے کتنا اندھیرا ابھرا ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

نسرین کا نام وہ جب بھی سنتا، اُس کا دل سمٹ کر دوہرا ہو جاتا۔ یہ طارق کا قصور نہیں بلکہ انسان کی فطرت ہے کہ دور افتادہ چیزیں جو اس کی پہنچ سے باہر ہوتی ہیں، اِسے زیادہ جاذب اور پُرکشش نظر آتی ہیں۔ اور وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ انہیں حاصل نہیں کر سکتا۔ اِس امید پر کہ شاید وہ انہیں ایک روز حاصل کر لے گا۔ پاس پڑی ہوئی چیزوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، طارق بھی کچھ ایسی ہی ڈگر پر چل نکال تھا۔ اس کا خیال تھا۔ نسرین کی نگاہوں میں اس کی حیثیت ایک ابھرتے ہوئے سائے سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔

''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا...... نسرین ذہین اور سمجھدار ہے۔ وہ ایسی روشنی کی طرف کبھی نہیں بڑھے گی۔

طارق کبھی کبھی اس قدر جذباتی ہو جاتا کہ اس کو دیکھ کر مجھے حیرانی ہونے لگتی۔ وہ ہر دو تین دن بعد میرے پاس آتا اور دل کا غبار ہلکا کر کے چلا جاتا۔ ایک روز جب وہ میرے پاس آیا تو اس کا چہرہ پُرسکون تھا، پھر اس نے ایک شعر پڑھا جو کچھ یوں تھا۔

اخلاق و وفا کے سجدوں کی جس در پر داد نہیں ملتی
اے غیرتِ دل اے عزمِ خودی اس در پر سجدہ کیا معنی

اس کی سوچ میں اس اچانک تبدیلی سے میں بہت حیران ہوا۔ لیکن یہ حیرانی اس وقت اور بڑھ گئی۔ جب اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ڈائری نکال کر دکھائی۔ جس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا اور اس شعر کے نیچے نسرین کا نام لکھا تھا۔ کہنے لگا۔

''کل بہت دنوں بعد نسرین ہمارے گھر آئی تھی۔ اس کی امی بھی اس کے ساتھ تھیں۔ میں الگ تھلگ ہی رہا۔ یہ شعر اس نے کس وقت میری ڈائری پر لکھا مجھے خبر نہیں۔ اس سے مل بھی آیا ہوں میں۔ ہر بات واضح ہو گئی ہے۔ وہ بھی اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اُسے سمجھ نہ سکا۔'' اس کے بعد میں نے دیکھا۔ طارق خوش و خرم رہنے لگا۔ اور اس کی زبان ان واقعات سے لبریز رہتی۔ جن میں نسرین کی طرف سے اُس کے لیے بھرپور دلچسپی کا اظہار ہوتا۔ پھر طارق بیمار ہو گیا اور نسرین بیماری میں بھی اس کے پاس آتی رہی۔

طارق اچھا ہوا تو ایف اے کے امتحان نزدیک تھے۔ اس نے محنت تو کی مگر نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلا، جبکہ نسرین ایف ایس سی میں ٹاپ کرنے کے بعد میڈیکل کالج میں چلی گئی۔ طارق اب تعلیم میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اور نسرین آگے آگے اسی طرح ان کی محبت بھی آگے پیچھے ہوتی رہی۔

☆......☆......☆

گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں تو نسرین کراچی چلی گئی۔ واپس آئی تو وہ بالکل بدلی ہوئی تھی۔ طارق کو دیکھ کر اُس سے کترانے کی کوشش کرتی۔ اور ناکامی کی صورت میں طارق سے اس کی باتیں بالکل سپاٹ اور کاروباری قسم کی ہوتیں۔ طارق کے لیے بالکل بے جان، اور محبت کے وہ غیر مرئی خطوط جو کبھی نسرین کی نگاہوں سے نکل کر طارق کے دل کی دھڑکنیں تیز کر دیا کرتے تھے۔ اب معدوم ہو گئے تھے۔ طارق حساس تھا۔ اور محبت نے اسے کچھ زیادہ ہی حساس بنا دیا تھا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

نسرین کی بے التفاتی اور بے رخی اسے خوب تڑپا رہی تھی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا مگر نسرین اس کے دل سے نہ نکلی۔ دل کی بستی اجاڑنے پر وہ کسی قیمت پر تیار نہ تھا۔ یہی کہتا۔

''نسرین میرا امتحان لے رہی ہے۔ میں اس پر پورا اتروں گا۔ اس نے مجھے دل سے چاہا ہے۔''

لیکن ایک روز نسرین کی کراچی کے ایک ڈاکٹر سے منگنی کی خبر نے طارق کے ہوش وحواس تتر بتر کر دیے۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی اور ایک اُلجھی ہوئی تمنا اور دل میں کروٹیں لیتی ہوئی ایک خواہش کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ...... صرف ان الفاظ کے ساتھ کہ ''نسرین بڑی مفاد پرست نکلی یار۔''

نسرین کے بعد طارق کی زندگی میں کئی لڑکیاں ایسی آئیں۔ جنہوں نے طارق کو چاہا اپنے خلوص کا یقین دلایا۔ اس سے محبت کے پیمان باندھے، لیکن بدقسمتی سے ہر فدا ہونے والی لڑکی آخر میں طارق سے زیادہ دولت اور مرتبہ رکھنے والے انسان ہی کی ہو کر رہ گئی۔ طارق نے بڑے خلوص سے اُن پر اعتماد کیا، لیکن اُن میں سے ہر ایک نے بڑے وثوق سے طارق کو فریب دیا۔

☆......☆......☆

مفاد پرستی اور موقع پرستی کی ان زندہ مثالوں نے طارق کا ذہنی سکون چھین لیا تھا۔ محبت کر کے زندگی کا ساتھی چننے کا ارادہ اس نے قطعی طور پر ترک کر دیا۔ اُس کی عمر تیس سال ہو گئی تھی۔ بی کام کرنے کے بعد ایم اے اور پھر ایل ایل بی کی ڈگری بھی اُس نے لے لی تھی۔ اُس کے والدین کی تشویش بجا تھی۔ ایک جگہ رشتہ لگا۔ طارق بھی وہاں گیا۔ ان لوگوں نے بھی خوب خاطر مدارات کی۔ لڑکی جو ایم اے تھی اور لیکچرر لگنے کی منتظر تھی۔ کئی بار اس کے سامنے آئی اور رمز و کنائے میں طارق پر نثار ہونے لگی۔ طارق بھی پگھلتا گیا۔ بڑی بہن جو اس کی واحد سرپرست تھی۔ وہ پہلے ہی شہر کے گورنمنٹ کالج میں پڑھا رہی تھی۔ غیر شادی شدہ تھی۔ اُس کی آنکھوں پر لگی ہوئی عینک اور ماتھے اور رخساروں پر بل کھاتی ہوئی بڑھاپے کی جھریاں اس بات کا پتا دے رہی تھیں کہ وہ شادی کیا کرے گی بلکہ اب کوئی بھی اس سے شادی کے لیے تیار نہ ہوگا۔ اس نے شادی کیوں نہیں کی؟ وہ کچھ نہ کچھ کہہ سکتا تھا۔ ہاں اتنا ضرور اس کی سمجھ میں آتا کہ یہ ساری قربانی شاید اس نے چھوٹی کی خاطر دی ہے۔

اسی وجہ سے اس کا بے حد احترام کرتا تھا اور وہ بھی اس کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتی تھی، لیکن لڑکی پر اسے اب بھی اعتماد نہ تھا۔ ہر لمحے یہی خیال رہتا کہ کہیں یہ بھی بحالت مجبوری اسے اپنے مفاد یا غرض کا کوئی چیتھڑا تو نہیں سمجھ رہی۔ مفاد کا مکمل حصول کہیں اسے بھی ایک دن اس چیتھڑے کو پھینکنے پر مجبور نہ کر دے، لیکن جوں ہی اسے پتا چلا کہ لڑکی ایک بڑے رشتے کو صرف اس کی خاطر ٹھکرا چکی ہے۔ تو وہ اس کے خلوص پر پوری طرح ایمان لے آیا۔ اس کے چہرے کی ساری رونقیں لوٹ آئیں۔ شاید اس کی خوشی کا سب سے بڑا دن تھا۔ طارق مسکراہٹوں میں ڈوبا ہوا کہہ رہا تھا۔

''بالآخر مجھے میرے مطلب کی لڑکی مل گئی نا۔ کتنا خوش قسمت ہوں یار۔ ذرا غور تو کرو۔ بڑا خلوص ہے اس لڑکی میں، میرے لیے بہت موزوں ہے۔ لیکچر شپ بھی اُسے مل گئی ہے اور اس طرح فکرِ معاش سے مجھے دستبرداری اور ہاں سنو......'' اس نے چونک کر میرا ہاتھ جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

''بھلا اس کی بڑی بہن کی وہ ساری کمائی کہاں جائے گی؟'' اِس طرح جیسے اس کے ذہن کا کوئی خوابیدہ گوشہ ابھی جاگا ہو۔

مفاد پرستی کا وہ ترازو جس میں آج تک طارق ان لڑکیوں کو تولتا آیا تھا۔ شاید اپنے لیے استعمال نہ کر سکا جو خوشی سے بے ساختہ یہ الفاظ اس کی زبان سے ادا ہو گئے اور اسے پتا بھی نہ چل سکا کہ اُس نے کیا کہا ہے ان الفاظ کی روح کے پچھواڑے کتنا اندھیرا بھرا ہے۔ غرض کے کتنے چیتھڑے اور مفاد کے کتنے چھلکے اُس اندھیرے نے چھپا رکھے ہیں۔ اُسے کچھ خبر نہ تھی۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کوئٹہ سے چھٹی حکایت

قصور کس کا؟

حاسم وقاص

اوپر والے کو الزام مت دو، سارا قصور اِن نیچے والوں ہی کا ہے......

کچھ لوگ بدبختی کے کفن میں لپٹ کر پیدا ہوتے ہیں اور مرتے دم تک اس کفن کو اپنے آپ سے جدا نہیں کر پاتے۔ میرا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ میری زندگی کا ہر اچھا برا لمحہ ہمیشہ وقت سے پہلے ہی تیزی سے گزر گیا۔ لیکن جو وقت تیزی سے گزرنا چاہیے تھا وہ تو گویا ٹھہر ہی گیا۔ بچپن سے لے کر جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک ہر زمانہ مجھ پر وقت سے پہلے آیا اور ہر حادثہ وقت سے پہلے ہی رونما ہوا۔

میں نے جنم 'داتا کی نگری' میں لیا۔ مگر ساری عمر میرا کاسہ سوال خالی رہا۔ داتا کی نگری میں کچھ ایسی کشش ضروری تھی کہ کہیں اور جانے کا حوصلہ ہی نہ ہوا۔ دل نے کبھی شکوہ کیا نہ شکایت۔ بچپن تو چند سال ہی رہا پھر تلاشِ رزق کا بوجھ کندھوں پر ایسا پڑا کہ اسے ڈھوتے ڈھوتے بچپن کا وقت بھی......وقت سے پہلے ہی گزر گیا۔

میں آٹھ دس سال کی عمر میں ایسا سیانا ہو گیا کہ جو باتیں لوگ بوڑھے ہو کر نہیں سمجھ پاتے میں بچپن میں نہ صرف سمجھ جاتا بلکہ اس کی تہہ تک پہنچ جاتا۔ شاید سر پر رکھا بھاری بوجھ، عقل کی آنکھیں وقت سے پہلے کھول دیتا ہے۔ یہ تو مجھے یاد نہیں کہ میرا بچپن کیسا تھا۔ ہاں اس قدر ضرور یاد ہے کہ اکثر لوگ بچہ سمجھ کر دیگ کے چاول پہلے مجھے دیا کرتے تھے۔ گویا معصوم بچے کو خوش کر کے وہ داتا کو خوش کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ لیکن میں اس وقت بھی جانتا تھا کہ میں اندر سے کتنا 'معصوم بچہ' ہوں۔

☆......☆......☆

پھر وہ دور آیا کہ جوانی دیوانی کا آغاز ہوا۔ میں اتنا شوریدہ سر، جوشیلا نکلا کہ میں دس جگہوں پر کام کرنے لگا اور ہر جگہ جھگڑا لینا میرا معمول بن گیا۔ لوگ کہتے۔

''ابھی سے اتنا چلتا پرزہ ہے بڑا ہو کر خدا جانے کیا کرے گا۔'' (اور میں بڑا ہو کر سوائے بڑا ہونے کے اور کچھ نہ کر سکا۔)

اُس زمانے میں مجھے یہ جملے بے معنی لگتے تھے۔ میں اس حقیقت سے ناآشنا تھا کہ وقت مجھ پر وقت سے پہلے گزر رہا ہے۔ اسی زمانے میں 'نوری' سے میری ملاقات ہوگئی۔

وہ اکثر سڑکوں پر اِدھر اُدھر ردی کے کاغذ اکٹھے کرتی نظر آتی اور میں وقت سے پہلے ہی اس پر عاشق ہو گیا۔ (مگر میری نگاہ میں وہ تھی بھی اس قابل کہ وقت سے پہلے ہی اس سے عشق کیا جائے)

نوری نہ صرف نوری تھی مگر زبان کی بہت ہی کڑوی تھی۔ بات کرتی تو یوں لگتا کہ ابھی جنگلی بلی کی طرح منہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

تو چ لے گی۔ بہر حال مجھے اس کا یہ انداز بھی بہت پیارا لگتا تھا۔ حد یہ کہ میں اپنے سارے کام چھوڑ کر اس کے پیچھے ہولیتا۔ وہ اکثر کہیں بیٹھ جاتی اور میں اس کے لیے ردی اکٹھی کرتا پھرتا۔ پھر ایسا ہوتا کہ اس کے لیے ردی چُنتے چُنتے میں اپنا بوجھ اٹھانا بھول جاتا اور یوں اس رات فاقہ کرنا پڑتا۔ پھر بوجھ ڈھوتے اور فاقے کرتے کرتے نوری میری ہوگئی۔ پھر شاید میں ہی اس کا ہوگیا۔ ساری عمر بوجھ ڈھویا تھا۔ ایک دم سے دامن میں پھول برسے تو وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا...... اور جب ہوش آیا تو وقت ایک بار پھر وقت سے پہلے گزر چکا تھا۔

نوری...... پرانی ہوگئی۔ مگر ہماری محبت اب بھی نئی تھی۔ تب ہماری محبت کی زنجیر میں ایک کڑی کا اضافہ ہوا۔ ہمارا بیٹا ساون...... بالکل ساون کی طرح ٹھنڈا میٹھا تھا۔ کم از کم مجھے تو یہی لگتا تھا کہ تپتی دوپہروں میں نوری میرے لیے بادل کا ٹکڑا اور میرا بیٹا رم جھم برستا ساون ہے۔ پھر جب یکے بعد دیگرے بہت سے ساون اور بہت سی بارشیں برسیں تو مجھے لگا کہ وقت ایک بار پھر وقت سے پہلے گزر گیا ہے۔

میں خود کو بوڑھا محسوس کرنے لگا۔ افرادِ خانہ زیادہ ہوگئے تو روٹیاں کم پڑنے لگیں۔ تب نوری پہلے کی طرح کڑوی کسیلی ہوگئی۔ (مگر اب کیا فائدہ، اب تو بہت سے ساون آچکے تھے اور بہت سی گھٹائیں برس چکی تھیں۔ میں پہلے سے زیادہ محنت کرنے لگا۔ مگر پیٹ کی بوری خالی ہوتو کمر بھی بوری اٹھانے سے انکار کر دیتی ہے۔ پھر جیسے وقت کو پَر لگ گئے۔ میری بیٹیاں میرے برابر ہوگئیں اور بیٹے سینما ہالوں میں بیٹھنے لگے۔ میں نہ تو بیٹیوں کو جوان ہونے سے روک سکا اور نہ بیٹوں کو آوارگی سے...... پیٹ میں روٹی بوٹی نہ پہنچے تو سینما عیاشی بن جاتا ہے۔ وہ جو کچھ کماتے اپنی عیاشیوں پر اُڑا دیتے۔

بیٹیاں جوان ہوئیں تو میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان کے رشتے جلدی اور اچھی جگہ ہوجائیں تاکہ میرا بوجھ ہلکا ہوجائے۔ مگر جو اللہ کی رضا، جو مولا کی



READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

مرضی، بندہ ناتواں تو راضی برضا ہونا چاہیے صاحب...... بندہ جب اور جس کا چاہے بوجھ اُتار دے اور جس کا چاہے بڑھا دے۔ میں تو ویسے بھی بوجھ اٹھانے کا عادی تھا۔ تب میں نے زندگی میں پہلی بار لوگوں کے گھروں میں جھانکنا شروع کیا۔

رشید تانگے والے کے تین بیٹے تھے۔ میں اکثر اس کے گھر آنے جانے لگا۔ میری ہر بات مہنگائی سے شروع ہوتی اور تان بچوں کی شادی پر ٹوٹتی۔ مگر رشید نے اس موضوع میں کوئی دلچسپی نہ لی تو میں یونس کے گھر جانے لگا۔ وہ خیر سے دو بیٹوں کا باپ تھا۔ جب وہ بھی مفہوم سمجھ کر نہ سمجھنے کی اداکاری کرنے لگا تو میں ایک بار پھر ناامید ہوگیا۔ آخر نوری سے مشورے کے بعد میں نے یہ کام اُسے سونپ دیا۔

☆......☆......☆

نوری کچی بستی میں ہر اُس گھر گئی جہاں لڑکے موجود تھے۔ اسی تلاش میں لوگوں کے گھروں میں جھانکتے جھانکتے تین برس بیت گئے۔ زندگی میں پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ یہ وقت کبھی نہیں گزرے گا۔ غریب کا بوجھ بوری کا ہو یا بیٹی کا...... غریب بھی اتارنا پسند نہیں کرتا۔ پھر ایک شام نوری نے مجھ سے سرگوشی کی۔

''دینو آیا تھا۔'' دینو کا نام سنتے ہی مجھے یوں لگا کہ جیسے کسی نے میرا آدھا بوجھ بانٹ لیا ہو۔

''وہی دینو...... جس کے تین جوان بیٹے ہیں اور دو ماہ پہلے جس کی بیوی کا انتقال ہوا ہے۔'' میں نے خوش ہوکر پوچھا۔ دوست کی بیوی کے انتقال پر خوش ہونے والی بات مجھے اچھی نہ لگی۔ میں نے اپنی خودغرضی اور سنجیدگی کو دباتے ہوئے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

''بیوی کے بغیر بے چارے کی کیا زندگی ہے۔ اب بچوں کے رشتے بھی اسے خود ہی کرنا پڑیں گے۔'' میری خوشی کو نوری نے بھی بھانپ لیا۔ مگر اس کا چہرہ کچھ اتر سا گیا وہ کمال حوصلے سے بولی۔

''اصل میں بات کچھ اور ہے۔'' نوری کی بات سُن کر مجھے لگا جیسے میرا بوجھ آہستہ آہستہ پھر میرے کندھوں پر آ رہا ہے۔

''تو پھر کیا بات ہے؟'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''اصل میں دین محمد خود شادی کرنا چاہتا ہے۔'' اس نے مجھ سے آنکھیں ملائے بغیر جواب دیا۔ اب حوصلہ کرنے کی باری میری تھی۔ نوری میرے پاس ہی بیٹھی تھی۔ وہ کچھ اور قریب ہوتے ہوئے مجھے حوصلہ دینے لگی۔

''دیکھو اس طرح تو ہوتا ہی ہے۔ غریب کی بیٹی ایسے ہی اُلٹے سیدھے بیاہی جاتی ہے۔ آج دینو ل رہا ہے کل یہ بھی نہ رہا تو سوچو پھر کیا ہوگا؟ اگر یہ رشتہ ہوگیا تو ایک بیٹی کا بوجھ کم ہو جائے گا۔ پھر دوسرے دیکھ بھال کے کرتے رہیں گے اور ویسے بھی رضیہ کوئی پندرہ سولہ سال کی بچی نہیں رہی کہ دو تین برس اور انتظار کرتے پھریں۔''

وہ مجھے حوصلہ دیتے ہوئے بول رہی تھی اور میری گردن مزید جھکتی جا رہی تھی۔ شاید یہ وقت کا بوجھ تھا جو مجھے سر اٹھانے نہیں دے رہا تھا۔ ہر گزرنے والا پل مجھے پیس رہا تھا۔ پہلی بار مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ نامراد وقت جو ہمیشہ وقت سے پہلے گزر جایا کرتا تھا۔ اب گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔

''جو مولا کی مرضی۔'' میں نے شکست تسلیم کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے۔

''آسمان والے کو الزام مت دو۔'' نوری حسب عادت زبان کے تیر برسانے لگی۔

''جو لوگ زمین کے خدا بنے بیٹھے ہیں سارا قصور اُن کا ہے۔'' اچانک نوری دامن پھیلا کر بددعائیں دینے لگی۔

''کیڑے پڑیں، ان پر غلم ٹوٹے، ان کی اولادوں کو کل مار ڈسے، خانہ خراب ہو چھکی جو گے۔ حرام کے جنے ادھل ہو جائیں۔ ان کی بیٹیاں...... قصور اوپر والے کا نہیں۔ ان نیچے والوں کا ہے۔'' وہ واہی تباہی بکنے لگی۔

''نوری! او نوری! باؤلی ہوگئی ہے۔ کفر کی باتیں کیوں کرتی ہے۔''

میں اسے حوصلہ دے رہا تھا مگر وہ تو مانو آپے سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔ اور مجھے ایسا لگا کہ یہ وقت کا بوجھ کبھی نہیں اتر سکتا۔ اس کی منزل صرف اور صرف قبر ہے۔ دو گز زمین کا ٹکڑا...... جب بدبختی کا کفن پہنے اس دو گز کے ٹکڑے میں جاتے ہیں تو وقت کا بوجھ بھی آپ ہی آپ سر سے اُتر کر دھواں بن جاتا ہے۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

احتیاط ضروری ہے

حنا بشریٰ

میں آج تک نہ سمجھ پائی کہ کلاس میں سر مجھ ایسی عام سی لڑکی سے کیا چاہتے تھے

بعض اوقات زندگی میں آنے والے عام واقعات بھی ذہن میں رہ جاتے ہیں۔ اور آسانی سے بھلائے نہیں جاتے۔
مجھے وہ دن آج بھی یاد ہے۔ جب پنجاب



READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

یونیورسٹی میں میرا داخل ہوا تھا۔ سابقہ کلاس کی کامیابی کے بعد یونیورسٹی میں داخلے پر میں رب تعالیٰ کی مشکور تھی۔ اور نئی کلاسز کا جوش وخروش بھی تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ میں تعلیم کے معاملے میں ہمیشہ نارمل سی رہی ہوں۔ مگر محنت اور کوشش ضرور کرتی ہوں۔ یہاں میں ایک اور بات کا ذکر بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ میں بالکل عام سی لڑکی ہوں۔ قبول صورت نین نقش اور گہری سانولی رنگت کے ساتھ میری شخصیت میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔

اعتماد نام کی چیز نہیں ہے میرے اندر۔ حالانکہ میری امی اور میری بہنیں خاصی خوش شکل ہیں۔ شاید اسی وجہ سے میں احساسِ کمتری کا بھی شکار ہوں۔

بات کہاں سے کہاں چلی گئی تو میں کہہ رہی تھی کہ نئی کلاسز کا آغاز تھا۔ میں نے چونکہ ایم اے ایجوکیشن میں داخلہ لیا تھا۔ تو مختلف کلاسز میں ہمیں میل اور فی میل اساتذہ پڑھاتے تھے۔

میں نے کہا نا میں عام سی لڑکی ہوں اسی لیے عام لڑکیوں کی طرح بناؤ سنگھار کرنے کی بجائے میں سادگی سے یونیورسٹی جاتی تھی۔ سادہ سے لباس میں میک اپ کے بغیر چہرہ۔

نفسیات کی کلاس ہماری سر احمد حسن لے رہے تھے۔ ساری کلاس کو سر احمد حسن بہت بھاتے تھے۔ سر تھے بھی بہت خوش اخلاق اور شفیق۔ ڈانٹ ڈپٹ کی بجائے نہایت نرمی سے بات کرتے تھے۔

ایک اور بات جو مجھے اچھی لگی تھی کہ لڑکیوں کے ساتھ فری نہیں ہوتے تھے۔ مجھے بے تکلف ہونے والے اساتذہ بالکل پسند نہیں تھے۔ اُستاد میں ایک وقار ہونا چاہیے۔ اُستاد چونکہ روحانی باپ کا درجہ رکھتے ہیں، اس چیز کا انہیں خود بھی خیال رکھنا چاہیے۔ اور میں تو خواتین اساتذہ کی نسبت، میل ٹیچر سے بات کرنا تو دور اُن کی طرف دیکھتی بھی نہیں ہوں۔ کچھ گھر کے ماحول اور اندرونی طور پر میں کسی حد تک مذہبی ہوں۔ اسی لیے بغیر ضرورت اساتذہ پر غیر ضروری نظر نہیں ڈالتی کہ وہ نظر بھی فتنہ نہ بن جائے۔

☆......☆......☆

ایک مرتبہ سر احمد حسن ہماری کلاس لے رہے تھے۔ اعتماد کی کمی کی وجہ سے میں کلاس کے دوران کچھ پریشان سی رہتی ہوں کہ اگر سر نے کوئی سوال کر لیا اور میں جواب نہ دے سکی تو لڑکیاں میرا مذاق اڑائیں گی۔ اُس دن مجھے یہی فکر لاحق تھی۔ سر کے لیکچر کے بعد ہم آپس میں بات چیت کر رہے تھے میں اور میری دوست ثوبیہ بھی اسی پریشانی میں تھے کہ سر نے ون بائے ون ہر لڑکی سے سوال کرنا شروع کر دیا۔ میرے تو مانو طوطے اُڑ گئے اور میں نے شدت سے دعا مانگنی شروع کر دی کہ میری باری نہ آئے۔ اچانک ہی سر نے ثوبیہ کو کھڑا کیا۔ اور سوال جواب شروع کیے۔ ثوبیہ کے بعد میرا نمبر تھا مگر سر نے مجھے چھوڑ کر اگلی لڑکی سے سوال کر دیا۔ میں نے شکر ادا کیا کہ میں بچ گئی۔

بظاہر یہ ایک عام سا واقعہ تھا، میں نے کوئی عذر بھی نہیں کیا تھا مگر اس کے بعد کے واقعات نے میری توجہ اس طرف مبذول کر دی تھی۔ جن پر مجھے آج بھی حیرت ہوتی ہے۔ اس دن کے بعد میں نے محسوس کیا تھا کہ غیر محسوس انداز میں سر میری طرف متوجہ ہوتے تھے۔ جب میری نظر پڑتی تھی تو سر نظر بدل لیتے تھے۔ میں حیران بھی تھی اور پریشان بھی تھی۔

پھر میں نے سوچا کہ شاید میری شکل کسی سے ملتی ہے جو سر اس قدر غور کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی میرا خیال تھا۔ اللہ جانے معاملہ کیا تھا۔

سر اُس واقعہ کے بعد سے کلاس میں مجھے مخاطب بھی نہیں کرتے تھے۔ میرے لیے یہی کافی تھا۔

واقعات اتنے غیر واضح تھے کہ میں کسی سے ذکر بھی نہیں کر سکتی تھی۔

گھر میں اپنی چھوٹی بہن سے ذکر کیا تھا۔ مگر اُس نے کہا کہ سارینہ یہ تمہارا وہم ہے۔'' کیونکہ میں نے خود ہی تو بتایا تھا کہ سر بہت اچھے ہیں اور غیر ضروری بات چیت بھی نہیں کرتے تھے۔ میں بھی مطمئن ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

پھر ایک دن کلاس کے دوران میں دروازے کے بالکل ساتھ والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ سر وہاں آ کر

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کھڑے ہوگئے۔ میری گھڑی میری فائل پر پڑی تھی۔ ایک لڑکی ڈائس پر آکر لیکچر دے رہی تھی۔ سر سمیت ہم سب متوجہ تھے۔ مگر سر شاید میری گھڑی کی طرف متوجہ تھے۔ سر مجھے مخاطب کر کے ٹائم بھی پوچھ سکتے تھے۔ مگر سر نے میری گھڑی اُٹھا کر خود ٹائم دیکھا تھا۔ مجھے کوفت تو ہوئی مگر کیا کر سکتی تھی۔ اول تو سر کے اس قدر قریب کھڑے ہونے پر میرا موڈ خراب تھا اور پھر گھڑی اُٹھا لینا میرا موڈ مزید آف ہو گیا تھا۔

اگلے دن میں نے اپنی جگہ شعوری طور پر بدل لی۔ میں سر کو کوئی مزید موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ سر کی شخصیت کے برعکس یہ سب بہت حیران کن تھا۔

مگر سر اُس دن بھی میرے نزدیک ہی کھڑے رہے تھے۔ اب تو میری آنکھوں میں بے بسی سے آنسو آ گئے تھے۔ اب مجھے سر سے چڑ سی ہو رہی تھی۔

اب میں ایسی کوئی حور پری بھی نہ تھی جو بات سمجھ میں آتی۔ میری سمجھ سے باہر تھیں یہ باتیں۔ میں سر کے روم میں بھی بہت کم جاتی تھی۔ اکیلی تو بالکل نہیں مگر کسی لڑکی کے ساتھ جاتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرا سر سے دل خراب ہو اسی وجہ سے میری کوشش تھی کہ میں سر سے دور رہوں۔

ایک بار ضروری کام کے سلسلے میں مجھے چند لڑکیوں کے ساتھ سر کے روم میں جانا پڑا۔ میں شعوری طور پر خود کو مصروف ظاہر کر رہی تھی کہ اتنی دیر میں سر نے کہا۔

''سارینہ آپ میرے پاس آئیں۔'' میں ابھی اسی سوچ میں اٹھنے والی تھی کہ ایک لڑکا آیا اور سر سے ضروری بات چیت کرنے لگا۔ میں نے شکر ادا کیا اور کام ختم کر کے باہر کو بھاگی۔

اس کے بعد سر نے مجھے لڑکیوں کی موجودگی میں بھی بُلانا شروع کر دیا کہ سارینہ آپ بہت چپ ہیں۔ آپ کوئی بات نہیں کریں گی۔''

میں نے کیا کہنا تھا البتہ سر مزید جھکا لیا تھا۔

میں اب بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ یہ سب کیا ہے۔ سر آخر چاہتے کیا ہیں؟'' یہ وہ سوال تھا جو کہ آج تک حل طلب ہے۔

ایک اور بات جو ضروری ہے کہ میں نے محسوس کیا تھا کہ سر کہیں جاتے جاتے مجھے مڑ کر ضرور دیکھتے تھے اور میرے دیکھنے پر جلدی سے نظر چرا لیتے تھے۔ جو کہ مجھے بہت عجیب لگتا تھا۔

حالانکہ میرے خیال میں عام طور پر اساتذہ ایسا نہیں کرتے کہ اپنے اسٹوڈنٹ کو آتے جاتے غیر ضروری طور پر دیکھتے رہیں۔ حالانکہ باقی ٹیچرز بھی تھے جو سلام کا جواب دے کر گزر جاتے تھے۔ نہ جانے یہ کیا مسئلہ تھا۔

☆......☆......☆

ایک مرتبہ میرا پیپر بہت بُرا ہوا تھا کہ اُمید نہیں تھی کہ پاس بھی ہوں کہ نہیں مگر حیرت انگیز طور پر میرے نمبر سب سے زیادہ تھے اور یہ پیپر بھی سر احمد حسن کا ہی تھا۔ میں نہیں جانتی کہ سب کیا تھا۔ غور بھی کروں تو جواب نہیں ملتا۔ کسی دوست سے بھی ذکر کروں تو وہ کوئی جواب تلاش کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ میرے اور سر کے درمیان شیطان تھا۔

آپ کو حیرت تو ہوتی ہوگی مگر غور کریں تو آپ بھی متفق ہوں گے۔ کہ بظاہر سر نے کچھ ایسا نہیں کیا جو قابلِ اعتراض ہوتا۔ میری حس شاید بہت تیز تھی۔ پھر یہ سب صرف شیطانی حرکات ہی ہو سکتی ہیں۔ لیکن میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ مجھے کسی فتنے سے بچا لیا اور یہ سب اُس کا کرم اور میری امی کی دعائیں تھیں۔ ورنہ کچھ بھی ایسا غلط ہوتا جو میرے گھر والوں کے لیے باعثِ شرمندگی ہوتا۔ یہ میرے کردار کی مضبوطی نہیں ہے صرف میرے رب کا کرم ہے۔

میری یہ کہانی سنانے کا یہ مقصد تھا کہ لڑکیاں میل اساتذہ کے ساتھ محتاط رہیں۔ اُن کا خوامخواہ فری ہونا نوٹ کریں اور کوئی موقع ایسا نہ دیں جس سے دوسرے کو کوئی غلط فہمی ہو۔ ورنہ ذرا سی غلطی سے دنیا اور معاشرے میں کتنے فتنے جنم لیتے ہیں۔ اور پھر سب بچ بھی نہیں پاتے۔ کوئی نادان شیطانی حرکات کو سر کی بے لوث محبت سمجھ بیٹھے تو کیا ہوتا؟ غور ضرور کریں۔ احتیاط واقعی بہت ضروری ہے۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

سچی کہانیاں کا وہ سلسلہ،
جس میں مرد ہی نہیں خواتین بھی مردوں کے اس معاشرے میں
اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات ہمارے پاس بھیج سکتی ہیں

انسانوں کے جنگل میں

شازی سعید مغل

اُس مرد کی کہانی، جو انسانوں کے جنگل میں ایک غیر انسانی مخلوق بن کر رہ گیا تھا

ثمر گل کا خاندان صرف چار افراد پر مشتمل تھا۔ ابا، اماں اور ایک پندرہ سالہ بڑا بھائی......اور وہ خود۔ ابا ایک معقول سے چلتے ہوئے کاروبار کے مالک تھے جبکہ اماں پڑھی لکھی مگر سادہ سی گھریلو خاتون تھیں۔ بھائی برطانیہ سے انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آیا تھا اور اب اپنے ملک کی ایک یونیورسٹی میں بطور لیکچرار علم کی روشنی پھیلا رہا تھا۔ عمر کے اس 15 سالہ فرق کے باوجود ثمر گل کے بڑے بھائی گل محمد کی جان ثمر گل میں بستی تھی۔ اس نے سارا بچپن ترستے ہوئے ایک ننھے بھائی بہن کے طویل ترین انتظار میں تن تنہا گزارا تھا۔ جب ثمر گل غیر متوقع طور پر اس دنیا میں آیا تو گل محمد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ ابا اماں کے مطابق بھی یہ 'گل محمد' کی بچپن سے مانگی ہوئی دعاؤں کا ثمر ہی تو ہے۔ چنانچہ یہ گل تھا ثمر ہوا یعنی 'ثمر گل'، گل محمد نے نام اپنی مناسبت سے رکھا۔ پڑھائی کے بعد سارا وقت وہ ثمر کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کے رکھتا تھا۔ اماں سے چھین کے نہلانا دھلانا خود کرتا تھا یہ اور بات تھی کہ اماں کو بعد میں مدد کے لیے پکارنا پڑتا تھا۔

ثمر گل تھوڑا سا بڑا ہوا تو گل محمد اپنے ساتھ کھلانے لگا اس کا ہر کام کرنے کی کوشش کرتا۔ اماں دونوں کا پیار دیکھ کر پھولے نہیں سماتی تھیں اور آج بھی جس دن سے ثمر گل کو نروس بریک ڈاؤن ہوا اس دن سے وہ ثمر کی پٹی سے جڑا بیٹھا تھا۔ کتنے ہی آنسوؤں بھرے سجدے تھے جو اس نے رب کے آگے کیے تھے۔ ثمر کی زندگی کی بھیک مانگی تھی۔ اسے اللہ رب العزت کی بارگاہ سے خالی ہاتھ نہیں لوٹایا گیا تھا۔ ثمر گل نے آنکھ کھول دی تھی، وہ بچ گیا تھا۔ سب کو لگ رہا تھا کہ وہ موت سے زندگی جیت کر آیا ہے مگر اگر سانس لینا زندگی تھا تو ہاں وہ زندہ تھا۔ کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ جسم کے اس خوبصورت ڈبے کے اندر کا 'اصلی جوہر' دور کہیں نکل گیا ہے۔ بس جسم کا خوبصورت ڈبا رہ گیا تھا۔ جس کی پذیرائی کی جا رہی تھی۔

ثمر گل کے وجود کو چھوٹے موٹے زلزلوں سے آشنائی تو بچپن سے ہی تھی۔ وہ بچپن کا پہلا واقعہ دھندلا ہی رہ جاتا اگر اس کی ماں وقتاً فوقتاً عمر کے ساتھ دہرا دہرا کے اُسے گہرا نہ کرتی رہتیں۔ کہ کس طرح آن کی آن میں اپنی پہلی نئی سائیکل خالہ کے بیٹے کاشان کو دے دی تھی کہ وہ ثمر گل کی شاندار سی نئی سائیکل دیکھ کر مچل اٹھا تھا۔ خالہ کو اُن کی کم مائیگی کے احساس نے شرمندہ سا کر ڈالا تھا۔ انہوں نے اس بات پر کزن

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

کاشان کو ایک تھپڑ بھی جڑ ڈالا تھا۔ مگر ثمر گل نے بڑی فراخ دلی سے اپنی سائیکل کاشان کو دے دی ہمیشہ کے لیے۔

خالہ تو بہت جز بز ہوئی تھیں، کاشان کو گھور کر



Downloaded From Paksociety.com

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

سائیکل واپس کرنے کے اشارے بھی دے رہی تھیں۔ مگر ثمر نے اپنے ابا کی طرف بڑے یقین سے دیکھا اور کہا۔

''مجھے تو ابا کل اور لا دیں گے، ہیں نا ابا؟'' ثمر گل سراپا یقین بنا اپنے ابا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ہاں، ہاں بیٹا کیوں نہیں، ہم تمہیں کل اور سائیکل لا دیں گے۔'' ابا نے ثمر گل کے یقین پر اعتماد کی مہر لگا دی۔

''جاؤ اب جا کر دونوں بھائی سائیکل چلاؤ...... شاباش۔'' خالہ نے ثمر گل کو بہت محبت سے چمکارتے ہوئے کہا۔ لیکن یہ کیا...... کاشان نے ثمر گل کے سائیکل کی جانب جو بڑھتے قدم دیکھے تو دونوں ہاتھوں سے سائیکل دبوچ کر صدر دروازے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہ اپنی ماں کو بلند آواز میں بلا رہا تھا کہ اب گھر چلیں۔ اس کا شور بڑھتا ہی گیا۔

سائیکل ملتے ہی وہ اب یہاں ایک منٹ ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ ثمر نے اُس کی بڑی منتیں کیں، بڑی سماجت کی کہ وہ ایک مرتبہ تو اِس سائیکل پر اُسے بیٹھنے دے، مگر نہیں...... کاشان تو دھاڑیں مار کر رونے ہی لگ گیا۔ خالہ تو بس شرمندہ شرمندہ اٹھیں اور کاشان بمعہ سائیکل اپنے گھر کو روانہ ہوگئیں۔ اس دن ثمر گل بہت اُداس و دلگیر تھا۔ وہ دیر تک چپ چاپ بیٹھا رہا اور پھر کھانا کھائے بغیر ہی سو گیا۔ ماں نے اُٹھانے کی کوشش کی مگر وہ نہیں اٹھا۔

صبح اٹھا تو اُس کے گالوں پر آنسوؤں کے نشانات تھے۔ پتا نہیں سوتے سوتے رویا یا روتے روتے سویا؟ مگر دوسرے دن وہ حسب معمول اسکول گیا اور جب واپس گھر آیا تو دیکھا ایک خوبصورت پہلے سے بھی اچھی چمچماتی سائیکل اس کے گھر کے آنگن میں کھڑی اس کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ سائیکل کو دیکھ کر مسرت سے چیخ اٹھا اور کل کا واقعہ بھول گیا۔

وقت تھوڑا سا اور سرک گیا۔ مگر اس دوران ثمر گل کے ساتھ اس طرح کے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہے۔ اپنی کلاس میں تو وہ ان چیزوں کے لیے بہت مشہور تھا۔ اس کا جیومیٹری بکس پوری کلاس کی ایمرجنسی ضروریات پوری کرتا تھا۔ پنسل، ربر، شارپنرز، کلر مارکرز، اسکیلغرض کوئی بھی چیز کسی کی بھی، کسی بھی وقت ختم ہو جاتی یا کھو جاتی تو وہ بڑے حق سے ثمر گل کے جیومیٹری بکس کا رُخ کیا کرتا۔

ثمر گل کا بڑا بھائی ابا، اماں اُسے آئے دن نت نئے ڈیزائنز کے ربرز شارپنرز، پینسلز، مارکرز وغیرہ لا کر دیتے ہی رہتے تھے اور وہ کچھ خدمتِ خلق کے جذبے کے تحت اپنی جیب خرچ سے بھی خریدتا رہتا تھا۔

☆......☆......☆

ثمر گل کی اماں اُن کو اکیلا گھر میں چھوڑ کر جانے سے تھوڑا خوف کھانے لگی تھیں حالانکہ اب وہ 9th کلاس میں آ چکے تھے بچے نہیں رہے تھے زیادہ، لیکن ان کی اماں ابا کے ساتھ، ثمر کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر بہت مجبوری کی حالت میں جاتی تھیں۔ وجہ وہی تھی، سماج سیوا...... ماں باپ کی غیر موجودگی میں کوئی سائل، کوئی فقیر آ جاتا...... ثمر سے سوال کرتا۔ اس کے پاس نقد کچھ نہ ہوتا تو وہ فقیر کو رُکنے کا کہتا اور گھر میں اِدھر اُدھر چکراتا پھرتا، خالی ہاتھ لوٹانا اُس کی شان کے خلاف جو تھا۔ کچھ نہ بن پڑتا تو اپنے گھر سے آٹا، چینی، چاول جو جو ہاتھ لگتا اُٹھا کر دے دیتا۔ ایک بار سردیوں میں اپنے اوڑھنے والا لحاف اور بھائی کا کمبل بھی ایک فقیر جوڑے کو دے ڈالا تھا۔ ماں باپ جب گھر واپس لوٹتے تو اماں کچن اور اسٹور کا جائزہ لینا نہ بھولتیں اور پھر جس بات کا دھڑکا لگا ہوتا وہی بات سامنے آ جاتی۔ کچن آدھا خالی ملتا اور اسٹور حسب توفیق...... ثمر گل حاتم طائی کی قبر پر لات مار کر مسرور سا بیٹھا ہوتا تھا۔ اماں غصے میں آگے بڑھتیں ثمر گل کی کلاس لینے مگر ابا آڑے آ جاتے۔

''چھوڑو جانے دو، ہمارا بچہ نیک کام کرتا ہے۔ ہمیں اللہ نے دیا ہے تو کیوں نہ اُس کی اور مخلوق کو شامل کرلیں۔ تھوڑا سا خرچ کر ڈالیں۔''

''تھوڑا ہے! سمیع صاحب۔'' اماں کچن کی بدحالی کی طرف اشارہ کرتیں۔ جہاں تقریباً سارے ڈبے آدھے یا پورے خالی پڑے ہوتے تھے۔ سمیع صاحب جواب میں قہقہہ مار کر ٹیلی فون لے کر ایک طرف بیٹھ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

جاتے۔ ایک سپر اسٹور کو فون لگاتے۔ لسٹ تیار کرواتے۔ شام سے پہلے ثمر گل کی اماں کا کچن اور فریج دوبارہ اللہ کی دی گئی نعمتوں سے بھر جاتا۔ ابا فخریہ کہتے۔

''دیکھو ثمر کی اماں دینے سے مال بڑھتا ہے۔ میرا بیٹا سخی ہے سخی۔''

اور اماں نے کچھ کہنے سننے کے بجائے اُس کا سیدھا حل یہ ڈھونڈا کہ اب کہیں مجبوراً ثمر گل کو چھوڑ کر جانا ہوتا تو ثمر گل کی کھانے پینے کی چیزیں کھانے کی میز پر رکھ کر وہ کچن اور اسٹور کو باقاعدہ سیل بند کر کے یعنی تالا لگا کر جاتی تھیں۔

وقت اپنی مخصوص چال سے آگے سرکتا گیا۔ مگر ثمر گل کے خدمتِ خلق کے دائرے کو بھی حتی الامکان وسیع کرتا گیا۔

ثمر اب کالج کے دوسرے سال میں تھا بلکہ دوسرا سال بھی ختم تھا۔ امتحان دے چکا تھا رزلٹ کا منتظر تھا۔ اس کے بعد وہ ایک آرٹ کالج میں ایڈمیشن لینے والا تھا۔ پینٹنگ کے حد درجہ بڑھے ہوئے شوق اور مہارت نے اس کے خدمتِ خلق کے کاموں میں مدد کی تھی۔ جب امیر شہر کی جانب سے انٹر کالجیٹ پینٹنگ کا ایک مقابلہ منعقد کیا گیا تھا تو ثمر گل کی پینٹنگ نے یہ مقابلہ جیتا تھا۔ اُس سے حاصل ہونے والی انعامی رقم اور پھر پینٹنگ کے اچھے داموں سیل ہونے والی رقم سے اُس نے ایک حاجت مند کی مدد کی تھی۔ تب سے ہی اُس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ آرٹ کی اسی فیلڈ میں تعلیم حاصل کرے گا۔ پینٹنگز بنا کے بیچا کرے گا ایک اور اچھا ذریعہ تھا، ہنر تھا اس کے پاس سماج سیوا میں مدد کرنے والا۔

پھر ایسا بھی ہوا کہ ثمر گل نے دھوکے بھی کھائے۔ کیوں نہ کھاتا دنیا خود ایک دھوکہ گھر جو ہے۔ کئی دوست احباب مطلب نکلنے تک دوست رہتے، مطلب نکلنے کے بعد وہ ثمر کو دیکھ کر کتراہی جاتے تھے۔

'پتا نہیں کیوں؟ یہ کیوں؟' ثمر کو بہت ڈسٹرب کرتا تھا اور اس مرتبہ کے کیوں؟ نے تو ثمر گل کو اسپتال کے بستر پر لا پٹخا تھا۔

اس مرتبہ اس کی ہمدرد طبیعت، رحم دلی اور فیاضی سے صرف غلط فائدہ ہی نہیں اٹھایا گیا تھا۔ کیونکہ ایسا تو اُس کے ساتھ ہوتا ہی رہتا تھا، وہ سہہ جاتا تھا۔ مگر اس بار تو بات حروف سے نکلی ہوئی تھی۔ اتنی کہ اُس کی ذات کے پرخچے اُڑ سے گئے تھے۔

☆......☆......☆

ثمر گل شہر کے ایک بہترین آرٹ کالج میں ایڈمیشن لے چکا تھا۔ یہ ایک کوایجوکیشن کالج تھا۔ ثمر کی کلاس میں بھی لڑکیاں موجود تھیں۔ کالج میں ایک سے ایک آرٹ کے دلدادہ، فسوں گر موجود تھے جن کی جادوگر انگلیاں کینوس پر وہ مناظر پینٹ کرتیں کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے۔ بڑے بڑے بہترین آرٹسٹ اس کالج کی پہچان بنے۔ ایک سال کے اختتام پر ثمر گل نے بھی ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا۔ ثمر گل گو کہ سب کا دوست تھا۔ مگر بابر سے اس کی دوستی تقریباً پانچ سال پرانی تھی۔ بابر اس کا پڑوسی بھی تھا۔ اور اب اس کے ساتھ اس آرٹ کالج میں اُس کا کلاس فیلو اور بہترین دوست، دونوں بہت سا وقت ساتھ گزارتے تھے۔ دلچسپیاں بھی اُن کی مشترکہ تھیں۔ کم ہی وہ دونوں ایک دوسرے سے کوئی اختلاف رائے رکھ پاتے تھے۔ بڑے بھائی کے بعد ثمر کی زندگی میں بابر کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ اس آرٹ کالج میں اب ثمر اور بابر کا دوسرا سال بھی اختتام پذیر تھا۔ اُن کے اگزام نزدیک ہی تھے۔ اس دن ثمر گل لائبریری میں اپنی مخصوص نشست پر بیٹھا سامنے کھلی کتاب سے کچھ پوائنٹ آؤٹ کر رہا تھا کہ اس کی نگاہ سامنے والی کھڑکی پر پڑی۔ لائبریری کی یہ کھڑکی اس حصے کی طرف کھلتی تھی جہاں پر ایک چھوٹا سا جنگل اُگ آیا تھا۔ کیونکہ یہ کالج کا عقبی حصہ تھا۔ انتظامیہ نے اس طرف سے کچھ سستی برتی ہوئی تھی اور یہ جگہ یوں ہی چھوڑ رکھی تھی۔

وہ بھی ایک بڑے سے گول پتھر پر ایک زرد رنگ کے پھولوں سے لدے جھاڑ کے نیچے بیٹھی تھی۔ پتا نہیں وہ کب سے وہاں بیٹھی پنسل سے آرٹ پیپر پر اسکیچز بنا رہی تھی۔ اس کے انہاک کا یہ عالم تھا کہ اُسے معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ ایک چھوٹی سی گلہری اس کے آس

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

پاس پھدک رہی ہے۔ ثمر گل ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں اُسے دیکھے ہی جا رہا تھا۔ اس وقت لائبریری میں خال خال لوگ ہی تھے۔ بابر جو کچھ دیر پہلے اُٹھ کر باہر گیا تھا۔ وہ دوبارہ کب آیا ثمر کو پتا ہی نہیں چلا۔ بابر نے ثمر کو آواز دی مگر ثمر گل کا انہماک نہ ٹوٹا تو بابر نے باقاعدہ ثمر کا بازو جھنجوڑ ڈالا، تو وہ ہوش کی دنیا میں آ گیا۔

''کیا ہوا بھئی؟''

''وہ...... اوہ اُدھر......'' ثمر نے نظروں سے اشارہ کیا تو بابر نے ثمر کی نگاہوں کے تعاقب میں جھاڑ میں چھپی لڑکی کی جانب دیکھا۔

''اوہ...... تو اس میں کیا ہے۔ وہاں تو اکثر لڑکیاں بیٹھتی ہی ہیں، لڑکے بھی ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے اس میں کمال کیا۔''

''نہیں، کچھ نہیں...... وہ وہاں گلہریاں بھی ہیں۔ میں نہیں جانتا تھا۔'' ثمر بے ربط سا بول رہا تھا۔

''گلہری...... اچھا نام ہے۔'' بابر معنی خیز انداز میں مسکرایا تو ثمر جھینپ گیا۔

اس وقت تو بات آئی گئی ہوگئی۔ مگر اُس رات ثمر گل کو نیند نہیں آئی۔ عجیب سی بے کلی تھی۔ پوری رات ٹہل کر، بیٹھ کر، گزاری تھی۔ آج چاند بھی بہت روشن تھا۔

☆......☆......☆

صبح کی پہلی کرن کے ساتھ بالآخر ثمر گل پر یہ منکشف ہو چکا تھا کہ وہ کائنات کے سب سے حسین جذبے کا اسیر ہو چکا تھا۔ وہ نیوایڈمیشن ہے فرسٹ ایئر کا، بنفشہ نام ہے اس کا۔

''بنفشہ کتنا خوبصورت نام ہے۔'' ثمر زیر لب بڑبڑایا۔ وہ بنفشہ کا نازک خوبصورت پھول لگتی ہے اپنے نام کی طرح...... پھر تو ہر دن کے ساتھ بابر اور ثمر ہر اس جگہ پائے جانے لگے جہاں بنفشہ کا گزر ہو۔ لائبریری میں بھی وہ اُسی مخصوص جگہ اُسی کرسی پر بیٹھتے جہاں سے کھلی کھڑکی اور کھڑکی کے باہر کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ اگر وہ کرسی خالی نہ ملتی تو ثمر لائبریری کے دروازے سے ہی لوٹ جاتا تھا۔ دو تین مرتبہ بابر اور ثمر املتاس کے درختوں کے نیچے ایزل لگائے بظاہر کام میں مصروف نظر آتے مگر بنفشہ اور اس کی ساتھی لڑکیوں کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ ثمر گل کی بھٹکتی نگاہوں کا مرکز کون ہے۔ اس کی ساتھی لڑکیاں آپس میں ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کرتیں اور پھر قہقہے بکھر جاتے۔ بابر وہاں سے ثمر کو گھسیٹ کر لے جاتا۔

''بیڑا غرق ہو تمہارا، اس طرح کام نہیں چلتا۔ تم پاگلوں کے مانند کیوں ہو جاتے ہو، اُس کے سامنے؟''

ثمر گل سر جھکائے بیٹھا تھا اور بابر اُسے لتاڑ رہا تھا۔

''کتنی مرتبہ موقع ملا اس سے بات کرنے کا مگر تم ہونق بنے رہتے ہو یار۔ اگر ایسا ہی رہا ثمر گل صاحب تو آپ کے منہ میں دانت اور پیٹ میں آنت نہ رہے گی۔ وہ وقت آ جائے گا۔ ویسے تو تم سماج سیوک ہو اور ہر وقت ہر کسی کی مدد کے لیے 'ہر گھڑی تیار' مگر کیا اپنی مدد کر پائے اب تک یا آئندہ کر پاؤ گے؟'' بابر اس پر گرج برس رہا تھا اور ثمر گل سر جھکائے بیٹھا تھا۔ بابر کی باتوں میں سچائی جو تھی، ثمر گل آج تک جس طرح بھی ہو لوگوں کی مدد کے لیے مشہور ہے مگر جب خود اپنی مدد کا ٹائم آیا تو ہاتھ پیر چھوڑے بیٹھا تھا۔ ان دنوں ثمر گل صرف ہاتھ پیر ہی نہیں کھانا پینا بھی تقریباً چھوڑے بیٹھا تھا۔

ماں باپ دونوں نے نوٹ کیا مگر ثمر گل ٹال گیا۔ ماں کی چھٹی حس بار بار جس خدشے کی طرف اشارہ کر رہی تھی بالآخر وہ سچ نکلا۔ بابر نے ایک دن ثمر کی ماں کی شدید باز پرس کے آگے کچھ کچھ چھپا کے پوری بات بتا دی۔ وہ کالج کا ذکر گول کر گیا۔ بس اتنا کہا کہ آنٹی ایک لڑکی ہے ثمر کو اچھی لگتی ہے مگر ثمر اس کے بارے میں جانتا ہی نہیں کہ کہاں رہتی ہے؟ نہ ہی پوچھنے کی ہمت رکھتا ہے۔'' بابر نے ثمر گل کی ماں کے سامنے کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ وہ تڑپ ہی اٹھیں۔ بابر نے تو اس کے بعد اپنے گھر کی راہ لی۔ مگر ثمر گل کی ماں نے ثمر کو سامنے بٹھا کر نصیحتوں اور زمانے کی اونچ نیچ کا باقاعدہ دفتر کھول لیا اور پھر رونے لگیں۔ ثمر گل جو پہلے ہی پریشان تھا بابر کے اس طرح راز اُگلنے پر پیچ و تاب کھانے لگا۔

ماں کو بڑی مشکل سے سب صحیح ہونے کا یقین دلا کر اور ماں کے بہت اصرار پر ناچاہتے ہوئے بھی کچھ کھا پی کر وہ اب بابر کے گھر کے دروازے پر کھڑا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تھا۔ثمر گل نے با قاعدہ بابر پر دوہتھڑ لگا دیے۔ بہت لعن طعن کے بعد بابر اور ثمر گل میں طے پایا کہ بابر ثمر کے لیے کام کرے گا۔یعنی وہ بنفشہ تک ثمر گل کے دل کی بات پہنچائے گا اوران کے درمیان پل کا کام دے گا۔ ثمر گل کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا اور وہ بابر کی دوستی کا تہہ دل سے قائل بھی ہو چکا تھا۔ پھراس کے بعد بابر نے اپنا کام تیزی سے کرنا شروع کر دیا اب ثمر گل پیچھے اور بابر آگے آگے رہتا تھا۔

بابر ایک تیز طرار لڑکا تھا۔جلد ہی وہ بنفشہ کا فون نمبر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔نمبر لا کر اُس نے ثمر گل کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

''اب آگے تمہارا کام ہے۔'' بابر نے کہا۔

''مگر میں کیسے بات کروں گا۔'' ثمر گل کو گھبراہٹ طاری ہو رہی تھی۔

''او بابا معاف کرو پھر...... بس کرو۔ چھوڑو یہ محبت وحبت تمہارے بس کا روگ نہیں یار۔'' بابر نے با قاعدہ ثمر کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''لاؤ نمبر واپس دو۔کوئی ضرورت نہیں تمہیں اس کی۔'' بابر نے ثمر سے وہ چٹ چھیننا چاہی جو اس کی مٹھی میں تھی۔

''نہیں نہیں میرے یار...... میں ضرور کروں گا بات۔'' ثمر گل نے بابر کو چمکارتے ہوئے کہا۔

''تُو ناراض تو نہ ہو پلیز۔''

''ہاں یہ ہوئی نا بات۔'' بابر نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''بہادر بن بہادر۔''

اور پھر ثمر گل نے واقعی بہادری دکھائی۔کئی مرتبہ بنفشہ کا سیل نمبر ٹرائی کیا اور دوسری طرف سے بنفشہ کی خوبصورت آواز سنتے ہی رکھ دیا۔ دو تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ثمر گل کانپتے لرزتے ہاتھوں اور دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ فون کرتا مگر بنفشہ کی آواز سنتے ہی رکھ دیتا۔ ایک مرتبہ جی کڑا کر کے بات کی بھی تو اتنی کہ ''میں ڈونیشن کے لیے بات کرنا چاہ رہا تھا۔'' اور سامنے بیٹھے بابر نے بری طرح اپنا سر پیٹ ڈالا۔اتنے دن کی ناکامی کے بعد بابر نے اپنے سامنے فون کروایا تو بھی نتیجہ صفر ہی نکلا۔ بڑی مشکل سے ثمر گل نے کھولتے دھاڑتے بابر کو ٹھنڈا کیا۔ بڑی منتیں سماجتیں کیں تب جا کر بابر راضی ہوا اور پھر طے پایا کہ یہ فریضہ اب بابر ہی انجام دے گا۔

اب بابر نے بنفشہ سے دوستی کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ہائے ہیلو سلام دعا کے بعد وہ روز کی رپورٹ ثمر گل کو پیش کرنے لگا کہ آج بابر نے ثمر گل کے حوالے سے کیا بات کی اور بنفشہ نے کیا تاثر دیا۔ابھی سلسلہ چلا ہی تھا کہ بدلتے موسم کی لہروں نے ثمر کو اپنے لپیٹے میں لے لیا۔وہ تین دن شدید فلو کی زد میں رہا۔

☆......☆......☆

آج تیسرا دن تھا اس کی بابر سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔ جب بابر آتا وہ سوتا ملتا،اماں بتاتیں کہ بابر چکر لگا کر گیا تھا۔'' وہ اماں پر ناراض بھی ہوتا کہ اُس کو اٹھایا کیوں نہیں۔ بنفشہ کی فکر نے اُس کے بخار کو دو آتشہ کر رکھا تھا۔ وہ باہر جانے اور بابر سے ملنے کو بے تاب تھا۔اسی تڑپ میں دو تین دن اور گزر گئے۔اب ثمر گل کی طبیعت بہت بہتر ہو چکی تھی۔بابر اُس سے ملنے آیا تو وہ اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں اپنے پسندیدہ کوفی ہاؤس میں بھاپ اڑاتی کوفی کے پیچھے چپ چاپ بیٹھے تھے۔بابر نے بات ہی ایسی بتائی تھی کہ بنفشہ کی منگنی ہو رہی ہے۔'' جسے سُن کر ثمر گل کا وجود دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

''تم نے اس سے میرے لیے کوئی بات نہیں کی۔'' ثمر گل نے نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کی تھی......'' بابر ناخن سے میز کی سطح کو کھرچتے ہوئے بولا۔

''پھر!'' ثمر گل دل کو سنبھالتے ہوئے بڑے لاچارے انداز میں بولا۔

''چھوڑو یار، ثمر کیا دنیا میں ایک ہی بنفشہ ہے۔ اس سے اچھی اچھی لڑکیاں ہیں...... اور تم میں کوئی کمی بھی نہیں۔ تم چھوڑو اس کا خیال۔'' بابر نے ہمت کر کے ثمر گل کو سمجھایا۔

''میں نے جو پوچھا اس کا جواب دو۔'' ثمر گل نے بابر کی ہر بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔''کیا ہوا

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

میری غیر حاضری میں۔"

"صاف صاف سُننا چاہتے ہو۔؟ ہمت ہے؟"

"ہاں ہے...... ثمر گل اتنا کمزور بھی نہیں جتنا تم سمجھتے ہو یا پھر وہ......"

"تو پھر اُس نے انکار کیا ہے۔" بابر نے بالآخر امید کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"او کے...... بس پھر مجھے گھر چھوڑ دو۔" ثمر گل بالکل سپاٹ لہجے میں بولا۔ بابر اس سے کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ مگر ثمر کچھ کہنے یا سُننے کے موڈ میں نہ تھا۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"کیا تم اور کچھ جاننا نہیں چاہو گے اس بارے میں۔" بابر نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" ثمر نے روبوٹ کی مانند انکاریہ انداز میں سر ہلا دیا۔ بابر نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔

"او کے...... جیسے تمہاری مرضی۔" پھر خاموشی کے درمیان کوفی ہاؤس سے گھر تک کا راستہ طے ہوا۔ ثمر گل کو اس کے گھر پر چھوڑ کر بابر نے اپنی راہ لی۔

☆......☆......☆

رات ثمر گل کو پھر سے تیز بخار نے آلیا صبح تک وہ بے سُدھ پڑا تھا۔ پھر سے ڈاکٹر بلایا گیا۔ کیونکہ ثمر گل کہیں جانے کے قابل ہی نہ تھا۔ ماں پیشانی پر ٹھنڈی پٹیاں رکھ رہی تھی اور ساتھ ثمر گل کو یاد دلا رہی تھی کہ کل وہ منع کر رہی تھیں کہ ابھی اُسے آرام کی ضرورت ہے۔ آدھے دن وہ گھر سے باہر رہا۔ تمام احتیاط پسِ پشت ڈال کر...... یہ اُسی کا نتیجہ ہے۔"

ثمر گل کو ڈاکٹر دیکھ گیا تھا۔ فکر کی کوئی بات نہ تھی۔ دوائیں تبدیل کی تھیں اور کچھ اضافی نسخہ دے گیا تھا۔

دو تین دن میں ثمر گل کی طبیعت میں بہتری کے آثار نظر تو آئے مگر وہ اب بھی چپ چاپ بستر پر پڑا چھت کو گھورتا رہتا۔ اماں بڑے اصرار کے ساتھ کچھ کھلاتی تو چند لقمے زہر مار کر لیتا۔ گل محمد یونیورسٹی سے واپس آکر سارا وقت ثمر گل کے ساتھ ہی رہتا۔ دلجوئی کی باتیں کرتا مگر ثمر ہوں، ہاں کے علاوہ کوئی جواب دے ہی نہ پاتا تھا۔ سب گھر والے پریشان تھے اس کی ایسی حالت پر۔ اُسے پتا بھی چل رہا تھا کہ اس کی وجہ سے سب بہت پریشان ہیں مگر وہ مجبور تھا۔ اسے ایسا لگتا تھا جیسے اس کے وجود سے روح ہی کھینچ لی گئی ہو۔ وہ پتھر سا ہو رہا تھا بظاہر حالت تو سب جانتے تھے مگر اس کے دل کی حالت سب سے چھپی تھی۔ لیکن ہفتہ بعد ثمر گل نے وہی کیا جو اس کی طبیعت کا اولین خاصہ تھا۔ بڑی بہادری کے ساتھ اپنے دل کو نظر انداز کرتے ہوئے سوگوار روح کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ کب تک سوگ منا سکتا تھا؟ وہ اکیلا نہ تھا...... اس کی بیماری کے ان پندرہ دنوں میں اتنے لوگ اس کے دروازے پر آئے اور اتنے ہی فون اس کے لیے آئے کہ اس کی ماں حیران رہ جاتی۔

اس کی دوبارہ بابر سے ملاقات بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔ بہت مصروف تھا وہ آج کل، اس کی بیماری کی وجہ سے بہت سے کام ادھورے رہ گئے تھے۔

آج بھی وہ ایک بیمار بچوں کے فلاحی ادارے سے لوٹا تھا جب اس کی اماں نے بابر کی منگنی کا کارڈ اس کے سامنے لا کر رکھا۔

"بابر کی اماں دے کر گئی ہیں۔"

"بابر کی منگنی؟" اسے تھوڑی حیرانی تھی۔

"کیا تمہیں نہیں پتا تھا کچھ۔" اس کی اماں اس کی حیرانگی پر حیران تھیں۔

"نہیں تو! مجھے تو کچھ نہیں بتایا تھا اُس نے۔"

"تمہاری طبیعت بھی تو خراب رہی ہے، اتنے دنوں تک۔ اُس کی اماں بھی کہہ رہی تھیں کہ بس لڑکی والوں کا اصرار ہے کہ منگنی کرلیں اور پھر بابر کی بھی یہی خواہش تھی۔" اس کی اماں تو یہ کہہ کر منگنی کا کارڈ اُسے تھما کر چلی گئیں۔

☆......☆......☆

دوسرے دن اُسی کوفی ہاؤس میں بابر اور ثمر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اُس کے کیوں، کیا کیسے کے جواب میں بابر نے تو بس اتنا ہی کہا کہ مجھے نہیں پتا تھا کہ تم ایسا ری ایکشن بھی دے سکتے ہو۔"

"نہیں دینا چاہیے تھا کیا۔" ثمر گل نے بے یقینی سے بابر کی جانب دیکھا۔

"نہیں یار! میرا مطلب ہے کہ تم ایک ٹھنڈے دل و دماغ کے آدمی ہو۔ یار ایسے لوگوں کو حقیقت تسلیم

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کرنا بہت آسان ہوتی ہے۔" بابر مسکرا سا دیا۔
"اچھا تو یہ بات ہے۔ میں حقیقت تسلیم کروں اور تم کیا کرو؟ یہ، جو کیا ہے؟"
"میں تو بیچ میں اُسی دن تم کو بتا دینا چاہتا تھا۔ جب بنفشہ کی منگنی کی خبر دی تھی۔" بابر نے اٹکتے ہوئے کہا۔
"مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ میں تم سے کیسے پیش آؤں؟ اتنی بڑی خبر مجھے تمہارے منگنی کے کارڈ سے ملی۔ تم مجھے خود نہیں بتا سکتے تھے کہ...... کہ۔"
"کیا؟" پیچھے سے بنفشہ کی آواز اُبھری۔
"تم...... اوہ...... آؤ۔" ثمر گل آج بالکل بھی بنفشہ کے سامنے پزل نہ ہوا تھا بلکہ ایک عجیب سی تمکنت کا اظہار اُس کی ذات سے ہو رہا تھا۔
"اچھا تو کیا مسٹر ثمر گل؟ آپ جو بابر سے کہہ رہے ہیں مجھ سے پوچھیے۔ آپ کو جواب چاہیے؟ مجھ سے لیں آپ جواب؟"
"میں نے آپ سے سوال نہیں کیا جو آپ سے جواب لوں۔" ثمر گل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
"پلیز بنفشہ چپ ہو جاؤ پلیز۔"
"مگر میں چپ نہیں رہ سکتی۔" بنفشہ بپھرے ہوئے لہجے میں بولی۔ بنفشہ کا ہر انداز ثمر گل کو ہی نہیں بابر کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال رہا تھا۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے ثمر کے سامنے تنی کھڑی تھی۔
"اتنا زہر بھرا ہے تمہارے اندر، میرے خلاف۔" ثمر گل بنفشہ کا یہ روپ دیکھ کر بھر بھرے انداز میں گویا ہوا۔ اُسے خود اپنی آواز اجنبی معلوم دی۔
"ثمر گل صاحب! محبت کسی کی جاگیر نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ دان پُن کی جاتی ہے۔ آپ ایک حقیقت پسند انسان ہیں اور مختلف بھی۔ کبھی آئینہ دیکھا ہے غور سے آپ نے۔"
"بنفشہ پلیز!" بابر نے کمزور سا احتجاج کیا۔ مگر بنفشہ نے ہوا میں اُڑا دیا۔
"کیوں کیا ہوا ہے مجھے؟" ثمر گل کی تمکنت دوبارہ عود آئی۔ "میں جانتا ہوں خود کو۔"
"ایسا تو نہیں کہ آئینے میں خود کو دیکھ کر پتھر مارنے کو دل کرے۔"
"آئینے کو......" ثمر گل نے دفاعی انداز اختیار کیا ہوا تھا۔
"غلط آپ خود کو نہیں جانتے مسٹر ثمر!" بنفشہ زہر افشانی کرتی جا رہی تھی۔ ثمر کے بدن پر ایک نادیدہ لرزہ طاری ہو چکا تھا۔ وہ سنبھل رہا تھا۔ اس نے میز سے پانی کی بوتل اٹھائی اور پوری حلق میں انڈیل لی۔ دھوکہ فریب خصوصاً دوستی میں دیا گیا۔ دھوکا وہ بھی محبوب ہستیوں کا اُسے نگل رہا تھا۔ وہ بڑے ضبط سے صبر کا دامن تھامنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ اس کوشش میں بابر اور بنفشہ کو منگنی کا کارڈ اس کی بند مٹھی میں چورا چورا ہو رہا تھا۔ اُس کی جانب اندھیرے بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ جسم کا لرزہ اب ظاہر ہو رہا تھا۔
"تم دونوں چلے جاؤ میرے سامنے سے۔" ساری قوت جمع کر کے بولا۔
"دیکھو اس کو، میں نہ کہتی تھی۔ ٹھنڈا گلیشیئر ہے یہ۔ اس کو فرق نہیں پڑتا کہ میں تم سے شادی کر رہی ہوں۔ اور تم بہت فکر کر رہے تھے اس کی۔ کیسے آرام سے کہہ رہا ہے چلے جاؤ۔ دان پُن کی عادت ہے اسے۔ انسانوں والی کوئی بات ہی نہیں اس میں۔" ثمر گل کی خاموشی بنفشہ کو خوب راس آ رہی تھی، وہ خوب ہی ہرزہ سرائی کر رہی تھی۔
"ایسی غیر انسانی مخلوق کے ساتھ انسانوں کا کیا گزارا۔ پھر دیکھو سوال بھی کرتا ہے ہم سے! ہونہہ۔"
ثمر گل کے کان بند ہو رہے تھے اب صرف ایک جملہ گردان کر رہا تھا کانوں میں، غیر انسانی مخلوق، کیا وہ عام انسانوں کے جذبات سے عاری ہے۔ انسان نہیں!
انسانوں والی بات نہیں، کیا کسی پر خطرناک حد تک اعتبار کرنا غیر انسانی فعل ہے۔ اُس کے آگے اندھیرے ناچ رہے تھے۔ اس کے جسم کا لرزہ بڑھا، اور بڑھا اور پھر اس کے پرخچے اُڑاتا، باہر نکل آیا۔
اُس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا۔ پھر اس کی آنکھ اسپتال کے بستر پر کھلی۔ بچ گیا تھا وہ سانس لے رہا تھا۔ واقعی وہ غیر انسانی مخلوق تھا اپنے اردگرد بسے انسانوں کے جنگل میں۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ایک چھوٹی سی لو اسٹوری

ابوہریرہ بلوچ

اُس نوجوان کا قصہ، جس کی محبت فقط چار دن ہی کی ثابت ہوئی تھی

جب میں نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تو ہزاروں امنگیں اور خوشیاں میری منتظر تھیں۔ پیدا ہوتے ہی میری والدہ نے مجھے میری خالہ کی جھولی میں ڈال دیا۔ کیونکہ خالہ کی صرف تین بیٹیاں ہی تھیں بیٹا نہیں تھا۔ اُن کو بیٹے کی بہت حسرت تھی۔ تب میری والدہ نے خالہ سے کہا کہ اگر میرے گھر لڑکا پیدا ہوا تو وہ میں تمہاری جھولی میں ڈال دوں گی۔''

پھر جب میں نے جنم لیا تو وعدے کو نبھاتے ہوئے مجھے خالہ کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ عرصہ آٹھ سال تک میں اپنی خالہ اور تایا ابو کی زیرِ تربیت رہا۔ میری زندگی کے یادگار اور خوبصورت لمحے اِن ہی کے آنگن میں کھیلتے ہوئے گزرے۔

پھر کسی ناچاقی کی وجہ سے دو خاندانوں میں لڑائی ہوئی اس لیے میری والدہ مجھے اپنے گھر لے آئیں جو کہ ایک گاؤں میں واقع تھا۔

اس وقت میں چونکہ ایک بچہ تھا اس لیے رشتوں کی اہمیت مجھے بالکل معلوم نہیں تھی۔ لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ پہلی دفعہ میرے منہ سے جو لفظ 'ماں' نکلا تھا وہ میری خالہ کے لیے تھا۔

گھر لانے کے بعد مجھے اسکول میں داخل کروا دیا گیا۔ وقت کا بے لگام گھوڑا اپنی مخصوص رفتار میں دوڑتا رہا اور میں نے میٹرک اعلیٰ نمبروں سے پاس کر لیا۔ اب میں جان چکا تھا کہ میرا بچپن یہاں نہیں بلکہ میری خالہ کے گھر گزرا ہے۔ تب مجھے شدت سے اُن کی یاد آنے لگی۔ میری خالہ میرے لیے ماں ہی کے درجے پر فائز تھیں۔

میٹرک کے بعد میں نے مزید پڑھنے کی ضد کی کہ مجھے بہاولنگر میں کسی کالج میں ایڈمیشن دلوا دیں۔ میرے پڑھنے پر کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ اس لیے گھر والوں نے بخوشی مجھے میرے پسند کے کالج میں داخل کروا دیا۔ میں بہت خوش تھا کہ چلو اب میں خالہ جی سے مل لیا کروں گا۔

میں نے اپنا سامان تیار کیا اور دوسرے ہی دن کالج میں داخلہ کروا کے ہوسٹل میں سیٹل ہوگیا۔ میں دن بھر کالج میں پڑھتا رہتا اور جب چھٹی ہوتی تو خالہ جی کے گھر چلا جاتا اور رات ہوسٹل میں گزارتا۔

بیٹے کے لیے خالہ کی حسرت اب تک حسرت ہی تھی۔ وہ میرے گھر آنے پر واری صدقے ہو جاتیں۔ بہنیں تو مجھے گھیر ہی لیتی تھیں۔ پھر کوئی مجھے دباتی تو کوئی کھانا کھلاتی۔ غرض جتنے، پیار چاہت اور

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

خلوص کی مجھے طلب اور خواہش تھی وہ اس سے بھی زیادہ ہی کرتی تھیں۔

اور کرتیں بھی کیوں نا، میں نے ان کے آنگن میں آٹھ سال جو گزرے تھے اور بہنوں کو بھائیوں سے کتنا پیار ہوتا ہے اس کو تو بہنوں والے بھائی مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہوں گے۔

دن اسی طرح گزرتے رہے میں روز چھٹی ہوتے ہی خالہ کے گھر چلا جاتا اور شام ہوتے ہی ہوسٹل واپس آ جاتا۔ کیونکہ ہوسٹل میں رات کو حاضری ہوتی تھی اور اس میں حاضر ہونا لازمی تھا اور دوسری بات میرے امی ابو بھی میرے خالہ کے گھر ٹھہرنے پر راضی نہیں تھے اس لیے انہوں نے مجھے ہوسٹل بھیجا تھا۔

میرے دل میں ہر وقت یہ خواہش انگڑائی لیتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اپنے امی ابو کی خالہ کے ساتھ صلح کرادوں۔ پر ایسا اتنا آسان نہیں تھا۔ اُن کی آپس میں ناراضگی برسوں سے تھی۔ اس لیے اسے مٹانا فی الحال ایک مشکل کام تھا۔

ابو مجھے کبھی کبھی کالج میں ملنے آتے مگر خالہ کے گھر نہیں جاتے تھے۔ حالانکہ اُن کا گھر میرے ہوسٹل سے تھوڑی مسافت پر تھا۔ میں نے بارہا کوشش کی کہ کسی طرح ابو کو خالہ کے گھر لے جاؤں مگر وہ ہر بار مجھے ڈانٹ دیتے اور ایسا کہنے سے باز رکھتے۔ دن گزرتے گئے لیکن دو خاندانوں کو ملانے کی یہ خواہش خواہش ہی رہی۔

☆......☆......☆



READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کالج لائف میں مجھے دو طرح کے لوگ ملے اچھے اور برے۔ جس کالج میں میرا داخلہ ہوا تھا وہاں مخلوط نظامِ تعلیم تھا۔ مطلب لڑکیاں لڑکے اکٹھے پڑھتے تھے، اس لیے ہر لڑکے کا کسی نہ کسی لڑکی سے افیئر تھا سوائے میرے۔

ان کو دیکھ کر مجھے بھی دوستی کی سوجھی۔ اس نادان اور بچکانہ سی خواہش کی تکمیل کے لیے میں نے ایسی لڑکی کا انتخاب کیا جو کہ خوبصورتی میں بے مثال تھی۔ اس کا نام صبا تھا۔ اس کی آنکھیں گہری نیلی، سفید گورا رنگ' براؤن لمبے بال' درمیانہ قد' موتیوں کی طرح چمکتے دانت' غرض وہ مکمل سراپا حسن تھی۔ اس سلسلے میں ، میں نے اپنی کلاس کے مانیٹر عزیر سے رائے طلب کی تو وہ بولا۔

"دیکھو احمد! لڑکیاں لڑکوں سے دو ہی چیزیں مانگتی ہیں، پہلی یہ کہ اُن کی کھل کر تعریف کرو اور دوسرا اُن کا پیچھا کرو مگر اس انداز سے کہ انہیں برا نہ لگے اور نہ ہی کسی دوسرے کو شک ہو اور اُن کی عزت پر حرف نہ آئے۔

میں نے عزیر کے ان دو گُروں کو پلے باندھ لیا کیونکہ اس کی کئی گرل فرینڈز تھیں اور وہ اس معاملے میں ایکسپرٹ تھا۔

اب میں اپنی تمام تر کوششوں کے ساتھ صبا کو دوست بنانے میں لگ گیا۔ وہ چونکہ بہت خوبصورت تھی اس لیے مغرور بھی کیونکہ خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی ہے۔

اسے اپنا بنانا آسان نہیں تھا۔ پورا کالج اس پر لٹو تھا۔ مگر وہ کسی کو گھاس نہ ڈالتی تھی۔

مجھے بھروسا تھا کہ میں اسے پالوں گا کیونکہ کسی سخت پتھر پر بھی پانی مسلسل ٹپکتا رہے تو اس میں بھی گڑھا پڑ ہی جاتا ہے۔ وہ لڑکیوں کے ہوسٹل میں رہتی تھی اور اُن کا ہوسٹل ہمارے ہوسٹل کے قریب تھا۔

میں نے روزانہ ایک ایک پھول اس کے راستے میں رکھنا شروع کر دیا۔ یہ ترکیب میں نے ایک فلم میں دیکھی تھی۔

مجھے لگا یہ سب بھی ایک فلم کی طرح ہوگا۔ پہلے تو کچھ دن صبا نے پھول پر بالکل توجہ نہ دی اور اسے نظر انداز کرتے ہوئے گزر جاتی، جو میں اس کے راستے میں رکھتا۔ لیکن کب تک...... جب مسلسل پھول اس کے راستے میں ایک مخصوص جگہ پر رکھا ملنے لگا تو اس نے اس میں دلچسپی لیتے ہوئے اسے اٹھانا شروع کر دیا۔

پھول رکھ کر میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ جاتا اور چوری چوری اسے دیکھتا رہتا۔

وہ پھول اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھتی جیسے اس پھول کے رکھنے والے کو دیکھنا چاہتی ہو۔

رفتہ رفتہ میں نے پھول کے ساتھ ایک تحریر بھی رکھنا شروع کر دی۔

جس میں، میں اس کے حسن کی خوب تعریف کرتا اور ساتھ اپنی ایک خواہش بھی لکھ دیتا۔ کبھی لکھتا کہ مجھے آپ پر لال کلر کا سوٹ اچھا لگتا ہے، تو کبھی لکھتا کہ مجھے آپ کے ہاتھوں میں چوڑیاں دیکھنے کو دل کرتا ہے تو کبھی کچھ تو کبھی کچھ......

میں دیکھ رہا تھا کہ اس نے ان خواہشات کو پورا کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں بہت خوش تھا۔ چاہتا تو تھا کہ اس کے سامنے آ کر اظہارِ محبت کر ہی دوں پر ابھی نہیں۔ کیونکہ مجھے صحیح وقت کا انتظار تھا۔

مجھے پھول رکھتے ہوئے ایک ماہ سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا۔ ایک دن میں پھول رکھ کر اپنی مطلوبہ جگہ پر چھپ گیا۔

آج بھی وہ مقررہ وقت پر آئی تھی۔ لیکن اس نے پھول نہ اٹھایا مجھے بہت حیرت اور دکھ ہوا۔ جب وہ دور چلی گئی تو میں اس رکھے ہوئے پھول کے پاس آیا اور جھک کر پھول اٹھالیا۔ تو مجھے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو میرا سانس جیسے حلق میں اٹک گیا کیونکہ وہ کوئی اور نہیں بلکہ صبا تھی۔

میری چوری پکڑی جا چکی تھی۔ میرا دل بے قابو اور بے ترتیب ہونے لگا۔ جیسے پسلیوں کے کمزور پنجرے کو توڑ کر باہر آنے کو مچل رہا ہو۔ میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن اس نے جیسے میرا ارادہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بھانپ لیا تھا۔اس لیے ہاتھ پکڑلیا۔
اس کے چھوتے ہی مجھے ایک کرنٹ سا لگا۔ جیسے پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگ رہی ہوں۔ پسینے کی بوندیں میرے ماتھے پر عیاں تھی۔ پھر وہ اپنے گلابی ہونٹوں سے گویا ہوئی۔
''مجھ سے دوستی کرنا چاہتے ہو؟''
اس کا دوستی کے لیے اس قدر کھل کر اظہار کرنا مجھے سٹپٹا گیا۔اس سے پہلے کہ میں اس کے اس سوال کا جواب دیتا،اس نے پھر وہی سوال دہرایا۔
''بولو کیا مجھ سے دوستی کا ارادہ رکھتے ہو؟''
''جی...... نہیں...... وہ...... تو...... میں......''
میری زبان اس وقت میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ میرے الفاظ بے ترتیب ہو کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہے تھے۔ میں اس طرح بول رہا تھا جیسے میں تو تلا ہوں۔
''میں نے تھوڑا سوچا پھر بول دیا کہ ہاں میں آپ سے دوستی کا خواہاں ہوں۔'' کیونکہ آج نہیں تو کل اسے اس حقیقت کو جاننا ہی تھا تو آج کیوں نہیں؟ اپنی نیت سے باخبر تو میں نے اُسے کردیا تھا پر وہ اب خاموش ہوگئی جانے وہ کس سوچ میں گم تھی۔
اس کی یہی خاموشی میرے دل کو بٹھائے جارہی تھی۔ ذہن میں عجیب سے وسوسے اور خیالات اُمڈ آئے تھے۔ اس کی خاموشی طویل سے طویل ہوتی جارہی تھی۔ پھر اس نے اپنی نظریں اُٹھائیں اور خاموشی توڑتے ہوئے بولی۔
''دیکھو احمد! دوستی کوئی مذاق نہیں ہوتی۔ دوستی کرنا بہت آسان ہوتا ہے پر اسے نبھانا اتنا ہی مشکل۔ یہ ایک ایسا پُرخطر اور کٹھن سفر ہے۔جس کی کوئی منزل نہیں۔
تم اگر واقعی مجھ میں انٹرسٹڈ ہو تو ٹھیک ہے میں وعدہ کرتی ہوں کہ دوستی کے تمام قوائد وضوابط پر عمل پیرا رہوں گی اور میں اُمید کرتی ہوں کہ تم بھی یہ رشتہ بخوبی نبھاؤ گے اور اس کٹھن سفر میں مجھے تنہا نہیں چھوڑو گے۔''
صبا کے منہ سے یہ باتیں سُن کر میرا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ میں اس لمحے خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کررہا تھا۔
میں نے اپنی صبا کو پالیا تھا اور اپنی کوشش میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میں نے اُسے یقین دلایا کہ زندگی کے ہر موڑ اور مشکل وقت میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ اس دن ہم نے بہت سے وعدے کیے۔ بہت قسمیں کھائیں' ساتھ رہنے کی،دوستی نبھانے کی۔

☆......☆......☆

صبا سے میری دوستی دن بدن پختہ سے پختہ ہوتی چلی گئی اور پھر ہم دوستی کی حد پار کرکے محبت کے ایسے اٹوٹ اور گہرے رشتے سے منسلک ہوگئے جس کے بارے میں ہمارا وہم وگمان بھی نہ تھا۔
میں اب صبا پر مکمل اعتماد کرنے لگا تھا۔ وہ محبت کے پاکیزہ رشتے کو احسن طریقے سے نبھارہی تھی۔ اس کا ساتھ پاکر میں اپنی قسمت پر رشک کرتا نہ تھکتا۔ اس کی قربتوں میں گزرے لمحات میری زندگی کے حسین اور یادگار پل ہوتے۔
میری اس محبت کا علم جب میرے دوست عزیز کو ہوا تو وہ کہنے لگا۔
''احمد! صبا سے تمہارا رشتہ جس قدر تیزی سے بڑھ رہا ہے، وہ ٹھیک نہیں۔ کسی پر اتنا بھروسا اور اعتماد کرنا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ وہ ایک مغرور اور بے وفا لڑکی ہے جو تمہیں کبھی بھی دھوکہ دے سکتی ہے۔''
میں عزیز کی باتیں سمجھنے کی بجائے اس پر غصہ ہوجاتا کہ تُو مجھ سے اور میری محبت سے جلتا ہے۔'' اور اسی غصے میں کئی کئی دن میں اس سے بات تک نہ کرتا۔ میں بھلا اس کی باتوں کو کیسے سچ جان لیتا جبکہ صبا میں مجھے کوئی کمی نہ دکھتی تھی۔ جب وہ مجھے سمجھا سمجھا کر تھک گیا تو اُس نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا۔

☆......☆......☆

میں صبا سے ہر بات شیئر کرلیتا تھا اور کوئی بھی بات نہ چھپاتا پھر ایک دن میں نے اُسے اپنے امی ابو اور خالہ کے درمیان پیدا رنجش کے بارے میں بھی بتادیا۔ اس نے میری بات کو بہت توجہ سے سنا اور بولی۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''اُن کی ناراضگی کو تم ہی ختم کر سکتے ہو۔''
''کیا؟'' میرے منہ سے حیرت کے مارے نکلا۔
''صبا میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔
''احمد تم صرف اپنے گھر والوں کو کسی طریقے سے کچھ دن خالہ کے گھر لے جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ جب وہ اکٹھے رہیں گے تو ان کی نفرت محبت میں بدل جائے گی۔''
پھر صبا نے مجھے ایک پلان سمجھایا کہ کس طرح میں اپنے گھر والوں کو خالہ کے گھر لے جا سکتا ہوں۔
میں نے اس کی تمام باتیں پوری توجہ اور انہماک سے سنیں اور پھر اپنے آپ کو اس کے پلان پر عمل کے لیے تیار کرنے لگا۔

☆......☆......☆

سخت سردیوں کے دن تھے۔ صبح کی دھند نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ میں واش روم میں گھس کر ٹھنڈے پانی سے نہانے لگا۔ میرے روم میٹ میری حماقت پر حیران تھے میں خود بھی جانتا تھا کہ یہ اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔
مگر یہ سب پلان میں شامل تھا۔ میں نہا کر جیسے ہی باہر آیا میرے سر میں شدید درد ہونے لگا اور مجھے اتنا زبردست بخار آیا کہ خدا کی پناہ۔
میں نے کالج سے درخواست کے ذریعے ہفتے کی چھٹی منظور کروائی اور خالہ کے گھر چلا گیا۔ خالہ میری حالت دیکھ کر رونے لگیں پھر انہوں نے میرے امی ابو کو فون پر اطلاع دی اور ساری صورتِ حال بتلائی۔
اگلے ہی گھنٹے وہ سب خالہ کے گھر موجود تھے۔
شہر میں میرا علاج چونکہ گاؤں کی نسبت بہتر ہو سکتا تھا اس لیے وہ مجھے خالہ کے گھر ہی رکھنے پر متفق ہو گئے۔
صبا کی بات سچ نکلی۔ دنوں کی دنوں میں میرے گھر والے خالہ سے گھل مل گئے اور ساری ناراضگی کو پس پشت ڈال دیا۔
میری صحت اب بہتر ہوتی جا رہی تھی کرشمہ قدرت کہ جب میں مکمل صحت یاب ہوا تو دو خاندانوں کی رنجشیں بھی ختم ہو گئیں۔ میرے دل میں صبا کے لیے پیار اور مقام اور بھی بڑھ گیا۔ کیونکہ اسی کی بدولت یہ دشمنی ختم ہوئی تھی۔
ایک ہفتے بعد میں نے دوبارہ کالج جانا شروع کر دیا اور صبا کے احسان پر اس کا مشکور ہوا۔ میرے والدین بھی اب گاؤں چلے گئے تھے۔ میں بہت خوش تھا ابو کی طرف سے مجھے جو بھی جیب خرچ ملتا، اس کا بیشتر حصہ میں صبا پر اڑا دیتا۔ بہت سے لڑکوں نے مجھے تنبیہ کی کہ یہ لڑکی ٹھیک نہیں ہے۔ اس کا اور بھی لڑکوں سے چکر ہے۔''
پر میں اُن کی باتوں پر یقین نہیں کرتا تھا۔ میں اس کے پیار میں اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ مجھے یہ سب باتیں محض الزام لگتی تھیں۔

☆......☆......☆

ایک دن روٹین کے مطابق ہفتہ مکمل ہونے پر میں گھر جانے کی تیاری کرنے لگا تو میرا دوست اور کلاس مانیٹر عزیز میرے پاس آیا اور بولا۔
''ہم تم سے نہ کہتے تھے کہ وہ لڑکی بے وفا ہے، پر تم کو ہماری باتیں محض الزام لگتی تھیں مگر اب آج جب تم اسے کسی اور لڑکے کے ساتھ گپ شپ کرتا دیکھو گے تب بھی کہنا کہ ہم جھوٹ بولتے تھے۔''
پھر وہ زبردستی مجھے ایک ہوٹل میں لے گئے جہاں میں کئی بار صبا کو کھانا کھلانے لایا تھا۔
میں نے ہوٹل میں چاروں اطراف نظریں گھمائیں تو ایک جگہ میری نظر ٹھہر گئی۔ مجھے میرا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ ایسے لگا جیسے میں ابھی چکرا کر گر پڑوں گا۔
میرے سامنے صبا کسی اور کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے باتوں میں مگن تھی۔ میرے سارے خواب چکنا چور ہو گئے۔ مجھے بہت دکھ ہوا، میں نے اسے کسی چیز کی کمی نہ آنے دی تھی۔ پھر بھی اس نے مجھے دھوکہ دیا۔
میری دنیا لٹ گئی۔ صبا نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اس

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور چلے گئے، اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کچھ کہتی میں پلٹا اور سیدھا ہوسٹل میں آ کر دم لیا۔

آنسو مسلسل میرے گالوں کو بھگو رہے تھے۔ عزیر نے مجھے بہت تسلی دی کہ خود کو سنبھالو احمد اور رونا بند کرو۔ پر آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ میں نے بجھے دل کے ساتھ تیاری کی اور گھر چلا گیا۔

گھر میں بھی سب سے کٹا کٹا رہا۔ امی ابو نے مجھے پوچھنے کی بہت کوشش کی کہ مسئلہ کیا ہے۔ پر میں اُن کو کیا بتاتا۔ میں نے اُن کو کہا کہ کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" وہ بے چارے کیا کرتے۔ میں نے کالج سے مزید ایک دن کی چھٹی کی اور پھر دوسرے دن چلا آیا کیونکہ کسی کے لیے میں اپنے گھر والوں کے خواب تو نہیں توڑ سکتا تھا۔

☆......☆......☆

جب میں اگلے دن کالج پہنچا تو صبا پہلے سے موجود تھی حالانکہ وہ وقت سے پہلے کبھی نہیں آتی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میری طرف لپکی اور آ کر معافیاں مانگنے لگی۔ میں اسے کیسے معاف کر سکتا تھا۔

میں نے اس کی تمام باتیں اَن سنی کر دیں پھر پیریڈ کا ٹائم ہو گیا اور ہم کلاس میں چلے گئے۔ میں اُسے دیکھتا رہا وہ چھٹی ہونے تک روتی رہی۔ جب چھٹی ہوئی تو وہ پھر میرے پاس آئی اور روتے ہوئے کہنے لگی۔

"احمد آئی ایم سوری! مجھے معاف کر دو۔ وہ لڑکا جو تم نے میرے ساتھ ہوٹل میں دیکھا تھا ایک امیر لڑکا تھا۔ میں صرف اس سے اس کے پیسے بٹورنا چاہتی تھی، ورنہ اس کا میرے ساتھ اور کوئی تعلق نہیں ہے۔"

میں نے اس سے کہا کہ صبا تمہیں جتنے پیسے چاہیے تھے مجھ سے مانگ لیتیں پر اس طرح دھوکہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

تو وہ بولی کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ میں اپنی اس غلطی پر نادم ہوں۔ پلیز معاف کر دو۔"

مگر میں اُسے روتا چھوڑ کر ہوسٹل چلا آیا۔ ساری رات اس کے بارے میں سوچتا رہا کہ اسے معاف کرنا چاہیے کہ نہیں۔ مجھ سے کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

دماغ کہتا کہ جس نے ایک بار دھوکہ دیا ہے، وہ دوبارہ بھی دے سکتی ہے کیونکہ فطرت کبھی نہیں بدلتی، اس لیے اسے اپنانے کا کوئی فائدہ نہیں اور دل کہتا کہ وہ تم سے معافی مانگ رہی ہے تو معاف کر دو۔ ارے وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہے۔ غلطیاں سب سے ہوتی ہیں، اُس سے بھی ہوئی ہے۔ اس لیے غصے کو چھوڑ کر اُسے اپنا لینا ہی بہتر ہے۔" پوری رات اسی کشمکش میں گزری۔

☆......☆......☆

صبح جب میں تیاری کر کے کالج پہنچا تو وہ کلاس میں موجود تھی۔ وہ اب بھی روئے جا رہی تھی کلاس تقریباً شروع ہونے والی تھی کہ وہ سب کے سامنے روتے ہوئے کہنے لگی۔

"پلیز احمد مجھے معاف کر دو۔ آئی ایم سوری! آئی لو یو سو مچ! میں دل سے معافی مانگتی ہوں۔"

مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ اسے کسی کی بھی پروا نہیں تھی اور وہ اپنے پیار کا اظہار اس طرح کھل کر کر رہی تھی جیسے سب سے بیگانہ ہو۔ اس کو اس طرح روتا دیکھ کر سب ہنسنے لگے۔ وہ سب میں ایک مذاق بن گئی تھی۔

لڑکوں کی ہنسی کی آواز سن کر پرنسپل صاحب چلے آئے۔ جب انہیں ساری بات کا علم ہوا تو انہوں نے فی الوقت صبا کو کالج سے بے عزت کر کے نکال دیا اور مجھے وارننگ دی کہ آئندہ ان معاملوں میں پڑے تو تمہاری بھی چھٹی سمجھو۔"

میں ڈر گیا لیکن صبا کے لیے میرے دل میں دبا پیار ایک بار پھر سے زندہ ہو گیا۔ میں کوئی پتھر نہیں تھا جو اب بھی سخت رہتا۔ میرے دل میں بھی دھڑکنے والا دل تھا، جس میں اس کے لیے پیار موجود تھا۔

☆......☆......☆

چھٹی ہوئی تو میں ہوسٹل جانے کی بجائے صبا کے گھر چلا گیا۔ میں نے دروازے پر بیل دی تو دروازہ اس کی امی نے کھولا۔ وہ مجھے جانتی تھیں کیونکہ صبا ہی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

Click on http://www.Paksociety.com for More

کے اصرار پر میں ایک دو بار اُن کے گھر گیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پہلے تو وہ حیران ہوئیں پھر آنے کا سبب دریافت کرنے لگیں۔

''میں نے بہانہ کیا کہ صبا کی خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔'' تو وہ بولیں۔

''بیٹا جب سے وہ کالج سے آئی ہے اپنا دروازہ بند کر کے روئے جا رہی ہے۔ اس کے ابو اور بھائی گھر پر نہیں ہیں۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

میں نے انہیں تسلی دی کہ آنٹی ڈرنے کی ضرورت نہیں، میں دیکھتا ہوں۔''

میں جب اس کے کمرے کے پاس پہنچا تو دروازے کے ساتھ کان لگا دیے اندر سے سسکیوں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اب تک روئے جا رہی تھی۔ میں نے اسے آواز دی کہ صبا دروازہ کھولو تو اس نے میری آواز سن کر فوراً دروازہ کھول دیا۔

اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ میں نے اسے جاتے ہی گلے سے لگا لیا اور بولا۔

''صبا تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی تھی، پر اب میں سچائی کو جان گیا ہوں اس لیے تمہیں سچے دل سے معاف کرتا ہوں۔ اب پلیز یہ رونا بند کرو۔ کیونکہ تمہاری آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے۔''

میری باتیں سُن کر اس نے میرے سینے سے لگا سر اٹھایا اور بولی۔

''احمد صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم نے مجھے معاف کر دیا۔ اب میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔''

میں نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار سے آزاد کر دیا کیونکہ اس کے گھر میں یہ سب ٹھیک اور مناسب نہیں تھا۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسوؤں کو صاف کیا پھر کہا کہ صبا میرا یہاں رُکنا مناسب نہیں، میں صبح تمہارا کالج میں انتظار کروں گا۔'' پھر اس سے اجازت لے کر میں واپس آ گیا۔

اب میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ آج رات مجھے بھرپور نیند آئی۔ صبح جب میں اٹھا تو بالکل فریش تھا۔ میری خوشی قابل دید تھی۔ میں نے جلدی سے تیاری کی اور کالج آ گیا۔ وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ میں سارا دن انتظار کرتا رہا۔ چھٹی کے وقت اس کی دوست سحر نے مجھے ایک لفافہ دیا اور چپ چاپ چلی گئی۔

عجیب سے وسوسے میرے دماغ پر حاوی ہونے لگے۔ میری چھٹی حس مجھے کہہ رہی تھی کہ کچھ تو گڑبڑ ہے۔ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ لفافہ چاک کیا اس میں تحریر کچھ اس طرح تھی۔

ڈیئر احمد!

''مجھے معاف کرنا۔ میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکی۔ میں اس کالج میں دوبارہ نہیں آ سکتی جہاں مجھے بے عزت کیا گیا تھا۔ کیونکہ میری ہمت نہیں کہ میں ان لڑکوں کا سامنا کر سکوں جن کے سامنے مجھے شرمندہ کیا گیا تھا۔ احمد عزت ایک ایسی شے ہے جو ایک بار چلی جائے تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ تمہیں جب میرا خط ملے گا تب میں تم سے بہت دور جا چکی ہوں گی۔ لیکن میرے دل میں تمہارا پیار ہمیشہ زندہ رہے گا۔ محبت وصل کا نام نہیں بلکہ فراق کا نام ہے۔ ضروری نہیں جسے چاہا جائے وہ ملے بھی۔ ایک بات یاد رکھنا۔ صبا نے تم سے پیار کیا تھا، کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ تم اپنا نمبر آن رکھنا میں تم سے خود رابطہ کروں گی ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔''

فقط تمہاری صبا

لیٹر پڑھ کر احمد کے آنسو برسات کی طرح برسنے لگے وہ کس خوبصورتی سے اس کی زندگی سے چلی گئی تھی۔ وہ خود کو اس کی بے عزتی کا ذمہ دار سمجھنے لگا۔ پڑھائی سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا اور اس نے کالج بھی خیر باد کہہ دیا۔ اسے زندگی سے نفرت سی ہونے لگی۔ اُس کی لو اسٹوری کتنی چھوٹی سی ثابت ہوئی تھی۔ صبا اُس کی زندگی میں بادِ صبا بن کر آئی تھی اور صبا بن کر ہی غائب بھی ہو گئی تھی۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تیسری مرد کہانی

قدرت

نازیہ بتول رضا

اُس نوجوان کی کہانی، قدرت نے جس کی محنت کی لاج رکھ لی تھی

آج میں بہت خوش تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ میں نے میٹرک میں شاندار کامیابی حاصل کی تھی گو کہ میں ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا لیکن میرے خواب بہت اونچے تھے اور ویسے بھی خواب تو سب ہی



READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

دیکھتے ہیں۔ امیر بھی اور غریب بھی یہ کبھی کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتے اور نہ ہی خواب دیکھنے کا حق ہم سے کوئی چھین سکتا ہے۔

سو میں بھی خواب دیکھتا تھا۔ کبھی خود کو بہت بڑے مشاعرے میں داد وصول کرتے ہوئے اور کبھی خود کو ادب کی محفل میں ایوارڈ لیتے ہوئے۔

میں اس وقت بھی خوشی میں جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا تھا، خود کو بڑے سے کالج میں ایڈمیشن لیتے ہوئے پھر اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہوئے اور پھر آگے اور آگے اور بہت آگے بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ خوابوں کا سلسلہ امی کی آواز سے ٹوٹا۔

''ارے بیٹا کب سے کھانا رکھا ہے، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ کیا سوچ رہے ہو کھانا کھاؤ۔'' میں نے گڑبڑا کر دیکھا تو میرے آگے ایک پلیٹ میں دال، اچار اور روٹی رکھی ہوئی تھی اور میں کھانا کھانے کے بجائے خوابوں کی دنیا میں سیر کو نکل پڑا تھا۔

''جی امی! کھانا بہت گرم تھا ناں اس لیے تھوڑا رُک گیا تھا کھا رہا ہوں۔''

''بیٹا تُو اپنی ماں سے کچھ نہیں چھپا سکتا۔ بتا کیا سوچ رہا تھا؟''

''کچھ نہیں امی بس ایسے ہی۔''

''اچھا مت بتا ویسے بھی مجھے بس معلوم ہے کہ تُو کیا سوچ رہا تھا۔''

''آپ کو کیسے پتا کہ میں کیا سوچ رہا تھا؟''

''بیٹا میں تیری ماں ہوں اور ماں سب جانتی ہے، بن کہے بھی اپنی اولاد کی ہر خواہش جان جاتی ہے۔ اس کی آنکھوں کے خوابوں تک پہنچ جاتی ہے اور تُو سوچ کی بات کر رہا ہے۔''

''اچھا پھر بتایئے کہ میں کیا سوچ رہا تھا؟'' امی نے لحظہ بھر کو میری آنکھوں میں دیکھا۔ مجھے لگا جیسے وہ میرے اندر تک جھانک رہی ہیں۔ میں نے گھبرا کر نظریں چرالیں امی مسکرادیں اور بولیں۔

''تُو اس وقت اپنی پڑھائی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' تھوڑا توقف کے بعد بولیں۔

''صحیح کہہ رہی ہوں ناں میں؟'' میری آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور میں بے اختیار امی سے لپٹ گیا۔ امی نے میری پیٹھ تھپتھپائی اور بولیں۔

''بیٹا خواب دیکھنا نہ دیکھنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے ہاں لیکن انہیں پورا کرنے کے لیے جدوجہد کرنا انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ میرا بیٹا اس قابل ہے کہ وہ اپنے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کرے گا۔ اور دیکھنا انشاءاللہ ایک دن وہ آئے گا جب تمہارے خواب تعبیر بن کر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوں گے۔''

''انشاءاللہ۔'' میں نے صدقِ دل سے کہا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا ابو آئے تھے۔ کچھ شاپر اُن کے ہاتھ میں تھے۔ میں تجسس سے دیکھنے لگا کہ نجانے ان میں کیا ہے۔ ابو تخت پر آ کر بیٹھے۔ بڑی بہن شازیہ نے ابو کو پانی کا گلاس تھما دیا ابو نے گلاس خالی کر کے اسے واپس دیتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''دانش بیٹا تمہارا رزلٹ کیسا رہا؟'' میں اسی بات کے انتظار میں تھا جھٹ سے بولا۔

''ابو میرا اے ون گریڈ آیا ہے۔ میں آج بہت خوش ہوں۔'' ابو سن کر بہت خوش ہوئے۔ مجھے گلے لگایا، پیار کیا امی بھی خوشی کے آنسو بہانے لگیں۔

''بیٹا اب آگے کیا ارادہ ہے؟'' امی کھانا لائیں تو ابو بولے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دوں۔ گھر کی حالت اور مفلسی میرے سامنے تھی۔ گھر کے حالات کی وجہ سے بڑی بہن شازیہ آپی بھی صرف میٹرک ہی کر سکی تھیں۔ سب سے چھوٹا حسن ابھی پانچویں جماعت میں تھا ابو کی قلیل تنخواہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن ابو نے کبھی حرام کمائی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا اور یہی درس وہ ہمیں بھی دیتے تھے کہ محنت میں عظمت ہے۔ اب میں کس منہ سے کہتا کہ ابو میں آگے پڑھنا چاہتا ہوں، اس لیے سمجھداری سے بولا۔

''ابو جو آپ بہتر سمجھیں میرے لیے۔''

''شاباش بیٹے مجھے تم سے یہی امید تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی پڑھائی کا خرچہ خود اٹھاؤ۔ دیکھو بیٹا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''رحمت''

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔

☆......کون ہے جو مجھ پکارے اور میں اُس کی پکار کو قبول کروں؟

☆......کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اُس کو عطا کروں؟

☆......کون ہے جو مجھ سے معافی مانگے اور میں اُس کو معاف کروں؟

حسنِ انتخاب: سلمیٰ۔ بحرین

ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ محنت کرنے سے کبھی نہ شرمانا، خواہ وہ کام کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، بس تمہارے دل میں یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ تم حلال روزی کما رہے ہو اور حلال روزی کمانا بھی عبادت ہے۔ ہمارے پیارے نبیﷺ نے گلہ بانی بھی کی ہے اور تجارت بھی جب وہ محنت سے نہیں شرمائے تو ہم بھی اُن ہی کے امتی ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم حلال روزی کمائیں اور محنت کرنے سے نہ شرمائیں۔''

''جی ابو میں جانتا ہوں۔ میں محنت کروں گا اور ہمیشہ حلال روزی کماؤں گا۔ آپ ہمیشہ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔''

''گڈ بوائے!'' ابو نے میری پیٹھ تھپتھپائی پھر شاپر کھولتے ہوئے بولے۔

''اچھا دیکھو آج یہ میں کچھ سامان لایا ہوں، یہ تمہیں بیچنا ہے۔ سمجھو تمہارا امتحان اور محنت شروع۔ مجھے دیکھنا ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔ یاد رکھو بیٹا اگر تمہاری لگن سچی ہوگی تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔''

''جی ابو بہتر ہے۔''

اور اسی دن شام سے میں نے چوک پر کھڑا ہونا شروع کر دیا۔ جی ہاں میں کمر بند، رومال اور بنیان بیچ رہا تھا اور مجھے اس کام میں کوئی شرم محسوس نہیں ہو رہی تھی کیونکہ نہ تو میں چوری کر رہا تھا نہ ہی کسی کی جیب کاٹ رہا تھا، جو مجھے شرم یا غیرت محسوس ہوتی۔ میں تو محنت کر رہا تھا۔ حلال روزی کما رہا تھا۔ اور ویسے بھی کوئی کام حقیر نہیں ہوتا حقیر تو انسان ہوتا ہے اپنے عمل سے، اپنے کردار سے۔

☆......☆......☆

جلد ہی میں نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا۔ میں صبح کالج جاتا واپس آ کر کھانا کھاتے ہی اپنا مال بیچنے چوک پر پہنچ جاتا۔ وہاں سے واپس آ کر میں اپنی پڑھائی کرتا۔ کچھ دنوں بعد مجھے دو ٹیوشن بھی مل گئے گھر جا کر پڑھانا تھا، اچھے پیسے مل رہے تھے۔ میں نے ٹیوشن پڑھانا بھی شروع کر دیا۔ اس سے میں مصروف تو بہت ہو گیا لیکن میرے اخراجات باآسانی پورے ہونے لگے۔

ایک دن میں چوک پر کھڑا مال بیچ رہا تھا کہ میرے اسکول ٹیچر سر حامد میرے پاس چلے آئے۔ میں انہیں دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ لیکن وہ بالکل نارمل انداز میں چلتے ہوئے آئے اور بولے۔

''ہاں بھئی دانش محنت ہو رہی ہے۔''

''جی سر۔''

''ہاں تو اس میں شرمانے گھبرانے کی کیا بات ہے۔ اچھا یہ بتاؤ پڑھائی جاری رکھی ہوئی ہے ناں؟'' میں نے جواباً اپنی روٹین بتائی تو میری پیٹھ تھپتھپائی اور بولے۔

''واہ بیٹا اسی طرح محنت کرو انشاء اللہ بہت آگے جاؤ گے اور ہاں پڑھائی کی فکر مت کرو۔ میں اتنا تو کر ہی سکتا ہوں کہ اپنے ایک ہونہار اسٹوڈنٹ کو ٹیوشن دے دوں۔''

''مگر سر!'' میں ہچکچایا کہ میں فیس کیسے بھروں گا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''ارے یار میں تمہیں اپنا بیٹا سمجھ کر پڑھاؤں گا۔ اپنے بچوں سے کوئی فیس لیتا ہے کیا؟'' انہوں نے میرے دل کی بات پڑھ ڈالی تو میں تشکر سے انہیں دیکھنے لگا۔ انہوں نے فوراً اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر مجھے دیا جس پر ان کے گھر کا ایڈریس بھی تھا۔ وہ گھر پر ٹیوشن پڑھاتے تھے۔ میرے لیے تو یہ غیبی امداد تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس منہ سے اُن کا شکریہ ادا کروں۔ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

''تھینک یو سر۔''

''ارے پھر وہی بات بس تم آج شام سے ہی آجاؤ۔ اچھا یہ رومال مجھے چاہیے کتنے کا ہے؟''

''سر لے لیجیے۔'' میں نے رومال بڑھایا۔

''پیسے بتاؤ میں ایسے نہیں لوں گا۔''

''میں سمجھ گیا کہ بغیر پیسوں کے سر نہیں لیں گے، میں کہا۔

''دس روپے سر۔'' سر آگے بڑھ گئے میں دوڑ کر اُن کے پاس گیا۔

''سر کیوں نہیں لے رہے یہ دس روپے کا ہے۔'' سر نے اک لمحہ مجھے دیکھا اور بولے۔

''میں جانتا ہوں کہ یہ رومال بیس روپے کا ہے تم جان بوجھ کر کم بتا رہے ہو۔ کیوں؟''

''سر آپ مجھے شرمندہ کررہے ہیں۔ میں آپ سے پیسے کیسے لے سکتا ہوں۔''

''اچھا تو پھر میں یہ رومال بھی نہیں لے سکتا۔'' سر پھر سے آگے بڑھ گئے میں پھر دوڑا۔

''سر پلیز سر لے لیجیے ناں۔'' میں لجاجت سے بولا۔

''اچھا تو پھر یہ پکڑو پیسے، میں اس وقت صرف گاہک ہوں استاد نہیں سمجھے۔'' سر نے مجھے پیسے پکڑائے اور رومال لے کر شام کو ٹیوشن آنے کا کہہ کر چلے گئے اور میں اُن کی عظمت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

☆......☆......☆

اور پھر دن گزرتے گئے میں انٹر میں آگیا مطالعے کا شوق بچپن سے تھا۔ شعروشاعری بھی پسند تھی۔ ایک دن ایک نظم لکھ ڈالی سوچا کس کو دکھاؤں جو میری اصلاح کرسکے۔ اچانک خیال آیا ہمارے محلے میں ایک شاعر رہتے تھے۔ جو اکثر لوگوں کو اپنی شاعری سناتے رہتے تھے میں بھی سن چکا تھا۔ لہٰذا اپنی نظم لے کر اُن کے پاس پہنچ گیا اور اصلاح کی درخواست کی تو وہ بہت خوش ہوئے لیکن جب انہوں نے میری نظم پڑھی تو بارہ غلطیاں نکال دیں۔ میں دلبرداشتہ ہوگیا تو انہوں نے مجھے حوصلہ دیا۔ ''بیٹا ابھی تو شروعات ہے ابھی سے ہمت نہ ہارو۔ ابھی بارہ غلطیاں ہیں اگلی بار شاید دو تین ہوں یا پھر شاید نہ ہوں۔ کوشش جاری رکھو۔''

میں اُن کے پاس سے اٹھ آیا پھر اکثر میں شعروشاعری کرنے لگا۔ شروع شروع میں بہت غلطیاں ہوتیں لیکن پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب انکل بھی میری شاعری پڑھ کر جھوم اٹھے۔ اس دن میں بہت خوش تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میری تین ڈائریاں بھر چکی تھیں۔ پھر میں نے افسانے اور ناول میں بھی قسمت آزمائی اور مجھے کامیابی ملی۔

میں نے بچپن میں امی سے سنا تھا کہ اللہ پاک کسی کی محنت رائیگاں نہیں جانے دیتا اور اب واقعی میں اگر محنت کررہا تھا تو مجھے صلہ بھی مل رہا تھا۔

دن پر لگا کر اڑتے گئے اور میں کامیابی کی سیڑھیاں پھلانگتا گیا اور جس دن میری تعلیم نمایاں کامیابی کے ساتھ مکمل ہوئی اس دن امی کے گلے لگ کر میں نے خوشی کے خوب آنسو بہائے۔

☆......☆......☆

اب مجھے اپنی عملی زندگی کا آغاز کرنا تھا۔ یہاں بھی میرے ٹیچر سر حامد میرے بہت کام آئے انہوں نے مجھے ایک کالج میں لیکچرار کی جاب دلوادی۔ میں صبح میں کالج میں لیکچرار تھا تو شام میں اپنے گھر پر کوچنگ کلاسز لیتا تھا۔ میرے پاس اتنے بچے تھے کہ سر کھجانے کی فرصت نہ ہوتی تھی۔ میں نے آنے جانے کے لیے ایک کار خرید لی تھی اور گھر کی حالت بھی بہت اچھی ہوگئی تھی۔ ابو ریٹائرڈ ہوگئے تھے جبکہ حسن پڑھ رہا تھا۔

Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

پھر میری شادی ہوگئی اور مریم میری زندگی میں بہار بن کر آ گئی۔ زندگی بہت پُرسکون ہوگئی تھی میں اٹھتے بیٹھتے خدا کا شکر ادا کرتا تھا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنی شاعری کی کتابیں چھپواؤں امی اور مریم سے مشورہ کیا تو وہ دونوں بھی اصرار کرنے لگیں سو میں نے اپنی تینوں ڈائریاں اور کچھ رقم بیگ میں ڈالی اور ڈرائیور کے ساتھ پبلشر کو دینے چل پڑا۔

بیگ پچھلی سیٹ پر تھا۔ گاڑی سگنل پر رُکی گاڑی کے شیشے کھلے تھے کہ اچانک ایک اُچکا نجانے کب سے مجھے نظر میں رکھے ہوئے تھا آیا اور جھٹ پٹ پچھلی سیٹ سے بیگ اُٹھا کر رفو چکر ہوگیا۔ میں ہکا بکا رہ گیا۔

مجھے لگا جیسے میری کل متاعِ حیات لٹ گئی ہو۔ جیسے میں نے جو کچھ لکھا تھا۔ میں سب بھول چکا ہوں میں نے دماغ کو ٹٹولا تو خالی پایا۔ میرے ہاتھ پاؤں سُن ہو چکے تھے کہ ڈرائیور بولا۔

''سر چلیں بیگ ڈھونڈتے ہیں۔'' تب مجھے ہوش آیا میں بجلی کی تیزی سے کار سے باہر نکلا اور جس طرف وہ بائیک والا گیا تھا اس طرف دوڑا۔ بائیک والے کا ظاہر ہے کہ نام ونشان بھی نہ تھا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھ رہا تھا۔ مجھے پیسوں کی پروا نہیں تھی۔ مجھے تو اپنی ڈائریاں چاہیے تھیں۔ میں اللہ سے گڑگڑا کے دعا مانگنے لگا۔

''یا اللہ تُو کسی کی محنت رایگاں نہیں جانے دیتا مجھے میری محنت (ڈائریاں) واپس دے دے۔'' میں آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ مجھے ایک میدان نظر آیا جس میں جا بجا درخت لگے تھے۔ میں نجانے کس خیال کے تحت میدان میں داخل ہوگیا اور اپنا بیگ ڈھونڈنے لگا۔ نجانے کیوں مجھے یقین تھا کہ میری ڈائریاں مجھے مل جائیں گی اور وہی ہوا۔

ایک درخت کے نیچے میری تینوں ڈائریاں رکھی ہوئی تھیں شاید کسی کو یقین نہ آئے لیکن یہی حقیقت ہے میری ڈائریاں میری آنکھوں کے سامنے رکھی تھیں۔ میں نے سجدۂ شکر ادا کیا اور اللہ کی رحمت کی تعریف

غزل

اشکوں کو ٹھکانہ چاہیے تھا
مجھے رونے کو شانہ چاہیے تھا

ذرا سی بات پہ وہ مجھ سے روٹھا
ترکِ تعلق کا بہانہ چاہیے تھا

دے گیا ہجر کی سوغات مجھ کو
وہ سمجھا مجھ کو خزانہ چاہیے تھا

چلو اپنے تمہارے محفل میں آئے
نہ مجھ کو یوں اٹھانا چاہیے تھا

منتظر ہوں اب تک میں اس کی
نہ آیا عید پر، محرم پر تو آنا چاہیے تھا

مجھے معلوم ہے میرے سیل رواں کو
وہ اک تکیہ پرانا چاہیے تھا

شاعرہ: پروفیسر صفیہ سلطانہ مغل۔ جیکب آباد

کیے بغیر نہ رہ سکا واقعی وہ رب بہت رحیم ہے، بڑا کریم ہے ہم ہی ناشکرے بندے ہیں۔ میں نے ڈائریاں اٹھائیں اور چل پڑا۔

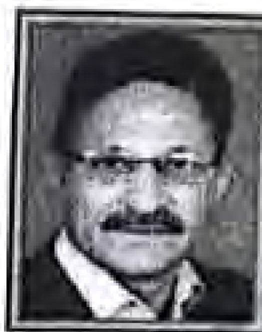
اور ہاں میرے رب کی ایک اور کرم نوازی تو سُن لیں میں آج کراچی کے سب سے بڑے کوچنگ سینٹر میں ٹیچر ہوں۔ نام جان کر کیا کریں گے۔ بس یہ سمجھ لیں کہ یہ تھی میری زندگی جو میں نے آپ کے سامنے کھول کر رکھ دی ہے تاکہ آپ سب میری زندگی سے سبق حاصل کریں۔ کبھی محنت سے نہ شرمائیں اور ہاں اپنے اللہ پر کامل یقین رکھیں کیونکہ وہ کسی کی محنت رایگاں نہیں جانے دیتا۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

سنگلاخ دیواروں کے پیچھے سے جرم کی کوکھ میں پل کر مجرم بننے والوں کی عبرت ساماں دل سوز تحریریں جن میں آنسوؤں کی نمی بھی ہے اور سسکتی ہوئی زندگی کے نوحے بھی



ندامت

جاوید راہی

اُس مجرم کی محبوبہ سے محبت ہی اُسے تختہ دار تک لے گئی

جون جولائی کی حبس اور آگ برساتا سورج گورنمنٹ کالونی کے بہبود آبادی دفتر کے باہر چاروں جانب لڑکے اور لڑکیاں خالی آسامیوں کی کل تیرہ مختلف سیٹوں کے لیے سینکڑوں امیدوار ایک دوسرے سے آگے جانے کی کوشش میں پریشان تھے۔ قطار میں لگے میرے پیچھے والے لڑکے نے مجھے مخاطب کیا تو میں نے گھوم کر دیکھا وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں نے کس آسامی کے لیے انٹرویو دینا ہے؟"

"سپروائزر کے لیے" میں نے مختصر جواب دیتے دوبارہ گیٹ کی طرف دیکھا جہاں دھینگا مشتی پروگرام عروج پر تھا۔

آخر میں بھی گیٹ عبور کر کے اندر ہال میں پہنچ گیا۔ وہ لڑکا بھی میرے قریب آ کھڑا ہوا۔ ایک طرف خواتین کا انٹرویو لینے والا گروپ بیٹھا تھا دوسری طرف بڑے سے ہال میں مردوں کے لیے انتظام تھا۔ میرا نام پکارا گیا۔ میں نے تین ممبران کے سامنے پہنچ کر ان کے سوالات کا جواب دیا اور مجھے فارغ کرتے ڈاک میں رابطہ کرنے کا کہا گیا۔ میں دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔

پیاس کے مارے گلا خشک ہو رہا تھا۔ ایک طرف شربت کی ریڑھی پر رش لگا ہوا تھا میں نے بھی ایک گلاس کا آرڈر دیا اور انتظار کرنے لگا۔ ابھی میرا نمبر نہیں آیا تھا کہ وہی میرے پیچھے لائن میں لگا لڑکا میرے پاس آ کھڑا ہوا، اس نے بھی شربت کا کہا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔

"بس جی فارمیلٹی پوری کر رہے ہیں۔ جن کو رکھنا تھا وہ تو فیصلہ پہلے سے ہی ہو چکا ہے"۔ میں نے تائید میں سر ہلایا اور شربت والے کا بڑھایا ہوا گلاس پکڑتے اس سے پوچھا۔

"آپ نے کس پوسٹ کے لیے انٹرویو دیا ہے؟"۔

"گریجویشن کر کے نائب قاصد کی آسامی کے لیے قسمت آزمائی کر رہا ہوں"۔ اس کے لہجے کی کڑواہٹ بتا رہی تھی کہ وہ بے روزگاری سے خاصا دلبرداشتہ تھا۔

اس نے گلاس خالی کرتے جیب سے پچاس کا نوٹ نکالتے شربت والے کو دیتے ہوئے دو گلاسوں کے پیسے کاٹنے کا کہا۔ میں نے روکا مگر اس نے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کہ میرے بھی کاٹ لے۔

شہر کی جانب جانے والے بہت سے چنگ چی رکشے آوازیں لگا رہے تھے۔ اس نے مجھ سے پوچھا "شہر یا بس اسٹینڈ؟"

میں نے کہا شہر میں۔

"میں بھی اُدھر جا رہا ہوں۔" پھر ہم دونوں ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

رکشہ میں پیچھے بیٹھ گئے۔

''آپ کا نام؟''اس نے بیٹھتے ہی مجھ سے پوچھا۔

''عامر علی''۔میں نے بتایااور تمہارا۔

''پرویز احمد''۔اس نے اپنی فائل سنبھالتے جواب دیا۔ اِدھراُدھر کی باتوں میں ہم دونوں نے ایک دوسرے بارے میں بہت کچھ جان لیا تھااور شہراسٹاپ پرہم دونوں ایک دوسرے کونمبر دیتے الگ ہوگئے۔

عامر علی نے جیل میں کھڑے کھڑے میرے پوچھنے پراپنی زندگی کے تاریک باب اُلٹتے ہوئے پھر سے کہنا شروع کیا۔

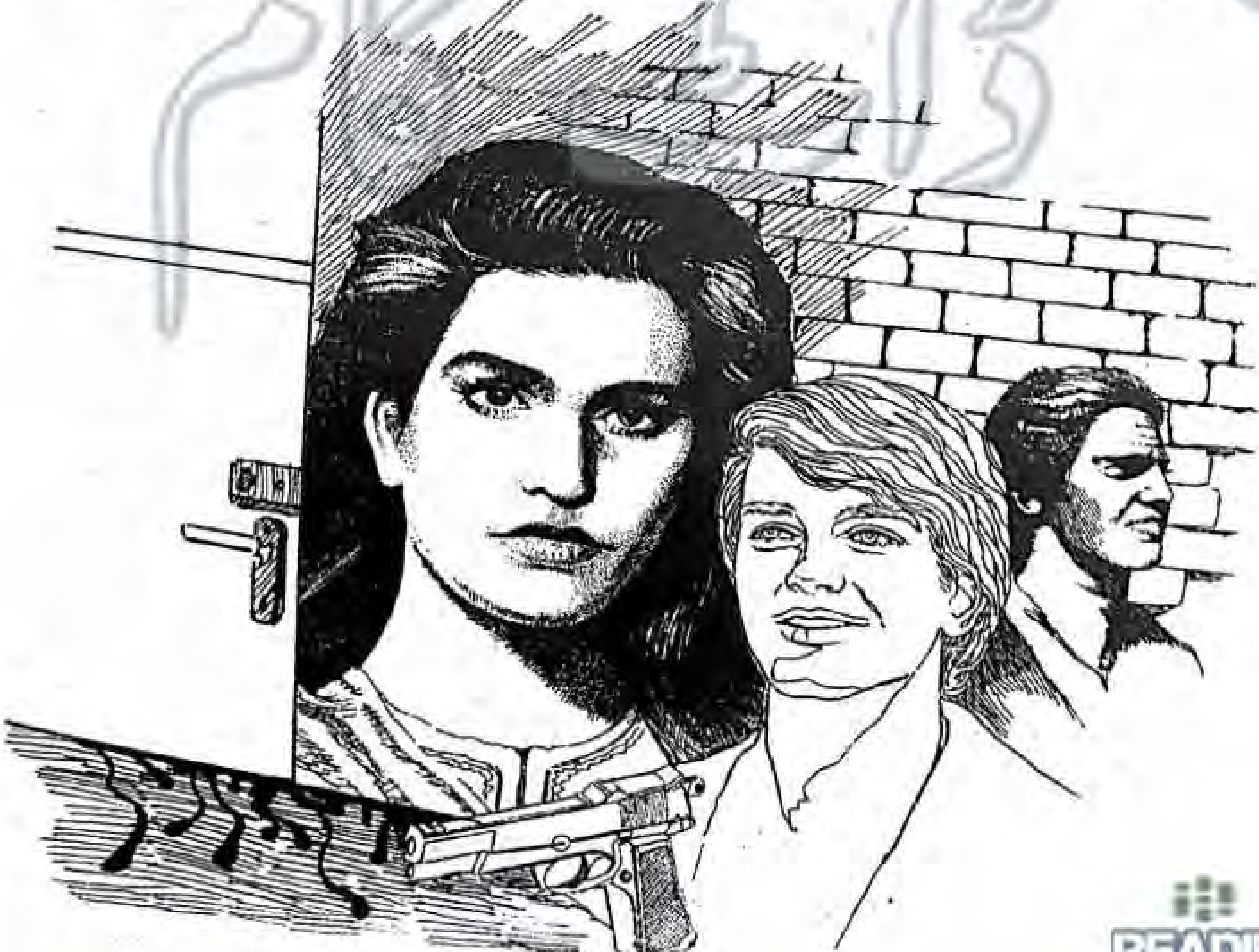
''میرے اور پرویز کے بیچ جو بے روزگاری کا پُل قائم تھا اس پر آتے جاتے کئی ماہ ہو گئے۔ اس دوران ہمارے درمیان بہت سے دن رات مشترکہ ہوگئے۔

ایک روز پرویز کا فون آیا اسے کسی فیکٹری میں حساب کتاب کی چھوٹی سی جاب مل گئی تھی اور وہ بڑا خوش تھا۔ مجھے بھی اس نے اسی فیکٹری میں ڈیلی اُجرت پر کام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں بے روزگاری اور گھر والوں کی طعنہ زنی کے ہاتھوں تنگ تھا فوراً حامی بھر لی اور اس کے پاس چلا گیا۔

یہاں ہوزری کا کام ہوتا تھا۔ مشینوں کے علاوہ ہاتھ سے کرنے والے بھی یہاں بہت سے کام تھے خواتین والے حصے میں پیکنگ کا کام ہوتا۔ یہاں ہر عمر کی خواتین کام کرتیں تھیں۔ اُدھر مرد حضرات کے لیے جانا منع تھا صرف چند لوگ تھے جو اسٹاک وغیرہ اور دیگر ایسے کام سرانجام دیتے۔

دو ماہ تک میں کئی شعبوں میں کام کرتا رہا مجھے کمپیوٹر کی سوجھ بوجھ تھی۔ پروڈکشن منیجر نے میری ڈیوٹی اوپر والے کاموں سے ہٹا کر پیکنگ والے شعبہ میں لگا دی۔ چونکہ میں پرویز بھائی کے ساتھ کوارٹر میں رہ رہا تھا اور کھانا بھی ہم دونوں اکٹھے کھاتے اور سامان کی ادائیگی مل بانٹ کر کر لیتے ۔گو کہ تنخواہ قلیل تھی مگر نہ ہونے سے تو بہتر تھا۔

خالہ رضیہ جس محلّہ میں رہتی وہاں کی دو لڑکیاں سمیرا اور زینب بھی اس کے ہمراہ میری طرح ڈیلی ویجز پر کام کے لیے آتی تھیں۔ خالہ سے میری واقفیت آتے ہی اس



READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

پیکنگ کھاتے میں ہوئی تھی۔ اس کا خاوند اسے چھوڑ کر کہیں کسی کے ساتھ منہ کالا کر گیا تھا۔ یہ بیچاری اپنے تین چھوٹے بچوں کی کفالت خود کر رہی تھی۔ سمیرا اور زینب دونوں اس کے ساتھ ساتھ ہی رہتی تھیں اس لیے ان کے پر پُرزے نہیں نکلے تھے ورنہ تو خدا کی پناہ تھی اِدھر۔

زینب مجھے پہلے ہی دن سے اچھی لگی اور میں کسی نہ کسی بہانے اسے مخاطب کرنے لگا تھا مگر وہ صرف مطلب کی بات کا جواب دیتی تھی۔

ایک دو بار خالہ رضیہ نے میرا اس طرح زینب میں دلچسپی لینا محسوس تو کیا مگر جان بوجھ کر نظر انداز کر گئی۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ زینب کو شیشے میں اُتار کر ہی دم لوں گا۔ اس بات کا تذکرہ میں نے پرویز بھائی سے بھی کیا تو اس نے منہ بناتے کہا کہ عامر جی یہ لڑکیاں بڑی تیز طرار ہوتی ہیں اپنا بھاؤ چڑھا رہی ہے ایک دن خود ہی لفٹ کروا دے گی، ڈٹے رہو۔" اس نے بستر پر کروٹ لیتے آنکھیں بند کر لیں۔

آخر کار میری بے چینی پر خالہ رضیہ کو ترس آ گیا اس نے بنڈل رکھتے مجھے آہستگی سے مخاطب کیا۔

"عامر بیٹا۔"

"جی خالہ"! میں نے ہاتھ روکتے اس کی طرف دیکھا۔

"زینب تمہاری شکایت کر رہی تھی مجھ سے"۔

میں گھبرا گیا اور آنکھیں چرا لیں۔

"وہ بہت مجبوری کے تحت اس کام پر آئی ہے ورنہ اس کے گھر والے تو......"

بات ادھوری چھوڑتے وہ گودام کھاتہ سے باہر چلی گئی۔

تمام رات میں بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ رہ رہ کر مجھے خالہ رضیہ کی بات پریشان کر رہی تھی کہ زینب تمہاری شکایت کر رہی تھی۔ میں نے کیا کیا تھا جو اس نے میری شکایت کر دی۔ کسی کو دیکھنا یا دِل میں رکھنا تو کوئی جرم نہیں۔

پتا نہیں کب آنکھ لگ گئی۔ صبح جلدی تیار ہو کر میں فیکٹری پہنچ گیا کیونکہ تمام لوگ اِدھر اُدھر بیٹھے یا گھومتے پھرتے مل جاتے تھے سائرن بجتے اپنے اپنے شعبوں کی طرف چل پڑتے تھے۔ زینب اور سمیرا اکیلی باہر کی دیوار کے سائے میں کھڑی تھیں۔ میں بلا جھجک دونوں کے قریب جا کھڑا ہوا۔ خدا جانے مجھ میں کہاں سے ہمت آ گئی میں نے زینب کو براہِ راست مخاطب کرتے پوچھا۔

"جناب مجھ سے کوئی شکایت"؟

وہ اس اچانک حملہ پر گھبرا گئی۔

"جی نہیں تو"! اس کی گھبراہٹ پر سمیرا مسکرائے بغیر نہ رہ سکی اور برجستہ درمیان میں کود پڑی۔

"اس سے بڑی شکایت اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو دِل میں ہے اس کا اظہار کیوں نہیں کر دیتے یوں گیلی لکڑی کی طرح سلگتے رہتے ہو۔ یہ آپ کو کچھ نہیں کہتی۔" سمیرا نے اشارہ زینب کی طرف کیا۔

"دیکھیں میرے دِل میں آپ دونوں کے لیے بڑی عزت اور جگہ ہے"۔

"نہ نہ صرف ایک کے لیے۔ دِل میں دو نہیں ایک ہی رکھا جاتا ہے۔" سمیرا کے لہجہ میں شرارت کا عنصر نمایاں تھا۔ میں واقعی گھبرا گیا تھا اس کی بات پر۔

"اچھا اب جلدی سے بتا دیں کہ زینب آپ کو کیوں اچھی لگتی ہے؟"

"سمیرا ان کو بھی کچھ بولنے دیں یا آپ ہی سب کچھ سر انجام دیں گی؟" مجھے یکدم پرویز بھائی کی کہی بات یاد آ گئی کہ زینب اپنا بھاؤ بڑھا رہی ہے۔ میں کچھ اور بولتا مگر خالہ رضیہ کھانے والا ڈبہ سنبھالتے سیدھی ہمارے پاس آ رکی۔

"ہاں جی کیا مسئلہ چل رہا ہے؟"

"وہی خالہ شکایت والا"۔ میں نے ہنستے ہوئے جواباً کہا۔

"ہاں پوچھ لو خود زینب سے جو کہہ رہی تھی کہ مجھے کھا جانے والی نظروں سے آتے جاتے گھورتا رہتا ہے"۔

"خالہ جی کھا جانے والی نہیں پیار بھری نظروں سے انہیں دیکھتا ہوں۔" کچھ اور بات آگے بڑھتی کہ اچانک سائرن کی آواز پر واچ مین نے اندر سے گیٹ کی زنجیر گرا دی اور ور کر اپنے اپنے کھاتوں کی طرف بڑھنے لگے۔

زینب اور میں زن آشنائی کے راستے پر آگے بڑھتے جا رہے تھے وہ بہت اچھی اور کم گو لڑکی تھی۔ دو ماہ کی رفاقت میں صرف دو چار بار ہم دونوں نے موٹر سائیکل پر اِدھر اُدھر سیر کرنے اور بریانی برگر تک محدود رہے۔ نہ میں نے حد

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

گراس کرنے کی کوشش کی اور نہ اس کی طرف سے کوئی حوصلہ افزائی ہوئی تھی۔ سمیرا اور خالہ رضیہ ہمارے تعلقات سے آگاہ تھیں۔ میں اس کے انکار کے باوجود کچھ نہ کچھ اس کے لیے لے آتا جو وہ پس و پیش کے بعد رکھ لیتی۔ زینب کی ایک بہن اور ایک بھائی تھے۔ دونوں اس سے چھوٹے ہونے کے سبب وہ ہی ان کی کفالت کرتی۔

☆......☆......☆

ایک روز وہ بہت پریشان دکھائی دی۔ میرے اصرار پر اس نے بتایا کہ والد صاحب پر غبن کا الزام تھا اور وہ جیل میں تھے اس کا مقدمہ لڑنے کے لیے اسے اس نوکری کا سہارا لینا پڑا۔ وکیل بقایا کا تقاضا کر رہا تھا میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس کو دس ہزار روپے دینے ہیں۔ میرے پاس مشکل سے تین ہزار اکٹھے ہوئے ہیں۔ زینب کی بات سے میرے چہرے پر پریشانی پھیل گئی۔ میرا حال بھی ایسا ہی تھا کیونکہ زیادہ تر تنخواہ کا حصہ میں زینب پر ہی خرچ کر ڈالتا تھا۔ جواب میں اسے مطمئن تو کر دیا مگر سات ہزار کیسے آئیں گے؟ رات کو میں نے پرویز بھائی سے پوچھا اس نے دو ہزار دینے کا وعدہ کر دیا۔

صبح ڈیوٹی پر آتے میں نے بہت سے قافیے جوڑے مگر بات کوئی بنی نہیں کے مصداق آگے سوچنے لگا۔ اگر فیکٹری میں کوئی گڑبڑ کرتا تو سیکیورٹی اتنی سخت تھی چاروں جانب کیمروں کا جال بچھا ہوا تھا، کوئی چیز اندر سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔

اُدھر میں نے زینب سے وعدہ کر لیا تھا کہ میں ضرور اس کی مدد کروں گا۔

پرویز بھائی نے حسب وعدہ دو ہزار دیے اب پانچ ہزار کی بات تھی۔ بڑی سوچ بچار کے بعد جو میرے دل میں خیال آیا وہ بڑا ہی خطرناک تھا۔

فیکٹری کے ہم سے بڑے ورکرز کے لیے اے لائن کی طرف جانا پڑتا تھا کیونکہ وہ سب سے آخر میں تھی ہمارے لیے تو اوپر نیچے تین منزل کوارٹر تھے جبکہ ان کے لیے چھوٹے چھوٹے صاف ستھرے گھر الگ الگ مالکان نے بنا کر دیے ہوئے تھے۔

جو فیصلہ میں نے کیا گو کہ بڑا ہی گھٹیا تھا مگر زینب کے لیے میں کچھ بھی کرنے کو تیار تھا۔

مجھے یقین ہو گیا کہ پرویز بھائی سو گیا تو میں چپکے سے اُٹھا اور کوارٹر باہر سے بند کرتا ہوا باہر نکل آیا۔ پیچھے سے گھوم کر اے لائن کے پچھواڑے پہنچ گیا یہاں سب اپنے گھر کی خود نگرانی کرتے تھے چاروں جانب خاموشی تھی۔ میں ایک مناسب گھر کو ذہن میں رکھتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ چند پل اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد میں نے دیوار کے اوپر ہاتھ جماتے ایک جست بھری اور اس کے اوپر چڑھ گیا۔ دونوں جانب ایک ہی طرح کی اونچائی تھی۔ مجھے اندر اترنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی چھوٹا سا دالان تھا جسے میں کوئی آواز کیے بغیر عبور کر گیا۔

ایک کمرے میں گھر والے سوئے ہوئے تھے گھبراہٹ کے مارے میرا برا حال تھا۔ دوسرا کمرہ جس میں گھر کا سامان رکھا ہوا تھا، میں دبے پاؤں اس کے اندر داخل ہو گیا اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے مجھے دراز میں چین اور بندے پڑے مل گئے۔ دوسرے دراز میں چھوٹا سا پرس جس میں کچھ پیسے پڑے تھے میں نے اسی کو غنیمت جانا اور دھک دھک کرتے دل کو سنبھالتا ہوا کمرے سے نکل کر دوبارہ دالان میں آ گیا۔

دروازے کی کنڈی لگی ہوئی تھی جس کو میں نے آہستہ سے کھولا اور باہر نکل آیا۔ سب کچھ ٹھیک پا کر میں تیز تیز قدم اٹھاتا مزدوروں کے کوارٹروں کی طرف چل پڑا۔ ایک جگہ رُک کر میں نے لمبے لمبے سانس لیے اور آگے بڑھ آیا۔

اپنے کوارٹر میں آ کر میں نے خود کو بستر پر گراتے پرویز بھائی کی طرف دیکھا جو بدستور پڑا سو رہا تھا۔

جب میرا ذہن کچھ سوچنے کے لائق ہوا تو مجھے خود پر یقین نہ آیا کہ میں کیا کر آیا ہوں بہر کیف میں نے پرس کھول کر اس کے اندر پڑی نقدی کا جائزہ لیا وہ سات ہزار تین سو روپے تھے پرس میں نے پھاڑ کر واش روم کے گٹر میں بہا دیا اور چین بندے سنبھال کر رکھ لیے اور سو گیا۔

☆......☆......☆

ڈیوٹی پر آ کر میں نے سات ہزار روپے زینب کو دیتے کہا کہ جلدی جا کر وکیل کے سپرد کر دینا تاکہ آپ کے والد کا مقدمہ لڑنے میں وہ کوئی تاخیر نہ کرے۔ زینب نے تشکر بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور شکریہ کے ساتھ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

روپے پکڑ لیے۔ دو ہزار پرویز بھائی کو لوٹا دیے کہ اب ان کی ضرورت نہیں۔

چھٹی والے دن میں نے وہ چین اور بندے سنار کو دیے اس کے بدلے زینب کے لیے بالیاں لے لیں۔ شام کو اس کے گھر فون کر کے اسے ملنے کی بات کی تو اس نے کہا کہ تم میرے گھر آ جاؤ۔ پہلے بھی ایک آدھ بار اس کے ساتھ جا چکا تھا ان کے گھر اس لیے بغیر جھجک کے پہنچ گیا۔ زینب کی والدہ پہلے سے بھی زیادہ محبت سے پیش آئیں اور چائے بنانے کچن میں چلی گئیں۔ میں نے جیب سے بالیاں نکالتے بڑی اپنائیت کا مظاہرہ کرتے زینب کے ہاتھ پر رکھ دیں۔ پہلے تو اسے حیرت ہوئی پھر وہ یکدم خوشی سے بے قابو ہوتے میرے سینے سے لگ گئی۔

ہماری زندگی اب نئے راستے پر گامزن تھی۔ میں زینب کے والد کا مقدمہ اب خود لڑ رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی چوریاں کرنے کی عادت پڑ چکی تھی۔ زینب کو میں نے فیکٹری سے ہٹا لیا تھا اور خود بھی نوکری چھوڑ کر زینب کے محلّہ میں ایک کرائے کا مکان حاصل کر لیا تھا۔

اس مکان سے تھوڑے فاصلے پر ایک کریانہ اسٹور تھا جس سے تھوڑی بہت واقفیت بن گئی۔ اس کے بینچ پر بیٹھ کر محلّے کے اور بھی لوگ اخبار پڑھتے میں بھی چلا جاتا ادھر ہی ایک رکشہ والے سے سلام دعا ہو گئی جو دوسری گلی میں رہتا تھا۔ چوری چکاری سے خرچہ تو چل رہا تھا مگر زینب کی فرمائشیں آگے آگے بھاگ رہی تھیں اور مجھے کام کرنے کی اشد ضرورت پیش آ گئی تو میں نے رکشہ ڈرائیور بلو سے بات کی تو اس نے آٹو دہاڑی پر لے کر دینے کا مشورہ دیا۔ میں چونکہ اچھا ڈرائیور بھی تھا۔ اس لیے میرے دل کو اس کی بات لگی اور میں رکشہ چلانے لگا۔

دو چار دن ذرا مشکل لگا پھر ٹرینڈ ہو گیا۔ پہلے پہل علاقوں کی نشاندہی پریشانی کا مسئلہ بنی پھر کچھ سواریوں سے اور کچھ پوچھ تاچھ سے کام نکل جاتا۔ رکشہ چلانے کا ایک فائدہ ہوا گھروں اور علاقوں کو تاڑنے کا موقع مل گیا۔

اعوان ٹاؤن کی ایک سواری اٹھائی اور ڈوبن پورہ سے ہوتا ہوا کھڑاک نالہ کراس کر رہا تھا کہ آگے پولیس ناکہ پر چیکنگ ہو رہی تھی مجھے رکنا پڑا۔ لمبی لائن لگی ہوئی تھی۔ جب میری نظر پیچھے پڑی تو سواری غائب تھی اور ایک شاپر کونے میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر وہ مجھے کہیں بھی دکھائی نہ دیا تو میں نے وہ بڑا سا شاپر اُٹھا کر اپنے پیروں میں رکھ لیا اور رکشہ آگے بڑھایا۔

خالی رکشہ دیکھ کر ایک سواری نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے جانے کا کہا مگر میں فراٹے بھرتا آگے نکل آیا۔ ایک گلی میں رُک کر میں نے شاپر کھولا اوپر کپڑے اور نیچے چرس کے بڑے بڑے پیک ٹکڑے بھرے ہوئے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کوئی منشیات فروش تھا یا تو اس کے لیے چیکنگ تھی یا روٹین کا ناکہ تھا مگر وہ ڈر کر نو دو گیارہ ہو گیا۔

میں شاپر کو پھر سے سنبھالتا ہوا گھر کی طرف چل پڑا۔ رکشہ روک کر شاپر اُٹھایا اور اپنے کمرے میں اسے چھپا کر دوبارہ کام پر نکل پڑا۔ اصل میں مجھے اس سواری کی تلاش تھی مگر شام تک مجھے وہ کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ رکشہ چھوڑ کر میں گھر آ گیا اور پھر سے اس شاپر کا جائزہ لیا۔ وہ بیس ٹکڑے تھے بڑے بڑے، وزن دس بارہ کلو سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

کئی دن تک میں نے اسے گھر میں چھپائے رکھا جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب وہ چرس میری ملکیت تھی تو اسے ٹھکانے لگانے کا سوچنے لگا۔ میرے کئی چٹی بھائی چرس کے عادی تھے ایک لڑکا عنصر تھا جس کو میں نے پوچھا کہ وہ چرس کہاں سے لیتا ہے تو اس نے بتایا کہ گوالمنڈی میں ایک ہے ملنے والا جو فروخت کرتا ہے۔ کیوں خیر ہے؟ اس نے برجستہ پوچھا۔

نہیں بس یونہی پوچھا تھا۔ پھر میں نے اس سے پورا پتا لیا چرس بیچنے والے کا۔ دوسرے دن ایک ٹکڑا رکشہ میں سیٹ کے نیچے رکھا اور اس کی تلاش میں نکل پڑا۔ وہاں اسے ڈھونڈنے میں کوئی دقت نہ ہوئی اور وہ کباڑیا بازار میں مل گیا۔

اسے بڑے اعتماد میں لے کر اس سے بات کی تو اس نے مال دِکھانے کا کہا۔ میں نے سیٹ کے نیچے پڑا چرس کا چھتر نکال کر اسے دکھایا تو وہ مال لینے کے لیے تیار ہو گیا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

شام کو ایک جگہ کا تعین اس نے کیا اور میں شاپر لے کر آ گیا۔ بندہ وہ ایماندار اور کاروباری تھا۔ اس نے اس ساری چرس کے مجھے چالیس ہزار دیے۔ اتنی بڑی رقم زندگی میں پہلی بار نصیب ہوئی تھی۔ تمام رات میں یہ فیصلہ نہ کر پایا کہ اس کو کس طرح استعمال کروں۔ پہلے سوچا آدھی گھر بھیج دوں اور باقی خود پر اور زینب پر خرچ ڈالوں پھر یہ سوچ کر گھر کا خیال دل سے نکال دیا اور زینب پر دل کھول کر روپیہ لٹاتا رہا۔

رکشہ تو صرف دِکھاوے کے لیے تھا اصل میں تو میرے اندر بڑا ہاتھ مارنے کی جستجو چل رہی تھی۔ رکشہ ڈرائیوروں کے ساتھ رہ کر ہر بُری جگہ اور بُرے لوگوں کا پتا چل گیا تھا۔ چالیس ہزار میں سے ایک ریوالور بھی خرید لیا تھا میں نے۔ کسی کو ساتھ ملانے کی بجائے میں اکیلا ہی کوئی واردات کرنے کے بارے میں پلان کر رہا تھا اس کے لیے جو گھر میں ذہن میں رکھا ہوا تھا وہ کسی سرکاری آفیسر کا تھا۔ دو چار بار اس کا جائزہ لیا گھر میں ایک خاتون دو بچے اور شاید ایک نوکر تھا۔ آج میرا مکمل پروگرام بنا ہوا تھا کہ رکشہ کسی جگہ چھوڑ کر خود اس گھر میں داخل ہو جاؤں۔

ایک محفوظ جگہ پر رکشہ کھڑا کیا اور دوکاندار کو یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا کہ ابھی آتا ہوں۔ وہ گھر دو تین گلیوں کو کراس کر کے آتا تھا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں ڈکیتی کے لیے تیار ہوں تو میں نے بڑے اعتماد کے ساتھ باہر لگی بیل کا بٹن دبا دیا۔

دروازہ کھولنے والا پانچ چھ سالہ لڑکا تھا۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر اس کو بازو سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا اندر کی طرف لپکا گھر کی مالکن کو میں نے بار بار دیکھ رکھا تھا جو بچی کو گود میں لیے ٹی وی دیکھ رہی تھی میرے ہاتھ میں پکڑے پستول اور اپنے بچے کا بازو دیکھتے سکتہ میں آ گئی۔ میں نے آہستہ آواز میں کہا کہ اگر شور مچایا تو اس کو گولی مار دوں گا۔ جلدی سے اُٹھو اور سب کچھ نکالو۔“

وہ بچی کو ساتھ لگائے تیزی سے اُٹھی اور میرے آگے ایک کمرے کی طرف چل پڑی۔ سامنے لوہے کی الماری رکھی ہوئی تھی اس کے پٹ کھولتے گھر کی مالکن نے سونے کے زیورات اور نقدی میرے حوالے کرتے اپنے بیٹے کو کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ میں نے دروازہ باہر سے بند کرتے اس کو وارننگ دی اگر کوئی گڑ بڑ کی تو مجھ سے کسی نیکی کی توقع نہ رکھنا۔ اس نے یقین دلایا کہ میں کچھ نہیں کرتی۔

میں دروازے کی جانب گھوما تو سامنے گھر کا ملازم سبزی والا تھیلا پکڑے حیرانگی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے ریوالور جو نیفے میں چھپا لیا تھا فوراً نکالا اور اس کی جانب بڑھا جو دروازے سے باہر نکل چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی بات کرتا اس نے چیخنا شروع کر دیا میں نے گھبراہٹ میں اس پر فائر داغ دیا۔

گولی اس کے سر پر لگی اور وہ میرے پیروں میں لڑھک گیا۔ گولی کی آواز اور اس کے چیخنے پر آس پاس کے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ میں ایک طرف بھاگا جا رہا تھا اور لوگ میرے پیچھے چور چور کرتے چلے آ رہے تھے کہ سامنے سے آنے والی اینٹ میرے سر پر لگی اور میں زمین پر گر پڑا اور ریوالور میرے ہاتھوں سے نکل کر دور جا گرا۔

پیچھا کرنے والوں نے مجھے لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ میرا پورا جسم لہولہان ہو چکا تھا۔ اگر بروقت پولیس کی گاڑی نہ پہنچ جاتی تو لوگ مجھے مار مار کر ختم کر ڈالتے۔ مجھے اسپتال لایا گیا۔ میں نیم بے ہوشی میں تین دِن تک پڑا رہا۔ میرے ہاتھوں کو ہتھکڑی لگا کر پولیس نے ہسپتال کے بیڈ پر حراست میں لے رکھا تھا۔ جب میں ذرا سا بولنے اور اُٹھ کر بیٹھنے کے قابل ہوا تو میری انکوائری شروع ہو گئی۔ میں نے جو کچھ بھی آج تک کیا تھا سب کچھ سچ سچ بتا دیا مگر اس کے باوجود ان کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ قتل تو مجھ سے ہو چکا تھا اس گھر کے ملازم کا۔ ڈکیتی، چوری اور قتل کا مقدمہ چل رہا ہے۔

زینب کے چکر میں اور اس کے والد کو بچاتے بچاتے میں خود سر تک غلاظت کی دلدل میں دھنس گیا ہوں“۔ آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو اس نے ہاتھ سے صاف کیا اور اپنا سر جیل کی سلاخوں سے ٹکا دیا۔

میں اُس کی بے چارگی دیکھ کر ٹک نہ سکا اور جیل سے نکل گیا۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ناول

کاشی چوہان

Downloaded From
Paksociety.com

زہرِ عشق

خوف اور رگوں میں لہو جما دینے والے مناظر سے بھرپور، عشق کی ایک ایسی ناقابلِ یقین داستان، جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ سچی کہانی ہے تو کسی کو یقین نہیں آئے گا۔

قسط نمبر: 9

صنوبر کو اس کا شرجیل مل گیا تھا اور وہ بہت خوش تھی۔ مگر اس کی خوشی کو درشہوار نے یہ کہہ کر کافی حد تک کم کرنے کی کوشش کی کہ کچھ بھی ہو۔ چاہے وہ جتنی بھی معافیاں مانگے لیکن اس نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا تھا وہ غلط تھا۔ اگر وہ اپنی طاقت ہار جاتا اور باپ کے سامنے جھک جاتا تو کیا ہوتا؟ کیا تم ساری زندگی اسی طرح ابہام میں گھری رہتیں اور یہ جان بھی نہ پاتیں کہ تمہارے ساتھ ہوا کیا ہے۔''

''لیکن ماما غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں اور وہ بھی ایک انسان ہے۔ کوئی غلطی ایسی نہیں ہوتی جسے انسان معاف کرنا چاہے اور معاف نہ کر سکے۔'' صنوبر کو اپنی ماں کی مخالفت بلاجواز محسوس ہو رہی تھی۔

''چلو پھر ٹھیک ہے میں اور کچھ نہیں کہتی۔ اپنی پیاری بیٹی کے لیے دعا کروں گی کہ زندگی میں اسے پھر ایسے کسی مرحلے سے نہ گزرنا پڑے۔''

درشہوار سمجھ چکی تھی کہ محبت کا جادو صنوبر کے رگ رگ میں اتر چکا ہے اور اس قسم کی کیفیت میں کسی کی کوئی بھی بات خواہ وہ کتنی ہی دوراندیشانہ کیوں نہ ہو سمجھ نہیں آتی۔ ویسے بھی اسے اپنی بیٹی کی خوشی عزیز تھی اور اس کی بیٹی جس بات میں خوش تھی اسے بھی اس کے ساتھ خوش ہونا تھا۔ وہ اب پہلے والی درشہوار نہیں رہی تھی۔ سلمان کی ہٹ دھرمی اور صنوبر کی بیماری نے اسے یکسر تبدیل کر دیا تھا۔ آصف کریم کے پیچھے بھاگتے ہوئے اسے یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ دو جوان بچوں کی ماں ہے۔ اور جب سے اسے یہ احساس ہوا تھا زندگی اسے پہلے کہ مقابلے میں بہت فرحت بخش اور جذبوں سے بھرپور لگنے لگی تھی۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ اسے بدلنے اور ممتا کے احساس سے روشناس کرانے میں خود صنوبر کا کتنا اہم کردار تھا۔ اس کی بیٹی حساس ہے اور حساس لوگوں کو اپنے دل کی باتوں پر یقین ہوتا ہے۔ ویسے بھی درشہوار کو لگا کہ اس کے پاس شرجیل کو مستقبل میں بے وفا ثابت کرنے کے لیے کوئی باقاعدہ دلیل نہیں تھی تو پھر اپنی بیٹی کا دل ابھی سے اداسیوں میں دھکیلنے کا کیا فائدہ ہے۔

دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ سلمٰی نے کھانے کے برتن اٹھاتے ہوئے ایک نظر صنوبر کی طرف دیکھا۔ صنوبر نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے جیسے اپنے شانت ہونے اور سلمٰی سے راضی ہونے کا اشارہ دیا۔

''تو کیا اب یہ بات تمہارے پاپا کو بتا دی جائے؟'' درشہوار نے سلمٰی کے چلے جانے کے بعد کہا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More



Downloaded From
Paksociety.com

READING
Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''نہیں... ابھی نہیں'' درشہوار نے اس کی طرف مزید وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''پہلے شرجیل اپنے والدین کو راضی کر لے۔ پھر پاپا کو بتا دیجئے گا'' صنوبر نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے'' درشہوار نے اٹھتے ہوئے کہا ''اب تم اپنے کمرے میں آرام کرو میں دیکھتی ہوں یہ سلمان کہاں رہ گیا؟''

''کیا مطلب... وہ اب تک بھی نہیں آیا؟'' صنوبر نے کہا تو درشہوار کو ہنسی آ گئی۔

''میری بیٹی اپنی محبت میں اس قدر کھوئی ہوئی ہے کہ ڈائننگ ٹیبل پر سلمان کو موجود نہ پا کر بھی اسے پتا نہیں چلا کہ سلمان غیر حاضر ہے'' صنوبر شرمندہ سی ہونے لگی۔

''سوری ماما'' اس نے کہا۔ ''تو آپ اس کا انتظار کب تک کریں گی اور کیا وہ اسی طرح روز روز اتنی ہی دیر سے آتا ہے؟'' صنوبر نے پوچھا۔

''ہاں اسے تم اچھی طرح جانتی ہو۔ نوجوان خون ہے۔ جیب میں ڈھیروں پیسا ہے۔ باپ کی کمائی پر عیش کرتا ہے۔ اوپر سے دوست بھی ایسے ہی بنائے ہیں جو اسے جلدی گھر نہیں آنے دیتے۔'' درشہوار کی باتوں میں شکوہ شکایت تو تھی مگر ایک ایسی مجبوری بھی تھی جو صنوبر سمجھ نہیں سکی۔ ویسے بھی اب صنوبر اپنے بھائی سلمان کے ساتھ اسکول آتی جاتی نہیں تھی۔ وہ ایسا کیوں نہیں چاہتی تھی۔ یہ اسے اچھی طرح معلوم تھا۔ اب شرجیل واپس آ چکا تھا اور شرجیل کے ہوتے ہوئے کسی بھی وقت اس کا موڈ کہیں بھی جانے کا بن جاتا تھا۔ الگ ہونے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ تو ایسے میں وہ سلمان کو اسے پک کرنے کا کہتی تو وہ عین وقت پر آ جاتا اسے لینے اور اسے اپنے ساتھ ساتھ شرجیل کے دل کا جبر بھی سہنا پڑتا۔ اس لیے اس نے سلمان کو خود ہی منع کر دیا تھا۔ اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں سلمان تو پہلے ہی اس ڈیوٹی سے بیزار تھا کہ روز روز صنوبر کو اس کے اسکول چھوڑو اور پھر ٹھیک وقت پر لینے بھی جاؤ۔ صنوبر نے ڈرائیور کی ڈیوٹی لگا دی تھی اور اس کے لیے اسے اپنی ماما کو قائل کرنا پڑا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ کوئی بھی تہذیب کیسی ہی آزاد خیال کیوں نہ ہو ماں باپ سے بچوں کو کچھ نہ کچھ جھوٹ بولنا ہی پڑتا ہے۔ صنوبر کو بھی اسکول میں پڑھائی اور کچھ عملی امتحانات کے بارے میں بتا کر ہی اس تبدیلی کے لیے راضی کرنا پڑا تھا۔

درشہوار جانتی تھی کہ ایسا کرنے سے سلمان کی پہلے سے ہی قابلِ اعتراض سرگرمیاں اور بھی بے لگام ہو جائیں گی۔ لیکن وہ مجبور تھی اور اتنی سمجھدار تو دنیا کی کوئی بھی ماں نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے بچوں کے سارے جھوٹ وقت پر پکڑ سکتی ہو۔ اب اسی تبدیلی کی وجہ سے درشہوار کو سلمان کا انتظار کرنا تھا تاکہ وہ کھانا ٹھیک سے کھا سکے۔ ایک ماں کے جو بھی فرائض ہو سکتے تھے اسے اب سب ہی نبھانا تھے اور وہ جان چکی تھی کہ ماں ایک ایسی قربانی کا نام ہے جسے کسی خاص دن، خاص وقت میں ہی قربان نہیں ہونا پڑتا بلکہ وہ ہمیشہ ہر وقت اپنے بچوں کے لیے قربان گاہ پر بیٹھی رہتی ہے۔ صنوبر نے ماں کی طرف دیکھا اسے لمحے بھر کو ماں کی پریشانی دیکھ کر ترس سا آ گیا لیکن محبت کی پکار دنیا کی سب آوازوں سے زیادہ اثر انگیز ہوتی ہے۔ اس نے خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

☆......☆......☆

جن زادے سلمان کے باپ ابراہیم کو اب ساری صورت حال کا علم تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ اس کا بیٹا کون سے روگ میں مبتلا ہے اور اس کی بیوی زلیخاں کے مطابق یہ روگ لاعلاج بن چکا ہے اسی لیے جن زادہ سلمان کسی بھی قیمت پر ہمیشہ کے لیے گھر واپس آنے کو تیار نہیں تھا۔ اس کے برعکس اس نے اپنی ماں کو یہ تجویز کیا تھا کہ وہ اور بابا دونوں اس کے ساتھ وہاں انسانوں کی دنیا میں چلیں۔ زلیخاں جانتی تھی کہ یہ بات اس کا شوہر ابراہیم کسی بھی صورت میں نہیں مانے گا۔ کیوں کہ وہ ایک روایت پسند جن تھا اور ایسے کٹر جنات اپنی جان دے سکتے ہیں لیکن اپنی روایات کو نہیں چھوڑتے۔ بیٹے کی ضد اور محبت بھی ابراہیم کو مجبور نہیں کر سکی تھی اور اسے سلمان جن زادے کے بارے میں یہ جان کر کہ وہ ایک انسان لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو چکا ہے شدید غصہ تھا۔ اس کے اندر جو الاؤ سا کھول

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

رہا تھا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو لے جا کر قبیلے کی مجلس کے سامنے پیش کر دے اور اس کے سارے گناہوں کا اقرار بھی کرنے میں دیر نہ کرے۔ لیکن یہاں بھی محبت غالب تھی اور یہ محبت اکلوتے بیٹے سے زیادہ اس کی بیوی زلیخاں کی محبت تھی۔ اس نے زلیخاں سے محبت کی شادی کی تھی اور شادی کی رات اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ساری زندگی اسے کوئی ایسا دکھ نہیں دے گا جیسے وہ سہار نہ سکے۔ اور زلیخاں اپنے بیٹے سلمان سے ایسی ہی محبت کرتی تھی کہ اگر اسے سلمان سے جدا کر دیا گیا تو وہ دو دن بھی زندہ نہیں رہ سکے گی۔ یہ



Downloaded From Paksociety.com

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

بات ابراہیم جانتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے بیٹے سلمان سے دھیرج اور صبر تحمل سے بات نمٹانے کا فیصلہ کیا تھا۔ بیٹے سے وہ بھی کوئی کم محبت نہیں کرتا تھا، کون ہے جو اپنے اکلوتے بیٹے سے محبت نہیں کرتا۔ اکثر اکلوتے بیٹوں کے ماں باپ ان کی ایسی باتیں بھی مان لینے پر مجبور ہوتے ہیں جو اولاد کی کثرت والے والدین نہیں بھی مانتے۔ حالانکہ ماں باپ کے لیے سب ہی بچے برابر ہوتے ہیں۔ پر اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اکلوتے بیٹے کے ماں باپ کی ساری محبت ایک جگہ، ایک اولاد پر مرتکز ہونے کی وجہ سے زیادہ لگنے لگتی ہے۔

سلمان ابراہیم اس وقت ایک گھپا میں بیٹھا ہوا صنوبر کے حسن کو یاد کر رہا تھا اور ان سارے دنوں اور سارے پلوں کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جو اس کے دل کی دنیا سے نکل کر اس کے سامنے محو رقص تھے۔

یہ کچھ زیادہ ہی روشن دن تھا۔ پہاڑوں پر پھیلی ہوئی دھوپ ایسے چمک رہی تھی کہ مٹیالے پہاڑ دور سے دیکھنے پر سونے کے معلوم ہوتے تھے۔ ابراہیم نے دور دور تک اپنی نظروں کو دوڑایا مگر اسے اپنا بیٹا کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ ''کہاں چلا گیا'' اس نے خود سے کہا۔ اسی لمحے اسے زلیخاں کی وہ بات یاد آئی کہ اگر سلمان کی بات نامانی گئی تو وہ کسی رات کسی خاموش دن میں چپ چاپ یہاں سے چلا جائے گا۔ ابراہیم کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے سلمان کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

خواب وخیال کی دنیا میں گم سلمان ابراہیم کو کئی آوازوں کے بعد اپنے بابا کی آواز سنائی دی۔ تو وہ گھپا سے باہر نکل آیا۔ اس نے اپنے بابا کی طرف ہاتھ ہلایا اور پھر نظریں نیچی کر لیں۔ وہ جانتا تھا اس کا بابا اسے کیوں تلاش کر رہا ہے۔ جو بات وہ کرنا چاہتا تھا اسے کرنے سے سلمان کترا رہا تھا کیونکہ اسے پتا تھا اس کے بابا کی بات میں کیا معنی چھپے ہیں اور وہ خود اپنے دل کے ہاتھوں اس قدر مجبور تھا کہ اسے بابا کی بات سے کسی بھی صورت میں اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔ اس بات چیت کا انجام ہر صورت میں اس کے باپ کی دل آزاری پر ہی منتج ہونا تھا اس لیے ایسی بات کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے جس کا انجام کوئی پہلے سے جانتا ہو۔

ابراہیم جلدی جلدی اس کے پاس ہی چلا آیا اور دونوں آرام سے اس خاموش اور کشادہ گھپا میں بیٹھ گئے۔

''تم یہاں ہو میں تو سمجھا.......'' ابراہیم نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

سلمان اپنے بابا کی ادھوری بات کا پورا مطلب سمجھ چکا تھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ میں تو سمجھا تم جا چکے ہو۔ یہ سمجھ کر بھی سلمان کچھ نہیں بولا چپ ہی رہا۔

''بیٹا سلمان میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں'' ابراہیم کے لہجے میں چھپی مجبوری اور باپ کی محبت دونوں سلمان نے محسوس کر لی تھیں۔

''بابا اگر آپ یہ بات نہ کریں تو زیادہ اچھا ہوگا'' سلمان نے بمشکل کہا۔

''کیا مطلب ہے.... تم میری بات سننے سے پہلے ہی جان چکے ہو کہ میں کیا بات کرنے والا ہوں؟'' ابراہیم کو سلمان کی بات میں انکار کی بو محسوس ہوئی۔

''جی... میں یہ جانتا ہوں آپ کیا بات کرنے والے ہیں۔ اسی لیے کہتا ہوں بابا میں آپ کے چہرے پر مایوسی اور غم دیکھنا نہیں چاہتا۔ بس اتنا سمجھ لیں۔ میں آپ کی بات مان نہیں سکوں گا۔ مجبور ہوں'' سلمان نے اس طرح کہا جیسے اگر اس نے اب نہیں کہا تو شاید پھر کبھی نہیں کہہ سکے گا۔

''اس کا مطلب ہے تم میری بات نہ سننے کا فیصلہ کر چکے ہو۔ لیکن میں چاہتا ہوں سن لو ہو سکتا ہے ہم کوئی ایسا راستا نکالنے میں کامیاب ہو جائیں جس سے دونوں کی بات رہ جائے۔'' ابراہیم نے اپنا غصہ دباتے ہوئے پوری طرح امن سے کہا۔

سلمان نے اپنے بابا کے چہرے کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا۔ اور اسے اپنے بابا پر ڈھیروں پیار آ گیا۔ وہ یکلخت اپنے بابا کے سینے سے لگ گیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اور وہ اسی طرح بابا کے سینے سے لگے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

لگے بولا۔
"میں کتنا مجبور ہوں بابا کاش آپ کو بتا سکتا۔ ورنہ میں اپنے بابا کی بات کبھی رد نہ کرتا۔" سلمان کی رقت آمیز لہجے میں کی گئی بات سن کر ابراہیم کا دل بھی پسیج گیا۔ وہ بیٹے کو اپنے سینے سے بھینچ کر بولا۔
"کاش تیرا باپ ساری دنیا کا بادشاہ ہوتا میرے بچے تو میں تیری ہر خواہش بنا تیرے کہے ہی پوری کر دیتا۔ مگر تم جانتے ہو تمہارا بابا کتنا مجبور ہے۔" ابراہیم کی آنکھوں میں بھی پانی تیر گیا۔
کچھ دیر تک دونوں اسی طرح ایک دوسرے کی محبت میں سرشار اِدھر اُدھر کی اور سلمان کے بچپن کی ایک دوسرے کی چاہت کی باتیں کرتے رہے اور کسی قدر دونوں کو ہی یہ یاد نہیں رہا کہ وہ اس سے پہلے کیا بات کرنے والے تھے۔ ابراہیم نے آج کتنے ہی سے بعد اپنے بیٹے سے ایسی پیار بھری اور دل کو اندر تک سکون دینے والی باتیں کی تھیں اسے یہ سب اتنا اچھا لگنے لگا کہ اس کا دل چاہا کہ کاش یہ لمحے اسی طرح رہیں اور وقت رک جائے آگے نہ بڑھے۔ لیکن وقت تو کبھی نبیوں اور ولیوں کے لیے نہیں رکا تو جنات کے لیے کیسے رک سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جو بھی ذی روح اس دنیا میں آیا ہے اسے جلد یا بدیر واپس ضرور جانا ہوگا۔ مگر ابراہیم اس وقت سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا۔ اس لیے کچھ ہی دیر میں دونوں کھیلنے لگے اور یہ کھیل جنات کی دنیا میں کافی مقبول کھیل تھا۔
دونوں نے ایک دوسرے کو پکڑنے اور پکڑ کر سر سے اوپر گھمانے کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا۔ جب سلمان نے ابراہیم کو اس طرح پکڑ کے اپنے سر سے اونچا گھمایا تو ابراہیم کو بڑی حیرت ناک خوشی ہوئی اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس کا بیٹا اتنا بڑا ہو چکا ہے اور اس کے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے۔
اسی طرح مسخریاں کرتے، ہنستے بولتے جب دونوں اپنے گھر میں داخل ہوئے تو پریشانی اور الجھن میں بے چین زلیخاں کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور اس کے منہ میں الفاظ جیسے رک سے گئے۔ وہ کہنا چاہتی تھی 'کیا ہوا کہیں تم دونوں دیوانے تو نہیں ہو گئے۔ میں یہاں پریشانی سے ہول رہی ہوں اور تم مسخریاں کر رہے ہو۔' مگر وہ کہہ نہ سکی۔ سلمان اپنی ماں کی کیفیت کو سمجھ گیا اس لیے اس نے ماں کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر زور زور سے گھومتے ہوئے کہا۔
"ماں تم سمجھ رہی تھیں بابا میری لاش لے کر گھر میں داخل ہوگا۔ پر دیکھو ایسا کچھ نہیں ہوا۔ میرا بابا بھی مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ ہم سب ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں اور جو محبت کرتے ہیں وہ محبت کا درد بھی سمجھتے ہیں۔" دیوانگی میں سلمان یہ سب کہتا رہا اور ابراہیم اس کی بات سن کر مسکراتا رہا۔ زلیخاں کو یہ سب سن کر اتنا اچھا لگا، ایسا سکون ملا کہ وہ اپنے سلمان سے یہ کہنا تک بھول گئی کہ ارے باؤلے مجھے نیچے تو اتارو کیوں میری حالت برباد کرنے پر تلے ہو۔ اور جب سلمان نے اسے نیچے اتارا تو وہ سلمان کو اپنے سینے سے لگا کر ایک دم ہی چھلک پڑی۔
"اللہ نے میری دعائیں سن لیں میرے بچے۔ میری جان سب ٹھیک ہو گیا۔" یہ سن کر ابراہیم چونکا مگر بولا کچھ نہیں وہ جانتا تھا کہ سب ٹھیک نہیں ہوا ہے۔
"تم دونوں بیٹھو میں کھانا لگاتی ہوں، صبح سے تم نے کچھ نہیں کھایا تو تمہارا بابا بھی بھوکا ہے" یہ کہہ کر زلیخاں اندر چلی گئی اور سلمان سرشاری سے غار میں بچھی چھال پر ڈھیر ہو گیا۔

☆......☆......☆

رات کو زلیخاں نے ابراہیم کی گردن میں باہیں حمائل کرتے ہوئے کہا۔
"تم واقعی ایک شاندار جن ہو۔ اور اس سے بھی اچھے باپ ہو۔ مگر میں یہ جاننے کو بے چین ہوں کہ یہ سب ہوا کیسے۔ تم نے سلمان کو کیسے منایا۔ میری تو وہ ایک بات بھی ماننے کو تیار نہیں ہو رہا تھا۔" تب ابراہیم کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ زلیخاں کتنی بڑی غلط فہمی کا شکار تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ سلمان نے ابراہیم کی بات مان کر اب ہمیشہ کے لیے یہاں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یا خدا کس قدر مشکل ہے اس ماں کو سچائی بتانا۔ واقعی اولاد انسان کی ایک آزمائش

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہی ہوتی ہے رب تعالیٰ نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ ابراہیم سوچوں کی پگڈنڈیوں پر چلتا رہا اور زلیخاں اس کے جواب کا انتظار کرتی رہی۔ جب ابراہیم کو خاموش ہوئے کافی وقت ہو گیا تو زلیخاں کا صبر جواب دے گیا۔

''کیا بات ہے اس طرح چپ کیوں ہو مجھے کیوں نہیں بتاتے کہ سلمان کو تم نے کس طرح، کیا کہہ کر منایا؟''

''سننا ہی چاہتی ہو تو پھر سنو! سلمان کو میں نے نہیں منایا'' ابراہیم کی آواز میں ایک دکھ تھا۔ جسے محسوس کر کے زلیخاں جیسے لرز کر رہ گئی۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا، جلدی سے بتاؤ۔ میرا تو سانس پھول رہا ہے'' زلیخاں کی برداشت جواب دینے لگی۔

''اس نے تو میری بات تک سننا گوارہ نہیں کیا۔ وہ اپنے فیصلے میں اس قدر اٹل ہو چکا ہے کہ میں اگر اپنی بات کر بھی لیتا تب بھی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس نے میری بات ماننا ہی نہیں تھی اس لیے وہ میرے بات کرنے سے پہلے ہی بول اٹھا کہ بابا مجھ سے ایسی کوئی بات نہ کریں۔ میں آپ کے چہرے پر مایوسی اور شکست دیکھ نہیں سکتا۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں مجبور ہوں۔ وہ رو گیا۔ میرے سینے سے لگ کر جب آنسو بہاتے ہوئے اس نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا تو پہلی بار مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں اپنے بیٹے سے وہ مانگنے کی کوشش کر رہا ہوں جو دینا اس کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ تب پھر ہم دونوں نے کوئی بات نہیں کی اور اپنی محبت، اس کی پیدائش، بچپن اور اس کی شرارتوں کی باتیں کرتے ہوئے کب کے کب ہم کھیل میں لگ گئے خود ہمیں بھی پتا نہیں چلا اور اسی حالت میں تمہارے سامنے آ گئے۔ تم سمجھیں وہ میری بات مان گیا ہے میں شاید اسی لیے خوش ہوں لیکن میں اس لیے خوش تھا کہ میں تم سے یہ لحاتی خوشی، یہ مسرت چھیننا نہیں چاہتا تھا۔ بولو کیا اس لمحے تم زندگی میں سب سے زیادہ خوش نہیں ہوئی تھیں؟'' ابراہیم نے بنا رکے جیسے ایک ہی سانس میں ساری بات زلیخاں کو بتا دی۔ سن کر زلیخاں بالکل خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں گہری اداسی اتر آئی اور وہ بولنے کی طاقت سے جیسے کچھ لمحے کے لیے محروم ہو گئی۔ طویل وقفے کے بعد اس کی آواز غار کے سکوت میں ابھری۔ یہ آواز پوری طرح رنج والم میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''تو اب تم نے کیا سوچا ہے ابراہیم؟''

''میں نے بہت سوچ کر ایک درمیان کا راستا نکالا ہے!'' امید کی ایک کرن زلیخاں کو دکھائی دی اور اس کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔

''وہ کیا ابراہیم... دیکھو میرا دل کتنی زور سے دھڑک رہا ہے۔ جلدی سے بتاؤ نہیں تو سینے کی دیوار توڑ کر باہر نکل آئے گا''

''وہ یہ کہ ہم اسے جانے دیتے ہیں۔ اور سردار کے کارندے کیلاش سے اسی طرح جھوٹ بولتے رہتے ہیں کہ ہمارا بیٹا تمہارے بھائی کے گھر رہتا ہے۔ تم اپنے بھائی کو سمجھا دو کہ اس سے کوئی پوچھنے آئے تو وہ یہی جواب دے کہ سلمان اس کی دیکھ بھال کے لیے اسی کے ساتھ رہتا ہے کیونکہ وہ بیمار ہے اور اپنی دیکھ بھال خود سے کر نہیں سکتا۔'' ابراہیم کی بات پوری نہیں ہوئی تھی وہ بس سانس لینے کو رکا تھا۔ اسی وقفے میں زلیخاں بولی۔

''پھر اس کے بعد کیا ہو گا ابراہیم... کیلاش اس بات کو زیادہ دیر تک نہیں مانے گا۔ وہ ضرور میرے بھائی بدیل سے تفتیش کرنے اس کے قبیلے اپنا آدمی بھیجے گا ہو سکتا ہے وہ خود وہاں جا پہنچے تب؟؟؟'' زلیخاں کی فکرمندی کو ابراہیم نے محسوس کر لیا۔

''میں جانتا ہوں ایسا ہی ہو گا۔ لیکن اللہ کی ذات سے ایک امید ہے کہ ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو تم بدیل کو پہلے سے سمجھا دینا۔ وہ کوئی بہانہ کر دے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجلس بدیل کی بات مان جائے اور کوئی زیادہ باز پرس نہ ہو۔ اور اگر ایسا ہوا تو میں اتنے عرصے میں سلمان کو جا کر انسانوں کی دنیا سے لے آؤں گا۔ پھر ساری بات نمٹ جائے گی۔'' ابراہیم نے اپنی زلیخاں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر وہ مطمئن نہیں ہوئی۔ اسے معلوم تھا یہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

بات یہیں پر ختم نہیں ہوگی۔ اس سے آگے جائے گی۔

''میں جانتی ہوں جو کچھ ہوسکتا ہے، اس کے بارے میں تم سوچنا نہیں چاہتے۔ ابراہیم لیکن میری ایک بات کا جواب دے دو۔ اگر ایسا ہوا کہ ہم واقعی پھنس گئے اور سردار کو ساری حقیقت کا پتا چل گیا تب تم کیا کرو گے؟''

زلیخاں کے اس سوال سے ابراہیم بچنا چاہتا تھا لیکن بچنا محال تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ اس نے زلیخاں کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں ڈھیروں فکرات کا میلہ سا لگا تھا وہ اپنی زلیخاں کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کے پاس جواب بھی کوئی نہیں تھا کہ کیا کہے۔

''محبت ہمیشہ ایک قدم آگے کا سفر کرتی ہے ابراہیم... تمہیں یاد ہوگا جب تم نے مجھ سے محبت کا اقرار کیا تھا تو یہ بات تم بھی جانتے تھے اور میں بھی کہ یہ ملن ناممکن ہے۔ ہم دونوں کے قبیلوں میں صدیوں پرانی دشمنی تھی اور میرے قبیلے کا سردار کسی بھی صورت یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اس کے قبیلے کی لڑکی کی شادی کسی مخالف قبیلے کے جن سے ہو۔ تب بدیل بھائی نے کہا تھا کہ مجھے انتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ یہ بات جانتے تھے کہ ہمارے قبیلے کے سردار کی تمہارے قبیلے کے سردار سے دشمنی ذاتی تھی اس لیے ہمارے قبیلے کے سردار کی موت کے بعد ہی ہماری شادی ممکن ہوسکی تھی اور بدیل بھائی کو معلوم تھا کہ ہمارے قبیلے کا سردار زیادہ عرصے زندہ نہیں رہے گا کیونکہ وہ کسی مہلک بیماری میں مبتلا تھا۔ کیسے تڑپتے تھے ہم...... بدیل بھائی نہ ہوتے تو ہماری ملاقاتیں بھی ممکن نہ ہوتیں۔ اللہ ایسا بھائی سب کو دے۔'' زلیخاں نے بات جاری رکھتے ہوئے اپنے بھائی کی تعریفیں کرنا شروع کردیں۔ ابراہیم کو یہ باتیں بے وقت کی راگنی معلوم ہوئیں۔ وہ سوچنے لگا آخر زلیخاں کہنا کیا چاہتی ہے۔

''میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ محبت ہمیشہ ایک قدم آگے کی طرف سفر کرتی ہے۔ ہمارا بیٹا ہماری محبت کی نشانی ہے اور اسے ایک انسان لڑکی سے محبت ہوئی ہے جو ہماری محبت سے زیادہ مشکل محبت ہے''

''تمہاری یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی زلیخاں۔ تم جو کہہ رہی ہو اسے کچھ نہیں رہیں، یہ محبت نہیں ایک قسم کی نادانی ہے۔ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ کسی شیر کو کسی لومڑی سے محبت ہوسکتی ہے؟''

''یہ شیر اور لومڑی کی نہیں انسان اور جنات کی بات ہے ابراہیم۔ جانور انسانوں اور جنات دونوں سے الگ ہوتے ہیں لیکن جنات اور انسانوں میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہوتا۔''

''بیٹے کی محبت میں تم خود کو فریب دینا چاہتی ہو۔ انسان اور جنات میں فرق ہوتا ہے جیسے آگ اور پانی میں فرق ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں کا ملاپ ناممکن ہے زلیخاں!'' ابراہیم نے بحث کرتے ہوئے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

''تم نے تو خود ابراہیم میری بات کی ہی تائید کردی ہے۔ آگ اور پانی کا ملاپ تو ہوتا ہے بس یوں ہے کہ اس ملاپ سے ایک کا وجود مٹ جاتا ہے'' زلیخاں کی بات سن کر ابراہیم کو جھٹکا سا لگا۔

''تم کہنا چاہتی ہو ہمارا بیٹا مٹ جائے گا کیونکہ وہ آگ سے بنا ہے؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو زلیخاں۔ اگر ایسا ہے تو ہمیں اپنے بیٹے کو اس کھیل سے روکنا ہوگا جس میں اس کی زندگی، اس کے وجود کو مٹنا ہوگا۔ ہم ایسی محبت کا ساتھ کیسے دے سکتے ہیں جو ہم سے ہماری سب سے بڑی خوشی چھین کر لے جائے۔ جو ہماری آرزوؤں کا دیا ہی بجھا دے'' ابراہیم جذباتی ہوگیا اور زلیخاں اسی طرح شانت رہی۔ اس کے چہرے کا اطمینان دیکھ کر ابراہیم کو بڑی حیرت ہوئی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم اپنے بیٹے کے مٹ جانے کے تصور سے اس قدر پرسکون رہ سکتی ہو؟''

''جو میں دیکھ رہی ہوں وہ تم دیکھ نہیں رہے۔ اور جو میں سمجھ رہی ہوں وہ تم سمجھنے سے قاصر ہو ابراہیم... ہمارا بیٹا اپنے عشق میں مٹ سکتا ہے۔ مر نہیں سکتا، اس کا وجود گم ہوسکتا ہے پر ہمیشہ کے لیے غائب نہیں ہوسکتا'' زلیخاں نے کسی پراسرار روح کی طرح سے کہا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''یہ تم کس قسم کی باتیں کیے جارہی ہو زلیخاں مجھے تو تمہاری یہ پہیلیوں جیسی الجھی ہوئی باتیں بالکل بھی سمجھ نہیں آرہیں۔ خدا کے لیے، مجھے بتاؤ تمہاری بات کا کیا مطلب ہے؟'' ابراہیم کی بے چینی سوا ہونے لگی۔

''تو پھر سنو ہمارے بیٹے نے ایک انسان لڑکی سے محبت کی ہے اور اسے اس لڑکی کو پانے کے لیے انسان بننا ہوگا!''

''انسان بننا ہوگا.... یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ تو پاپ ہے، گناہ ہے۔ اس کی اجازت اسے جن جاتی کبھی نہیں دے سکتی اور سردار اس کی جان کا دشمن بن جائے گا''

''اب جو بھی ہو ہمارے بیٹے کے مقدر میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ اسے نہ تم روک سکتے ہو نہ میں بدل سکتی ہوں۔ میں سوچتی ہوں شاید کہیں کوئی ایسا آئین، کوئی ایسا دستور بھی ہو جسے جنات جانتے نہ ہوں اور خدا جانتا ہو۔ عشق میں ایسی ہی انہونی باتیں ہوتی ہیں۔ ابراہیم ممکن ہے اس نامعلوم دستور کے مطابق ہمارے بیٹے سلمان کا انسان بن جانا پاپ نہ ہو۔''

''میں یہ نہیں مانتا''

''تو میں کب کہتی ہوں تم مانو... مگر میں یہ جانتی ہوں جس طرح سب جنات کے بیچ میں سے ہمارے بیٹے نے یہ انوکھی ضد کی تھی کہ اسے انسانوں کے ساتھ پڑھنا ہے۔ اور یاد کرو تم نے اس کی یہ ضد مان کر ہی اسے جن جاتی سے بالکل مختلف اسے انسانوں کے بیچ پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ یہ بات کسی کو نہیں معلوم۔ جرم اور گناہ تو یہ بھی ہے ابراہیم'' زلیخاں کی بات سن کر ابراہیم فکروں میں ڈوب گیا اور بہت دیر بعد اس نے بس یہ ایک بات کہی۔

''اس کا مطلب ہے ہماری عاقبت خراب ہو چکی''

غار میں اس کے بعد کوئی آواز سنائی نہیں دی اور گہرے سکوت نے اندھیرے کی چادر اوڑھ لی۔

☆......☆......☆

سلمان کریم نے اپنے دوستوں کو اپنے گھر پارٹی میں مدعو کرتے وقت حسب عادت نہ اپنی ماں سے پوچھنا ضروری سمجھا نا ور نہ ہی اپنے باپ آصف کریم کو اطلاع دی۔

یہ سٹر ڈے نائٹ تھی اور سلمان کے دوستوں نے گھر کی چھت پر جہاں ایک پینٹ ہاؤس بھی بنا ہوا تھا۔ کشادہ اور وسیع چھت پر اس کے دس پندرہ دوستوں نے پوری آوارگی سے ڈیرہ جمایا اور خوب موج مستی کرتے ہوئے زور زور سے ناچ گانے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ ان کی ہڑبونگ اتنی زیادہ تھی کہ اس محلے کے لوگوں نے اس سے پہلے ایسی ادھم چوکڑی نہیں دیکھی تھی مگر ان آبادیوں میں لوگ قانون پر عمل درآمد کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے۔ سینا تان کر اپنے زور بازو پر کوئی کسی کو کسی ایسے کام سے بھی نہیں روکتا تھا جو دوسروں کے لیے تکلیف اور زحمت کا باعث ہو۔ اول تو یہاں کے رہنے والے ایسی حرکتوں سے پرہیز کیا کرتے تھے تاکہ اس آبادی کی اپنی ایک پہچان باقی رہے ویسے بھی یہاں سب ہی غیر معمولی پڑھے لکھے لوگوں کے گھر تھے اور جو پڑھے لکھے نہیں تھے وہ بھی چلتے پڑھے لکھے لوگوں کے چال پر تھے تاکہ انھیں جاہل ہونے کا طعنہ نہ سننا پڑے۔ پھر یہ جو سلمان نے ایک انوکھا کام کیا شور شرابے سے آس پاس کے لوگوں کا سکون غارت کر دیا تو ایسے میں سب ہی لوگ حیرت میں ڈوبے ہوئے جاگ رہے تھے۔ انھیں غصہ بھی آرہا تھا تو وہ غصے سے زیادہ اپنی حیرت کا ہی اظہار کر رہے تھے کہ آخر یہ آصف کریم جیسے سمجھدار اور سلجھے ہوئے بزنس مین کو کیا ہوا جو انھوں نے بیٹے کو ایسی بدتہذیبی کرنے کی اجازت دی۔ ایسی ہلڑ بازی تو جاہلوں کے ایریا میں بھی ناپسندیدہ کی جاتی ہے چہ جائیکہ یہاں اس علاقے میں۔ لیکن چونکہ یہ پہلی غلطی تھی اس لیے کوئی بھی آصف کریم کی عزت کی وجہ سے فون اٹھا کر پولیس کو فون نہیں کر رہا تھا۔ سب یہی سوچ رہے تھے کہ صبح آصف کریم سے پوچھیں گے کہ انھوں نے ایسی بے ہودگی کرنے کی چھوٹ اپنے بیٹے اور اس کے دوستوں کو کیوں دی۔ انھیں موج مستی کرنا تھی تو وہ کوئی ہوٹل یا کوئی کلب بک کرا کے وہاں یہ سب کر سکتے تھے۔ پیسے والوں کی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

اولادیں ایسی حرکتیں اسی قسم کی جگہوں پر کرتی ہیں۔ پر سلمان تھا ہی ایسا خودسر اور سرکش نوجوان اسے یوں بھی دوسروں کو تنگ کرنے میں مزا آتا تھا۔ اسی لیے اس کے دوستوں نے جب یہ پروگرام بنایا تو اس نے خود آگے بڑھ کر ہیکڑی دکھاتے ہوئے یہ آفر کی کہ یہ پروگرام اس کے گھر کی چھت پر زیادہ اچھا رہے گا۔ اس کے دوستوں نے حیرت سے اس کی بات سنی اور پھر زور سے ہرا کہہ کر اس آفر کو قبول کرلیا کیونکہ وہ جانتے تھے وہ کتنے ہی اپنی جینز سے باہر نکل جائیں مگر ان کے والدین انھیں یہ سب کرنے کی گھر پہ اجازت کبھی نہیں دیں گے۔ سلمان نے تو ماں باپ کو اس لائق بھی نہیں سمجھا تھا کہ وہ انھیں اطلاع ہی دے دیتا۔ اب محلے والوں سے زیادہ صنوبر، درشہوار اور آصف کریم پریشان تھے۔ کیونکہ چھت کتنی ہی مضبوط اور دھماکہ پروف کیوں نہ ہو جس قسم کا ہلڑ یہاں مچایا جارہا تھا اس کی آواز ہی اتنی بلند تھی کہ دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔

''آخر تم اسے جاکر منع کیوں نہیں کرتے؟'' درشہوار نے آصف کریم سے کہا۔

''میں اس وقت گیا تو تم جانتی ہو وہ اپنے دوستوں کے سامنے بے عزتی محسوس کرے گا اور میری بات ماننے کے بجائے بدتمیزی پر اتر سکتا ہے۔ اولاد جوان اور خودسر ہو تو ماں باپ کی عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یاد نہیں جب اس نے تمہیں بھی دھکا دے دیا تھا۔ آج اگر میں نے ایسا کچھ کیا تو وہ میرے ساتھ بھی ایسا کچھ کرسکتا ہے جسے میں ساری زندگی کسی زخم کی طرح چاٹتا رہوں'' آصف کریم نے جیسے پہلے سے یہ جواب سوچا ہوا تھا۔

''کل جب محلے والے پوچھیں گے تو انھیں کیا جواب دو گے، اور اس سے بھی زیادہ پریشانی کی بات یہ ہے آصف اس طرح اس کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور وہ آئندہ بھی اس قسم کی حرکت کرسکتا ہے؟'' درشہوار نے کہا تو آصف نے اسے گھور کے دیکھا۔ ''میں جانتا ہوں... مگر اس وقت اسے روکنا ممکن نہیں ہے درشہوار تم سمجھ کیوں نہیں رہیں!'' وہ چیخا۔

''اور بعد میں؟'' درشہوار نے آنے والے خوف کی طرف اشارہ کیا۔

''کل میں اس سے اکیلے میں یہ بات سمجھاؤں گا۔ اس نے اگر اب ایسی حرکت کی تو محلے والے بعد میں پولیس کو بلائیں گے میں پہلے اطلاع دوں گا۔''

''لیکن اس وقت... کیا ساری رات ہم اسی طرح اس عذاب کو جھیل کر گزاریں گے۔'' درشہوار کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے، کیا کرے۔ بے بسی سے وہ اپنے کانوں کو بند کرتی رہی پھر یہ کہہ کر اپنے کمرے سے اٹھ کر چلی گئی۔

''میں صنوبر کے کمرے میں جارہی ہوں'' آصف اسے بے چارگی سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ لیکن جب درشہوار صنوبر کے کمرے میں پہنچی تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ صنوبر اپنے کمرے میں موجود ہی نہیں تھی۔

''تو کیا وہ بھی اس بدتمیزی کا حصہ بننے اوپر چلی گئی ہے'' درشہوار نے باتھ روم وغیرہ چیک کرنے کے بعد سوچا۔ جب اسے درشہوار ٹیرس پر بھی نہیں ملی تو ڈرتے ڈرتے اوپر چھت پر پہنچی اور یہ دیکھ کر اس کا خون کھول گیا کہ سلمان اپنی بہن پر زور زور سے چلا رہا تھا۔ اور اسے نیچے جانے کو کہہ رہا تھا۔ دونوں بہن بھائیوں میں یہ جھگڑا کافی دیر سے جاری تھا۔ اس جھگڑے کو سارے ہی لڑکے انجوائے کررہے تھے کیونکہ ان کے لیے یہ بات کوئی خلاف توقع نہیں تھی۔ لیکن فارس عباسی ایک ایسا بگڑا ہوا نوجوان تھا جو دل پھینک مشہور تھا۔ لڑکیوں کو ورغلا کر ان کی عزت کا موتی چرانا اس کی گھناؤنی حرکتوں میں سب سے نمایاں تھی۔ خوبصورت لڑکی تو اس کی ایسی کمزوری تھی کہ جب تک وہ اسے حاصل نہ کرلے اس کی نیند اڑ جاتی تھی۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ اب تک ملنے والی ساری ہی خوبصورت لڑکیاں اس کی ہوس کا شکار ہوچکی تھیں کتنی ہی ایسی بھی تھیں جو اسے شکست دے چکی تھیں لیکن وہ دوستوں میں اپنا بھرم باقی رکھنے کے لیے ایسے پوز کرتا تھا جیسے اس نے جسے چاہا اسے اپنے پہلو میں ضرور سلایا۔ اس وقت بھی وہ سارے ماحول سے بے گانہ ہوکر صرف اور صرف صنوبر کو ایسی وحشت ناک نظروں سے دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

میں یہ ارادے باندھ رہا تھا کہ اس نئی اور خوبصورت کلی کو کیسے مسلنا ہے۔ اس کی ان حرکتوں سے سارے ہی دوست واقف تھے۔ سلمان بھی یہ بات جانتا تھا اس لیے کوئی بھی دوست اسے اپنے گھر آنے کی دعوت نہیں دیتا تھا خصوصاً ایسے دوست جن کے گھروں میں بہنیں موجود تھیں۔ لیکن سلمان تو تھا ہی مغرور اور گھمنڈی اس نے تو یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ اس پارٹی کے ذریعے وہ کتنی بڑی مصیبت کو دعوت دے رہا ہے۔ بلکہ سچ تو یہ تھا کہ سلمان نے یہ سوچا ہی کب تھا کہ صنوبر جیسی لڑکی اس طرح اس کے دوستوں کی پروا کیے بغیر یوں اس پارٹی کو خراب کرنے اوپر چلی آئے گی۔

اب صورت حال یہ تھی کہ رات کے دو بج رہے تھے اور صنوبر بضد تھی کہ اس پارٹی کو ابھی اور اسی وقت ختم کیا جائے۔ سلمان کی ضد تھی کہ ایسا نہیں ہوگا۔ تم شرافت سے نیچے جاؤ۔ پتا نہیں صنوبر کو کیا ہوا پہلی بار وہ سلمان کی دھمکی سے ذرا بھی خوفزدہ نہیں ہوئی۔ اسے شاید اپنے ماں باپ کی بے آرامی کا خیال اپنی بے سکونی سے بھی زیادہ تھا۔ اس لیے وہ اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔ درشہوار نے یہ منظر دیکھا تو پہلے تو اس نے اپنی بیٹی سے کہا کہ نیچے چلے۔ لیکن جب صنوبر نے یہ کہا وہ اس پارٹی کو ختم کرائے بغیر نیچے نہیں جائے گی تو درشہوار بھی بیٹی کی حمایت میں کھڑی ہوگئی۔ سلمان بدتمیزی پر اترنے لگا تو باقی لڑکے حیرت سے اس تماشے کو انجوائے کرنے لگے ابھی ماں اور بیٹے میں بات بڑھتی کیونکہ درشہوار نے ساری چیزوں کو سمیٹنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ سب کچھ تہس نہس کرنے آگے بڑھی اس نے گٹار، کی بورڈ اور شراب کی بوتلیں سب کو اٹھا کر ادھر اُدھر پھینکنا شروع کر دیا تھا۔

سلمان اپنی ماں کو مسلسل روک رہا تھا دھمکی دے رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑتا۔ اسی لمحے آصف کریم اوپر آگئے اور انھوں نے آتے ہی سلمان کے منہ پر ایک زور کا طمانچہ رسید کیا۔ یہ منظر سب کے لیے حیران کن اور ناقابل یقین تھا۔ سلمان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے ایسا کہ اس کے باپ نے جو اس کے دوستوں کے سامنے اس کی بے عزتی کی اس کا ازالہ ہو جائے۔ شاید وہ جواب میں آصف کریم کے منہ پر ایک ایسا ہی زوردار تھپڑ جڑ دیتا کہ آصف نے اس کے دوستوں کو چلے جانے کا حکم دیا۔ دوست جو پہلے ہی بھاگ نکلنے کا راستا تلاش کر رہے تھے وہ دم دبا کر چلتے بنے اور یوں سلمان کی ساری زندگی کی سب سے بڑی بے عزتی کا ایک ریکارڈ قائم ہوگیا جواب باقاعدہ بجتے بھی والا تھا۔ درشہوار اور صنوبر بھی آصف کی اس جرأت پر ششدر تھیں۔ انھوں نے آصف کا دونوں طرف سے ہاتھ پکڑا اور اسے نیچے لے گئیں... سلمان زخمی سانپ کی طرح دیر تک اوپر ہی بیٹھا رہا۔ اسے اپنی اس طرح بے عزتی کا ذرا سا بھی اندازہ نہیں تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کو خاص طور پر اپنے ماں باپ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا اس کا باپ آصف کریم زیادہ سے زیادہ اسے سخت سست سنائے گا کہ اس نے یہ ٹھیک نہیں کیا اور اس کی ماں جو کچھ بھی کہے گی اسے وہ ایک کان سے سنے گا اور دوسرے سے نکال دے گا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ صنوبر جیسی مہذب اور خاموش طبع لڑکی اس طرح اوپر آکر اس سے جھگڑا کرے گی اور اس کے باپ نے اس کے دوستوں کے سامنے اس کے منہ پر جو تھپڑ رسید کیا تھا وہ تو اس کی سوچوں سے بھی مبرا تھا۔ وہ کھولتا رہا مگر کس کے خلاف؟؟

جس نے اسے بے عزت کیا تھا وہ اس کا سگا باپ تھا۔ تو کیا وہ اپنے باپ سے اس بے عزتی کا بدلہ لے گا؟

یہ سوال اس وقت تو اس کے ذہن میں گونجتا رہا اور اسے اپنے باپ کی اس حرکت پر شدید غصہ آتا رہا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی نیچے جائے اور اپنے باپ کی وہ دھلائی کرے کہ اسے ساری زندگی یاد رہے۔ مگر کوئی بات تھی جو اسے روک رہی تھی۔

سب سے بڑی بات تو یہی تھی کہ آصف کریم کوئی غیر یا کوئی ایسا انسان نہیں تھا جس کے ساتھ وہ کوئی بھی سلوک کر سکتا تھا۔ جو بھی سنے گا اسی کو برا بھلا کہے گا۔ خود اس کے دوست بھی اسے اس قسم کے رویے پر شاباش نہیں دیں گے۔ اسی وقت اسے اس بلے کا خیال آیا جس نے اس وقت اس پر حملہ کر دیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ منحوس کالا بلا پھر سے آگیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو اسے کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے ورنہ ایک بار پھر اسے ہوسپٹل جانا پڑ سکتا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہے۔ اسے یاد آنے لگا کہ اس وقت اگر اس کا باپ آصف نہ ہوتا تو اسے پتا نہیں کتنے دن تک ہوسپٹل میں رہنا پڑتا۔ یہ بھی اس کے والد کی وجہ سے ہی تھا کہ وہ بلا پھر اس گھر میں نظر نہیں آیا تھا۔ اس کو اپنے والد کو ناراض نہیں کرنا چاہیے۔ اچھا ہوا جو میں نے ان سے زیادہ بدتمیزی نہیں کی۔ پتا نہیں غصے میں مجھے کیا ہو جاتا ہے۔''

ایسی باتیں وہ دیر تک سوچتا رہا۔ لیکن جب بھی اسے اپنے دوستوں کا سامنا کرنے کا خیال آتا تو اس کا خون کھولنے لگتا اور وہ سوچتا کچھ بھی تھا انھیں میرے دوستوں کے سامنے اس طرح میری بے عزتی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ وہ جانے کب تک اس قسم کی باتیں سوچتا رہا۔ پھر چپ چاپ نیچے آکر اپنے کمرے میں سو گیا۔

☆......☆......☆

سلمان ابراہیم کی اپنے ماں باپ سے سمجھو اب جیسے کوئی بات ہونا باقی نہیں رہی تھی۔ وہ ہمیشہ اس کی طرف اس طرح دیکھتے کہ وہ کب یہ کہنے والا ہے کہ ''میں جا رہا ہوں'' البتہ زلیخاں نے اسے ابراہیم سے ہونے والی ساری بات بتا دی تھی۔ اس نے خاموشی سے سنی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا دل کہتا تھا یہ وقتی حل ہے لیکن اس کا بابا اس حل کو آزمانا چاہتا ہے تو اسے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ بات اس کے دل میں سرسرا رہی تھی کہ ہو نہ ہو ایک دن آپ دونوں کو میرے پاس آنے کا فیصلہ کرنا ہی ہوگا کیونکہ اب میں یہاں واپس آؤں گا بھی تو صرف چند گھنٹوں کے لیے اس سے زیادہ اپنی صنوبر کو میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ بلکہ وہ خود صنوبر کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ جتنا وقت لگانا تھا وہ اس بار لگا چکا تھا لیکن اب اس کے بعد یہ ممکن نہیں ہوگا۔

''اپنی ماں سے تو ملنے آؤ گے نا؟'' زلیخاں کے لہجے میں جیسے کوئی التجا مچل رہی تھی۔ اس کا بیٹا اس انسان زادی کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور وہ اپنے بیٹے کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ احساس سے لبریز آنکھوں سے اس نے ماں کی طرف دیکھا اور بولا۔

''میں تمہیں نہیں چھوڑنا چاہتا ماں۔ تم کوشش کرنا بابا کو راضی کر لو اور وہاں میرے پاس چلی آؤ۔ اس طرح ہم ہمیشہ ایک ساتھ رہیں گے''

''کاش یہ بات اتنی آسان ہوتی تو میں ابھی تمہارے ساتھ چلتی میرے بچے۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اور جو کچھ تم چاہتے ہو اس کے پیچھے چھپے طوفانوں کا اندازہ نہیں ہے تمہیں۔ ہم نے اگر یہ فیصلہ کر بھی لیا تمہارے پاس آنے کا تو یہ سمجھ لو اس کے بعد تم صنوبر کے ساتھ چین سے نہیں رہ سکو گے۔ ایک نہ ایک دن قبیلے کے سردار کو ہمارا پتا چل ہی جائے گا اور پھر وہ ہمیں چین سے جینے نہیں دے گا۔ ہمارے ساتھ تمہارا بھی سکھ چین چھن جائے گا۔ اس لیے میں سوچتی ہوں ہم یہیں رہ کر حالات کا سامنا کریں۔'' زلیخاں نے صاف گوئی سے بیٹے کو ان مشکلات کے بارے میں بتایا جن سے وہ بے خبر تھا۔

''تو کیا میں یہاں آپ کو اور بابا کو بے رحم سردار کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چین سے رہ سکوں گا؟ آپ دونوں میرے سامنے رہو گے تو ہم آنے والی ہر مصیبت کا مقابلہ مل کر کر لیں گے۔ لیکن اگر دور دور رہے تو ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔'' سلمان کی بات میں وزن تھا۔ زلیخاں نے اس کا ماتھا چوما اور اسے سینے سے لگا کر کہا۔

''میں جانتی ہوں میرے بیٹے کو اپنے والدین کی بھی فکر ہے۔ تم پریشان مت ہو اگر جان بچانے کے علاوہ کوئی راستہ نہ رہا تو ہم تمہارے پاس آجائیں گے۔'' زلیخاں کی بات سن کر سلمان کو کسی قدر سکون مل گیا۔ اور اس نے وہ بات کہہ دی جو وہ کہنے کی کب سے کوشش کر رہا تھا۔

''اب میں جانا چاہتا ہوں ماں'' زلیخاں نے اس کی طرف افسردگی سے دیکھا۔ اور اپنا غم سینے میں دبائے ہوئے چہرے پر ایک زخمی سی مسکراہٹ بولی۔

''کب...؟''

''جب تم اجازت دو گی؟''

Downloaded From
Paksociety.com

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''میں تو کبھی بھی اجازت نہیں دوں گی تو کیا تم اپنا ارادہ بدل دو گے؟'' زلیخاں نے مصنوعی پن سے کہا۔
''مجھے معلوم ہے تم ایسا نہیں کرو گی کیوں کہ تم میرے دل کی حالت جانتی ہو'' وہ ماں کے کاندھوں پر سر رکھتے ہوئے بولا۔
''تو پھر جب تمہارا دل چاہے چلے جانا!''
''اچھا....'' اس نے ماں کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور یہ کہتے ہوئے گھر سے چلا گیا۔ ''میں آج رات کو چلا جاؤں گا۔ ابھی کیلاش سے ملنے جا رہا ہوں''

☆......☆......☆

کیلاش سے ملنے اسے سردار کی مجلس والی عمارت میں آنا پڑا۔ جسے سب ''حل وعقد'' کہہ کر بلاتے تھے۔
''ارے سلمان تم... میں تو سوچ رہا تھا تم کبھی یہاں مجھ سے ملنے نہیں آؤ گے۔ ہمیشہ مجھے ہی تمہاری خبر لینے کے لیے آنا ہوگا۔''
کیلاش نے اسے دیکھ کر کہا۔ اس سے پہلے کہ سلمان کوئی جواب دیتا اس نے کہا ''باتیں تو ہوتی رہیں گی میں تمہارے لیے قہوہ منگواتا ہوں'' یہ کہہ کر اس نے پاس کھڑے جن سے قہوہ لانے کو کہا۔ ''ہاں اب کہو کیسے ہو؟''
''میں تو ٹھیک ہوں مگر جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میرے ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تو میں آج رات وہاں چلا جاؤں گا'' سلمان نے ایسے ہی دوستانہ انداز میں کہا۔
''اچھا'' کیلاش کے لہجے میں تشویش کو سلمان فوراً ہی بھانپ گیا۔ ''تمہیں آئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ ابھی تو تم سے ٹھیک سے ملاقات بھی نہیں ہوئی اور تم جانے کی بات کر رہے ہو!'' کیلاش جو کچھ بُن رہا تھا۔ اسے اپنی گود میں رکھ کر وہ سلمان کی طرف متوجہ ہو گیا۔
''مجبوری ہے ورنہ میں کیوں جاتا'' سلمان نے تشفی بنائے رکھنے کی پوری کوشش کی۔
''تم یوں کیوں نہیں کرتے۔ اپنے ماما کو یہاں بلوا لو اپنے قبیلے میں۔ تم کہو گے تو میں ان کے رہنے کی اجازت سردار سے دلوا دوں گا۔ اس طرح تمہیں ان کی دیکھ بھال کے لیے اپنے ماں باپ سے دور بھی نہیں ہونا پڑے گا۔ کیوں کیا کہتے ہو؟'' کیلاش کی بات ٹھیک تھی مگر سچ کیا تھا یہ وہ جانتا ہی کب تھا۔
''دیکھو کیلاش تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے مجھے اپنے ماں باپ سے دور رہنے میں کوئی مزا آتا ہے۔ ارے میرے بھائی یہ بات تو ہم ان سے کتنی بار کہہ چکے ہیں۔ ضد کر چکے ہیں اور اس بار تو میری ماں بھی جا رہی ہیں میرے ساتھ انھیں منانے۔ مگر وہ ہیں کہ ہماری بات مانتے ہی نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ اپنا آخری وقت اپنے ہی قبیلے میں گزارنا چاہتے ہیں۔'' اس بار سلمان کا لہجہ پہلے سے زیادہ بے تکلفانہ تھا تاکہ کیلاش کو ذرا سا بھی شک نہ ہونے پائے۔
''اچھا تو یہ بات ہے۔ چلو پھر جاؤ میرے دوست۔ بس جاتے جاتے دفتری کارروائی پوری کرتے جانا''
کیلاش نے ایک بڑا سا رجسٹر اس کے سامنے رکھ دیا۔
''یہ دفتری کارروائی کیا ہے؟ میں کچھ سمجھا نہیں؟'' سلمان نے فکرمندی سے کہا۔
''پریشان مت ہو یہ کوئی اتنی گھبرانے والی بات نہیں ہے۔ اصل میں مجلس کو پتا ہونا چاہیے کہ اس کے قبیلے کے جنات کہاں گئے ہیں اور کب واپس لوٹیں گے۔ یہ ایک قسم کا ریکارڈ رکھنے کا طریقہ ہے تاکہ بوقت ضرورت کام آسکتا ہو'' کیلاش نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔
''مگر میں یہ کیسے بتا سکتا ہوں کہ کب واپس آؤں گا۔ پتا نہیں میرے ماما مجھے کب اجازت دیں گے اور یہ بات تو وہ ہی جانتے ہیں'' سلمان نے مزید کرید کر کے اپنی تسلی کرنا چاہی کہ غیر حاضری کی صورت میں کیا ہوتا ہے۔
''کوئی بات نہیں۔ ہم اس میں واپسی کے ٹائم کی جگہ غیر معینہ مدت تک کی غیر حاضری لکھ دیں گے۔'' کیلاش

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

نے سوچتے ہوئے بتایا۔

''پھر ٹھیک ہے'' سلمان نے سکھ کا سانس لیا۔ اسی اثنا میں قہوہ آ گیا اور وہ قہوہ پینے لگا۔

''تمہاری ماں تو جلدی واپس آ جائیں گی؟'' کیلاش نے قہوہ کا مزا لیتے ہوئے ایسے ظاہر کیا جیسے یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔

''بالکل ٹھیک کہا۔ اماں بابا کو اکیلا کہاں چھوڑ سکتی ہیں۔ وہ تو کل ہی واپس آ جائیں گی۔'' یہ بات اس طرح اپنے اختتام کو پہنچی۔ گھر آ کر سلمان نے کیلاش سے ہونے والی بات اپنی ماں کو بتا دی۔

''ارے تم میرے بارے میں بتا کر آ گئے۔ میں تو دو ایک روز بعد جانے والی تھی۔ اب تمہیں بھی میری وجہ سے اپنے ماما کے پاس ان کے گھر جانا ہوگا!'' زلیخاں نے کھانا نکالتے ہوئے کہا۔

''اس خبیث کو شک نہ ہو اس لیے مجھے ایسا کہنا پڑا'' سلمان نے برا سا منہ بنا کر یہ بات کہی تو زلیخاں کی ہنسی نکل گئی۔

''ہائے بے چارے تمہارے ابا۔ اچھا ہوتا ان کے بارے میں بھی بتا دیتے اب میں واپس کس کے ساتھ آؤں گی۔ تم تو وہاں سے انسانوں کی دنیا میں چلے جاؤ گے۔ اس سے بھی زیادہ پریشانی والی بات یہ ہے تمہارے ابا تو میرے بغیر کبھی اکیلے رہے نہیں۔ وہ اکیلے کیسے رہیں گے؟'' زلیخاں کے لہجے میں فکرمندی تھی جس نے سلمان کو بھی متاثر کر دیا۔

''اچھا تم پریشان مت ہو۔ میں ابھی کھانا کھا کر پھر کیلاش کے پاس چلا جاتا ہوں۔ اسے بابا کے جانے کی بات بھی لکھوا دوں گا'' سلمان نے کھانے کا تھال اپنے آگے کی طرف سرکایا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں وہیں سے آ رہا ہوں'' ابراہیم نے غار میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں نے کیلاش کو یہ بات بتا دی ہے کہ سلمان تو وہیں رہ جائے گا اس کی ماں اکیلے کیسے واپس آئے گی اس لیے میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ اس نے اندراج تو کر لیا ہے۔ لیکن.....!'' ابراہیم کی بات سن کر سلمان اور زلیخاں دونوں پریشان ہو گئے۔

''لیکن کیا ابراہیم؟'' زلیخاں سے صبر نہیں ہوا۔

''وہ مجھے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اسے ہم پر کوئی شک ہو؟'' ابراہیم نے سلمان کے ساتھ ہی بیٹھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

''کیسا شک.....؟'' سلمان نے پوچھا۔

''یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں بیٹا۔ وہ شاید یہ سوچ رہا ہو کہ ہم تینوں یہاں سے کہیں بھاگ تو نہیں رہے!'' ابراہیم نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''وہ ایسا کیوں سوچے گا؟ اس کی کوئی وجہ تو ہوگی'' زلیخاں نے گفتگو میں حصہ لیا۔

''وجہ تو سامنے ہے۔ سلمان..... جو یہاں رہتا نہیں ہے... تو اسے شک ہے کہ کہیں ہم بھی تو سلمان کے ساتھ یہاں سے جا تو نہیں رہے۔ تم شاید نہیں جانتے جنات اپنے قبیلے کے باسی کو کسی اور قبیلے میں جا کے بسنے کو اپنی عزت اور جان کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ وہ ہمیں کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ ہم یہاں سے ہمیشہ کے لیے جائیں اور کسی اور قبیلے میں جا کے بس جائیں''

''چلیں چھوڑیں آپ کھانا کھائیں۔ ویسے بھی ہم کون سا جا رہے ہیں۔ ہم تو واپس آ جائیں گے ایک دن بعد۔ جب وہ ہمیں یہاں واپس دیکھے گا تو اس کا سب شک خود بخود دور ہو جائے گا'' زلیخاں کی بات نے جیسے اس موضوع کو سمیٹ لیا۔

☆......☆......☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

سلمان کریم نے اگلے دن اپنے باپ سے اس بات کا شکوہ کیا کہ انھوں نے اس کے دوستوں کی بھی پروا نہیں کی۔ اور ان کے سامنے اس کی بے عزتی کی۔

''اور تمہیں اس بات کا کچھ خیال ہے۔ تم کیا کر رہے تھے۔ تم اپنی بہن سے لڑ رہے تھے اور اپنی ماں کی بات بھی نہیں مان رہے تھے۔ ذرا سوچو تمہارے دوستوں کے سامنے ہمارے گھر کا کیسا امپریشن پڑا ہوگا۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تم اپنی ماں سے بے عزتی کر رہے تھے۔ اگر میں غلط نہیں ہوں تو تم پہلے کی طرح اس کے ساتھ کچھ ایسا کرنے والے تھے جس کے بعد یہ بات سب لوگوں کو معلوم ہو جاتی کہ آصف کریم کا بیٹا اپنی ماں کے ساتھ کیسے پیش آتا ہے۔''

''میں تو سمجھ رہی تھی اس واقعہ کے بعد تم سدھر گئے ہو۔ مگر تم تو ذرا بھی نہیں بدلے'' آصف کریم کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی اور درمیان سے درشہوار بول اٹھی۔

''میں پوری بات کر لوں اس کے بعد تم بات کرنا۔ سمجھ گئیں'' آصف کریم نے قدرے ناراضگی سے کہا۔

''سلمان تم نے ایک ایسی پارٹی ارینج کی وہ بھی اپنے گھر میں۔ جس کا اس ایریا میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔ یہ ایک پُرسکون رہائشی علاقہ ہے۔ یہاں لوگ ایک دوسرے کا اور سماجی قوانین کا خیال کر کے زندگی گزارتے ہیں۔ اور میری تمہارے پاپا کی ایک ریسپکٹ ہے۔ لوگ میرے گھر سے جب ایسی آوازیں سنیں گے جو ان کا سکون غارت کر دے تو سمجھ لو وہ مجھے عزت سے نہیں دیکھیں گے۔'' وہ رکا اور پھر اس کے عین قریب جا کر بولا۔

''تم کیا سمجھتے ہو اگر رات کو پولیس یہاں اس گھر پر نہیں آئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ میری عزت کرتے ہیں۔ انھوں نے تمہاری اس حرکت کو برداشت کیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم لوگوں کی برداشت کا امتحان لو۔'' سلمان کریم کا گلہ جاتا رہا اور اسے ٹھیک ٹھاک اپنے باپ کی صلواتیں سننے کو مل گئیں۔ اسے غصہ تھا صنوبر پر لیکن اس وقت وہ خاموش رہا اور بہت ہی آہستگی سے جیسے زبردستی کہہ رہا ہو ایک چھوٹا 'سوری' کہہ کر وہ وہیں گردن جھکائے بیٹھا رہا۔

''مجھے امید ہے تم مجھے آئندہ ایسی کوئی شکایت کا موقع نہیں دو گے'' یہ کہہ کر آصف کریم بھی چلے گئے۔ صنوبر البتہ اس کے سامنے جم کے بیٹھی رہی اور اپنی اس جراٴت پر خود صنوبر کو بھی حیرانی تھی۔ اسے تو یہ بھی یقین مشکل سے ہی آیا تھا کہ رات کو اس نے ایک لڑکوں کی پارٹی میں پہنچ کر اسے رکوانے کی کوشش کی۔ درشہوار اپنے دونوں بچوں کی طرف خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے یقین ہے تم اپنی بہن کے لیے دل میں کوئی برائی نہیں رکھو گے۔ اس نے جو بھی کیا یہی تمہارے فائدے میں تھا۔ ذرا سوچو اگر کسی نے پولیس کو فون کر دیا ہوتا تو کل کے اخبار میں یہ خبر کیسا تاثر قائم کرتی۔ اچھا ہوا جو صنوبر نے مداخلت کی اور یہ قصہ مزید بگڑنے سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ تم شاید ابھی اس بات کو نہیں سمجھو گے لیکن جب ٹھنڈے دل سے سوچو گے تمہیں صنوبر کا شکر گزار ہونے میں ذرا بھی شرمندگی محسوس نہیں ہوگی۔'' درشہوار کی بات سن کر بھی وہ چپ رہا لیکن یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے دل میں کیا لاوا پک رہا ہے۔ اس نے سارا دن گھر پہ گزارا اور اپنے کسی دوست کا فون بھی ریسیو نہیں کیا کیونکہ اس میں کسی کا بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

☆......☆......☆

آج چھٹی کا دن تھا لیکن مدرسے میں نہیں.... مدرسے میں جمعے کے دن چھٹی ہوتی تھی اور اتوار کا دن بھی پڑھائی کے لیے مختص تھا۔ سلمان ابراہیم نے مدرسے میں قدم رکھا تو اس کی سب سے پہلی ملاقات اپنے ہم شکل سے ہوئی۔ یہ ملاقات اس کے لیے کسی ایسی حیرانی سے کم نہیں تھی جو اس کے اندر خوف کو جنم دینے والی تھی۔

''تم یہاں کیسے۔ میں اس بار تو تمہیں یہاں چھوڑ کر نہیں گیا تھا؟'' سلمان ابراہیم نے حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے کہا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

''جی آقا آپ مجھے یہاں چھوڑ کر نہیں گئے تھے مگر میں آپ کے واپس آنے کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اس لیے یہاں ہر روز ہی آتا ہوں، بلکہ یہاں سے جاتا ہی کچھ دیر کے لیے ہوں۔ یہیں رہتا ہوں'' ہم شکل نے اطمینان سے کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا۔ تم یہاں کیوں رہتے ہو؟ کس کی اجازت سے؟'' سلمان کو اس کی بات سن کر ایک دم زور سے غصہ آنے لگا

Downloaded From Paksociety.com

''کسی کی اجازت سے نہیں۔ میں تو بس..... '' وہ گڑبڑا گیا۔

''میں پوچھ رہا ہوں تم اب تک۔ یہاں موجود کیوں ہو۔ یہاں سے گئے کیوں نہیں۔ تمہیں تو میں نے غائب ہونے کے لیے کہا تھا۔ اگر اس طرح تمہیں کسی نے دیکھ لیا تو جانتے ہو کیا ہوگا؟'' سلمان تلملا کر رہ گیا۔

''پریشان نہ ہوں میرے آقا مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ میں انسان نہیں آپ کا ہم شکل جن ہوں۔ آپ کا ہمزاد ہوں'' ہم شکل کے لہجے میں ندامت سے زیادہ ایک قسم کی بے چینی تھی۔

''میں پوچھ رہا ہوں۔ تم یہاں سے گئے کیوں نہیں۔ موجود کیوں ہو؟'' سلمان چیخ ہی تو پڑا۔

''اب میں واپس نہیں جا سکتا میرے آقا!'' ہم شکل ممیایا۔

''کیا بکتے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' سلمان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔

''آپ نے مجھے بھیجنے کے لیے جو منتر پڑھا تھا وہ صحیح نہیں تھا میرے آقا اور یہ آپ جانتے ہیں کہ اگر منتر غلط ہو جائے تو مجھے بارہ سال تک کوئی دوبارہ سے غائب نہیں کر سکتا۔'' ہم شکل نے لجاجت سے کہا۔ ''لیکن آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کا خادم ہوں اور جو آپ کہیں گے وہ بجالانا مجھ پر لازم ہے میرے آقا'' ہم شکل اور جانے کیا کیا بولتا رہا سلمان کی تو جیسے سٹی گم ہو چکی تھی۔ یعنی اب بارہ سال تک یہ یہاں اسی دنیا میں رہے گا۔ بارہ سال تک اسے ایک نئی زندگی مل چکی ہے اور سلمان چاہے بھی تو اسے واپس نہیں بھیج سکتا۔ یہ انتہائی لرزہ خیز خبر سن کر سلمان کے حواس جاتے رہے۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اسے یاد آنے لگا اسی لیے اس کے بابا نے اسے ہم شکل کو وجود میں لانے سے منع کیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا یہ بہت خطرناک کھیل ہے اور کسی بھی جن کی ذرا سی غلطی سے وہ بہت بڑی مشکل میں پڑ سکتا ہے۔ بدقسمتی سے سلمان اس مصیبت کا شکار ہو چکا تھا۔ شاید عشق میں انسان اور جنات دونوں کے حواس معطل ہو جاتے ہیں اور بہت سے کام بگڑنے لگتے ہیں۔ سلمان کا بھی یہ ایک بہت اہم اور اس کی شکتیوں کا غیر معمولی ذخیرہ اس کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ اسے کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ کیسے اس ہم شکل کو یہاں سے اور خود سے دور کرے۔ آتے کے ساتھ ہی یہ کیا مشکل کھڑی ہو گئی۔ اس نے سوچا۔

''تم کیا کہنے والے تھے۔ کس بات کے لیے میرا انتظار کر رہے تھے؟'' کچھ دیر تک سوچنے کے بعد سلمان نے فیصلہ کیا کہ اس مصیبت سے بعد میں نمٹے گا پہلے مدرسے کی خبر لے۔ اس کے پاس ضرور مدرسے کی کوئی ایسی بات ہے جو یہ مجھے بتانا چاہتا ہے۔

''میرے پاس آپ کے لیے زیادہ اچھی خبر نہیں ہے میرے آقا اس لیے میں سوچ رہا ہوں یہ بات آپ کو بتاؤں یا نہ بتاؤں؟ بتاتا ہوں تو آپ کا دل خراب ہوگا۔ نہیں بتاتا تو یہ آپ کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ کو ہر بات کا پہلے سے علم ہو تا کہ آپ اپنی زندگی کے بارے میں بہتر فیصلہ کر سکیں'' ہم شکل کی تقریر سے سلمان کو اور بھی طیش آنے لگا۔ اور کچھ پہلے اس نے جو اپنے غصے کو مشکل سے قابو کیا تھا اب وہ پھر اس کی رگوں کو سلگانے لگا۔

''تم اپنی بکواس اور نصیحتیں اپنے پاس رکھو، ابھی میں اتنا لاچار نہیں ہوا ہوں کہ تم مجھے بتاؤ گے کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ سیدھی طرح وہ بات بتاؤ جس کے لیے تم بے چینی کا میرا انتظار کر رہے تھے'' سلمان کی سرد مہری

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

اور جلال کی تپش کو ہم شکل محسوس کرنے لگا۔ اس نے نظریں جھکا لیں اور بہت ہی مؤدب ہو کر بولا۔

''مجھے افسوس ہے کہ یہ انتہائی تکلیف پہنچانے والی خبر مجھے آپ کو سنانی پڑ رہی ہے لیکن میں آپ کے حکم کے سامنے خود کو مجبور پاتا ہوں، سنائے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔'' وہ رکا پھر منہ کھول کر ایک لمبا سانس لیا اور کہنے لگا۔

''آپ جس لڑکی کی محبت کرتے ہیں وہ.....''

''کیا ہوا اسے جلدی بول ملعون! نہیں تو میں ابھی تیری گردن مار دوں گا'' سلمان کو سچ مچ خود پر قابو نہیں رہا۔

ہم شکل کو ڈر محسوس ہوا۔ اس نے نیچے بیٹھ کر دوزانو ہو کر کہا۔

''آقا آپ کی محبت آپ کا عشق صنوبر آپ سے نہیں کسی اور سے محبت کرتی ہے'' سلمان نے ایک زور کا گھونسا اس کے جبڑے پر رکھ کے دیا۔

''کیا بکتا ہے کمینے''

''آپ بھلے ہی مجھے جتنی چاہیں سزا دے لیں۔ بن پڑے تو میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ مگر یہ سچ ہے میرے آقا! صنوبر کسی شرجیل نامی لڑکے سے محبت کرتی ہے۔'' ہم شکل ایک طرف کو لڑھک گیا تھا اور اسی طرح گھاس پر بیٹھے بیٹھے اس نے اپنی بات دوہرائی۔

''تجھے کیسے پتا۔ تُو کیسے جانتا ہے یہ سب۔ بول کس نے کہا ہے تجھ سے؟ کون ہے جو تیرے کان بھر کر گیا ہے۔ کہیں تجھے کیلاش نے تو نہیں ورغلایا۔ کمینے اگر یہ بات سچ نہ ہوئی تو میں تجھے بارہ سال تو کیا بارہ گھنٹے بھی زندہ نہیں رہنے دوں گا سمجھا تُو!''

سلمان اس وقت خود بھی غائب ہو چکا تھا اور کوئی انسان آس پاس ان دونوں جنات کی بات چیت کی آوازیں نہیں سن سکتا تھا۔

''میں سچ کہتا ہوں یا جھوٹ یہ تو آپ کو خود بھی معلوم ہو ہی جائے گا مگر آپ میری اس بات کا یقین کریں مجھے آپ کے خلاف کوئی نہیں بھڑکا سکتا۔ اگر کسی نے ایسا کرنے کی بھی جرأت کی تو میں اس کا منہ پہلے توڑوں گا اس کی بات بعد میں سنوں گا۔''

''اب زیادہ مجھے اپنی وفاداری اور تابعداری کے قصے نہ سنا، یہ بتا تُو صنوبر کو کیسے جانتا ہے؟'' سلمان کے لہجے میں دھیرے دھیرے نرمی اور مصلحت کی سطح بلند ہو رہی تھی اور وہ اب اپنے ہوش و حواس میں اس سے ساری بات معلوم کرنا چاہتا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کمینہ مجھے ساری بات بتانے کے مجھ سے جھوٹ بولنا شروع کر دے محض اس خیال سے کہ میں اسے سزا دوں گا یا اس کی بات کا برا مانوں گا۔ یہ عقل مندی نہیں ہوگی۔ سلمان نے سوچ کر آرام سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''آپ کے جانے کے بعد میرے پاس کوئی کام تو تھا نہیں۔ میں جنات کی بھی کسی محفل میں جانے کی سکت نہیں رکھتا تھا کیونکہ میں میں نہیں آپ کا سایا ہوں۔ اس لیے جب میں بہت بور ہو رہا تھا تو سوچا آپ کی اس زندگی کے بارے میں پتا کروں جس کے لیے آپ کو مجھے وجود میں لانے کی ضرورت پڑی تھی۔ آخر آپ مدرسے سے غیر حاضر رہ کر اور اپنی جگہ مجھے مقرر کر کے کہاں رہتے ہیں۔ اور آپ کی ایسی کیا مصروفیات ہیں جو آپ کو مدرسے سے غیر حاضر رہنے پر مجبور بنائے ہوئے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر آپ حقیقت میں میرا وجود اپنی مرضی اور منتر سے مٹا دیتے، گم کر دیتے تو نہ میں ہوتا اور نہ ہی اس طرح سے سوچتا۔ بس یہی سوچتے ہوئے میں نے آپ کی زندگی کے نشانات پر چل کر اس لڑکی صنوبر کو پا لیا اور ایک دن میں اس کے اسکول جا پہنچا جہاں مجھے یہ منحوس اور دل دکھانے والی خبر ملی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ ایک لڑکے کی بانہوں میں تھی اور اس سے والہانہ محبت کا اظہار کر رہی تھی۔''

''اف یہ مجھ سے کیا ہو گیا، میری ایک چھوٹی سی غلطی نے مجھے یہ دن دکھایا کہ میرے سب سے قیمتی راز سے تم

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

واقف ہو گئے" سلمان کی آواز بھرانے لگی۔

"اس بات سے آپ پریشان نہ ہوں میرے آقا! میں تو آپ کا غلام آپ کا خادم ہوں، میں کسی سے بھی اس راز کے بارے میں کچھ بھی کہنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ مجھے بارہ سال کی قلیل زندگی ملی ہے۔ آپ جیسی شکتیاں تو میرے اختیار میں نہیں ہیں" وہ کافی خوشامدانہ لہجے میں بول رہا تھا۔ سلمان کو اس کا وجود اس وقت کسی ایسی نفرت انگیز چیز کی طرح معلوم ہوا جسے برداشت کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ لیکن وہ مجبور تھا۔ اسے برداشت کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

"اچھا اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ اور جب تک میں نہ بلاؤں پھر یہاں مت آنا سمجھے" سلمان نے مدرسے کی عمارت کی طرف ایک نظر دیکھتے ہوئے کہا۔ اسے ڈر تھا کہ اس سارے معاملے میں کہیں دفتر بند نہ ہو جائے۔ اسے دفتر میں اپنی حاضری لگوانا تھی۔ ہم شکل نے اس کی بات پر سر تسلیم کیا اور جانے کے لیے مڑ گیا۔

"رکو....." سلمان نے اسے جاتے دیکھ کر کہا۔ وہ آواز سن کر واپس آ گیا۔

"جی میرے آقا" وہ واپس آ کر پھر سے دوزانو ہو گیا۔

"اٹھو اس قسم کے ڈراموں کے لیے وقت نہیں ہے میرے پاس۔ یہ بتاؤ تم رہتے کہاں ہو؟" سلمان کا ذہن الجھ رہا تھا۔

"وہ سامنے درخت پر" اس نے ایک گھنے اور ڈالیوں سے لٹکے ہوئے درخت کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا ٹھیک ہے اب جاؤ" یہ کہہ کر سلمان مدرسے کی طرف مڑ گیا اور ہم شکل نے اسے تسلیم کیا جسے غصے اور جھنجلاہٹ کے مارے سلمان نے دیکھنا تک گوارہ نہیں کیا۔

☆......☆......☆

مدرسے کی ایک ویران راہداری میں سلمان نے خود کو انسانی چولے میں اتارا اور تیز تیز قدموں سے نگراں کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ ہمیشہ کی طرح ابو ریحان بھی وہیں مدرس کے کمرے ہی میں مل گئے۔ انھوں نے سلمان کو دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک باریک سی مسکراہٹ طلوع ہوئی۔

"اس بار بہت دن بعد آئے سلمان؟" مدرس کے کوئی سخت بات کہنے سے پہلے ہی ابو ریحان نے اس سے پوچھا۔

"جی جناب وہ امی نہیں آنے دے رہی تھیں!" سلمان کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی مدرس نے غصے سے کہا۔

"تو آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ تم کیا سمجھتے ہو اس طرح سے ہوگی پڑھائی۔ سب طالب علم تم سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اور سارا کورس کہیں کا کہیں پہنچ گیا ہے۔ تم نے تو اسے اپنے باپ کا گھر سمجھا ہوا ہے۔ جب منہ اٹھایا چلے آتے ہو۔" نگراں کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ "میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا ایک دوسرے شہر سے یہاں پڑھنے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پتا نہیں کیسے میں نے تمہارے والد کے کہنے پر اور تمہارے شوق کو دیکھتے ہوئے تمہیں داخلہ دے دیا تھا۔ غلط کیا تھا میں نے یہ میری غلطی تھی۔ مجھے منع کر دینا چاہیے تھا۔ ارے اس سے تو اچھا تھا تم اپنے ہی شہر کے کسی مدرسے میں داخلہ لے لیتے۔ اس طرح تمہیں بار بار یوں چھٹیاں لے کر اپنے ماں باپ سے ملنے تو نہ جانا پڑتا۔ جانتے ہو یہاں جو طالب علم پڑھتے ہیں ان کے والدین نے انھیں یہاں ہمیشہ کے لیے..... جی ہاں اس وقت تک کے لیے چھوڑ دیا ہے جب تک ان کی تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی، وہ تمہاری طرح چھٹیاں لے لے کر پڑھائی کا اور پڑھانے والا حرج نہیں کرتے۔ دیر آید درست آید مجھے اب اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے۔ اس لیے میں اب تمہارا داخلہ منسوخ کرتا ہوں۔ تم جا سکتے ہو۔" نگراں ہاتھی کی طرح چنگھاڑ رہا تھا۔

سلمان کو لگا کہ اس بار تو شہر میں قدم رکھتے ہی مصیبتوں کی برسات ہو گئی ہے۔ دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی ایک خبر اس منحوس ہم شکل نے سنائی تھی، اس سے ابھی سنبھلا بھی نہیں ہوں کہ اب مدرسے سے نکالا جا رہا ہوں۔ پتا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نہیں قسمت کیا رنگ دکھانے والی ہے۔

''جناب عالی.... ایک منٹ ذرا تحمل کیجیے... یہ سلمان ہے مدرسے میں اس سے زیادہ ہونہار اور صاحب نظر طالب علم کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس طرح تو ہماری اور اس کی سب محنت رائیگاں چلی جائے گی۔ ذرا اپنے فیصلے پر نظر ثانی کیجیے ہمیں ایک موقع اور دینا چاہیے۔'' ابو ریحان کی بروقت مداخلت سے نگراں بھی سوچ میں پڑ گیا۔ اگر یہ طالب علم سب سے زیادہ ہونہار اور قابل ہے تو اسے نکال کر واقعی اس کو خود ہی نہیں مدرسے کو بھی نا قابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ یہ بات کہ سلمان اس قدر غیر معمولی طالب علم ہے نگراں کو آج سے پہلے یا تو پتا نہیں تھا پتا تو تھا اسے یاد نہیں رہا تھا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا تیر تو کمان سے نکل چکا تھا۔ اور ایک طالب علم کے سامنے اپنی بات کو واپس لینا اسے اپنی توہین کے مترادف معلوم ہوا۔ اس نے ایک اور راستے کا انتخاب کیا۔

''جتنا کورس اس کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے کل اس کا اس کورس میں سے امتحان کیا جائے۔ اگر تو یہ اس آزمائشی امتحان کو پاس کر لیتا ہے تو ہم اسے واپس مدرسے میں داخلہ دینے کے لیے تیار ہیں۔'' ابو ریحان کو یہ بات بہت عجیب لگی کہ جو ابواب اس نے پڑھے ہی نہیں ہیں ان کا امتحان کوئی بھی طالب علم کیسے دے سکتا ہے یہ بہت ہی غیر منطقی بات تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے سلمان نے کہا۔

''مجھے منظور ہے جناب!'' سلمان کا اعتماد دیکھ کر ایک لمحے کو نگراں بھی ڈر گیا۔ لیکن ابو ریحان کو یہ بے جا اعتمادی سے زیادہ کچھ نہیں معلوم ہوا۔ تاہم اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ نگراں کا چیلنج سلمان قبول کر کے پوری طرح پھنس گیا تھا۔

دوسرے دن سلمان کو کلاس میں لایا گیا۔ اس عرصے میں اسے کتابوں سے استفادہ کرنے کی پوری اجازت دی گئی اور رات کو سلمان کو ایک سزا دینے کے لیے مخصوص کمرے میں رہنے کے لیے کہا گیا۔ اسے کسی سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے وہ مجبوراً... اکیلا ہی رہا اور یہ تاثر دیتا رہا کہ وہ پڑھ رہا ہے۔ حالانکہ وہ مسلسل اپنے اس دکھ سے لڑ رہا تھا کہ اگر صنوبر کسی اور سے محبت کرتی ہے تو اس کی محبت کا کیا بنے گا۔ وہ صنوبر کے لیے اتنے بڑے بڑے مخالفانہ محاذ کھول کے آیا تھا اس نے ایسے جھوٹ بولے تھے جو اگر پکڑے گئے تو بے وقت کی موت اس کا مقدر تھی۔ اس نے اپنے ماں باپ کی زندگیوں کو بھی داؤ پہ لگا دیا تھا۔ اس سب کے بعد اسے پتا چلتا ہے کہ صنوبر کسی اور سے محبت کرتی ہے تو کیا وہ اس محبت کو تسلیم کر لے گا۔ کیا وہ صنوبر کو اس شخص سے چھین سکے گا۔ چھین بھی لیا تو کیا صنوبر اس کے ساتھ بھی خوش رہ سکے گی۔ کوئی بھی عورت اپنی پہلی محبت کو کبھی نہیں بھولتی ایسا اس نے کسی کتاب میں پڑھا تھا ممکن ہے یہ سچ نہ ہو مگر پھر بھی وہ اسے اپنے محبوب کے سامنے ترجیح تو نہیں دے سکتی۔ اسے لگا پہلی بار جب اس نے صنوبر کو بالکونی میں اداس اور جاگتے ہوئے پریشان دیکھا تھا تو اس کی وجہ یہی محبت تھی۔ اگر وہ کسی سے محبت کرتی تھی تو جتنے دن سلمان اس کے پاس رہا، کبھی بلا بن کر کبھی جن بن کر تو وہ آدمی کہاں تھا۔ کیا ان دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ جواب پھر سے محبت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی صنوبر کے پاس پہنچے اور ساری سچائی معلوم کرے اس کی اپنی زبانی مگر یہ اس کے لیے اس وقت ناممکن تھا۔ نگراں کے چیلنج کو ٹھکرا کے یا رد کر کے اس کا جانا ٹھیک نہیں تھا۔ یہ امتحان ایسا بھی نہیں جس کی ذمہ داری وہ ہم شکل پر ڈال کر جا سکتا۔ اسے خود ہی اس امتحان کو دینا ہوگا اور اچھے نمبروں سے پاس بھی کرنا ہوگا۔ کیسا قسمت نے کھیل رچایا ہے کہ وہ اپنی صنوبر کے شہر میں ہوتے ہوئے بھی اس سے دور رہنے پر مجبور ہے۔

تب ہی اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا اور اس نے کچھ ہی دیر میں ایک خطرناک فیصلہ کر لیا۔ محبت خطروں سے کھیلنے کا ہی کام ہے۔ اس کے دل نے چپکے سے کہا۔

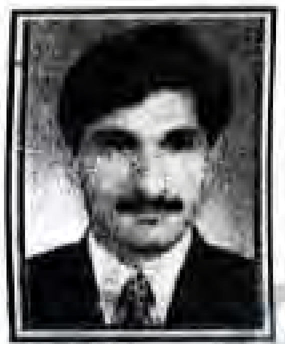
(ایک جن اور آدم کی محبت لیے، اسرار بھری عشق کی دنیا میں لے جانے والے سطر سطر زہر عشق لہو میں دوڑاتے، اس ناول کی اگلی کڑی ماہ دسمبر میں پڑھیے)

READING Section
For Next Episode Visit Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

پلیٹ فارم

اسٹیشن پر جنم لینے والی کہانیاں ....
جن میں جدائی اور ملن کی وصل بھی شامل ہے



واپسی

ممتاز احمد

اُس نوجوان کی داستان جس نے ٹھوکریں کھا کھا کر ہی سونے اور پیتل کے فرق کو جانا تھا

شدید دھند پڑنے کے کئی دنوں کے بعد آج ایک چمکدار دھوپ نکلی تھی۔ سورج اپنی سنہری کرنوں سے فرحت بخش حرارت فضا میں بکھیر رہا تھا۔ دھوپ کی تمازت سردی میں ٹھٹھرے جسموں کو حرارت بخش رہی تھی۔ پلیٹ فارم بھی وہی تھا اور ریلوے اسٹیشن بھی وہی مگر آج فرق صرف اتنا تھا۔ ٹرین اور ٹائم وہ نہیں تھا۔ آج جاوید اور عنبرین کے دلوں کی دھڑکنیں کچھ بے ترتیب تھیں۔ وہ دونوں اسی پلیٹ فارم کے بینچ پر



READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر بیٹھے تھے جس پر وہ گزشتہ چھ ماہ سے بیٹھتے آ رہے تھے۔ مگر پہلے ٹائم صبح کا ہوتا تھا جبکہ آج دوپہر کے ایک بجے کا ٹائم تھا۔ آج منزل بھی نئی تھی۔ ارادے بھی کچھ اور تھے پہلے منزل جانی پہچانی تھی مگر آج منزل انجانی تھی۔ پہلے وہ دونوں خالی ہاتھ ہوتے تھے مگر آج دونوں کے پاس بھاری بھرکم سفری بیگ تھے۔ ٹرین کے آنے میں ابھی ڈیڑھ گھنٹہ پڑا تھا۔ جاوید نے اُبلے انڈوں کے ساتھ دو کپ چائے منگوائی جسے وہ دونوں گھونٹ گھونٹ پی رہے تھے۔ جاوید وقفے وقفے سے پاکٹ سے موبائل نکال کر ٹائم دیکھتا۔

عنبرین ناز ایک انتہائی خوبصورت پچیس سالہ لڑکی تھی۔ گورا رنگ، درمیانہ قد، تیکھی ناک، غزالی آنکھیں اوپر والے ہونٹ کی ایک سائیڈ پر تل، سینے کے پُرکشش ابھار، پتلی کمر نرم و نازک گورے ہاتھ۔ عنبرین پر جوانی ٹوٹ کر آئی تھی۔ عنبرین نے گریجویشن تک تعلیم حاصل کی تھی اور پھر وقت گزاری کے لیے اُس نے ٹیچنگ کی جاب کر لی۔ یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ اُسے اپنے ہی شہر چنیوٹ میں ایک سرکاری اسکول میں جاب مل گئی تھی۔ عنبرین اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ وہ ایک آزاد خیال خوابوں کی دنیا میں رہنے والی مغرور لڑکی تھی۔ اُسے غربت اور غریب لوگوں سے نفرت تھی۔ وہ سپنوں میں اپنے لیے کسی شہزادے کو دیکھتی۔ کار، کوٹھی، وجیہہ خوبصورت ماڈرن براڈ مائینڈ مرد اُس کا خواب اور آئیڈیل تھا۔

عنبرین صبح تیار ہو کر اسکول چلی جاتی جہاں وہ طالبات کو پڑھانے کی بجائے گپیں مارتی، ہنسی مذاق کرتی اور پھر دوپہر کو گھر واپس آ کر کھانا کھانے کے بعد سو جاتی۔ پھر رات گئے تک رومانوی ڈائجسٹ پڑھتی، ٹی وی دیکھتی۔ عجب بے فکری کی زندگی تھی اُس کی۔

عنبرین کے والد ایک پرائیویٹ جاب کرتے تھے۔ جس مکان میں اُن کی رہائش تھی وہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جو کہ عنبرین کے والد کے ایک دیرینہ دوست نے اُن کو رہنے کے لیے دیا ہوا تھا اور وہ خود باہر کے ملک میں تھا۔ عنبرین کی والدہ ایک گھریلو خاتون تھیں جو کہ سارا دن گھرداری میں مصروف رہتیں۔

عنبرین کے والد کو اچانک دل کی شدید تکلیف ہوئی فوری طبی امداد اور علاج سے سنبھل گئے۔ اب عنبرین کے والد کو یہی فکر اور تمنا تھی کہ اُن کی زندگی میں عنبرین کی شادی ہو جائے۔

رشتے کی تلاش شروع ہوگئی اور جلد ہی عنبرین کا رشتہ آ گیا۔ لڑکے کی تعلیم میٹرک تھی اُس کی ایک کریانے کی دکان تھی، گھر میں اپنا تھا۔ لڑکا بہت شریف تھا۔ عنبرین کو جب اس رشتے کا پتا چلا تو اُس نے بھرپور مخالفت کی اپنی ماں سے لڑی مگر جب اُس کی والدہ نے کہا کہ تمہارے انکار سے تمہارے ابو کو صدمہ اور دکھ ہوگا۔ وہ پہلے ہی دل کے مریض ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کو کچھ ہو جائے۔''

یہ سُن کر عنبرین خاموش ہوگئی چنانچہ رشتہ قبول کر لیا گیا اور چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ اور پھر وہ دن آن پہنچا جس کا انتظار ہر لڑکی کو ہوتا ہے۔

عنبرین رخصت ہو کر اپنے سسرال آ گئی اور حجلۂ عروسی میں دُلہن بنی اپنے خاوند کی منتظر تھی۔ پھر خدا خدا کر کے رسمیں ختم ہوئیں اور رات کے بارہ بجے عنبرین کا شوہر اشرف کمرے میں آیا اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔

عنبرین نے پلکیں اُٹھا کر اپنے خاوند کو دیکھا تو اُس کے سارے خواب چکنا چور ہوگئے کیونکہ وہ ایک معمولی شکل و صورت کا سانولے رنگ کا لڑکا تھا۔

عنبرین کے دل پر گھونسا لگا اور وہ بہت مایوس ہوئی۔

شادی کے چوتھے روز سے اشرف نے اپنی دکان پر جانا شروع کر دیا۔ جبکہ عنبرین نے ایک ماہ کی چھٹیاں لی ہوئی تھیں۔ دو تین ہفتے رشتہ داروں کے ہاں دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا اور پھر زندگی اپنی روٹین پر واپس لوٹ آئی۔ عنبرین کی چھٹیاں ختم ہوگئیں اور اُس نے اسکول کی ڈیوٹی جوائن کر لی جبکہ اشرف صبح سویرے فجر کی نماز کے بعد ناشتا کر کے دکان چلا جاتا اور پھر رات گئے واپس گھر لوٹتا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

اشرف ایک انتہائی سادہ، کم گو احساس اور پیار بھرا دل رکھنے والا پانچ وقت کا نمازی، پرہیز گار انسان تھا۔ وہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ اُس نے عنبرین کو بہت پیار دینے کی کوشش کی۔ اُس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا اور عنبرین سے کہتا کہ ملازمت چھوڑ دو۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔''

مگر عنبرین نے ملازمت چھوڑنے سے انکار کر دیا اور اشرف سے کہتی کہ وہ بی اے پاس ہے اور اُس نے تعلیم اس لیے حاصل نہیں کی کہ وہ گھر بیٹھ کر تمہاری اور تمہاری ماں کی غلامی کرے، صفائیاں کرے، برتن اور کپڑے دھوئے۔''

وہ ہر وقت اپنی تعلیم اور جاب کا رعب اشرف پر ڈالتی رہتی۔ عنبرین کی ساس بہت اچھی عورت تھی۔ وہ ہر لحاظ سے عنبرین کا خیال رکھتی۔ بیٹی بیٹی کہتے اُس کی زبان نہ تھکتی مگر عنبرین اُس کو بھی خاطر میں نہ لاتی۔ عنبرین نے جو خواب دیکھے تھے اُن میں سے کوئی بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ اشرف نہ تو خوبصورت مرد تھا نہ ہی اُس کے پاس کار، کوٹھی بنگلہ تھا جس کی وجہ سے شادی کی پہلی رات سے ہی وہ اشرف سے متنفر ہوگئی۔ اُس کے اندر بہت تلخی آ گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی جھگڑا شروع کر دیتی۔ اشرف گو کہ خوبصورت مرد نہ تھا مگر اس کے برعکس وہ انتہائی سلجھا ہوا، شائستہ، ہنس مکھ اور با اخلاق انسان تھا۔ مگر عنبرین کو اُس کی یہ خوبیاں نظر نہ آتی تھیں۔

اشرف اور اُس کی ماں بہت صلح جو تھے۔ وہ خاموشی سے عنبرین کی ہر جلی کٹی سُن لیتے جس کی وجہ سے کوئی بڑا جھگڑا نہ ہوتا۔

عنبرین کی شادی کے ایک سال بعد اُس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ عنبرین جب بھی اپنی ماں سے ملنے جاتی ہر وقت اپنے خاوند اور ساس کی برائیاں کرتی، خوب کوستی اور یہی ظاہر کرتی کہ وہ بہت دکھی اور تنگ ہے۔ اُس کی ماں اُسے سمجھاتی کہ بیٹی اب تمہارا گھر وہی ہے۔ اپنے خاوند اور ساس کی خدمت کیا کرو۔ مل جل کر حسن سلوک سے رہا کرو۔'' مگر عنبرین کہتی کہ میں اُن کو جوتی کی نوک پر رکھتی ہوں۔

ان ہی روز و شب میں تین سال کا عرصہ گزر گیا۔ اشرف عنبرین کی ہر خواہش پوری کرتا۔ اُس نے کبھی عنبرین سے اُس کی تنخواہ کا ایک روپیہ تک نہیں لیا۔ عنبرین کی خاطر وہ دوپہر کو دکان بند کر کے گھر آ جاتا اور دو تین گھنٹے اُس کے ساتھ گزارتا۔ ہر چھٹی والے دن عنبرین کو موٹر سائیکل پر گھمانے پھرانے لے جاتا مگر ہر بار عنبرین یہی کہتی کہ اُسے موٹر سائیکل پر بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔ شرم آتی ہے۔''

ابھی تک عنبرین کے ہاں اولاد نہ ہو سکی تھی۔ جس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ خود نہیں چاہتی تھی کہ وہ ماں بنے۔ وہ احتیاطی تدابیر کرتی۔ ساتھ ساتھ میڈیسن بھی استعمال کرتی کہ اُس کا فگر خراب نہ ہو۔

پھر محکمہ تعلیم میں وسیع پیمانے پر ردوبدل اور تبدیلیاں ہوئیں چونکہ عنبرین کا سروس ریکارڈ کوئی اچھا نہ تھا۔ اُس کی کارکردگی خراب تھی۔ جس کے نتیجے میں اُس کی ٹرانسفر سرگودھا میں ہوگئی جو کہ چنیوٹ سے پچپن ساٹھ کلومیٹر دور تھا۔ عنبرین نے سرگودھا میں ڈیوٹی جوائن کر لی اور چنیوٹ سے روزانہ سرگودھا آنے جانے کے لیے ٹرین کا انتخاب کیا۔ اب اتفاق سے صبح ایک ایکسپریس ٹرین عنبرین کو بروقت سرگودھا پہنچا دیتی اور اسی طرح دوپہر کو اسکول سے چھٹی کے بعد بھی اُس کو واپسی کے لیے ٹرین مل جاتی۔ اشرف نے اب بھی بہت منت سماجت اور اصرار کیا کہ ملازمت چھوڑ دو۔ اتنی مشقت نہ اٹھاؤ مگر عنبرین اپنی ضد پر اڑی رہی اور اُس نے اپنی ملازمت جاری رکھی۔

☆......☆......☆

جاوید احمد ایک انتہائی خوبرو، وجیہہ، مردانہ وجاہت کا شاہکار حسن پرست مرد تھا۔ ایک متوسط فیملی سے اُس کا تعلق تھا۔ وہ ایم اے کر رہا تھا کہ اُس کے والد جو کہ ایک سرکاری محکمے میں ملازم تھے۔ ایک روز ہائی بلڈ پریشر کی وجہ سے دماغ کی نس پھٹنے کے باعث اُن کی موت واقع ہوگئی تو اُن کی جگہ پر اُسی محکمے میں اُسے (Employee Son) ملازمین کے بچوں کے کوٹے کی بنیاد پر فوراً اپنے باپ کی جگہ پر ملازمت مل گئی۔ جاوید احمد کے خواب بہت اونچے تھے۔ وہ ایسی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

شریک حیات کا خواہش مند اور طلب گار تھا جو کہ انتہائی خوبصورت، گوری چٹی، ماڈرن اور آزاد خیال ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھ ڈھیر سارا جہیز، نقد روپیہ اور کار لے کر آئے۔ جاوید ہمیشہ اپنے اِس خواب کی تعبیر پانے کے لیے سرگرداں رہتا تھا۔ مگر ابھی تک اُس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو پایا تھا۔ اُس کی تلاش جاری رہی اور ملازمت کرتے تین سال کا عرصہ بیت گیا۔

ہر ماں کی طرح جاوید کی ماں بھی اپنے بیٹے کے سر پر سہرا دیکھنا چاہتی تھی اور اپنے پوتے پوتیوں کو اپنی گود میں کھلانا چاہتی تھی۔ وہ پچھلے دو سال سے جاوید کو شادی کے لیے رضامند کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر جاوید کے مسلسل انکار نے اُن کو نہ صرف مایوس کر دیا بلکہ وہ بیمار ہو گئیں۔ جاوید کے والد اپنی زندگی میں جاوید کا رشتہ اپنے قریبی عزیزوں میں طے کر گئے تھے۔ جب جاوید کو تلاش بسیار کے باوجود خوبصورت اور امیر لڑکی کا رشتہ نہ ملا تو وہ بھی مایوسی کا شکار ہو گیا۔ پھر اپنی والدہ کی بیماری، اُن کی ناراضگی کے ڈر سے وہ اس رشتے پر حامی بھرنے کو تیار ہو گیا۔ کیونکہ اس کی والدہ نے اُس واشگاف الفاظ میں بتا دیا تھا کہ تمہارا رشتہ تمہارا باپ طے کر گیا ہے۔ اگر تم اس رشتے سے انکار کرو گے تو تمہارے والد کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔" جاوید نے بادل نخواستہ شادی کے لیے رضامندی ظاہر کر دی۔ بس پھر کیا تھا دونوں طرف سے شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اور پھر یاسمین جاوید کی دُلہن بن کر آ گئی۔

☆......☆......☆

یاسمین حجلۂ عروسی میں دلہن بنی اپنے مجازی خدا کی منتظر تھی۔ جب تمام رسومات اختتام پذیر ہو گئیں تو جاوید کمرے میں آیا۔ جب اُس نے اپنی دلہن یاسمین کا گھونگھٹ اٹھایا تو اُس کے جذبات پر اوس پڑ گئی کیونکہ یاسمین بہت زیادہ خوبصورت تو نہیں تھی مگر اچھے نین نقش والی گندمی رنگت کی قبول صورت لڑکی تھی۔ یاسمین کی تعلیم میٹرک تھی اور اُس نے قرآن پاک حفظ کیا ہوا تھا۔ گھر داری، امور خانہ داری کی ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ شرم و حیا کا پیکر اور صوم و صلوٰۃ کی پابند تھی۔ وہ مکمل شرعی پردہ کرتی تھی۔ اُس نے شادی سے پہلے کبھی کسی لڑکے کو نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ پیار، محبت اور عشق کے جذبے کی قائل تھی مگر اُس کی سوچ یہ تھی کہ وہ صرف اپنے خاوند سے محبت، پیار اور عشق کرے گی اور اپنا سارا پیار اپنے شوہر پر نچھاور کر دے گی۔

یاسمین نے اپنی پلکیں اُٹھا کر جب جاوید کو دیکھا تو اُس کا دل کھل اٹھا اور پہلی نظر میں اُسے جاوید سے پیار ہو گیا۔ جاوید نے اُسے ایک انگوٹھی منہ دکھائی میں دی جسے یاسمین نے بڑی خوش دلی سے قبول کیا اور جاوید سے درخواست کی کہ ہماری ازدواجی زندگی کی آج پہلی رات ہے اور اس کی خواہش ہے کہ اس نئی زندگی کی شروعات اللہ کے نام سے نوافل کی ادائیگی اور رب کے حضور دعا کے بعد شروع کی جائے مگر جاوید نے نہ تو یاسمین کی اس بات کو اہمیت دی اور نہ مانی اور کمرے کی لائٹ آف کر کے زیرو کا بلب آن کر دیا۔

یاسمین کو اس بات کا بہت دکھ اور افسوس ہوا مگر اس نے کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار کیے بغیر اپنے آپ کو اپنے مجازی خدا کے سپرد کر دیا۔ کیونکہ وہ اپنے خاوند کی رضا میں راضی رہنا چاہتی تھی۔

یاسمین نے اپنی سلیقہ داری، حسن اخلاق اور خدمت کے جذبے کے تحت نہ صرف گھر کے ہر فرد کا دل جیت لیا بلکہ پورے گھر کو ایک خوبصورت مکمل گھر بنا دیا۔ وہ نوکرانیوں کی طرح اپنے خاوند کے آگے پیچھے پھرتی، کوئی معمولی سا چھوٹا سا کام بھی جاوید کو نہ کرنے دیتی۔ اُس کے جوتے پالش کر کے اُن میں موزے رکھ کر، شلواروں میں ازار بند ڈال کر باتھ روم میں لٹکانا، پانی گرم کر کے بالٹی میں ڈال کر، یہاں تک اُس کی شیو کا سامان تک اُس کے لیے ریڈی کر کے رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ اور کسی قسم کی شکایت تک کا موقع نہ دیتی اس کے علاوہ پورے گھر کی صفائی ستھرائی، کپڑے دھونا اور کھانا پکانا یہ سب کچھ اُس نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود وہ جاوید کا دل نہ جیت سکی۔ یاسمین کی اکثر جاوید کے کاموں کی وجہ سے نماز اور تلاوت بھی لیٹ ہو جاتی مگر کبھی حرف شکایت تک زبان پر نہ لاتی۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

جاوید ایک کھلنڈرا، حسن پرست اور مغربی تہذیب کا دلدادہ مرد تھا۔ وہ اپنی ہر جائز، ناجائز خواہش یاسمین سے منوا کر رہتا مگر اس طرح جیسے کسی کھلونے سے دل بہلا کر اُسے پھینک دیا جائے۔

وقت پر لگا کر اُڑتا رہا اور پھر تین سال کا عرصہ بیت گیا۔ اسی عرصے میں اللہ کریم نے اُن کو ایک بیٹی کی شکل میں اپنی خاص نعمت سے نوازا تھا۔ چند وجوہات اور ناگزیر انتظامی امور کی بنا کر جاوید کی ٹرانسفر چنیوٹ سے سرگودھا ہوگئی اور اُس نے ڈیوٹی پر آنے جانے کے لیے ٹرین کا انتخاب کیا تھا جو صبح سویرے چنیوٹ ریلوے اسٹیشن پر آجاتی اور اُسے بروقت سرگودھا پہنچا دیتی، اسی طرح واپسی کے لیے بھی اُسے ٹرین مل جاتی۔

☆......☆......☆

آج بھی حسب معمول جاوید چنیوٹ کے ریلوے اسٹیشن پر ٹرین کے انتظار میں کھڑا تھا۔ ٹرین دس منٹ لیٹ تھی اچانک اُس کی نگاہ پلیٹ فارم کے بینچ پر بیٹھی ایک لڑکی پر پڑی جو کہ بے حد حسین و جمیل، خوبصورت، گوری چٹی حسن کا پیکر تھی۔ جس نے بہت عمدہ قیمتی اور جدید فیشن کے مطابق لباس پہن رکھا تھا۔ جاوید تھوڑا سا بینچ کے قریب جا کر کھڑا ہوگیا اور پُرشوق نظروں سے بڑے انہماک سے اور غور سے اُس حسینہ کو دیکھنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد لڑکی نے محسوس کیا کہ کوئی اُسے مسلسل دیکھ رہا ہے تو اُس نے جب گھوم کر دیکھا تو وہ بھی دیکھتی رہ گئی کیونکہ اُس کے خوابوں کا شہزادہ ایک خوبصورت، گورا چٹا، خوش لباس مرد جو کہ مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔ اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جب دونوں کی نظریں ملیں تو دونوں کے دلوں کے تار بج اٹھے۔ عنبرین اور جاوید یک ٹک محویت سے ایک دوسرے کو دیکھنے میں گم تھے کہ آنے والی ٹرین کے تیز وسل کی آواز نے اُن کی محویت کو توڑ دیا اور اگلے لمحے ٹرین پلیٹ فارم پر کھڑی ہوگئی اور وہ دونوں ایک ہی کمپارٹمنٹ میں سوار ہوگئے۔ آج ٹرین میں رش تھوڑا زیادہ تھا مگر دونوں کو بیٹھنے کی الگ الگ جگہ مل گئی اور سرگودھا پہنچنے تک دونوں ایک دوسرے کو چوری چوری دیکھتے رہے اور پھر آخر میں مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا جو کہ دونوں کی طرف سے ایک دوسرے کو گرین سگنل تھا اور پھر مسافروں کی دھکم پیل میں دونوں ٹرین سے اُتر گئے۔

چونکہ آج ٹرین تقریباً بیس منٹ لیٹ پہنچی تھی تو اس لیے وہ دونوں ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھ کر جلدی جلدی اپنی منزلوں کی طرف عازم سفر ہوگئے۔

جاوید نے اندازہ لگایا کہ لڑکی ملازمت کرتی ہے۔

اگلے روز جاوید اپنے مقررہ وقت سے آدھا گھنٹہ پہلے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا اور اُس کی نگاہیں اُس پری وش چہرے کو ڈھونڈنے کے لیے اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں جبکہ آج عنبرین بھی کسی نامحسوس جذبے کے تحت آدھا گھنٹہ پہلے پلیٹ فارم پر آگئی اور اُس کی متلاشی نظریں بھی اپنے خوابوں کے شہزادے کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ آج دونوں کی سج دھج پہلے کی نسبت کچھ زیادہ تھی جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو اُن کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے اور دونوں ایک ساتھ خالی بینچ پر بیٹھ گئے۔

جاوید نے عنبرین کو سلام کیا اور پھر ایک دوسرے کے ساتھ تعارف ہوا اور ٹرین آنے تک جاوید اور عنبرین دوست بن چکے تھے اور پھر ایک ماہ کے اندر اندر دونوں کی دوستی گہری دوستی میں تبدیل ہوگئی۔

اگرچہ دونوں ہی شادی شدہ تھے مگر اپنی اپنی ناآسودہ خواہشات کا بوجھ اٹھائے اپنے حالات سے خود ساختہ ناخوش اور غیر مطمئن نئی راہوں کی جستجو میں تھے۔ جبکہ حقیقت اور سچائی یہ تھی کہ عنبرین کا شوہر اشرف ایک انتہائی اچھا مخلص اور پیار کرنے والا احساس کرنے والا' خیال رکھنے والا انسان تھا اور عنبرین کی ہر جائز ناجائز خواہش پوری کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کرتا اسی طرح جاوید کی بیوی یاسمین نیک' شرم و حیا کا پیکر اور خدمت گزار تھی۔ اُس میں کوئی کمی نہیں تھی مگر وہ جاوید کے دل میں اپنا مقام نہ بنا سکی۔ اسی طرح عنبرین کے دل میں اشرف کی کوئی قدر و قیمت نہ بن سکی۔

جاوید اپنی بیوی کی جھوٹی برائیاں کرتا اسی طرح عنبرین اپنے خاوند کی برائیاں کرتے نہ تھکتی۔ جاوید عنبرین کے حسن کی دل کھول کر تعریف کرتا اُس کے حسن، خوبصورتی کے قصیدے پڑھتا جسے سن کر عنبرین نہ صرف بہت خوش ہوتی بلکہ سکون محسوس کرتی۔ اسی طرح

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

عنبرین بھی جاوید کی مردانہ وجاہت کی تعریفوں کے پل باندھتی۔

جلد ہی دونوں نے ایک دوسرے کو اپنا آئیڈیل قرار دے دیا گو کہ جاوید کے پاس کار، کوٹھی دولت نہیں تھی مگر وہ جاوید کو دل سے پسند کرنے لگی اسی طرح جاوید بھی کسی امیر کبیر لڑکی یا عورت کی تلاش میں تھا گو عنبرین کے پاس کار، روپیہ، پیسہ تو نہ تھا مگر وہ دلکش حسن کی دولت سے مالا مال تھی۔ بے باک تھی، آزاد خیال اور ماڈرن تھی جس کی وجہ سے وہ جاوید کے دل کو بھلی لگی اور وہ اُسے پسند کرنے لگا۔ جاوید نے عنبرین سے کہا کہ وہ اشرف سے طلاق لے لے تا کہ وہ اُس سے شادی کر لے۔

☆......☆......☆

پچھلے ایک ماہ سے عنبرین اپنے شوہر اشرف سے کچھ زیادہ ہی بے زار رہنے لگی تھی۔ وہ اسکول سے واپس آ کر موبائل فون پر جاوید سے ایس ایم ایس پر باتیں کرتی، کال پر بھی باتیں کرتی حالانکہ دونوں ٹرین میں ایک ہی کمپارٹمنٹ میں، ایک ہی سیٹ پر ساتھ ساتھ بیٹھتے اور ڈھیروں باتیں کرتے مگر پھر بھی دونوں کا دل نہیں بھرتا تھا۔ اُدھر جاوید بھی یاسمین سے بے زار اور تنگ رہنے لگا تھا۔ اُس کی ہر بات اور ہر کام میں کیڑے نکالتا، بات بات پر اُس کی بے عزتی کرتا مگر آفرین ہے یاسمین پر جو اُس نے اُف تک بھی کبھی کی ہو۔ وہ جاوید کی خوشنودی کے لیے نوکرانیوں کی طرح اُس کے ہر کام بھاگ بھاگ کر کرتی تا کہ جاوید کو کسی قسم کی کوئی شکایت کا موقع نہ ملے مگر جاوید کی زبان پھر بھی اُس پر انگارے برساتی مگر یاسمین خاموشی سے اُس کی ہر زیادتی کو برداشت کر جاتی۔

ایک دن عنبرین نے اشرف سے طلاق کا مطالبہ کر دیا، جسے سن کر وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اشرف نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ عنبرین کے دل میں جگہ بنا لے۔ اُس نے عنبرین کی خاطر اپنے معمولات بھی تبدیل کر دیے تھے مگر عنبرین اسے نفرت اور حقارت سے دیکھتی اور کہتی۔

''مجھے تم جیسے پرچون فروش سے نفرت ہے۔ تمہاری اوقات کیا ہے۔ سارا دن دکان پر روپے دو روپے کی چیزیں بیچتے ہو، نہ ہی کوئی تمہارا سوشل اسٹیٹس ہے۔ تم بدصورت انسان ہو وغیرہ وغیرہ۔''

آج جب اُس نے عنبرین کے منہ سے طلاق کا مطالبہ سُنا تو اشرف کی زبان گنگ ہو گئی۔ وہ خاموش رہا۔ ایک ہفتے تک وہ لگاتار طلاق کا مطالبہ کرتی رہی۔ اشرف نے اُسے پیار سے بہت سمجھایا مگر عنبرین اپنے مطالبے پر اڑی رہی کیونکہ جاوید کا اصرار دن بدن بڑھ رہا تھا کہ جلد از جلد طلاق لے لو تا کہ وہ دونوں ایک ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ مگر اشرف نے عنبرین کو دوٹوک لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ اُسے ہرگز طلاق نہیں دے گا۔

☆......☆......☆

کچھ دنوں کے بعد اشرف کے خاندان میں ایک شادی تھی۔ عنبرین نے پہلے تو شادی میں شرکت سے انکار کر دیا پھر کچھ سوچ کر وہ شادی میں جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

شادی ہال میں ڈیڑھ دو سو کے قریب عورتیں تھیں۔ ایک بوڑھی عورت نے عنبرین کی ساس سے پوچھا کہ تمہارے بیٹے اشرف کی شادی کو تین سال کا عرصہ بیت گیا ہے مگر ابھی تک بہو کے پاؤں بھاری نہیں ہوئے۔'' اس پر عنبرین کی ساس نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''پوتے پوتی کو اپنی گود میں کھلانے کی بڑی حسرت اور آرزو ہے مگر اللہ کی مرضی......'' ابھی وہ مزید کچھ کہنے والی تھیں کہ عنبرین بول پڑی۔

''پاؤں کیسے بھاری ہو، اِن کا بیٹا اشرف تو نامرد ہے۔'' جب عنبرین کے منہ سے یہ سنا تو کچھ عورتیں کھسیانی ہنسی ہنسنے لگیں، کچھ توبہ توبہ کرنے لگیں کہ یہ کتنی بے شرم ہے اور کچھ عورتیں چسکے لینے لگ گئیں۔

عنبرین کی ساس کو شرمندگی کے مارے چپ لگ گئی خیر شادی کا فنکشن جیسے تیسے ختم ہوا، عنبرین کی ساس گھر آ کر چارپائی پر ڈھے گئی۔ پھر عنبرین نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا اور شدت سے طلاق کا مطالبہ شروع کر دیا۔

جب اشرف کو پتا چلا کہ عنبرین نے بھری محفل میں اُس پر نامرد ہونے کا الزام لگایا ہے تو وہ شرم سے زمین میں گڑھ کر رہ گیا۔ اُسے سانپ سونگھ گیا اور حیرت کے مارے اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

عنبرین نے اپنا بیگ تیار کیا اور کہا کہ وہ اپنی امی کے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

گھر جا رہی ہے اور ساتھ ہی دھمکی دی کہ اگر کل شام تک اُسے طلاق اور جہیز کا سامان نہ ملا تو وہ عدالت میں خلع کا مقدمہ دائر کر دے گی اور وہاں بھی یہی بیان دے گی کہ اشرف نامرد ہے۔'' یہ کہہ کر اُس نے بیگ اٹھایا اور اپنی ماں کے گھر چلی گئی جہاں جا کر اُس نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیا اور اشرف اور اس کی ماں کے ظلم وستم کے جھوٹے قصے سنانے لگی۔

اگلے روز عنبرین کو اشرف نے طلاق دے دی اور جہیز کا سامان بھی اُسے جلد ہی مل گیا تو وہ بہت خوش ہوئی اور فوراً جاوید کو کال کر کے یہ خوش خبری سنائی۔ عنبرین کی امی کو بہت دکھ ہوا کہ اُس کی بیٹی کا گھر اجڑ گیا ہے۔ وہ بہت روئی مگر عنبرین نے اُس کو تسلی دی کہ اُسے اشرف سے اچھا شوہر ملے گا۔ پھر عنبرین نے عدت کے لیے اسکول سے پانچ ماہ کی چھٹی لے لی۔ مگر دورانِ عدت اُس کا موبائل فون پر جاوید سے مسلسل رابطہ رہا۔

☆......☆......☆

اشرف نے اتنا بڑا الزام سننے کے بعد عنبرین کو طلاق تو دے دی مگر وہ جیتے جی مر گیا کیونکہ اُس کے پورے خاندان، برادری محلے میں یہ بات پھیل گئی کہ عنبرین نے اشرف سے طلاق کس وجہ سے لی ہے۔ اُس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا اور دماغ پر اتنا اثر لیا کہ اُس کی ذہنی حالت خراب ہو گئی۔

☆......☆......☆

جیسے ہی عنبرین کی عدت پوری ہوئی تو جاوید اور عنبرین نے اگلے رز کا پروگرام بنایا کہ لاہور جا کر نکاح کر لیتے ہیں۔ دراصل جاوید اس نکاح کو اپنے گھر والوں خاندان اور بیوی سے خفیہ رکھنا چاہتا تھا تو اس وجہ سے وہ لاہور جا کر خاموشی سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔ جاوید کے کچھ دوست اور جاننے والے لاہور میں رہتے تھے ۔جاوید نے اُن کو ساری صورت حال بتا دی تھی تو اُس کے دوستوں نے اس معاملے میں مکمل مدد اور نکاح کے انتظام کا بندوبست کا وعدہ کیا تھا۔

جاوید اور عنبرین کی تیاری مکمل تھی۔ جاوید نے اپنی ماں اور یاسمین کو بتایا کہ محکمانہ ٹریننگ کے سلسلے میں وہ پندرہ روز کے لیے لاہور جا رہا ہے۔ اسی طرح عنبرین نے بھی اپنی ماں کو محکمانہ تعلیمی کورس کے لیے پندرہ روز لاہور جانے کا بتایا اور اگلے روز دونوں اپنے اپنے سفری بیگ لے کر چنیوٹ ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔

جاوید نے لاہور کے دو ٹکٹ فرسٹ کلاس سلیپر کے لیے اور اب وہ دونوں پلیٹ فارم کے بینچ پر بیٹھے ٹرین کا انتظار کر رہے تھے۔

پورے ڈیڑھ بجے ٹرین آ گئی اور وہ اُس میں سوار ہو گئے۔ اور پھر شام تک لاہور ایک دوست کے گھر پہنچ گئے۔ جہاں اُس کے دوستوں نے نکاح کا بندوبست کیا ہوا تھا۔

مغرب کے بعد نکاح ہوا پھر کھانا کھا کر جاوید اور عنبرین ایک ہوٹل کے کمرے میں شفٹ ہو گئے۔ جاوید اور عنبرین پورے دس دن لاہور رہے۔ خوب گھومے پھرے موج مستی کی اور پھر اسلام آباد چلے گئے۔ وہاں سے مری گھوم پھر کر پندرہویں دن بذریعہ ٹرین واپس چنیوٹ آ گئے۔

☆......☆......☆

جیسے ہی چنیوٹ کا ریلوے اسٹیشن قریب آیا تو اسٹیشن سے تھوڑا پہلے ہی ٹرین ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گئی تو چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ ٹرین ایک دم اسٹیشن سے پہلے کیوں رُک گئی ہے۔ کچھ مسافر اُترنا شروع ہو گئے تو پتا چلا کہ ایک آدمی ٹرین کے نیچے آ کر مر گیا ہے۔ اب پولیس اور ریلوے کا دوسرا عملہ آنے تک ٹرین اِدھر ہی رُکے گی۔ جب جاوید اور عنبرین ٹرین سے نیچے اُترے تو ٹرین کا عملہ گاڑی کے نیچے سے مرنے والے کی لاش نکال چکے تھے۔ لاش دو ٹکڑے ہو چکی تھی۔ جب عنبرین کی نظر لاش پر پڑی تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیونکہ وہ لاش اُس کے سابقہ خاوند اشرف کی تھی۔ اُس کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا اور وہ بے چارہ پاگل پن کی کیفیت میں ٹرین کے نیچے آ کر جاں بحق ہو گیا تھا۔

عنبرین کے دل پر گھونسہ لگا۔ کچھ دیر کے لیے اُسے دکھ بھی محسوس ہوا پھر جلد ہی اُس پر بے حسی طاری ہو گئی چنیوٹ پہنچ کر عنبرین اپنے بیگ کے ساتھ اپنی امی کے ہاں پہنچ گئی۔ جاوید اُس کے ساتھ ہی تھا جہاں پہنچ کر عنبرین نے اپنی امی کو بتایا کہ اُس نے جاوید سے شادی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

کر لی ہے اور وہ دونوں بہت خوش ہیں۔ اُس کی امی نے دونوں کے سروں پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہا جس طرح تمہاری خوشی اور تمہاری خوشی میں وہ بھی خوش ہے۔

دونوں کی چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں چنانچہ اگلے روز سے دونوں کا وہی چنیوٹ سے سرگودھا آنے جانے کا سفر شروع ہو گیا۔

☆......☆......☆

جاوید اب یاسمین کی طرف سے مکمل طور پر غافل ہو چکا تھا۔ اُس نے عنبرین سے شادی کے لیے بہت سارا قرض لیا ہوا تھا۔ اُس نے عنبرین کو زیور دیا تھا۔ کافی سارے پیسے لاہور، اسلام آباد، مری کے ٹوُر پر خرچ ہو گئے تھے۔ اُس کی محدود تنخواہ تھی مگر اُس نے عنبرین کے آگے ڈینگیں مار مار کر اپنے آپ کو بہت امیر آدمی ظاہر کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گھر میں بہت تنگی آ گئی۔

اُدھر عنبرین اپنی ساری تنخواہ اپنی عیاشیوں میں اُڑا دیتی، اِدھر جاوید کی آدھی سے زیادہ تنخواہ قرض کی ادائیگی میں خرچ ہو جاتی۔

کچھ عرصہ گزرا تو عنبرین کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور اُن کے انتقال کے چند ماہ بعد مکان کا مالک باہر سے آ گیا اور عنبرین سے مکان خالی کرنے کا کہا۔ جب جاوید کو اس صورتِ حال کا پتا چلا تو وہ تھوڑا پریشان ہو گیا۔ پھر جاوید نے عنبرین کو سرگودھا میں ایک فلیٹ کرائے پر لے دیا۔ چونکہ عنبرین کی پوسٹنگ ابھی تک سرگودھا میں ہی تھی۔ چنانچہ عنبرین کا ضروری سامان ایک چھوٹے ٹرک کے ذریعے سرگودھا پہنچا دیا گیا، فالتو سامان فروخت کر دیا گیا۔ اب جاوید روزانہ چنیوٹ سے سرگودھا ڈیوٹی پر آتا اور ایک رات عنبرین کے پاس رہتا اور ایک رات چنیوٹ میں رہتا۔ جاوید پہلے ہی تنخواہ سے قرض اُتار رہا تھا، اب عنبرین کو فلیٹ بھی لے کر دیا، اُس کا کرایہ بھی الگ سے دینا پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ مالی مشکلات کا شکار ہو گیا۔ نتیجے کے طور پر دونوں گھروں میں ہلکا پھلکا لڑائی جھگڑا چلتا رہتا۔

یاسمین کو کسی ذریعے سے پتا چل گیا تھا کہ جاوید نے عنبرین نامی کسی عورت سے دوسری شادی کر رکھی ہے مگر پھر بھی وہ حرفِ شکایت زبان پر نہ لائی اور ہر طرح کی تنگی ترشی اور حالات کو برداشت کرتی رہی۔

اُدھر عنبرین ایک دن پاؤں پھسلنے کے باعث فرش پر گر گئی اور گرنے کی وجہ سے اُس کا تین ماہ کا حمل ضائع ہو گیا۔ اُسے اسپتال داخل کروانا پڑا جس پر جاوید کا بہت سارا روپیہ خرچ ہو گیا، جس کی وجہ سے جاوید کے مالی حالات بہت خراب ہو گئے۔ اس حادثے کی وجہ سے عنبرین میں ایسا نقص پڑ گیا جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے ماں بننے سے محروم ہو گئی۔

مالی پریشانیوں نے جاوید کو بہت جلد تھکا دیا اور اُس کے اندر بہت تلخی آ گئی۔ اُدھر عنبرین اپنی ساری تنخواہ اپنی من مانیوں اور ذاتی اخراجات، کپڑوں کی خریداری میک اپ وغیرہ کے سامان میں خرچ کر دیتی اور اس کے علاوہ جاوید سے بھی رقم کا تقاضہ کرتی رہتی، جس کی وجہ سے جاوید اور عنبرین میں اچھی خاصی جھڑپ ہو جاتی۔ اور پھر رفتہ رفتہ یہ چھوٹی چھوٹی جھڑپیں بڑے بڑے جھگڑوں میں تبدیل ہونے لگیں۔

اب دونوں ایک دوسرے سے تنگ آ چکے تھے۔ عنبرین کو خوبصورت ہینڈسم شوہر تو مل گیا تھا مگر کنگلا نکلا تھا۔ کار کوٹھی والا نہیں تھا۔ اسی طرح جاوید کو عنبرین کی شکل میں خوبصورت ماڈرن بیوی تو مل گئی تھی مگر ایسی، جو نہ تو جہیز میں روپیہ، پیسہ کار لے کر آئی اور نہ ہی کوٹھی۔ اب دونوں اپنی اپنی جگہ پچھتا رہے تھے۔ اب اتفاق سے جاوید کی ٹرانسفر سرگودھا سے واپس چنیوٹ ہو گئی تو اب وہ ہفتے میں ایک آدھ چکر عنبرین کے پاس لگاتا۔ روزانہ فون پر دونوں کی لڑائی ہوتی۔ اُدھر قرض خواہوں نے جاوید کی ناک میں دم کیا ہوا تھا۔ اِدھر عنبرین اپنا خرچہ مانگتی۔ جاوید اُسے ایک بات کہتا تو عنبرین اُسے آگے سے پانچ باتیں سناتی۔

عنبرین پیسے کی پجاری اور کچھ زیادہ ہی آزاد خیال ثابت ہوئی تھی۔ جاوید سے مایوس ہو کر اُس نے ایک پینتالیس سالہ انتہائی امیر شخص سے دوستی لگالی، جو عنبرین کو مہنگی شاپنگ کرواتا۔ قیمتی تحائف دیتا اور کار میں بٹھا کر خوب سیر سپاٹا کرواتا اور بدلے میں عنبرین کے جوان خوبصورت جسم سے لطف اندوز ہوتا۔ عنبرین اُس دولت مند شخص عرفان کی دولت دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تھی۔ اب تو وہ عرفان کے دوستوں کے پاس بھی جانے لگی تھی۔ جاوید کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اُس نے عنبرین کو طلاق دے دی۔

اب عنبرین مکمل طور پر آزاد تھی۔ اُس کی بطور ٹیچر کارکردگی پہلے ہی خراب تھی۔ اب وہ اپنی موج مستی اور سیر سپاٹے کی وجہ سے اکثر اسکول سے غیر حاضر رہنے لگی۔ مزید برآں اُس کی غیر اخلاقی سرگرمیوں کا بھی اسکول میں اور محکمے والوں کو پتا چل گیا اور پھر بالآخر مختلف انکوائریوں کے بعد اُسے نوکری سے نکال دیا گیا۔

اِدھر جاوید نے عنبرین کو طلاق دی تو اُس نے سکھ کا سانس لیا۔ اب وہ یاسمین اور عنبرین کے درمیان موازنہ کرتا تو اُسے اپنے آپ پر شرم آتی کیونکہ ثابت ہو چکا تھا کہ یاسمین سونا ہے اور عنبرین پیتل۔

ایک شام ایک قرض خواہ اپنے پیسے مانگنے آیا اور جب جاوید نے ادا نہ کیے تو اُس نے گھر کے دروازے کے آگے کھڑے ہو کر جاوید کو برا بھلا کہا، خوب گالیاں دیں اور دھمکی دی کہ اگر دو دن کے اندر اندر رقم واپس نہ کی تو وہ جاوید کو تھانے میں بند کروا دے گا۔''

جاوید بہت پریشان ہوا تو یاسمین نے اپنا سارا زیور لا کر جاوید کی گود میں ڈال دیا کہ اسے فروخت کر کے سارا قرض چکا دیں تو جاوید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

☆......☆......☆

جب عرفان کی بیوی کو پتا چلا کہ اُس کا شوہر دولت لٹانے کے ساتھ ساتھ اپنی راتیں عنبرین کے ساتھ کالی کرتا ہے تو پہلے تو اُس نے عرفان سے بات کی پھر نوبت لڑائی جھگڑے تک جا پہنچی۔ مگر عرفان باز نہ آیا تو عرفان کی بیوی نے چپکے سے اپنے ایک وفادار نوکر کو کافی رقم دی اور ایک منصوبہ بنایا اور پھر چند دنوں کے بعد اُس منصوبے پر عمل ہو گیا۔

اُس نوکر نے اپنا چہرہ چھپا کر ایک شام عنبرین پر تیزاب پھینک دیا جس کے نتیجے میں اُس کا آدھے سے زیادہ چہرہ اور سینہ جل گیا اور وہ چیختی چلاتی رہ گئی۔ نوکر چپکے سے اپنا کام کر کے آ گیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

☆......☆......☆

جاوید آج جب یاسمین کا زیور بیچ کر تمام قرضہ ادا کر کے گھر آیا تو وہ بہت ہلکا پھلکا اور پُرسکون تھا مگر اُس کے چہرے پر ندامت تھی۔ جب وہ رات کو کمرے میں آیا تو اُس نے پہلے تو یاسمین کا شکریہ ادا کیا پھر معافی مانگنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اُس کے آگے جوڑ دیے تو یاسمین نے اُس کے ہاتھ پکڑ کر چوم لیے اور جاوید کے قدموں میں بیٹھ کر کہا۔

'' پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں۔ آپ میرے سرتاج ہیں۔ میرا سب کچھ صرف آپ کا ہی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ زیور کے بدلے مجھے میرا مجازی خدا مل گیا۔ میرا خاوند واپس آ گیا۔'' اور ساتھ ہی جاوید کو بتا دیا کہ اُسے عنبرین سے جاوید کی شادی اور دیگر تمام حالات کا علم ہے۔ وہ جاوید پر کیس بھی کر سکتی تھی کہ اُس نے پہلی بیوی سے دوسری شادی کی اجازت لیے بغیر عنبرین سے نکاح کیا تھا۔ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ جاوید سے سچا پیار اور عشق کرتی ہے۔ اُس نے ہر نماز کے بعد جاوید کی سلامتی اور واپسی کی دعائیں مانگی ہیں تو اُسے یقین تھا کہ اُس کی دعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی اور جاوید کی واپسی ہوگی۔''

یہ سُن کر جاوید نے فرطِ جذبات سے یاسمین کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ تو یاسمین نے کہا۔

''جاوید میں نے شادی کی پہلی رات ایک درخواست کی تھی کہ ازدواجی زندگی کی شروعات اللہ کے ذکر، نوافل کی ادائیگی اور دعا کے بعد کی جائے مگر آپ نے اُس وقت میری یہ درخواست نہیں مانی تھی۔ جس کا مجھے آج تک دکھ ہے۔ تو پلیز آج آپ کی واپسی ہو چکی ہے تو میری یہ درخواست قبول کر لیں۔''

جاوید نے فوراً وضو کیا اور نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد دونوں نے مل کر شکرانے کے نوافل پڑھے۔ جاوید نے رو رو کر اپنے گناہوں اور زیادتیوں کی معافی مانگی اور دعا کے بعد وہ پُرسکون ہو گیا۔

واپسی کے سفر کے بعد آج اُن دونوں کی دوسری سہاگ رات تھی۔ آج دونوں کے دل ایک دوسرے کی محبت اور پیار میں سرشار تھے۔

☆☆......☆☆

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

مسئلہ یہ ہے

خلقِ خدا کی بھلائی کے لیے مفید و معلوماتی سلسلہ

محترم قارئین! ''مسئلہ یہ ہے'' کا سلسلہ خلقِ خدا کی بھلائی اور رُوحانی معاملات میں اُن کی رہنمائی کے جذبے کے تحت ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے اوّلین شمارے سے شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دُعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادّی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی رُوحانی طاقت کے حیران کر دینے والے معجزے دیکھے۔ جیسے جیسے لوگوں کو اِن وظائف سے فائدہ ہوتا رہا، اُسی تناسب سے ہر ماہ موصول ہونے والے خطوط کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، پھر صورتِ حال یہ ہوگئی کہ اگر ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' میں خطوط کے جوابات دینے پر اکتفا کیا جاتا تو قارئین کو اپنے جوابات کے لیے کئی کئی ماہ انتظار کرنا پڑتا، کیوں کہ پرچے میں صفحات کی تعداد بہرحال محدود ہے۔ اِن ہی حقائق کو دیکھتے ہوئے فوری نوعیت کے مسائل کے جوابات براہِ راست ارسال کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا، لیکن اتنے زیادہ خطوط کو سنبھالنا، اُن کا ریکارڈ مرتب کرنا اور انہیں سپردِ ڈاک کرنا خاصا دقت طلب کام ہے جو مجھ ایسے آدمی کے لیے کسی طور ممکن نہیں۔ اِن صفحات کی ترتیب و تدوین اور براہِ راست جوابات کے لیے میرا معاوضہ پاکستان کی سلامتی، قومی یکجہتی کی دُعا اور مسلمین و مسلمات (خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ) کے لیے دُعائے خیر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دُعائے خیر سے بڑا معاوضہ اور قیمتی تحفہ کوئی کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ قارئین کے خطوط کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر ادارے کو باقاعدہ اسٹاف رکھنا پڑا ہے جو خطوط کا ریکارڈ مرتب کرنے اور انہیں سپردِ ڈاک کرنے کا ذمے دار ہے۔ اگر آپ اپنے مسئلے کا فوری جواب چاہتے ہیں تو ازراہِ کرم جوابی لفافے کے ساتھ =/300 روپے کا منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے نام ارسال کردیں۔ یہ رقم اُن افراد کی تنخواہ کی مد میں آپ کی امداد ہوگی جو اِس شعبے سے متعلق ہیں۔ منی آرڈر کی رسید اور ڈرافٹ بھیجنے کے علاوہ خط میں منی آرڈر کی رسید اور بینک ڈرافٹ نمبر ضرور تحریر کریں۔ صاحبِ استطاعت حضرات ٹوکن منی =/300 روپے کو آخری حد نہ سمجھیں، وہ حسبِ استطاعت اِس رقم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ یہ رقم اُن خواتین کے کام آئے گی جو ملک کے دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں اور جن کے لیے منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بھیجنا ممکن نہیں ہے۔ خطوط بھیجنے سے پہلے درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

(1)...... مسئلے کے ساتھ اپنا اور اپنی والدہ کا نام ضرور تحریر کریں۔ اصل نام کی اشاعت مقصود نہ ہو تو خط فرضی نام سے شائع کیا جائے گا۔ فرضی ناموں سے جھوٹے خطوط نہ بھیجیں ورنہ فائدے کے بجائے نقصان کا احتمال ہے۔

(2)...... منی آرڈر، بینک ڈرافٹ ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے نام ارسال کریں۔

(3)...... اپنا مسئلہ صاف اور واضح الفاظ میں کاغذ کے ایک طرف تحریر کریں۔

88-C II۔ خیابانِ جامی۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

عزیزانِ من! اللہ ہم سب کو اپنی مان میں رکھے۔ رزق وافر عطا فرمائے، اولاد کی خوشیاں دکھائے، مشکلات اور مسائل سے نمٹنے کی استطاعت عطا کرے۔ میں اپنے اُن بچوں کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے میری درخواست پر لبیک کہا اور میرے اُن بچوں کی امداد کی جو بہت ضرورت مند ہیں۔ میری خواہش ہے کہ اگر مہینے کا خرچا باندھ دیا جائے تو پھر کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ عزت دار انسان ایک زندگی میں بار بار مرتا ہے جب اُسے اپنی ضرورت کے لیے کسی سے مدد مانگنی پڑتی ہے۔ ہم اپنے دل بڑے کر کے انہیں اُس ذلت سے بچا سکتے ہیں۔ عزت سے جینے کا حق سب کو ہے اور جو لوگ انسان کو عزت سے جینے میں مدد دیتے ہیں اللہ انہیں بے حساب عزت و توقیر دیتا ہے...... ماہ محرم کا بابرکت ماہ ہم سب کو نصیب ہوا۔ اس ماہ میں خوب دعائیں کرنی چاہئیں، صدقات نکالنے چاہئیں۔ اسلامی سال کی ابتداء اس ماہ سے ہوتی ہے۔ ابتدا اچھی ہو تو انتہا بھی اچھی ہوتی ہے، لہٰذا کوشش ہونی چاہیے کہ قرآن مجید کو بامعنی پڑھیں اور سمجھیں اور اللہ کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں...... 9 اور 10 محرم کو روزہ رکھنا افضل ہے اور سورۃ بقرۃ پڑھنا نہایت مبارک اس کے علاوہ سورۃ کہف، سورۃ مزمل، سورۃ نور، اور سورۃ قصص ضرور پڑھنی چاہئیں۔ اللہ ہم سب پر اپنا کرم فرمائے اور عزت والی زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

□ ترنم ناز۔ لاہور

○ بابا جی! میں آپ کا کالم بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ آپ واقعی میں اللہ کے نیک اور سچے بندے ہیں۔ میں بہت بری عورت ہوں۔ حالات نے مجھے کیا سے کیا کر دیا۔ وہ ایک الگ کہانی ہے۔ مگر میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا میں آپ کے ٹرسٹ کے لیے کچھ دے سکتی ہوں۔ شاید میری دی گئی رقم سے کوئی لڑکی برائی کے راستے پر چلنے سے بچ جائے اور عزت سے اپنی ضروریات پوری کر سکے۔ میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھے اجازت دے دیں۔ میں اپنا صحیح نام بھی نہیں لکھ رہی۔ شاید لوگ مجھے پہچان جائیں۔ آپ بس مجھے اجازت دے دیں میں ہر ماہ ایک خطیر رقم آپ کے ٹرسٹ کو بھجوانا چاہتی ہوں۔

☆ بیٹی ترنم! اللہ تم پر رحم فرمائے۔ تمہیں نیکی کی ہدایت تو اُس نے دے دی ہے بس برائی کا راستہ ترک کرنے کی کوشش کرو۔ تم مجھے رقم ارسال کر سکتی ہو شاید تمہاری یہ نیکی تمہاری بخشش کا باعث بنے اور دنیا میں بھی تم تائب ہو کر سرخرو ہو سکو۔

□ شافعہ۔ کراچی

○ بابا جی گزارش یہ ہے کہ میں نے آپ کو اس سے پہلے بھی خط لکھا تھا۔ تقریباً چودہ پندرہ سال پہلے اپنی بیماری کے بارے میں (Uterus) بچہ دانی پر رسولی تھی۔ جس کا آپ نے آپریشن کا بولا تھا۔ لیکن میں نے جب نہیں کرایا تھا۔ اب اپنے شوہر کے انتقال کے بعد جو کہ 8 سال ہو گئے ہیں اور آپریشن کو 3 سال ہو گئے ہیں۔ آپریشن کے بعد مجھ کو ایک دم سے اتنی گرمی لگتی ہے کہ سر پر، منہ پر پسینہ آ جاتا ہے۔ اور ایک دم سے گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ ایک تو اس کا علاج بتا دیں۔

اطلاع عام

قارئین بھائی، بہنوں سے گزارش ہے کہ مسئلہ بھیجنے کے لیے ہمارا نیا پتا نوٹ فرمالیں اور آئندہ اپنا مسئلہ دیے گئے۔ نئے ایڈریس پر روانہ کیجیے۔

نیا پتا: C II-88۔ فرسٹ فلور۔ خیابان جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

مسئلے سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کیجیے۔ 35893122 - 021-35893121

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

دوسرے میری ایک جگہ ہے جو کرائے پر دی ہوئی ہے، دو حصوں میں کی ہوئی ہے ایک حصہ کے کرائے دار تو مطمئن ہیں اس کا کاروبار بھی صحیح چلتا ہے جبکہ دوسرے حصے کا کرائے دار شکایت کرتا ہے۔ اس حصے میں کچھ اثرات ہیں جو تنگ بھی کرتے ہیں اور منافع بھی نہیں ہوتا۔ جس سے مجھے پریشانی ہوتی ہے۔ اس سے پہلے جب میرے شوہر کام اپنا کرتے تھے تو انہیں بھی منافع نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنے پاس سے بل بھرنے پڑتے تھے۔ اب میں اس جگہ کو فروخت کرنا چاہتی ہوں کہ اسے فروخت کر کے لیز جگہ لے لوں۔ کیونکہ وہ لیز نہیں ہے۔ میں بیوہ خاتون ہوں۔ میرا خرچ اس کے کرائے سے چلتا ہے۔ کرائے دار کرایہ دینے میں بھی پریشان کرتے ہیں۔ گزارش ہے کہ میرے اِن دونوں مسئلوں کے لیے کچھ ایسا بتائیں کہ میری پریشانی دور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے۔

☆ بیٹی شافعہ! اللہ تمہیں مکمل صحت عطا فرمائے۔ جو کیفیت تم نے لکھی ہے اس کی وجہ ہارمونز کا بگڑنا ہے۔ تمہیں کسی اچھی لیڈی ڈاکٹر سے اس سلسلے میں رجوع کرنا چاہیے۔ جہاں تک دوسرے مسئلے کا تعلق ہے تو اس کے لیے مجھ سے تعویذ منگوالو۔ انشاء اللہ کلام الٰہی کی برکت سے کام ہوگا۔ خط جوابی لفافے کے ہمراہ بھیجو تا کہ تمہیں تفصیلی جواب دیا جا سکے۔

□ زبیدہ۔کوئٹہ

○ محترم بابا جی اللہ تعالیٰ سے آپ کی خیریت کی امید رکھتی ہوں۔ اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اِس زندگی میں بھی اور دنیا میں بھی جنت جیسا امن اور خوشی عطا کر دے۔ آمین۔ عید کی وجہ سے اکتوبر کا رسالہ لیٹ ملا اور انہی چند دنوں میں، میں نے خواب دیکھا کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے لیے رقم آئی ہے۔ بابا جی آپ کا دل حضرت عمرؓ خلیفہ جیسا ہے۔ یقیناً آپ اللہ تعالیٰ کے بہت پیارے بندے ہیں۔ جس نیک بندے نے یہ نیکی آپ کے ذریعے میرے ساتھ کی ہے۔ وہ بھی بہت برگزیدہ بندہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اُس نیک اور پیارے بندے کو بہت اجر اور خوشی دے آمین۔ یہ دنیا اُس انسان کے لیے جنت ہو جائے اور اُس کی یہ نیکی اللہ تعالیٰ کے پاس جمع ہوئی ہے، ضائع نہیں ہوئی۔ میں اور یہ دو بچے کس حال میں ہیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر دیکھنے اور جاننے والا مہربان ہے۔ اگست سے نہ تو گھر ہے اور نہ سکون ہے۔ اور میں بیمار بھی بہت ہوں۔ کسی دور کے رشتے دار نیک بندے سے کچھ وقت کے لیے اپنے لیے مدد مانگی۔ کیونکہ میں یہاں کام کرتے کرتے تھک جاتی ہوں۔ رب العزت کی یاد سے بھی غافل رہتی ہوں۔ بابا جی میرا یہ خط ضرور شائع کریں۔ کیونکہ میں اُس نیک شخص کا بہت شکریہ ادا کرتی ہوں اور اُس کے لیے دعا گو ہوں۔ اور بابا جی اللہ کا یہ نیک اور برگزیدہ بندہ میری مدد کچھ وقت کے لیے کرسکتا ہے یہی سال ڈیڑھ سال۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے انشاء اللہ کوئی راہ کھول دے گا اور ہمارے لیے باہر سے ویزا آجائے۔ بابا جی آپ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھنا۔ میں آپ کی بہت مشکور ہوں۔ یہ زندگی مختصر سی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوش نصیب اور جنتی لوگ وہ ہیں جو کسی بے بس کو زندگی اور خوشی دے سکتے ہیں۔ یہی نیکی کی شمع مرنے کے بعد آرام اور سکون کا ذریعہ ہوگی۔ بابا جی ایک بار پھر اُس نیک بندے کی میں بہت شکر گزار ہوں اور اُس کے لیے دعا گو ہوں۔

☆ بیٹی! اللہ تعالیٰ تمہارے مسائل حل فرمائے۔ یہ میری دعا ہے۔ مجھے اپنے بچوں پر بہت یقین اور فخر ہے کہ وہ میری درخواست پر فوراً لبیک کہتے ہیں۔ بیٹی اللہ مسبب الاسباب ہے۔ تم اس سے مدد مانگتی رہو وہ اپنے نیک بندوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے گا۔

□ رحمان علی۔چکوال

○ بابا جی میں کافی عرصے سے سچی کہانیاں میں آپ کا کالم پڑھ رہا ہوں اور بڑی ہمت کر کے جسارت کر رہا ہوں کہ بابا جی کوئی اللہ کا ایسا نیک بندہ ہے جو میرا قرض اُتار دے۔ مجھے نہ دے آپ کو ہی دے، آپ مجھے بھجوا دیں معلومات بھی کر لیں۔ میں بہت مجبور ہو کر لکھ رہا ہوں۔ میں نے اپنی والدہ کی بیماری کے لیے مختلف وقتوں میں قرض لیا تھا۔ جواب بڑھ کر 4 لاکھ کی خطیر رقم بن چکا ہے۔ بابا جی آپ کے جاننے والوں میں بہت سے لوگ باہر ملک میں ہوں گے، ان کے لیے تو یہ کچھ بھی نہیں۔ میری مدد کر دیں۔ میں آپ کو سوائے دعا کے کچھ نہیں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

دے سکتا۔ نوکری کرتا ہوں مگر تنخواہ تو روزمرہ کے خرچوں میں نکل جاتی ہے۔ بچوں کو بھی اسکول میں داخل نہیں کرواسکا ہوں۔ مگر اس سب سے زیادہ پریشانی مجھے قرض کی ہے۔ بابا جی ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں میری مدد کردیں۔

☆ بیٹے رحمان! تمہارا خط پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ ہمت رکھو اللہ ضرور کرم کرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ضرور اللہ کا کوئی نیک بندہ تمہاری مشکل حل کرے گا۔ تم بعد نماز عشاء سورۃ واقعہ ضرور پڑھا کرو۔ اللہ حامی وناصر ہو۔

□ ہاشم خان۔ اٹک

○ بابا جی! میں بہت پریشان ہوں۔ میں ایک بہت اچھی فرم میں نوکری کرتا ہوں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ پریشانی کی وجہ میری کولیگ ہے جو میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ بابا جی! یقین مانیے' میں نے صرف ایک کولیگ ہونے کے ناتے اس کی مدد کی۔ میں اپنی چچازاد سے منسوب ہوں اور اس کو اور وہ مجھے بہت پسند کرتے ہیں۔ یہ صرف اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ زیادتی میری طرف سے ہوئی۔ یہ لڑکی صوبہ سرحد سے ہے اور اپنی والدہ کے ساتھ رہتی ہے۔ کوئی رشتے دار یہاں نہیں ہیں' یہی سوچ کر میں اس کا خیال رکھتا رہا۔ اب وہ مجھے شادی کے لیے کہہ رہی ہے اور انکار کی صورت میں خودکشی کرلے گی۔ بابا جی! میں شدید ذہنی اذیت کا شکار ہوں۔ اس کی والدہ سے بھی بات کرچکا ہوں مگر ایسا لگتا ہے جیسے انہوں نے اس کو کچھ نہیں بتایا۔ آپ پلیز' اس سلسلے میں میری مدد کریں۔

☆ بیٹے ہاشم......! مجھے یقین ہے کہ تم جو کچھ لکھ رہے ہو' وہ درست ہے۔ بیٹے......! اس لڑکی سے مکمل طور پر قطع تعلق کرلو۔ اگر ممکن ہو تو اپنی ٹرانسفر کرالو۔ وہ صرف تمہیں ڈرا رہی ہے لیکن اگر تم نے اپنا رویہ سخت نہیں کیا تو وہ تمہاری زندگی برباد کردے گی کیونکہ اس نے آج تک تم سے جو کہا' وہ جھوٹ ہے۔ بہرحال اپنی والدہ سے کہو' تم کو صبح وشام آیت الکرسی کے حصار میں رکھیں اور بیٹے! تم بھی بکثرت یَا حَسِیبُ کا ورد کیا کرو۔ مدت ایک ماہ ہے۔

□ شاہدہ۔ لاہور

○ السلام علیکم! بابا جی! میرا نام شاہدہ ہے اور والدہ کا نام رئیسہ ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چار بیٹے ہیں اور ایک بیٹی ہے۔ پہلے ہمارے حالات بہت اچھے تھے لیکن اب پریشانیوں نے ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔ ہمارا گھر بھی بک گیا۔ کام شروع کیا تھا' وہ بھی ختم ہوگیا۔ گھر کے حالات اب کافی خراب ہوگئے ہیں۔ میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنے بڑے بیٹے کی شادی کے لیے پریشان ہوں۔ اس کا نام عامر ہے' ماں کا نام ثریا ہے۔ بہت لڑکیاں دیکھی ہیں پر کہیں کوئی بات نہیں بنتی۔ کوئی رکاوٹ ہے یا اللہ کی طرف سے ہی دیر ہے؟ بابا جی! میرا دوسرا بیٹا نشے میں مبتلا ہے' اس کی وجہ سے بھی میں بہت پریشان ہوں۔ برائے مہربانی اس کے بارے میں بھی مجھے کچھ بتا دیں۔ بابا جی! میرے مسئلوں کا جواب ضرور دیجیے گا' میں بہت پریشان ہوں۔

☆ بیٹی شاہدہ! میں تمہیں جلد از جلد تعویذ منگوانے کا مشورہ دوں گا۔ مزید دیر مت کرنا ورنہ حالات بالکل ہی قابو سے نکل جائیں گے۔

□ شوکت احمد۔ کوٹ ادّو

○ بابا جی! السلام علیکم! اللہ تعالیٰ آپ کو پیارے حبیب ﷺ کے صدقے میں اس خدمت کا اجر دے۔ بابا جی! اس امید کے ساتھ خط لکھ رہا ہوں کہ آپ میرے اس خط کا جواب اس دفعہ ضرور دیں گے۔ بابا جی! میں نے تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے خط لکھا تھا' اس خط میں جوابی لفافے کے ساتھ کچھ پیسے بھی تھے لیکن اس کا جواب اب تک نہیں آیا۔ بابا جی! میرا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری دو مختلف جگہوں پر تھوڑی سی زمین ہے۔ ہم لوگ اسے بیچنا چاہتے ہیں لیکن والد صاحب کو زمین بیچنے کا کہتے ہیں تو وہ غصے ہوجاتے ہیں۔ ہم لوگ زمین اس لیے بیچنا چاہتے ہیں کہ اپنا گھر بنالیں اور چھوٹا موٹا سا کاروبار شروع کردیں۔ ہم چار بھائی ہیں' دو مجھ سے بڑے اور ایک چھوٹا ہے۔ والد صاحب ان دونوں بڑے بھائیوں کی وجہ سے زمین نہیں بیچنا چاہتے کیونکہ وہ کوئی کام نہیں کرتے' بڑا بھائی تو اب کوئی کام نہیں کرتا' جو اس سے چھوٹا ہے' اس کو اگر کام ملتا ہے تو وہ کرتا ہے ورنہ گھر میں پڑا رہتا ہے۔ بڑا بھائی ہر وقت پریشان رہتا ہے'

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

گھر میں پریشانی رہتی ہے۔ دونوں بھائیوں کی شادی ہوئی ہے۔ والد صاحب اتنے غصے والے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بات پر غصہ اور بددعائیں دیتے ہیں' وہ بڑے بھائی سے ناراض ہیں اور حالت یہ ہے کہ دونوں بڑے بھائی والد صاحب سے بات بھی نہیں کرتے۔ میں نے میٹرک کا امتحان دیا ہے۔ اب میری چھٹیاں ہیں۔ والد صاحب صرف مجھ سے خوش ہیں لیکن ان دونوں بڑے بھائیوں کی وجہ سے اب وہ بھی کبھار مجھ پر بھی غصہ کرتے اور مجھے اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ جو بابا میرے لیے دُعائیں کرتا تھا' اب ایسا نہ ہو کہ بددعائیں دے۔ بابا جی! میں سخت پریشان ہوں۔ خدا کے لیے' بابا جی! کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجیے کہ ہماری زمینیں فروخت ہو جائیں اور دونوں بھائی بھی کام کرنے لگ جائیں۔ بابا جی! میرا خط اس دفعہ ضرور شامل کریں' ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔ بابا جی! ساری عمر دُعائیں دوں گا اگر میرا مسئلہ حل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو درازعمر دے۔ (آمین!)

☆ بیٹے شوکت! اللہ تمہارے مسائل حل فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرود شریف بہت پڑھو۔ لفافے میں ہدیہ مت رکھا کرو۔ ڈاک خانے والے ہدیہ نکال کر لفافہ پھاڑ دیتے ہیں۔ بہرحال تم ہر نماز کے بعد 3-3 تسبیح اللّٰہُ اکبر پڑھو اور دُعا کرو۔ انشاءاللہ' ایک ماہ میں معاملہ حل ہو جائے گا۔

□ عائشہ۔ کراچی

○ محترم بابا جی! السلامُ علیکم! بابا جی! دل چاہا کہ آپ سے بات کر کے میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کروں۔ بابا جی! آپ کی دی ہوئی دُعاؤں سے مجھے بہت فائدہ ہوا ہے۔ میرے شوہر کافی حد تک میرے ساتھ صحیح ہیں۔ بابا جی! لیکن میں پریشان اس وجہ سے ہوں' میرے سسرال میں چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں' بہنیں کھلے عام لڑکوں سے فون پر باتیں کرتی ہیں' بیٹا' ماں باپ کی عزت نہیں کرتا۔ بابا جی! میں اس ماحول میں کیسے رہ رہی ہوں' وہ میں آپ کو بتا بھی نہیں سکتی اور دوسرا یہ کہ میرے شوہر کوئی بھی نوکری نہیں کرتے اور نہ ہی گھر کی کوئی ذمے داری اٹھاتے ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے جو گھر میں روز روز لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں اور ہر بات کا محور میں ہوتی ہوں۔ بابا جی! میری ساس اپنی بیٹیوں کی غلطیوں پر پردہ ڈال دیتی ہیں لیکن میری چھوٹی سی بات بھی اچھالتی ہیں۔ بابا جی! میں گھر میں ہر وقت ڈری سہمی رہتی ہوں۔ بابا جی! اگر شوہر نوکری کرتے تو کم از کم طعنے تو نہیں ملتے لیکن میرا اور میرے شوہر کا خرچ سارا میرے سسر اٹھا رہے ہیں اور بابا جی! میں چاہتی ہوں' میرے شوہر کام کریں۔ ویسے ان کے پاس Doctor کی degree ہے لیکن ان کو کوئی interest نہیں' بس وہ چاہتے ہیں' میری CSS ہو جائے۔ بابا جی! کیا CSS ان کے لیے صحیح ہے؟ بابا جی! ان کا mind کسی بھی چیز میں adjust نہیں ہوتا۔ سب سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں۔ بابا جی! میں بہت پریشان ہوں۔ ایک تو گھر کا ماحول' اوپر سے شوہر کا کام نہ کرنا۔ بابا جی! آپ خود سوچیں' ایسے جھگڑالو ماحول میں مجھے اولاد کیسے ہو گی؟ بابا جی! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتی ہوں۔ پلیز' آپ ایسی دُعا کریں یا مجھے وظیفہ دیں کہ میرے شوہر کو پاکستان میں کسی بھی شہر میں اچھی جاب مل جائے جس سے میرے شوہر بھی خوش ہوں اور بابا جی! میں چاہتی ہوں' وہ نوکری یہاں کراچی میں نہیں ہو۔ مجھے اس ماحول سے آزادی چاہیے اور بابا جی! میرے لیے اولاد کے لیے بھی دُعا کیجیے گا اور اللہ تعالیٰ میرے گھر میں سکون پیدا فرمائے۔ (آمین!)

☆ بیٹی عائشہ! تم وظیفہ جاری رکھو۔ اس وقت اہم یہ ہے کہ تم خوش اور آباد رہو اور تمہارا شوہر تمہارے حقوق ادا کرے۔ باقی کیا ہو رہا ہے' بھول جاؤ۔ نماز کی پابندی رکھو اور خوب دُعائیں کیا کرو۔ بس یہی حل ہے۔

□ عزیز سندھو۔ سرگودھا

○ محترم بابا جی! میری پریشانی کی وجہ بیس' بائیس سال سے ایک ذاتی جائیداد کا مقدمہ ہے۔ مقدمہ عدالت میں زیرِ سماعت ہے۔ مخالف بڑے طاقتور ہیں۔ میں اکیلا ان کے ساتھ مقابلہ کر رہا ہوں۔ میری ایک نہیں چلنے دیتے۔ کثیر دولت خرچ کر چکا ہوں۔ کوئی مددگار نہیں سوائے اللہ کے۔ سنا ہے آپ پریشان حال لوگوں کے مسئلے حل کرتے ہیں۔ ممکن ہے' آپ کی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

قارئین کے نام کھلا خط

محترم قارئین!

"مسئلہ یہ ہے" کا سلسلہ میں نے خلقِ خدا کی بھلائی اور روحانی معاملات میں ان کی رہنمائی کے جذبے کے تحت شروع کیا تھا۔ سچی کہانیاں کے اوّلین شمارے سے یہ سلسلہ شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نا صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی روحانی طاقت نے حیران کردینے والے معجزے بھی دیکھے۔

ساتھیو! عمر کی جس سیڑھی پر میں ہوں خدائے بزرگ و برتر سے ہر پل یہی دعا کرتا ہوں کہ اُس کے حضور پیش ہونے سے پیشتر کچھ ایسا کر جاؤں کہ میرے دُکھی بچے، بچیاں میرے بعد کسی بھی ذریعۂ روزگار کو بروئے کار لاتے ہوئے عزت کے ساتھ رزقِ حلال کما سکیں۔

اتنے برس بیت گئے۔ آپ سے کچھ سوال نہ کیا۔ وہ کون سی پیشکش تھی جو نہ ٹھکرائی۔ کیسے کیسے دولت کے انبار ایک طرف کردیے۔ مگر اب...... وقت چونکہ ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتا جارہا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسا ٹرسٹ، اپنی موجودگی میں قائم کرجاؤں جس سے نیکی اور بھلائی کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہے۔

مجھے آپ کا تعاون درکار ہے۔

دکھی انسانیت کی فلاح کے لیے...... آیئے اور اپنے باباجی کا ساتھ دیجیے...... ٹرسٹ میں اپنے عطیات جمع کرائیے۔

مجھے امید ہے۔ اپنے دکھی بھائی بہنوں کا درد محسوس کرتے ہوئے آپ کا اگلا قدم...... ٹرسٹ میں اپنے تعاون کے لیے ہی اٹھے گا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

وساطت سے میرا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔

☆ بیٹے عزیز! پریشان حال لوگوں کے مسائل حل کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں، میری کیا حیثیت ہے؟ میں تو لوگوں کو مناسب دُعا تجویز کرتا ہوں اور دُعا کرنے کا طریقہ بتاتا ہوں۔ حاجت مند اپنے مالکِ حقیقی سے رجوع کرتے ہیں۔ ربُّ العالمین اپنے حبیب کے صدقے میں دُعاؤں کو قبول کرتا ہے اور اُن کے نتائج کو ظاہر کرتا ہے۔ ربّ کریم اپنے بندوں پر بے حد مہربان اور اُن سے ہر قرب سے بڑھ کر قریب ہے۔ تمہارے مسائل واقعی پریشان کن ہیں لیکن ان حالات میں اگر تم صبر اور نماز کے ذریعے اللہ سے رابطے میں رہو تو مسائل کے یہ پہاڑ ایک ذرے سے بھی زیادہ حقیر ہو جائیں گے۔ ایک عمل بتا رہا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ اس عمل کو اسی صورت میں کرو جب تمہیں یقین ہو، تم حق پہ ہو۔ ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھو اور ربُّ العالمین سے مقدمے میں کامیابی کے لیے دُعا کرو۔ نمازِ فجر کے بعد دو رکعت نمازِ حاجت پڑھو، نمازِ فجر کی طرح۔ دونوں رکعات میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھو۔ نماز ختم کرکے ایک سو دس مرتبہ کہو۔ حَسبُنَا اللّٰہُ نعم الوکیل اُس کے بعد اپنے مسئلے کے لیے دُعا کرو اور نبی کریمؐ کی ذات کو وسیلہ بناؤ۔ اس کے بعد بغیر کسی سے بات کیے گیارہ بار دُرود شریف پڑھو۔ اس کے بعد آیت الکرسی اس طرح پڑھو کہ جب یَعلمہ مَابَینَ پر پہنچو تو یعلمہ کہہ کر رک جاؤ اور اپنے دشمن کی شکست کا قصد کرو۔ اس کے بعد مَابَینَ سے آگے خَالِدُونَ تک پوری آیت الکرسی پڑھو۔ انشاءاللہ، کامیابی نصیب ہوگی۔

□ انیلا۔ سکھر

○ باباجی! السلام علیکم! میں ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ آج کل تو دولت مند گھروں کی لڑکیوں کو رشتے نہیں ملتے، میرا کیا مستقبل ہے؟ میری عمر ۳۶ سال ہوگئی ہے۔ میں ایک بدنصیب لڑکی ہوں۔ رشتے تو بہت آتے ہیں، کچھ کو گھر والے اہمیت نہیں دیتے اور کچھ پلٹ کر نہیں آتے۔ ہم تین بہنیں گھر کو چلانے کے لیے ملازمت کرتی ہیں۔ والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ والدہ حیات ہیں لیکن انہیں کوئی لڑکا پسند ہی نہیں آتا۔ کیا ہم زندگی بھر یونہی ملازمت کرتی رہیں گی؟ اگر خودکشی جائز ہوتی تو شاید ہم کر گزرتے کیوں کہ والدہ ہمارے غم میں شوگر کی مریض ہوگئی ہیں۔

☆ بیٹی انیلا! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ جو ربُّ العالمین تمہیں عدم سے وجود میں لایا ہے اور جس نے ماضی میں تمہارے اوپر کرم کیا ہے، وہ مستقبل میں بھی تمہیں ایک خوش گوار اور محفوظ زندگی عطا کرے گا۔ بس اس کا ذکر کرتی رہو اور صبر اور نماز کے ذریعے اس سے مسلسل رابطے میں رہو۔ دُعا، تقدیر کے ہر بند دروازے کی کنجی ہے اور یہ کنجی ربُّ العالمین نے تمہیں عطا کر رکھی ہے اس طرح کہ اس نے دُعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ جس ذات نے دُعا ایسی نعمت عطا کی ہے، وہ تمہاری دُعاؤں کو ضرور قبول کرے گا۔ نبی کریمؐ کے وسیلے سے زمین و آسمان کے خزانے بھی اللہ سے طلب کیے جائیں تو مل جاتے ہیں۔ ایک بہت سریع الاثر عمل تجویز کر رہا ہوں۔ انشاءاللہ، بہت جلد رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور اچھے رشتے اور خیر و برکت نصیب ہوگی۔ جمعے کے دن ایک گلاس پانی پر ایک مرتبہ سورۃ طٰہٰ (پارہ۱۶) کی تلاوت کرو۔ ستر مرتبہ دُرود پڑھ کر پھونکو۔ اس پانی کو پاک صاف بالٹی کے پانی میں ملا دو۔ پہلے عام غسل کرو۔ جسم کو پاک کرو پھر کسی ٹب یا بڑے برتن میں بیٹھ کر پڑھے ہوئے پانی سے غسل کرو۔ اس احتیاط کے ساتھ کہ پانی گندی جگہ پر نہ گرے۔ سارا پانی ٹب میں رہے۔ نہانے کے بعد ٹب کے پانی کو کیاری یا چھت پر ڈال دو۔ اگر کچی زمین موجود ہو تو ٹب کی ضرورت نہیں ہے۔ مناسب سمجھو تو چالیس روز کے بعد مجھے نتائج سے مطلع کرو۔

□ نازش۔ خیر پور

○ میں اپنے ماموں زاد کو پسند کرتی ہوں، وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے لیکن خاندانی رکاوٹیں حائل ہیں۔ بھائی کے دوست کی فیملی بھی اچھی ہے، وہ لوگ بھی مجھے پسند کرتے ہیں لیکن بات آگے نہیں بڑھتی۔ وہ میرے چچا کے بیٹے کا دوست ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ میرا رشتہ مانگیں۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ایسا وظیفہ بتائیں کہ اس کے گھر والے ہمارے گھر رشتہ لے کر

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

آئیں۔لڑکے کے سب گھر والے راضی ہیں لیکن اس کا بڑا بھائی جو پورے گھر کو سپورٹ کرتا ہے' راضی نہیں۔ ہماری بھابی ہماری شادی نہیں ہونے دیتی۔ہم تین بہنیں ہیں' بھابی ہمیں دبا کر رکھنا چاہتی ہے۔لڑکے نے شادی کی ہامی تو بھرلی ہے لیکن وہ اپنے گاؤں جارہا ہے' وہاں اس کی بچپن کی منگیتر رہتی ہے۔ایسا وظیفہ بتائیں کہ وہ وہاں انکار کردے۔میں بہت دکھی لڑکی ہوں' میری مدد کیجیے۔

☆بیٹی نازش!اللہ مسبب الاسباب ہے۔اللہ سے اپنے مقاصد کے لیے دُعا کرو۔توجہ اور خلوصِ نیت سے مانگی گئی دُعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔شرط یہ ہے کہ دُعا نیک مقصد کے لیے مانگی جائے اور دُعا مانگنے والا ظالم نہ ہو' ظالم ہر وہ شخص ہے جو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے برعکس عمل سرانجام دے۔یوں تو ہم سب گناہ گار ہیں لیکن کوشش کریں کہ گناہوں سے بچتے رہیں مثلاً جھوٹ' حسد' غیبت' خودنمائی' دوسروں کو حقیر سمجھنا' والدین کی آواز پر آواز بلند کرنا' پڑوسیوں کو اہمیت نہ دینا' نماز کو غیر اہم سمجھنا۔بہرحال تم اس معاملے میں یہ نہ بھولو کہ اس کی منگیتر کی منگنی ختم کروانے کی صورت اپنے جیسی ایک لڑکی سے کیا ظلم کرنا چاہ رہی ہو۔اللہ تمہیں سیدھا راستہ دکھائے۔

□ فرحانہ۔کراچی

☆بیٹی فرحانہ !تمہارا خط پڑھ کر نہایت دکھ ہوا۔بیٹی !صبر سے کام لو۔خدا تمہیں اس کا صلہ دے گا۔بیٹی !نہایت مجرب عمل بتا رہا ہوں۔نماز کی پابندی کے ساتھ اسے ضرور کرنا۔کامیابی عطا ہوگی۔خیال رہے کہ دورانِ عمل کسی قسم کی بحث وتکرار سے پرہیز لازمی ہے۔تمہیں صرف خاموشی اختیار کرنی ہے۔روزانہ نمازِ فجر کے بعد دوسو بار یَا رَءُوفُ پڑھ کر کسی میٹھی چیز پر دَم کرو اور یہ شیرینی دن میں کسی وقت بھی شوہر کو کھلا دو۔یہ عمل اس وقت تک کرو جب تک تمہارا شوہر پاکستان میں ہے۔الحمد شریف اور چاروں قل بھی پڑھ کر ضرور دَم کیا کرو۔مجھ سے رابطے میں رہو۔مناسب ہوگا کہ مجھ سے پہلے تعویذ منگوالو۔اللہ حامی وناصر ہو۔

□ ناہید۔گوادر

☆بیٹی ناہید!خوش اور آباد رہو۔اولادِ نرینہ کے لیے تعویذ منگوالو۔انشاءاللہ' کرم ہوگا۔رزق میں کشادگی کے لیے ۲۷ دن تک ہر نماز کے بعد ۲۷ دفعہ یَا بَاسِطُ پڑھو اور دُعا کرو۔خوداعتمادی اپنے اوپر بھروسا کرنے کا نام ہے۔تم اپنی ذات میں ایک مکمل لڑکی ہو لہٰذا ہر دم خدا کا شکر ادا کیا کرو اور خوش رہا کرو۔لوگوں سے ملاجلا کرو۔بات چیت کیا کرو۔تنہا الگ تھلگ رہوگی تو رفتہ رفتہ بات چیت کرنا بھی مشکل ہوجائے گی۔دن میں کسی وقت بھی آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر ۲۱ بار سورۃ فاتحہ پڑھو اور اپنے اوپر دَم کرو۔وظیفے کی مدت نہیں ہے۔جب تک چاہو' کرسکتی ہو۔

□ سلمان احمد۔مردان

☆بیٹے سلمان!اللہ تمہیں خوش رکھے۔بیٹے!محبت ایک جذبہ ہے' یہ کوئی چیز نہیں جو حاصل کرلی جائے پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ جس شخص سے محبت کی جائے' اسے حاصل بھی کرلیا جائے۔جس سے بھی محبت کی جاتی ہے' اس کی عزت کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔اس جذبے میں زور زبردستی نہیں چلتی۔تم اپنے آپ کو اس قابل بناؤ کہ وہ لڑکی تمہیں پسند کرے پر جائز طریقے سے پیام بھجواؤ۔لڑکی کو مذہب نے بھی اختیار دیا ہے کہ وہ اقرار کرے یا انکار۔میں تمہیں بالکل اپنی اولاد جان کر نصیحت کررہا ہوں' اپنی توجہ اپنے کام اور پھر عبادت میں رکھو' کامیاب رہوگے۔

□ سحرش۔UK

☆تمہارا خط پڑھ کر بے انتہا دکھ ہوا مگر ان حالات میں کچھ ذمے دار تم بھی ہو۔بیٹی!اپنے شوہر کو تم خود اپنے ہاتھوں کھورہی ہو۔انسان کو خدا نے بہت مضبوط بنایا ہے' چٹانوں جیسا عزم رکھنے والا انسان کمزور ہو ہی نہیں سکتا۔تم صرف یہ تہیہ کرلو کہ تمہیں اٹھ کر کھڑا ہونا ہے' دکھ درد زندگی کا حصہ ہیں' ان سے فرار ممکن نہیں۔ہاں' ان سے لڑا جاسکتا ہے۔جب گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے تو سب سے پہلے شوہر گھر سے دور ہوتا ہے پھر اولاد۔تم مکمل نقصان میں آجاؤ گی۔بیٹی!نماز کی پابندی رکھو اور نماز کے بعد الحمد شریف اور چاروں قل پڑھ کر گھر کے تمام افراد پر دَم کرو۔اب بھی حالات تمہارے قابو میں ہیں'

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

مزید دیر نقصان دہ ہوگی۔ مجھ سے رابطے میں رہو' اپنا آپ سنبھالو اپنا گھر سنبھالو۔ یہ سب صرف تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم سے کتنے لوگ واسطے میں ہیں' انہیں دکھ مت دو۔ خوش رہو اور خوش رہنے دو۔ ایک دفعہ سوچ لو کہ سب ٹھیک ہے' تمہیں سب ٹھیک نظر آئے گا۔ اپنے بھائی کے بارے میں مجھے تفصیل سے لکھو' جو بھی ممکن ہوا' میں اس سلسلے میں کروں گا۔ اللہ تمہیں خوش اور آباد رکھے۔

□ صغیر۔ کوئٹہ

☆ بیٹے صغیر! سب سے پہلے تو نماز کی پابندی رکھو اور دُرود شریف بہت پڑھو۔ نمازِ فجر اور نمازِ عشاء کے بعد ایک ایک ہزار بار پڑھو اللّٰہُ الصمد اور حاجت بیان کرو۔ یہ عمل لگاتار ۴۱ دن کرنا ہے۔ ایک دن بھی اگر نماز قضا ہوئی تو پھر نئے سرے سے وظیفہ شروع ہوگا۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔

□ شہزادی۔ کوٹری

☆ بیٹی شہزادی! تمہارا خط طوالت کے باعث شائع نہیں کیا جا رہا ہے۔ نماز کی پابندی از حد ضروری ہے۔ نمازِ فجر اور عصر کے بعد ۷۰۰ بار پڑھو لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ اور حاجات ایک ایک کرکے بیان کرو۔ مدت اکیس دن ہے۔ اللہ پر بھروسا رکھو' وہ ضرور کرم کرے گا۔

□ عابدہ۔ لاہور

☆ بیٹی عابدہ! دونوں حاجات کے لیے ۴۱ دن تک نمازِ فجر کے بعد ۴۱ بار الحمد شریف پڑھو اور حاجات بیان کرو۔ نمازِ عصر سے پہلے اپنے ہاتھوں سے چڑیوں کو باجرہ ضرور ڈالا کرو۔ اللہ سے بہتری کی دُعا کرو۔ کرم ہوگا۔

□ سائرہ۔ وہاڑی

☆ بیٹی سائرہ! جو لوگ دوسروں کو دکھ دیتے ہیں' جائز حق داروں کا حق نہیں دیتے' یتیموں کا مال کھاتے ہیں' ایسے تمام لوگ زمین پر عبرت کا نمونہ بنتے ہیں۔ اللہ انہیں ڈھیل ضرور دیتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو بہت سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ تم صرف اللہ سے مدد مانگو۔ تمہارا شوہر محنت کرتا ہے' بہت اچھی بات ہے۔ جو لوگ بہت محنت کرتے ہیں' ان کو صلہ بھی بہترین ملتا ہے۔ بچے چھوٹے ہیں اس لیے سہل وظیفہ دے رہا ہوں۔ نمازِ عصر اور عشاء کے بعد ۷۰۰ بار یَا بَاسِطُ پڑھو اور دُعا کرو۔ مدت ۴۱ دن ہے پھر وظیفہ ترک کیے بنا مجھے مطلع کرو۔

□ شگفتہ۔ کینیڈا

o محترم باباجی! اللہ آپ کو صحت عطا فرمائے۔ مشکل وقت میں ہمیشہ آپ سے رابطہ کیا اور آپ نے میری رہنمائی فرمائی۔ باباجی! اب میں پھر بہت مشکل میں گرفتار ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا ہو رہا ہے؟ میرے شوہر بہت اکھڑے اکھڑے رہتے ہیں۔ میری طبیعت بھی بہت خراب رہتی ہے۔ باباجی! جب سے ہم اپنا ملک چھوڑ کر یہاں آئے ہیں' صرف مسائل ہی مسائل ہیں۔ مجھے کچھ ایسا حل بتایئے کہ سارے مسائل حل ہوجائیں۔ میں آپ کی ممنون رہوں گی۔

☆ بیٹی شگفتہ! ایک بات یاد رکھو کہ جب صدقہ و خیرات روک لیا جاتا ہے تو پھر بہت سی مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں۔ اللہ کی راہ میں دینے سے رزق میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو کچھ رقم خیرات کرو۔ نماز کی پابندی کرو اور ہر نماز کے بعد ایک تسبیح یَا اَرحَمُ الرَّاحمین کی پڑھو اور حاجات ایک ایک کرکے بیان کرو۔ مدت ۲۱ دن ہے۔

□ عروشے۔ مقام نامعلوم

o محترم باباجی! السلام علیکم! اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ آپ کی خدمت میں یہ میرا پہلا خط ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک لڑکے کو پسند کرتی ہوں مگر میرے ابو اس رشتے کے لیے راضی نہیں ہیں۔ مجھے ایسا وظیفہ دیں کہ میرے ابو اور سب گھر والے اس رشتے کے لیے راضی ہوجائیں۔ باباجی! میں بہت پریشان رہتی ہوں۔ میری عمر بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ مہربانی کرکے میرے لیے دُعا کریں کہ میرا رشتہ جلدی طے ہوجائے اور کوئی بھی مشکل وغیرہ پیش نہ آئے۔ باباجی! آپ مجھے استخارہ کرکے بتائیں کہ یہ رشتہ میرے لیے بہتر ہے کہ نہیں؟ باباجی! آپ مجھے مہربانی کرکے اس ماہ جواب دیں۔ میں آپ کی بہت شکرگزار رہوں گی۔

☆ بیٹی عروشے! اللہ تمہیں خوش رکھے۔ بیٹی! میں تمہیں نصیحت کروں گا کہ والدین کی رضامندی سے شادی کرو' خوش رہوگی۔ ماہ محرم شروع ہوچکا ہے، خوب

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دُعائیں کرو اور اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرو۔ نمازِ فجر کے بعد ایک بار سورۃ طٰہٰ ضرور پڑھو۔ مدت ایک ماہ ہے۔

□ فائزہ۔ٹیکسلا

☆ بیٹی فائزہ! غصے پر قابو نہ رکھنے والے دراصل شیطان کے غلام ہوتے ہیں۔ تمہیں اپنی اس کی پر خود قابو پانا ہوگا اور بیٹی......! شادی ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتی۔ اگر تمہارا یہی انداز رہا تو شادی کا برقرار رہنا ممکن نہ ہوگا۔ اپنے اندر صبر و تحمل پیدا کرو اور وہ ایسے ہوگا کہ نماز کی پابندی رکھو۔ ہر وقت باوضو رہو اور بعد نمازِ عصر قرآن ترجمے کے ساتھ پڑھو۔ مجھے ایک ماہ بعد اپنے حالات سے آگاہ کرو۔

□ ادینہ۔کراچی

☆ بیٹی ادینہ! اللہ تمہیں خوش رکھے۔ مجھے تمہارے حالات جان کر بہت دکھ ہوا تھا اور بعض اوقات دکھ اتنا شدید ہوتا ہے کہ انسان کے پاس الفاظ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ بہرحال بیٹی! اللہ پر بھروسہ رکھو۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرود شریف کو اپنی عادت میں شامل کرلو۔ نمازِ فجر کے بعد ایک بار سورۃ یٰسین ضرور پڑھو۔ انشاء اللہ معاملات بہتر ہوں گے۔

□ صوفیہ۔چمن

○ السلام علیکم! بابا جی! میرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا ایک ہی گھر ہے، جس میں ہم رہتے ہیں۔ میری والدہ بہت بیمار رہتی ہیں۔ سب اسی فکر میں ہیں کہ میری والدہ کی آنکھ بند ہوتے ہی گھر کو بیچ دیں۔ بابا جی! میں بہت پریشان ہوں میں کدھر جاؤں گی؟ بھائی ساتھ رکھنے پر خوش نہیں ہیں۔ مجھے کسی نے بتایا ہے میرے اوپر کالا علم کیا گیا ہے۔ آپ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ آپ استخارہ کرکے بتائیں کہ اللہ کی طرف سے ہی دیر ہے یا کسی نے کوئی بندش وغیرہ کروا رکھی ہے؟

☆ بیٹی صوفیہ! اللہ تمہاری مشکلات حل فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرود شریف بہت پڑھو۔ نمازِ ظہر اور عشاء کے بعد 33 بار سورۃ الفاتحہ پڑھو اول و آخر دُرود شریف پڑھو اور حاجت پوری ہونے کی دُعا کرو۔ مدت 2 ماہ ہے۔

☆☆......☆☆

علاج اور مکمل شفاء

میرے عزیزو!

اللہ تعالیٰ! سب کو اپنی امان میں رکھے۔

☆ اگر آپ اپنے حلق اور گلے کے مسائل اور دوسری جلدی بیماریوں سے پریشان ہیں؟

☆ اگر آپ بالوں کی بیماریوں، سکری اور بال خورے سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

☆ اگر آپ دانتوں کی گوناگوں تکالیف میں مبتلا ہیں۔

☆ اگر آپ موٹاپے جیسی موذی بیماری کا شکار ہیں۔

آپ سب کے لیے خوش خبری ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے ان تمام عوارض کا مکمل علاج اور دوائیں موجود ہیں۔ ان شاء اللہ شفا ہوگی۔ علاج معالجے اور دواؤں کی طلب کے لیے جوابی لفافے کے ساتھ اپنا مسئلہ تحریر کریں۔

II 88-C۔ فرسٹ فلور، خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہائیڈ پارک

ڈی خان

زندگی کے رنگوں سے آباد وہ گوشہ، جسے قارئین کے بھیجے گئے منتخب مراسلوں اور اقتباسات سے سجایا جاتا ہے۔

یہ اللہ والے

حضرت ابنِ عباسؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ساری رات ایک باغ سینچا اور اجرت میں تھوڑے سے جو حاصل کیے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کا ایک حصہ لے کر آٹا پیسا اور کھانا تیار کیا۔ عین کھانے کے وقت ایک مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا۔ ''میں بھوکا ہوں۔''

حضرت فاطمہؓ نے وہ سارا کھانا اسے دے دیا، پھر باقی اناج کا کچھ حصہ لے کر پیسا اور کھانا پکایا۔ ابھی کھانا پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک یتیم نے دروازے پر آ کر دستِ سوال دراز کیا۔ وہ سارا کھانا اسے دے دیا گیا۔ خاتونِ جنت نے پھر باقی اناج پیسا اور کھانا تیار کیا۔ اتنے میں ایک مشرک قیدی نے اللہ کی راہ میں کھانا مانگا' تیار شدہ کھانا اس کو دے دیا گیا۔ غرض سب اہلِ خانہ نے اس دن فاقہ کیا۔

تذکارِ صحابیاتؓ از طالب ہاشمی

مرسلہ۔ ممتاز اقبال اعوان۔ لاہور

انمول موتی

☆ تجھے اپنی زندگی کا سفر اکیلے ہی طے کرنا ہے کسی ہمراہ کی امید پر بھروسا نہ رکھ۔

☆ بہ نسبت مصیبت کے خوشحالی زیادہ سخت امتحان کا وقت ہے خصوصاً جبکہ دفعتاً خوشحالی ہوجائے اس صورت میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

☆ محبت گفتگو کی سمت ہے۔

☆ چھوٹے غم واویلا کرتے ہیں۔ بڑے غم خاموش ہوتے ہیں۔

☆ زندگی کے اسٹیج پر اپنی شہنائی بجائیں، دوسروں کی نہیں۔

☆ ہر بات کا روشن پہلو دیکھنا دانشمندی نہیں کیونکہ تصویر کے بھی دو رُخ ہوتے ہیں۔

☆ جاہل کے لیے سب سے اچھی بات خاموش ہے۔

☆ عقل کی کوئی حد ہو سکتی بے عقلی کی کوئی حد نہیں۔

مرسلہ: مسز نگہت غفار۔ کراچی

رازق

ایک مسافر تھکا ہارا رات کو کسی گاؤں کی مسجد میں پہنچا۔ امام صاحب موجود تھے۔ مسافر نے ان سے کھانا طلب کیا تو امام صاحب نے پوچھا۔ ''کیا تم نے نماز پڑھی؟''

مسافر بولا۔ ''بخدا' میری عمر اسی برس ہے' میرے خدا نے آج تک رزق دینے سے پہلے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے نماز پڑھی یا نہیں؟''

مرسلہ۔ ریحانہ علی' کوٹ ادو

پیمائش

نہ کبھی ہماری محبت کی آزمائش کر سکو گے
جان سے زیادہ کیا فرمائش کرسکو گے
چاہتے ہیں تم کو اتنا جتنا سمندر میں ہے پانی
کیا سمندر کے پانی کی پیمائش کرسکو گے

شاعرہ: فریدہ جاوید فری۔ لاہور

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

خیالات کی ندرت

دنیا میں ہر کام خیال کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ خیال ہی سے یہ ساری ایجادات اور ترقیاتی کام ہوئے ہیں۔ انسانی ذہن میں ایک سیکنڈ میں تین خیالات آتے ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ان پر توجہ دیں اور ضروری خیالات کو توجہ دے کر اپنے عمل میں شامل کریں۔ دنیا میں کامیاب لوگ وہی ہیں جو اپنے ہی خیالات پر توجہ دیتے ہیں اور ان سے Positive کام لیں۔ اسی طرح ضروری ہے کہ ہم اپنے 'خیالات کا انخلاء' بھی کریں۔ روزانہ رات کی گہری نیند میں ہم جب اپنے ذہن کو سکون دیتے ہیں تو خیالات کا انخلاء ہوتا ہے لیکن لوگوں کی نیند کچی ہو، پوری نہ ہوئی ہو اور پریشان خیالی ہو تو جاگتی حالت میں روزانہ 5 منٹ اپنے خیالات کو تنہا چھوڑ دیں۔ ریلیکس ہو کر بعد نماز درود شریف پڑھ کر اپنے اوپر پھونک لیں اور آنکھیں بند کر کے اپنے خیالات کو نہ روکیں جو کچھ آ رہا ہے آنے دیں پھر اپنے خیالات کو Positive انرجی دے کر اپنے آپ کو ریلیکس کریں اور کام کی نئی طاقت لے کر مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ آپ یقین کریں کہ اس طرح آپ کے بقایا کام بہت اچھی طرح ہوں گے۔ یوں صرف خیال کی ندرت کی وجہ سے آپ میں مثبت انرجی بڑھتی چلی جائے گی۔

حسنِ خیال: نزہت ناز۔ کراچی

معلوماتِ پاکستان

☆ پاکستان میں سب سے بڑی مسجد کراچی بحریہ ٹاؤن میں بنائی گئی ہے۔

☆ پاکستان کی تاریخی اہمیت کی حامل موٹروے کا افتتاح 26 نومبر 1997ء کو ہوا۔

☆ پاکستان میں تیار ہونے والے بلند ترین کیک کا وزن آٹھ ٹن تھا۔ جس کی تیاری میں 156 گھنٹے لگے۔

☆ پاکستان کے غوری میزائل کی رینج 2300 کلومیٹر تک ہے۔

☆ پاکستان کے جہلم پل کی لمبائی 5000 فٹ ہے۔

☆ پاکستان میں فوجک سرنگ 2043 میل لمبی ہے۔

☆ پاکستان کی سب سے بڑی لائبریری پنجاب یونیورسٹی کی ہے۔

مرسلہ: رانا حبیب الرحمٰن۔ سینٹرل جیل۔ لاہور۔

سانحۂ پشاور!!

شوق تھا تعلیم کا یہ مدرسے میں سو گئے
یہ زمینوں کے ستارے آسماں میں کھو گئے
یہ میرے ننھے فرشتے باغباں تھے باغ کے
خون کے قطروں سے دیواروں میں کلیاں بو گئے
اے شہیدو جان دے کر تم نے یہ احساں کیا
بکھری بکھری قوم تھی ہم لوگ یکجا ہو گئے
سرنگوں رہتے تھے جو قوم عالم میں کبھی
سر اٹھا کر زندگی گزارنے کے قابل ہو گئے۔

شاعر: شاہد رفیق سہو۔ کبیر والا

ماں کا دکھ

باپ کے انتقال کے بعد بیٹے نے ماں کو شہر کے اولڈ ہاؤس میں داخل کروا دیا اور سال میں صرف ایک بار خیریت دریافت کرنے چلا جاتا۔ ایک دن اولڈ ہاؤس سے فون آیا کہ تمہاری ماں کی طبیعت بہت خراب ہے۔ جب وہ وہاں پہنچا تو ماں عالم نزع میں تھی۔ بیٹے نے روتے ہوئے ماں سے پوچھا۔

''ماں! میں تیرے لیے کیا کر سکتا ہوں۔'' ماں بولی۔

''بیٹا! اس اولڈ ہاؤس میں پنکھے لگوا دو یہ اکثر خراب رہتے ہیں۔'' بیٹا حیران ہو کر بولا۔

''ماں تُو کافی عرصہ یہاں رہی۔ اب آخری وقت میں یہ فرمائش کیوں؟'' ماں بولی۔

''بیٹا میں نے تو جیسے تیسے وقت گزار لیا لیکن ڈرتی ہوں کہ کل جب تیرے بچے تجھے یہاں چھوڑ جائیں گے، تو، تُو اتنی گرمی کیسے برداشت کر پائے گا۔''

مرسلہ: سدرہ انور علی۔ جھنگ، صدر

موٹی

صبح ناشتے میں ایک پراٹھا، انڈے کے ساتھ اور سستی دور کرنے کو میں دو بڑے مگ چائے...... دوپہر

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

میں بس ایک روٹی سالن کے ساتھ...... شام کی چائے کے ساتھ کچھ پکوڑے ایک آدھ سموسہ بس...... رات کے کھانے میں ایک روٹی کچھ زیادہ سالن...... اور رات سونے سے پہلے نیم گرم دودھ ہاں ناتھکن کے بعد نیند کہاں آتی ہے...... اور اگر رات کو آنکھ کھلے تو دو مکھن سلائس تاکہ پیٹ بھرا رہے۔ برے خواب نہ آئیں۔ پھر بھی آج تک میں یہ نہ سمجھ پائی سب مجھے 'موٹی' کیوں کہتے ہیں...... کھاتی کہاں ہوں میں۔

زورِ قلم: عظمیٰ شکور۔ اسلام آباد

مونالیزا

دنیا کی سب سے مشہور اور سب سے سادہ تصویر ایک عورت کی ہے جو نہ کوئی ملکہ تھی نہ شہزادی نہ کسی صدر یا کسی وزیراعظم کی ماں، بہن، بیٹی، بیوی۔ نہ کوئی دولت مند عورت تھی، بس وہ ایک معمولی سی دیہاتن تھی۔ اس تصویر کا تخلیق کار عظیم اطالوی مصور لیونارڈو داونچی تھا اور اس عورت کا نام تھا مونالیزا...... یہ تصویر کئی بار چرائی گئی اور کئی بار اس کی نقل بھی ہوئی۔ آج لیونارڈو داونچی کے ہاتھ کی بنائی یہ تصویر لوور میوزیم کے برآمدے میں ایک دیوار پر آویزاں ہے۔ مونالیزا کی مسکراہٹ یورپ بھر کو مسخر کرتی ہوئی ہمارے ایشیائی کلچر میں بھی در آئی ہے۔ اس مرقع میں سب سے اہم نکتہ مونالیزا کی دبی دبی معصومانہ، مادرانہ، خواہرانہ اور محبوبانہ مسکراہٹ ہے۔ یہ مسکراہٹ شیکسپیئر کے کرداروں یا غالب کے بہت سے اشعار کی طرح ہے جن کے ہزاروں مفہوم ہیں جن میں ہزاروں عالم چھپے ہیں۔

جمیل الدین عالی کی تصنیف ''دنیا مرے آگے'' سے انتخاب

حسنِ انتخاب۔ شاعر عتیق کراچی۔

غزل

جانے والا تو جا چکا ہے کب سے
اب تو اسے نہ بلاؤ اے دل!
ابھی تو سکوں سے بیٹھے ہیں ذرا
اب تو ہمیں نہ ستاؤ اے دل
روتے ہوئے زمانے بیت گئے ہیں
اب تو کھل کے مسکراؤ اے دل

وہ تو تمہیں بھول چکا ہے کب سے
تم بھی اُسے بھول جاؤ اے دل
ہماری جاں لبوں تک آ گئی قمر
اب تو ہمیں نہ آزماؤ اے دل
جب وہ ہی نہیں دھڑکن میں تمہاری
اب تو دھڑکنا بھول جاؤ اے دل

شاعرہ: شمسہ قمر۔ کراچی

زندگی کا سفر

زندگی کا سفر تو ہر انسان طے کرتا ہے اور اسے کرنا ہی ہوتا ہے لیکن بعض کے لیے اس سفر میں مشکلات پیش آتی ہیں، کچھ لوگ راستے میں بھٹک جاتے ہیں اور کچھ خوش قسمت آسانی سے یہ سفر طے کر کے کامیابی و کامرانی کی منزل تک پہنچ جاتے ہیں۔ دراصل زندگی بسر کرنا بھی ایک فن ہے جو ہر ایک کو نہیں آتا، یوں زندہ رہنے کو تو سب ہی لوگ زندہ رہتے ہیں لیکن زندگی برتنے کا سلیقہ اور قرینہ سب کو نہیں آتا۔ یہ بات جاننے اور سمجھنے کے لیے اُن اہلِ قلم کی تحریریں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے تجربات و مشاہدات رقم کیے ہیں خاص طور پر جنہوں نے اپنی سرگزشت حیات یا سوانح عمری تحریر کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ زندگی کے سفر میں آنے والی مشکلات اور بے کار باتوں پر انہوں نے کیسے قابو پایا اور پھر زندگی کو کس طرح کامیابی سے بسر کیا۔ ہر شخص کے مشاہدات و تجربات مختلف ہوتے ہیں کیونکہ وہ مختلف ماحول اور حالات سے دوچار ہوتے ہیں اس لیے ہر سوانح عمری میں قارئین کے لیے پڑھنے اور سیکھنے کو بہت کچھ ہوتا ہے۔

سینئر مسز تنویر خالد کی کتاب ''زندگی کا سفر'' سے ماخوذ۔

مرسلہ۔ ایم افضل آزاد۔ ساہیوال

غزل

پُرنم آنکھیں بکھرے بال
کہہ رہے ہیں سب احوال
سنگ سنگ چلتے جائیں
میرا سفر، تیرا خیال

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

سلجھے سلجھے تیرے خواب
اُلجھے اُلجھے میرے سوال
اپنا دل بے بس مہرہ
تیری شطرنج، تیری چال
تیرے غم میں کرچی کرچی
تیرا شاعر، تیرا افشال

شاعر: نزاہت افشال۔ مہورہ، فتح جنگ

ٹائی ٹینک

ٹائی ٹینک کی غرق آبی شاید اب تک کا سب سے مشہور حادثہ ہے، تاہم اب تک ہونے والے حادثات میں مالی اعتبار سے اس کا نمبر دسواں ہے۔ 15 اپریل 1912ء کو اس وقت کا سب سے بڑا اور لگژری جہاز جس پر تقریباً 1,800 افراد اپنی منزل کی طرف گامزن تھے، وقت سے پہلے انجن کی طاقت بڑھانے سے اس کی رفتار تو تیز ہوگئی لیکن اس طرح وہ رات کی تاریکی میں ایک برفانی تودے کے قریب پہنچ گیا جس کی اطلاع کپتان کو پہلے ہی دی جا چکی تھی، جسے کپتان نے نظرانداز کردیا تھا۔ نتیجتاً جب جہاز تودے کے بالکل قریب پہنچ گیا تو اس کی رفتار اتنی زیادہ تھی کہ تمام تر کوششوں کے باوجود نہ تو اسے روکا جاسکا، نہ ہی اس کا رخ موڑا جاسکا۔ اور آر ایم ایس ٹائی ٹینک برفانی تودے سے ٹکرا گیا۔ جس کی وجہ سے انجن روم اور بوائلر روم میں پانی بھر گیا۔ یوں یہ سمندر کے نیچے یخ بستہ پانی میں غرقِ آب ہوگیا اور اس میں سوار 1,500 افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ اس عظیم جہاز کی تیاری پر 1912ء میں 7 ملین ڈالرز کے اخراجات آئے تھے جو موجودہ دور کے 150 ملین ڈالرز کے برابر ہیں۔

تحقیق: عمران لاری
مرسلہ: شاہانہ خان۔ کراچی

درخواست

ٹین ڈبے اور ردی اخبار خریدنے والے نے ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور صاحب خانہ کے باہر آنے پر بولا۔

''میں آپ کا ہارمونیم خریدنے آیا ہوں' میں ردی چیزوں کے بھی اچھے پیسے دیتا ہوں۔''

''لیکن میں نے تو تمہیں نہیں بلایا؟ میرا تو ہارمونیم بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں؟'' صاحب خانہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ ''اور تم سے کس کم بخت نے کہا کہ میرا ہارمونیم ردی ہے؟ میں تو اسے صبح سے شام تک بجاتا ہوں؟''

''مجھے کیا معلوم صاحب' مجھے تو آپ کے پڑوسیوں نے چندہ جمع کرکے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں ہر قیمت پر آپ سے ہارمونیم خرید لوں۔'' ٹھیلے والا سر کھجا کر بولا۔

مرسلہ۔ عامر بشیر خان۔ کراچی

فیصلہ

مقدمے کی سماعت کے سارے عرصے میں جج صاحب اپنے ذہن پر زور دیتے رہے کہ انہوں نے ملزم کو پہلے کہاں دیکھا تھا؟ جب سماعت مکمل ہوگئی اور صرف فیصلہ سنانا باقی رہ گیا تو وہ اپنے تجسس پر قابو نہ پاسکے اور آخر ملزم سے پوچھ ہی بیٹھے کہ انہوں نے ملزم کو پہلے کہاں دیکھا تھا؟

ملزم نے کہا۔ ''جناب' میں آپ کی بیگم صاحبہ کو موسیقی کا سبق دیا کرتا تھا۔''

''چودہ سال قید بامشقت ......'' جج صاحب نے فوراً فیصلہ سنادیا۔

مرسلہ۔ محمد جواد انور' اسلام آباد

خدا سے

میں پذیرائی کے آداب سے واقف ہوں
مگر
اب کے برس میرے گھر
یا تو برسات آئے
یا مری تنہائی

شاعرہ۔ پروین شاکر
حسنِ انتخاب۔ یاسمین عمران' کوپرا۔

انمول موتی

☆ موت ایسا قرض ہے جو ہم سب کو ایک دن ادا کرنا ہے۔
☆ اگر منزل پانا چاہتے ہو تو کبھی مایوس نہ ہونا۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

☆ کسی غریب انسان کے بھدے اور پھٹے ہوئے لباس کو نہ دیکھو بلکہ اس کی شرافت اور انسانیت کو دیکھو۔
☆ آخرت کا کام آج کر لے۔ دنیا کا کل کر لینا۔
☆ خوش کلامی ایسا پھول ہے جو مرجھاتا نہیں۔
مرسلہ۔ شاہدہ سعید' گوجرانوالہ۔

دعوے دار

جان میجر جب وزیراعظم کے عہدے پر فائز تھے۔ (1990-97) تو لیڈی ڈیانا کے دوست دودی الفائد کے والد نے ان کے بھائی ٹیری میجر کو لندن میں واقع اپنے اسٹور کے گیٹ کیپر کی نوکری پیش کی تھی لیکن ملازمت کا ضرورت مند ہونے کے باوجود ٹیری میجر نے پیشکش اس لیے مسترد کر دی کہ ان کے بھائی جان میجر کہیں شرمندگی محسوس نہ کریں۔ ہمیں حیرانی اس بات پر ہے کہ ملک کے وزیراعظم ہونے کے باوجود جان میجر اپنے بھائی کو کوئی ملازمت فراہم نہ کر سکے۔ پاکستان جیسا کوئی ملک ہوتا تو بھائی تو ایک طرف' وزیراعظم کے گدھوں' گھوڑوں کو بھی بائیس گریڈ کی ملازمت مل جاتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے جھوٹے دعوے دار تو ہم ہیں لیکن اس کی حقیقی روح پر عمل کرنے والے مغربی ممالک ہیں۔
پروفیسر محمد سلیم کے آرٹیکل "سر راہے" سے انتخاب
مرسلہ۔ زبیدہ اکرم' کراچی۔

ثبات

درختوں میں ہوا جھوما کرے گی
پرندے گائیں گے باغوں کے رخ پر
یونہی رقصاں رواں پانی بہے گا
گرے گی ایسے ہی سبزے پہ شبنم
کھلے گی شام کو پربت میں سرخی
یونہی کھیلیں گے میدانوں میں لڑکے
ملیں گی چھپ کے ہیریں رانجھوں سے
سنیں گے لوریاں ماؤں سے بچے
مری ہستی کی مٹھی بھر یہ مٹی
کہیں ذروں میں ذرہ ہو رہے گی

شاعرہ۔ ترنم ریاض' دہلی۔
حسنِ انتخاب۔ رقیہ یوسف' ڈسکہ۔

مٹی کا دِیا

ابا جی مجھے مارتے تھے تو امی بچا لیتی تھیں۔ ایک دن میں نے سوچا کہ اگر امی پٹائی کریں گی تو ابا جی کیا کریں گے؟ یہ دیکھنے کے لیے میں نے امی کا کہنا نہ مانا۔ انہوں نے کہا۔ "بازار سے دہی لا دو۔" میں نہ لایا۔ انہوں نے سالن کم دیا۔ میں نے زیادہ پر اصرار کیا۔ انہوں نے کہا۔ "پیڑھی کے اوپر بیٹھ کر روٹی کھاؤ۔" میں زمین پر دری بچھا کر بیٹھ گیا۔ کپڑے میلے کر لیے۔ مجھے پوری توقع تھی کہ امی ضرور ماریں گی مگر انہوں نے مجھے سینے سے لگا کر کہا۔ "کیوں پتر! ماں صدقے 'تو بیمار تو نہیں؟" اس وقت میرے آنسو تھے کہ تھمتے ہی نہیں تھے۔
میرزا ادیب کی کتاب "مٹی کا دِیا" سے انتخاب
حسنِ انتخاب۔ کوثر اسلم' راولپنڈی۔

جھوٹا

"چوکیدار! رات کو میرے گھر میں چوری ہوئی' تمہیں کچھ پتا بھی نہیں؟ کیا تم نے رات کھٹ پٹ کی کوئی آواز سنی تھی؟"
مالک مکان نے چوکیدار سے استفسار کیا۔
"ہاں جناب' آواز تو سنی تھی پھر میں نے پوچھا تھا کہ کون ہے؟ اندر سے آواز آئی۔ "کوئی نہیں۔" جناب' وہ صرف چور ہی نہیں بلکہ جھوٹا بھی تھا۔" چوکیدار نے غصے سے بولتے ہوئے مالک مکان کو لا جواب کر دیا تھا۔
مرسلہ۔ زین ظہور' کراچی۔

غلط ہاتھ

شوہر اپنی قمیص کے بٹن ٹانک رہا تھا۔ بیوی نے دیکھ کر کہا۔ "سوئی غلط ہاتھ میں ہے۔"
شوہر نے کہا۔ "ہاں' اسے تمہارے ہاتھ میں ہونا چاہیے تھا۔"
مرسلہ۔ اُم حبیبہ۔ ملتان

ایک قطعہ

مرا سکوں' مرا صبر و قرار تم سے ہے
مری حیات' مرا اعتبار تم سے ہے
تم ہی کو دیکھ کے آنکھیں مری ہوئیں روشن
مرے حسین چمن کی بہار تم سے ہے
شاعرہ۔ نزہت عباسی
حسنِ انتخاب۔ نگہت منیر۔ اوکاڑہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More



قارئین

اپنی سخن فہمی کو آزمائیے، قارئین کے بھیجے گئے وہ اشعار جو یاد رہ جاتے ہیں اور اکثر ذہن میں گونجتے رہتے ہیں
نوٹ: قارئین سے گزارش ہے کہ اشعار بھیجتے وقت معیار کا خاص خیال رکھا جائے۔ ورنہ شعر مسترد کر دیا جائے گا۔

انعام یافتہ شعر پر قاری کو 3 ماہ تک سچی کہانیاں بطور انعام بھیجا جائے گا۔

سعدیہ عابد۔ نارتھ کراچی

کئی زمانے میں اپنی کڑی شکست کے بعد
خود اپنے ٹوٹے ہوئے بازوؤں میں قید رہا
وہ ایک چہرا جو آنکھوں میں آبسا تھا کبھی
تمام عمر میرے آنسوؤں میں قید رہا

نزاہت افشاں۔ مہورہ، فتح جنگ

مدتوں بعد اُس نے پوچھا اب کہاں رہتے ہو
میں نے بھی کہہ دیا کہ اپنی اوقات میں

ارم خان۔ ڈی جی خان

تو کردے اپنا سودا محبت سے اے دل مگر سن لے
میں تیری قیمت محبت سے وفا لوں گی

ملازم حسین۔ لیہ

تم جو کہو تو زندگی کی اگلی سانس لینا بھی بھول جاؤں
اک تجھ کو بھول جانا، مرے بس کی بات نہیں

ماہین فاطمہ۔ اوکاڑہ

کرلی نا تسلی تم نے دل توڑ کر میرا
کہا بھی تھا کچھ نہیں اس میں، تمہارے سوا

داؤد اشفاق۔ اوکاڑہ

تجھ سے ملنے کی تمنا لیے دل میں اب تک
میری حسرت، تیری فرصت کی طلب گار رہی

ملائکہ حریم۔ اوکاڑہ

عمر رواں، خزاں کی ہوا سے بھی تیز تھی
ہر لمحہ برگِ زرد کی صورت بکھر گیا

اشفاق شاہین۔ کراچی

یہ جو دل میں قیام کرتے ہیں
یقین مانو! یہی نیندیں حرام کرتے ہیں

مسز نگہت غفار۔ کراچی

کوئی تو پھول کھلائے دعا کے لہجے میں
عجب طرح کی گھٹن ہے ہوا کے لہجے میں
نہ جانے خلقِ خدا کون سے عذاب میں ہے
ہوائیں چیخ پڑیں التجا کے لہجے میں

سدرہ انور علی۔ جھنگ

موت تو نام سے بدنام ہے ورنہ
تکلیف تو زندگی بھی بہت دیا کرتی ہے

عظمیٰ شکور۔ اسلام آباد

دُعا کے ہاتھ پہ کوئی طلسم لکھ دینا
قبول ہو کے رہے، ایسا اسم لکھ دینا
لغت جو عشق کی ترتیب دو تو یوں کرنا
وفا کو روح، محبت کو جسم لکھ دینا

فرح انیس۔ کراچی

یہ محبت ہے جو پاگل سا بنا دیتی ہے
ورنہ ہر شخص سمجھدار ہوا کرتا ہے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

Click on http://www.Paksociety.com for More

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

Click on http://www.Paksociety.com for More

رئیسہ خالد۔اسلام آباد

بہت آرام کرنا چاہتی ہوں
یہی اک کام کرنا چاہتی ہوں
میں اپنی عمر کے سارے خزانے
تمہارے نام کرنا چاہتی ہوں

ثمرین راجپوت۔کھاریاں

قسمت نے تجھ کو چھین لیا مجھ سے اور پھر
ہے زندگی میں کس کی کمی، پوچھتی رہی

رضوانہ کوثر۔لاہور

عشق مانگے ہے مجھ سے اپنا خراج
اور دامن میں کچھ بچا بھی نہیں
عکس روٹھا ہوا ہے کیوں مجھ سے
آئینہ مجھ کو دیکھتا بھی نہیں

نزہت ناز۔کراچی

قیمت ہر ایک شے کی مقرر ہے شہر میں
افسوس، آدمی بھی برائے فروخت ہے

ایم افضل آزاد۔ساہیوال

چراغِ رہگزر سے دشمنی جن کا وتیرہ ہے
اجالے میں اندھیرے راستے تجویز کرتے ہیں

مور شاہد حسین۔قمبر

زمانے والوں سے چھپ کے رونے کے دن نہیں ہیں
اسے یہ کہنا، اداس ہونے کے دن نہیں ہیں

راشدہ اعجاز.........کراچی

ستاروں سا مقدر مانگتی ہوں
میں آئینے سے پتھر مانگتی ہوں
بچھڑنے کی اذیت سہہ چکی ہوں
کوئی غم اس سے بڑھ کر مانگتی ہوں

شازیہ ظہیر.........ساہیوال

ہاتھ کی اک لکیر بھی نہ گئی
میری تقدیر کے ستارے تک

عاشی شرافت.........گوجرانوالہ

یہ اور کچھ بھی نہیں، عشق کی کرامت ہے
تسلی ورنہ ترے نام سے نہیں ملتی
جو زندگی دلِ ناکام سے ملی ہے مجھے
تمام عمر کسی کام سے نہیں ملتی

اللہ رکھی.........سندھ

کوئی دوست ہے نہ رقیب ہے
تیرا شہر کتنا عجیب ہے
یہاں کس کا چہرہ پڑھا کروں؟
میرے کون اتنا قریب ہے؟

ثریا شاہد.........حیدرآباد

کیسے ممکن ہے، دل بھی جلے اور دھواں نہ ہو؟
چوٹ پڑتی ہے تو پتھر بھی صدا دیتے ہیں

نسرین یاسین.........حیدرآباد

بڑا گمان تھا موسم شناس ہونے کا
وہی بہانہ بنا ہے اداس ہونے کا
فضا مہکنے لگی، روشنی جھلکنے لگی
جو یہ نشاں ہے ترے آس پاس ہونے کا

☆☆......☆☆

کوپن برائے
تیر نیم کش
نومبر 2015ء

میرا یہ پسندیدہ شعر "سچی کہانیاں" کی نذر ہے

نام:
پتا:

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY